

اناطولیہ کا پس منظر

المعتمد والرشاد المجمع

myownurdubook

اناطولیہ کا پاسبان

اسلم راہی ایم۔ اے

مکتبہ القریش

سرکل روڈ، چوک اردو بازار، لاہور۔

فون: 37652546 - 042-37668958



آغازیہ

”اناطولیہ کا پاسان“ کی داستان قونیہ کے سلجوقی سلطان عزالدین کے گرد گھومتی ہے۔ یہ شیردل سلطان بیک وقت تین قوتوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔ ایک قسطنطنیہ کی یونانی حکومت، دوسرے یورپ کے رومن اور تیسرے جزیرہ قبرص کی وہ صلیبی قوتیں جو ہمیشہ مسلمانوں کے درپے رہیں۔

ان تینوں قوتوں کے خلاف اناطولیہ کے وسیع و عریض میدانوں میں سلطان نے نہ صرف مسلمانوں کے علاقوں کا دفاع کیا بلکہ دشمن کے وسیع علاقوں پر قبضہ بھی کیا۔ سلطان تقریباً ساری زندگی جہاد میں مصروف رہا۔ مرنے سے پہلے اس کی خواہش کے مطابق اس کی قبر پر لکھا گیا۔ ”اللہ گناہوں کا بخشنے والا ہے۔“

اسلم راہی ایم۔ اے

ہجری 603ء کا وقت تھا۔

وہ شاہراہ جو اناطولیہ کے شہر قونیہ سے ساحلی شہر اور بندرگاہ اٹالیہ کی طرف جاتی تھی، اس شاہراہ کے دائیں جانب ایک بلند و بالا کوہستانی سلسلہ کے اندر ان گنت لوگ پتھروں کی مشقت میں مصروف تھے۔ کچھ کوہستانی سلسلہ کے اوپر سے بڑے بڑے پتھر نیچے لڑھکا رہے تھے اور کچھ کوہستانی سلسلہ کے دامن میں کھڑے چار گھوڑوں سے کھینچے جانے والے چھکڑوں کے اندر وہ پتھر لاد رہے تھے۔ مشقت کرنے والے ان لوگوں میں سے کچھ آزادی سے کام کر رہے تھے اور کچھ لوگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے زیادہ تر چھکڑوں کے اندر بڑے بڑے پتھر لاد رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد جب کوہستانی سلسلہ کے اوپر سے لڑھکنے والے پتھر چھکڑوں میں لاد دیئے گئے اور چھکڑے روانہ ہو گئے تب زنجیروں میں جکڑے پتھر لادنے والے سستانے کے لئے چٹانوں پر بیٹھ گئے۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے سب مسلمان تھے جب کہ آزادی سے کام کرنے والے سب نصرانی تھے۔

زنجیروں میں جکڑے جانے والوں میں سے ایک خوب دراز قد اور کڑے جسم کا نوجوان جب سستانے کے لئے ایک چٹان پر بیٹھ گیا تب زنجیروں میں جکڑا ہوا ایک اور نوجوان جو عمر میں اس کے برابر ہی ہوگا، اس کے قریب ہی اسی چٹان پر آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر بعد میں آنے والا وہاں پہلے سے بیٹھے کڑے اور دراز قد والے نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے بھائی! ہم ایک عرصے سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ یوں جانو ہمیں یہاں

کام کرتے ہوئے کئی ماہ ہو گئے ہیں۔ اور ہم صرف ابھی تک ایک دوسرے کے ناموں ہی سے واقف ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا نام سیف الدین ابوبکر ہے اور تم یہ جانتے ہو کہ میرا نام مبارز الدین چاولی ہے۔ میرے باپ کو چونکہ چاولی کہتے تھے، اس لئے میرے نام کے ساتھ یہ لفظ لگ گیا۔ اور تمہارے باپ کا نام چونکہ ابوبکر تھا لہذا تم سیف الدین ابوبکر ہو گئے۔ اس سے آگے ہم ایک دوسرے سے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

جس جوان نے یہ گفتگو کی تھی اور جس نے اپنا نام مبارز الدین بتایا تھا، جب وہ خاموش ہوا تب دوسرا جو کڑیل جوان تھا، قد میں بھی خوب تھا اور جس کا نام سیف الدین ابوبکر بتایا گیا تھا، وہ اُداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، پھر سیف الدین ابوبکر بولا اور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”میرے عزیز! تمہارا کہنا درست ہے۔ میں تمہیں اپنی داستان سناتا ہوں۔ اس کے بعد تم اپنے حالات کہنا۔“

مبارز الدین نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جب اس کی ہاں میں ہاں ملائی تب سیف الدین ابوبکر بولا اور کہنے لگا۔

”مبارز الدین! میرے بھائی سنو! میں ابھی چھوٹا ہی تھا کہ میری ماں فوت ہو گئی۔ میرے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ ہم لوگ قونیہ کی نواحی بستی لادیق میں رہتے تھے۔ میری سوتیلی ماں مجھ پر بڑا ظلم و ستم ڈھاتی تھی۔ میرا باپ ریوز چرایا کرتا تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو میں ریوز چرانے لگا۔ میں اپنے ریوز کی خوب حفاظت کرتا تھا۔ کبھی کبھی کوہستانی سلسلہ کے اندر جب ریوز پر کوئی بھیڑیا حملہ آور ہوتا تھا تو میں اپنی تلوار یا اپنے کلہاڑے سے اسے مار بھگاتا تھا۔ اس طرح اناطولیہ کے میدانوں میں میرا نام گلہ بان مشہور ہو گیا۔ گلہ بانی کرنے کے دوران ہی میں نے تیغ زنی میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کتب میں تعلیم پاتے ہوئے قرآن حفظ کر لیا تھا اور میں قاری بھی ہو گیا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ میری سوتیلی ماں کے مظالم مجھ پر زیادہ ہو گئے۔ میرا باپ اس کے سامنے بول نہیں سکتا تھا اس لئے کہ وہ ضعیف اور لاغر ہو چکا تھا۔ دوسرے میری سوتیلی ماں کے چھ سات بھائی تھے اور سب کے سب اوباش و بد معاش تھے۔

آخر ان لوگوں سے تنگ آ کر میرے باپ نے اپنی بستی لادیق کو خیر باد کہا اور جو شاہراہ

قونیہ سے نکل کر اٹالیہ کی طرف جاتی ہے، ادھر سفر کیا۔ وہ چاہتا تھا کسی محفوظ جگہ دونوں باپ بیٹا بیٹھ جائیں اور خوش گوار ماحول میں زندگی بسر کریں۔ لیکن راستے میں کچھ نصرانی بٹ مار ہم دونوں باپ بیٹے پر حملہ آور ہوئے۔ میرے باپ کو انہوں نے قتل کر دیا اور مجھے پکڑ کر یہاں ایک اچھی خاصی رقم کے عوض فروخت کر دیا۔ اور اب تم دیکھتے ہو کہ غلام کی حیثیت سے میں یہاں پتھروں کی مشقت کا کام کرتا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر رکا، پھر مبارز الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مجھ پر جو کچھ بتی، بتا چکا۔ اب تم بتاؤ، تمہارے کیا حالات ہیں؟“

اس پر دکھ بھرے انداز میں مبارز الدین بولا اور کہنے لگا۔

”میری بستی کبھی یہاں سے جنوب کی طرف ہوا کرتی تھی اور وہ بستی اٹالیہ کے نصرانی حکمران کی حدود میں تھی۔ تم دیکھتے ہو، ان دنوں اٹالیہ کے نصرانی حکمران کا محل تعمیر ہو رہا ہے۔ یہ پھر اسی کے محل کے لئے اٹالیہ کی طرف جاتے ہیں اور وہاں ان گنت سنگ تراش بیٹھے ہوئے ہیں جو ان پتھروں کو تراش رہے ہیں تاکہ ان سے اٹالیہ کے نصرانی حاکم کے لئے ایک عمدہ اور بے مثال قصر تعمیر کیا جاسکے۔

اٹالیہ کے حاکم بارگن کے کچھ ہرکارے ہماری بستی کی طرف آئے اور چاہا کہ لوگوں کو ہائیں کہ وہ بارگن کے محل کے لئے کوہستانی سلسلوں سے پتھر جمع کر کے کوہستانی سلسلوں سے نیچے لائیں۔ ہماری بستی میں کچھ بڑے دین دار مسلمان نوجوان تھے۔ انہوں نے جب انکار کیا تو بارگن کے ان مسلح جوانوں نے ہماری بستی کا قتل عام شروع کر دیا۔ بستی میں مسلمانوں کے چند ہی گھر تھے۔ باقی سب نصرانیوں کے تھے۔ چونکہ اس انکار پر اٹالیہ کے حاکم بارگن کے وہ کارندے حرکت میں آئے، مسلمانوں کا انہوں نے قتل عام کیا، ان کے گھروں کو زمین بوس کر دیا اور نوجوانوں کو پکڑ کر یہاں لے آئے اور پتھر ڈھونے پر لگا دیا۔ اور تم دیکھتے ہو ان میں، میں بھی شامل ہوں۔ یہ سارے زنجیروں میں جکڑے ہوئے جو دوسرے مسلمان نوجوان ہیں، کئی دوسری بستیوں سے یہاں زبردستی پکڑ کر لائے گئے ہیں۔ انہیں غلام کی حیثیت سے خرید کر یہاں بھیجا گیا ہے۔ ہماری بد قسمتی یہ کہ سارے مسلمانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر کام لیا جاتا ہے جب کہ کام کرنے والے دوسرے لوگوں میں یہودی بھی

ہیں اور نصرانی بھی اور وہ اپنی آزادی سے کام کرتے ہیں اور انہیں کام کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے۔ جبکہ ہمیں معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا۔ صرف دو وقت کی خشک روٹی کھانے کو دی جاتی ہے اور اسے بھی ہم پر احسان سمجھا جاتا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے مبارز الدین ایک دم رک گیا۔ سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی ایک دم اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس لئے کہ اٹالیہ کے حاکم بارگن کے کارندے ایک نوجوان کو بری طرح مار پیٹ رہے تھے۔ جسے مارا جا رہا تھا، وہ بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مسلمان تھا۔ لہذا سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین اس کی طرف بھاگے پھر مارنے والے کو سیف الدین نے مخاطب کر کے پوچھا۔

”کیوں مارتے ہو اسے؟“

اس کارندے نے جواب دینے کی بجائے ایک زوردار طمانچہ سیف الدین ابوبکر کے

منہ پر مارا اور کہنے لگا۔

”تمہیں ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھ سے ایسی جواب طلبی کرو؟“

سیف الدین ابوبکر برداشت کر گیا۔ پھر اس نے جس نوجوان کو مارا جا رہا تھا، اسے

مخاطب کر کے پوچھا۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“

وہ نوجوان بولا اور کہنے لگا۔ ”میرا نام نجم الدین ہے۔“

”یہ تمہیں کیوں مار رہے ہیں؟“ سیف الدین ابوبکر نے پھر پوچھ لیا۔

اس پر نجم الدین بولا۔

”میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا اور انہوں نے یوں ہی مجھے مارنا شروع کر دیا کہ تم نے

یہاں نماز کیوں پڑھی۔ جب میں نے احتجاج کیا تو انہوں نے ہمارے رسول (ﷺ) کے

بارے میں نازیبا الفاظ ادا کئے جو میرے لئے ناقابل برداشت تھے۔ جواب میں، میں نے

بھی ان کے لئے جب درشت لہجہ اختیار کیا تو انہوں نے مجھے اور مارنا شروع کر دیا۔“

اس نوجوان کے یہ الفاظ سن کر لگتا تھا سیف الدین ابوبکر ہمہ عقوبت، ہمہ عذاب کی

صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے اندر عناد و عداوت کی لہریں جوش مارنے لگی

تھیں۔ لگتا تھا اس کی عزیمت اور اس کے ارادے شفق رنگوں سے آراستہ ہو گئے ہوں۔ پھر

وہ گرجتی دھاڑتی آواز میں بولا اور اس مارنے والے نصرانی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”دشنام طرازی اور اہانت اور وہ بھی میرے رسول (ﷺ) کی۔ میرے رسول (ﷺ)

جنہوں نے روح انسانی کو وہم و خرافات، بندگی و غلامی، فساد و تعفن، گندگی و پراگندگی، ظلم و

ظلمانی اور طبقاتی امتیازات سے نجات دی، ان کی اہانت؟“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر ایک جلالی آبرو، فاتحانہ وقار کے ساتھ زنجیروں کو

گھسیٹتا ہوا آگے بڑھا بالکل اس شاہین کی طرح جو بلند چٹانوں پر بیٹھا ہو اور اپنے ارادوں

کی تکمیل کے لئے ایک دم لپکا ہو۔ پھر اس نے مارنے والے کو ایک ایسا گھونسہ مارا کہ وہ فضا

میں اچھلتا ہوا دور جا گر تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے اسے پاؤں کی کئی ٹھوکریں بھی دے ماری

تھیں۔ اس موقع پر مبارز الدین آگے بڑھا اور سیف الدین ابوبکر کو پکڑ کر پیچھے کھینچتے ہوئے

کہنے لگا۔

”یہ کیا کر رہے ہو؟ اس طرح تو یہ یہاں کام کرنے والے سارے مسلمانوں کو موت

کے گھاٹ اتار دیں گے۔“

اس موقع پر انتہائی غصے اور کرباکی میں مبارز الدین کی طرف دیکھتے ہوئے سیف

الدین ابوبکر گرجتے ہوئے بولا۔

”مبارز الدین! میرے عزیز بھائی! ابھی ہمارا ضمیر تو متعفن نہیں ہوا۔ ہماری روح

پراگندگی کا شکار تو نہیں ہوئی اور ہماری اسلامی قدریں اور پیمانے تھل نہیں کہ ہم اپنے رسول

(ﷺ) کی اہانت برداشت کر جائیں۔ قسم خداوند قدوس کی! اگر کبھی مجھے موقع ملا تو میں

اپنے رسول (ﷺ) کی اہانت کرنے والے اس شخص کی گردن ضرور کاٹوں گا۔“

سیف الدین ابوبکر نے جسے مارا تھا، اس کے کچھ اور ساتھی بھاگتے ہوئے وہاں آ گئے

اور گرنے والا ان ساتھیوں کو مخاطب کر کے سیف الدین ابوبکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

کہنے لگا۔

”اسے قتل کر دو۔“

چنانچہ اس کے حکم پر اس کے دو ساتھی اپنی تلواریں سونٹے ہوئے جب آگے بڑھے تو

پشت کی بڑی چٹان سے ایک شخص نمودار ہوا جو اپنے گلے میں بڑی سنہری صلیب لٹکائے

ہوئے تھا اور اپنے حلیے، اپنے لباس سے راہب لگتا تھا، وہ چیخا اور چلانے کے انداز میں

کہنے لگا۔

”رک جاؤ۔“

اس راہب کے کہنے پر آگے بڑھنے والے دونوں رک گئے اور تلواریں انہوں نے نیچے کر لی تھیں۔ جسے سیف الدین ابوبکر نے مارا تھا اور جو زمین پر گر گیا تھا، وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ جب وہ راہب قریب آیا، تب مار کھانے والا اپنے سر کو کسی قدر خم کرتے ہوئے اور تعظیم دیتے ہوئے کہنے لگا۔

”محترم میخائیلو! آپ یہاں؟“

اس پر راہب نے تلواریں سوتنے والے دونوں جوانوں اور ان کے سربراہ جس نے سیف الدین ابوبکر کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، تینوں کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ تینوں اس کے ساتھ ہوئے۔ راہب انہیں چند گز کے فاصلہ پر لے گیا اور کہنے لگا۔

”یہ جس قدر مسلمان تم لوگوں نے زنجیروں میں باندھ رکھے ہیں، ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ میں آج سے ان کے خلاف ہم شروع کر رہا ہوں اور ان سب کو میں نصرانی بنا کے رہوں گا۔ اگر تم نے ان میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچایا تو یاد رکھنا! میں تم سب کو اناطولیہ کے حاکم بارگن کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دوں گا۔“

اس پر مار کھانے والے نے بڑی عاجزی سے کہا۔
”مقدس راہب! ہم آپ کے حکم کا اتباع کریں گے اور ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“

اس پر راہب ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اب تم لوگ اپنے کام میں لگ جاؤ۔ میں ایک دو روز تک اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر یہاں آؤں گا جو ان سارے مسلمانوں کو نصرانیت کی تبلیغ کریں گے اور یقیناً وہ ایسے مبلغ ہوں گے کہ ان مسلمانوں کو ہر صورت میں نصرانیت کی طرف مائل کر لیں گے۔ اور اگر یہ مائل نہ ہوئے تو پھر تم لوگوں کے سامنے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔“

راہب میخائیلو کے ان الفاظ پر وہ سب خوش ہو گئے تھے۔ پھر میخائیلو کہنے لگا۔ ”اپنے کسی ساتھی کو بھیجو۔ جو پیچھے بڑی چٹان ہے، وہاں میرا خچر کھڑا ہے، اسے لے آئے۔“
اس پر ایک بھاگتا ہوا گیا اور راہب کے خچر کو لے آیا۔ راہب میخائیلو سیاہ رنگ کے

اپنے اس خچر پر سوار ہوا اور وہاں سے کوچ کر گیا۔



اسی روز مغرب کی نماز کے بعد راہب میخائیلو ایک پڑاؤ میں داخل ہوا۔ پڑاؤ کے اندر دُور دُور تک خیمے نصب تھے اور یہ پڑاؤ قونیہ کے سلطان غیاث الدین سلجوقی کا تھا۔ سلطان غیاث الدین سلجوقی کی سلطنت کی حدود اناطولیہ کے حکمران بارگن کی سرحدوں سے ملتی تھیں اور ان دنوں سلطان غیاث الدین سلجوقی اپنے لشکر کے ساتھ اپنی سرحدوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ چنانچہ راہب میخائیلو پڑاؤ میں داخل ہوا۔ حیرت کی بات کہ جس سمت میں بھی پڑاؤ کے اندر میخائیلو گزرتا تھا، سب اس کی تکریم، اُس کی عزت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ راہب میخائیلو، سلطان غیاث الدین سلجوقی کے خیمے کے سامنے رکا اور سلطان کے جو محافظ تھے ان میں سے ایک کو پیغام دیا کہ سلطان کو اس کے آنے کی اطلاع دی جائے۔

چنانچہ جب سلطان غیاث الدین سلجوقی کو راہب میخائیلو کے آنے کی اطلاع دی گئی تب اسی وقت سلطان نے اسے اپنے خیمے میں طلب کر لیا تھا۔ میخائیلو آگے بڑھا۔ سلطان نے پُر جوش انداز میں اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ میخائیلو جب بیٹھ گیا تب اسے مخاطب کر کے سلطان کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ میخائیلو نے دکھ بھرے انداز میں بولتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”سلطان محترم! میں نے آج ایک انتہائی کرب ناک حادثہ دیکھا ہے۔“

میخائیلو کے ان الفاظ پر سلطان غیاث الدین چونکا تھا۔ غور سے اس کی طرف دیکھا پھر اس نے پوچھا۔

”کیسا حادثہ؟“

میخائیلو بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! مجھے یہاں آپ کے پڑاؤ کرنے کی خبر ہو چکی تھی۔ میں آپ ہی کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں کوہستانی سلسلہ کے پاس اس شاہراہ کے قریب جو شاہراہ قونیہ سے اناطولیہ کی طرف جاتی ہے، بہت سے جوان کام کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ کوہستانی سلسلے کے اوپر سے پتھر نیچے لڑھکا رہے تھے، کچھ ان پتھروں کو چار گھوڑوں سے کھینچے جانے والے پھکڑوں میں لا رہے تھے۔“

جب سارے چکڑے لد گئے اور چلے گئے، تب دو جوان ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ اس وقت میں پشت پر ایک بڑی چٹان کے پیچھے تھا۔ میں اپنے خچر سے اتر کر چٹان کے پیچھے مزید ان کے قریب ہوا اس لئے کہ انہوں نے گفتگو شروع کی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی زندگی کے حالات بتائے تھے اور وہ دونوں ہی جوان مسلمان تھے۔ پھر ان کی گفتگو سے مزید یہ پتہ چلا کہ وہاں سے پھر اٹالیہ کی طرف لے جا رہے ہیں اور اٹالیہ میں وہاں کے نصرانی حکمران بارگن کے لئے ایک بہت بڑا قصر تیار کیا جا رہا ہے۔ وہ پھر اٹالیہ شہر میں پہنچایا جاتا ہے اور وہاں ان گنت سنگ تراش بیٹھے ہیں جو ان پتھروں کو قصر میں استعمال ہونے کے قابل بنارہے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد راہب میخائیلوڑکا، پھر دکھ بھرے انداز میں اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! اس کو ہستانی سلسلہ کے اندر دو طرح کے لوگ کام کر رہے ہیں۔ ایک نصرانی ہیں جو آزادی سے کام کرتے ہیں اور ان کو ان کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ دوسرے مسلمان نو جوان ہیں جنہیں زنجیروں میں جکڑ کر کام لیا جاتا ہے اور ان کو معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا اور صرف صبح اور شام کا کھانا دیا جاتا ہے۔ سلطان محترم! جن دو جوانوں کی گفتگو میں سن رہا تھا، ان کی گفتگو نے مجھے بڑا پریشان اور متاثر کیا۔“

اس کے بعد راہب میخائیلو نے سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی دونوں کے وہ حالات سنا دیئے جو ان دونوں نے خود ایک دوسرے سے بیان کئے تھے۔

اتنا کہنے کے بعد میخائیلوڑکا، دوبارہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! جس وقت وہ گفتگو کر رہے تھے، اس سے بھی بڑا حادثہ نمودار ہوا۔ وہ یہ کہ ان مزدوروں سے کام لینے والے مسلح جوانوں کا سربراہ اچانک ایک مسلمان کو مارنے لگا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس مسلمان نو جوان کا نام نجم الدین تھا۔ اسے اس بنا پر مارا گیا تھا کہ اس نے وہاں عصر کی نماز ادا کی تھی۔ جب اسے مارا جانے لگا تو وہاں جو نصرانی سربراہ تھا اس نے حضور (ﷺ) کے لئے دشنام طرازی اور اہانت کے الفاظ استعمال کئے جس پر نجم الدین بھڑک اٹھا۔ جس کی وجہ سے اسے پہلے کی نسبت زیادہ سختی سے مارا جانے لگا۔ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین جو چٹان پر بیٹھے گفتگو کر رہے تھے،

انہوں نے بھی یہ دیکھ لیا۔ لہذا وہ دونوں اس کی طرف بھاگے۔ نجم الدین نے جب انہیں بتایا کہ اسے عصر کی نماز ادا کرنے کی وجہ سے مارا گیا ہے اور اس کے بعد حضور (ﷺ) کے لئے دشنام طرازی اور اہانت کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، تب سیف الدین ابوبکر کی حالت اچانک بدل گئی۔ میں اسے چٹان کی اوٹ سے بڑے غور، بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا، حضور (ﷺ) کی دشنام طرازی اور اہانت کے الفاظ سن کر سیف الدین ابوبکر ایک دم جیسے تبدیل ہو گیا تھا۔ میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس سے وہ مجھے ایک شرارہ، ایک شرر، ایک انگارہ، آگ کا پتنگا، آتش کا ایک پارہ اور دکھتا ہوا ایک انگارہ لگا۔ پھر وہ آگے بڑھا، جو شخص نجم الدین کو مار رہا تھا اور جس نے حضور (ﷺ) کی اہانت کی اور دشنام طرازی سے کام لیا تھا، اسے سیف الدین ابوبکر نے ایک ایسا مکارا کہ وہ ہوا میں اچھلتا ہوا زمین پر گر گیا۔ سیف الدین ابوبکر اور اس کا ساتھی مبارز الدین دونوں موٹی موٹی لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ بہر حال سیف الدین نے اہانت کرنے والے کو خوب مارا۔ اس موقع پر نصرانیوں کے اس سرخیل کے ساتھی بھی آگئے۔ اس سرخیل نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سیف الدین ابوبکر کی گردن کاٹ دی جائے۔

سلطان محترم! اس موقع پر میں آگے بڑھا۔ آپ جانتے ہیں، نصرانیوں کی سرزمینوں میں راہب میخائیلو کی حیثیت سے میری بڑی عزت، میرا بڑا وقار ہے اور لوگ مجھے جانتے ہیں۔ سب لوگوں کو پتہ ہے، میں ان کے علاقوں ہی میں رہتے ہوئے بھیک مانگتا ہوں اور پھر انہی کی مملکت میں جو غریب لوگ ہیں، ان میں بانٹ دیتا ہوں۔ اس بنا پر لوگ میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ جس وقت دو مسلح جوان سیف الدین ابوبکر کی گردن کاٹنے لگے تھے، میں نے چلا کر کہا۔ رک جاؤ۔

وہ مجھے پہچان گئے۔ مجھے احترام دیا، رک گئے۔ میں نے ان نصرانیوں کے سربراہ اور ان دونوں کو جو اسے قتل کرنے کے لئے آئے تھے، ایک طرف لے گیا اور انہیں کہا کہ اس نو جوان کو قتل نہ کرنا۔ میں نے انہیں یہ چکر دیا کہ میں ایک دو دن تک اپنے آدمی لے کر آؤں گا جو ان مسلمانوں کو جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، عیسائیت کی تبلیغ کریں گے اور انہیں ہر صورت میں مسلمان سے نصرانی بنانے کی کوشش کریں گے۔ اور مجھے امید ہے ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اگر کامیاب نہ ہوئے تو ان کی گردنیں کاٹ دی

جائیں گی۔ بس انہیں یہ چکر دے کر میں نے سیف الدین ابوبکر کی جان بچالی اور اپنے نچر کو تیزی سے بھگاتا ہوا آپ کی طرف آیا۔ اب میری آپ سے التماس اور گزارش ہے کہ ان مسلمانوں کو اس عذاب الیم سے بچایا جائے۔“

ساری تفصیل جان کر سلطان غیاث الدین سلجوقی کی آنکھیں نم ناک ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر ہونٹ کاٹتا رہا، پھر خیمہ کے باہر پہرہ دینے والے مسلح جوان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش کو بلاؤ۔“

سلطان غیاث الدین سلجوقی کا یہ حکم سن کر وہ مسلح جوان وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد دو سالار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک حسام الدین یوسف اور دوسرا مبارز الدین ارتقش تھا۔ سلطان نے میخانیکو کی موجودگی میں پہلے ان دونوں کو پوری تفصیل بتائی، اس کے بعد جس جگہ پر واقعہ ہوا تھا، اس کے محل وقوع سے آگاہ کیا اور حکم دیا کہ آج رات کے پچھلے حصہ میں کچھ مسلح جوان لے کر ان علاقوں کا رخ کرنا۔ کیونکہ سورج طلوع ہونے کے بعد وہ یقیناً کام کرتے ہوں گے، لہذا سب کا گھیراؤ کر لینا۔ وہاں وہ لوگ جو لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، سب مسلمان ہیں۔ اور ان سے بغیر کسی معاوضے کے زبردستی مشقت لی جاتی ہے۔ ان میں تین جوان بڑے اہم ہیں۔ ایک سیف الدین ابوبکر، دوسرا مبارز الدین چاولی اور تیسرا نجم الدین ہے۔ اب تم ان مسلح جوانوں کا تعین کر لو جن کو لے کر تم نے رات کے پچھلے حصے میں اس علاقے کا رخ کرنا ہے۔“

چنانچہ سلطان کا حکم پا کر حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش دونوں وہاں سے نکل گئے تھے۔

ان دونوں کے وہاں سے ہٹنے کے بعد سلطان غیاث الدین سلجوقی کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا، پھر میخانیکو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ایک خبر تو تم نے اچھی دی کہ کچھ مسلمان جوانوں سے زبردستی مشقت لی جا رہی ہے۔ خداوند نے چاہا تو انہیں آزاد کرالیا جائے گا۔ لیکن تم جو اناطولیہ کی مملکت کی طرف گئے ہوئے تھے، وہاں سے تم نے کیا اطلاعات اکٹھی کی ہیں؟“

سلطان غیاث الدین کے ان الفاظ پر میخانیکو نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اناطولیہ کا حاکم بارگن بڑا سنگدل اور ظالم حکمران ہے۔ اس کا ایک بیٹا ہے نام جس کا راسکو ہے۔ ایک بیٹی ہے جس کا نام جوزین ہے۔ اس کے متعلق میں نے سنا ہے کہ اس جیسی کوئی حسین لڑکی نہیں ہے۔ میں نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اسی بارگن کا ایک بھتیجا ہے، اس کا نام ارمناک ہے۔ اور یہ بڑا بدنام شخص ہے۔ بارگن کی حدود میں جن بستیوں میں مسلمان بستے ہیں، ان بستیوں پر یہ المناک مظالم اور ستم ڈھاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے قتل کر دیتا ہے اور جس مسلمان کا چاہتا ہے گھر لوٹ کے برباد کر دیتا ہے۔ بارگن کا سپہ سالار اعلیٰ عسار ہے۔ یہ قدرے شریف انسان ہے۔ اس کا بیٹا بھی اس جیسا ہے اور اس کا نام باز نیک ہے۔ عسار نام کے اس سالار کی ایک بیٹی ہے جس کا نام بریزہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بھی حسن اور خوبصورتی میں بارگن کی بیٹی یعنی شہزادی سے کسی طرح کمتر نہیں ہے۔ اب میں بارگن کی مملکت میں کافی مقبول ہو چکا ہوں۔ کسی کو خبر نہیں کہ مسلمان ہوں اور راہب بن کر اپنے سلطان کے لئے کام کرتا ہوں۔ میں بارگن کی مملکت میں لوگوں سے جو کچھ حاصل کرتا ہوں، ضرورت مندوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ اس بنا پر لوگ مجھ سے بے حد خوش ہیں۔ میری عزت اور میری تکریم کرتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد میخانیکو جب خاموش ہوا تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سلطان غیاث الدین نے اسے مخاطب کیا۔

”یہ شروع میں سیف الدین ابوبکر نام کے جس جوان کا تم نے ذکر کیا تھا، کیا اس کے متعلق پتہ چلا کہ کہاں کا رہنے والا ہے؟“

جواب میں میخانیکو کہنے لگا۔

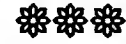
”سلطان محترم! جو گفتگو میں نے سیف الدین ابوبکر اور اس کے ساتھی مبارز الدین چاولی کے درمیان سنی، اس کے مطابق وہ قونیہ کی نواحی بستی لادیق کا رہنے والا ہے۔ یہ وہی بستی ہے جسے تاریخ کے اوراق میں لازق بھی لکھا گیا ہے۔ سلطان محترم! جو کچھ میں نے اس کی اس گفتگو سے مزید سنا اور اندازہ لگایا اس کے مطابق وہ مکتب کا تعلیم یافتہ ہے۔ حرب و ضرب کا بڑا ماہر ہے۔ حافظ قرآن اور قاری ہے۔“

میخانیکو جب خاموش ہوا تب کچھ سوچتے ہوئے غیاث الدین کہنے لگا۔

”اناطولیہ کے حکمران بارگن کے جس بھتیجے نے اپنی مملکت کی حدود میں مسلمانوں پر جو

ظلم و ستم ڈھانا شروع کر رکھے ہیں، ان کا سدباب میں اسی سیف الدین ابوبکر سے کرانا چاہتا ہوں۔ مسلمانوں پر مظالم ڈھانے والا بارگن کا بھتیجا ارمناک ہے اور اس کا سامنا کرنے کے لئے سیف الدین ابوبکر سے کام لوں گا۔ اگر تو وہ حرب و ضرب کے ہنر میں طاق ہے تو مجھے امید ہے وہ ارمناک پر غالب رہے گا۔ بہر حال جب وہ یہاں آئے گا، اس سے ملاقات ہوگی تو میں اندازہ لگا لوں گا کہ اس کی شخصیت کیسی ہے۔ بہر حال میخانیلو! اب تم جاؤ، آرام کرو۔ اس کے بعد مناسب موقع دیکھ کر پھر اپنے کام پر نکل جانا۔“

چنانچہ سلطان غیاث الدین کے کہنے پر میخانیلو وہاں سے ہٹ گیا تھا۔



اگلے روز سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین اور اس کا تیسرا ساتھی اور باقی سب مسلمان جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، اپنے کام میں لگ گئے تھے۔

آزاد نصرانی جو وہاں اجرت پر کام کر رہے تھے، وہ بھی بڑے بڑے پتھر کو ہستانوں سے نیچے لڑھکا رہے تھے۔ ایسے میں ایک شخص بھاگتا ہوا وہاں آیا اور چیختے چلاتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہاں سے بھاگ چلو۔ مسلمانوں کے کچھ دستے مار دھاڑ کرتے ہوئے اس طرف آ رہے ہیں۔ اگر ہم نے تھوڑی سی تاخیر کی تو وہ سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔“

وہاں کام کرنے اور کام لینے والوں کا جو سرخیل تھا، جس کا نام نیالوق تھا، وہ بھی اٹالیہ کے حکمران بارگن کا رشتہ دار تھا۔ نیالوق کو مخاطب کر کے جب آنے والے نے خطرے سے آگاہ کیا تو نیالوق شور کرتا ہوا اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا۔ وہاں جو کام کرنے والے نصرانی تھے، وہ بھی جس طرف جس کا منہ اٹھا، بھاگ کھڑے ہوئے۔ زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں نے کام کرتا بند کر دیا تھا۔ تاہم وہ کوہستانی سلسلہ کے دامن میں حیران و پریشان کھڑے انتظار کرنے لگے تھے کہ دیکھیں، اب کیا حادثہ پیش آتا ہے۔

اتنے میں مسلمانوں کے کچھ دستے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہاں پہنچے۔ ان کی کمانداری، سلطان غیاث الدین سلجوقی کے سالار حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش کر رہے تھے۔

جس جگہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمان کھڑے تھے، وہاں آ کر سلطان غیاث

الدین سلجوقی کے وہ دستے رک گئے۔ پھر حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش اپنے گھوڑوں سے اترے، زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کے پاس آئے اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”تم میں سیف الدین ابوبکر کون ہے؟“

اس پر زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں میں سے ایک نے ہاتھ کا اشارہ جب سیف الدین ابوبکر کی طرف کیا تو حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش آگے بڑھے۔ باری باری سیف الدین ابوبکر کو گلے لگا کر ملے۔ پھر سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر کے حسام الدین یوسف کہنے لگا۔

”میرے عزیز! تمہارے متعلق جو کچھ ہم نے سنا تھا، اس پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔ میرے ساتھ جو میرا ساتھی ہے، اس کا نام مبارز الدین ارتقش ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ بھی ایک مبارز الدین ہے۔ لیکن وہ مبارز الدین چاولی ہے۔ کیا تم اس سے تعارف نہیں کرواؤ گے؟“

اس پر سیف الدین ابوبکر نے مبارز الدین اور نجم الدین کے علاوہ باقی لوگوں کا بھی تعارف کروایا۔ اس کے بعد حسام الدین اور مبارز الدین ارتقش اپنے ساتھیوں کو حرکت میں لائے، زنجیریں کاٹنے کا سامان وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ ساری زنجیریں انہوں نے کاٹ دیں۔ پھر سیف الدین ابوبکر اور اس کے ساتھیوں کو انہوں نے اپنے گھوڑوں کے پیچھے بٹھایا اور جہاں سلطان غیاث الدین سلجوقی نے پڑاؤ کر رکھا تھا، اپنے گھوڑوں کو انہوں نے اس سمت بھاگ دیا تھا۔

دوپہر کے قریب وہ سلطان غیاث الدین سلجوقی کے لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ سلطان کو ان کی آمد کی جب اطلاع دی گئی، تب سلطان اپنے خیمے سے نکلا۔ بڑے پُر جوش انداز میں سب سے ملا۔ سب سے پہلے اس نے یہ اعلان کیا کہ آنے والے سب جوانوں کو سلطان اپنے لشکر میں شامل کرتا ہے۔ اس کے بعد سلطان نے حسام الدین یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”اب مجھے یہ بتاؤ کہ سیف الدین ابوبکر کون ہے؟“

حسام الدین نے جب سیف الدین کی طرف اشارہ کیا، تب سلطان اس کی طرف

بڑھا، اسے گلے لگا کر ملا اور کہنے لگا۔

”جو کچھ میں نے تمہارے متعلق سنا ہے، اگر تم اس پر پورا اترے تو میں تم سے ایک کام لوں گا۔ اور اگر وہ کام کر لینے میں تم سودمند ہوئے تو تمہاری حیثیت میرے لشکر میں سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع ہوگی۔ مجھے بتایا گیا ہے، تمہارے ساتھ دو تمہارے نامور ساتھی بھی ہیں۔ ایک کا نام مبارز الدین اور دوسرے کا نام نجم الدین ہے۔ میرے لشکر میں پہلے سے ہی ایک مبارز الدین ہے۔ لیکن وہ مبارز الدین ارتقش ہے۔ تمہارے ساتھی کے متعلق بتایا گیا ہے، وہ مبارز الدین چاولی ہے۔ اب تم مبارز الدین چاولی اور نجم الدین کو لے کر میرے خیمے میں آؤ۔“

چنانچہ سلطان اپنے خیمے کی طرف مڑا۔ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی، نجم الدین اور سلطان کے پہلے سالاروں میں سے زین الدین بشارہ، حسام الدین یوسف، مبارز الدین ارتقش سب سلطان کے ساتھ ہو لئے تھے۔ سلطان، خیمے میں داخل ہوا۔ سب کو اس نے بیٹھنے کے لئے کہا۔ کچھ دیر گہری خاموشی رہی، پھر سلطان، سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مجھے بتایا گیا ہے، تمہارے باپ کا نام ابوبکر تھا اور وہ فوت ہو چکا ہے۔ بلکہ کچھ نصرانیوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ سیف الدین ابوبکر کا باپ چونکہ حقہ بہت پیتا تھا، لہذا تاریخ کے اوراق میں اسے ابوبکر حقہ باز کا نام بھی دیا گیا۔ اور سیف الدین کی بستی کے لوگ سیف الدین ابوبکر کو بھی سیف الدین حقہ باز ہی پکارا کرتے تھے۔ یہ کہنے کے بعد سلطان نے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”سیف الدین! مجھے بتایا گیا ہے، تم حافظ قرآن ہو، قاری ہو، مکتب کے تعلیم یافتہ ہو اور حرب و ضرب کا بھی خوب تجربہ رکھتے ہو اور اس میں ماہر بھی ہو۔ دیکھو! اناطولیہ کے حکمران بارگن کے علاقوں میں بہت سی بستیوں کے اندر مسلمان بھی رہتے ہیں۔ بارگن کا بھتیجا ارمناک جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے، جس روز چاہتا ہے، مسلمانوں کے خلاف ترکتاز کرتا ہے۔ جسے اس کا جی چاہتا ہے، ہلاک کر دیتا ہے اور جس مسلمان کا چاہتا ہے، گھر لوٹ کر برباد کر دیتا ہے۔ میں تمہارے ذمے یہ کام لگاتا ہوں کہ جس طرح بارگن کے بھتیجے

ارمناک نے مسلمانوں کے خلاف خونی کھیل، کھیل رکھا ہے اور بارگن اسے منع نہیں کرتا، یہی کھیل تم بارگن کی حدود میں ان لوگوں کے خلاف کھیلو جو مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ بے گناہوں پر حملہ آور نہیں ہونا۔ اب بولو! کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟ میں تمہیں چھوٹا سا ایک تربیت یافتہ لشکر بھی مہیا کروں گا۔ میرا ایک بھڑاس سے پہلے تم سے مل کر آیا تھا، اسی نے مجھے تمہارے متعلق اطلاع دی تھی۔ اس کا نام میخانیلو ہے۔ بڑا اچھا، بڑا عمدہ شخص ہے۔ راہب کے بھیس میں بارگن کی حدود کے اندر اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ اس کے تحت کام کرنے والے بہت سے ساتھی ہیں اور یہ میخانیلو اور اس کے ساتھی بارگن کی مملکت کے اندر تمہاری راہنمائی کریں گے۔ بولو! کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟“

سلطان غیاث الدین کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر کی چھاتی تن گئی تھی، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! یہ کام کرنے کے لئے میں ابھی سے تیار ہوں۔ جو شخص ہمیں زنجیروں سے باندھ کر ہم سے پتھروں کی مشقت لیا کرتا تھا، اس کا نام نیا لوق ہے اور وہ اناطولیہ کے حکمران بارگن کا رشتہ دار بھی ہے۔ اس نے صرف ایک روز پہلے ہمارے اس ساتھی کو جس کا نام نجم الدین ہے، مارا بھی۔ اس لئے کہ اس نے وہاں عصر کی نماز ادا کی تھی اور مارنے کے علاوہ اس نے حضور (ﷺ) کے خلاف دشنام طرازی اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کئے تھے۔ میں نے اس وقت اعلان نہیں، اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ خداوند عظیم نے کبھی مجھے موقع دیا تو میں اس نیا لوق کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ گستاخ، خداوند قدوس کی اس زمین پر آزادی سے گھومتا پھرے۔ میں موت بن کر اس کا تعاقب کروں گا اور کسی نہ کسی طرح اسے موت کے گھاٹ ضرور اتاروں گا۔ اس لئے کہ اس نے مسلمانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر اور بہت سے مظالم کئے ہیں اور سب کی اسے سزا ملنی چاہئے۔“

جہاں تک بارگن کے بھتیجے ارمناک کا تعلق ہے جو مسلمانوں کے خلاف ترک تاز کرتا ہے، ان کی بستیوں کو جلاتا ہے، ان کے گھروں کو برباد کرتا ہے، سلطان محترم! اس کے خلاف بھی میں خوب حرکت میں آؤں گا اور مجھے امید ہے، میرے خداوند نے چاہا تو اس سلسلے میں، میں آپ کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔“

سیف الدین ابوبکر کے یہ الفاظ سن کر سلطان خوش ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگا۔
”اس سلسلے میں اگر تم چاہو گے تو مبارز الدین چاولی اور نجم الدین کو بھی اپنے ساتھ رکھ سکو گے۔“

پھر سلطان غیاث الدین نے حسام الدین یوسف کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔
”حسام الدین! ان تینوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ان کے ساتھ جوان کے ساتھی آئے ہیں، سب کے کھانے کا اہتمام کرو۔ اس کے بعد لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ قونیہ پہنچ کر میں سیف الدین کے لئے جو مراعات دینا چاہتا ہوں، ان کا اعلان کروں گا۔“
اس کے ساتھ ہی حسام الدین یوسف، سلطان کے کہنے پر سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اسی روز شام سے پہلے سلطان غیاث الدین نے اپنا پڑاؤ ختم کر دیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے اپنے مرکزی شہر قونیہ کا رخ کیا تھا۔

قونیہ پہنچ کر سب سے پہلے سلطان غیاث الدین کے کہنے پر قونیہ کے مستقر میں سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی، نجم الدین اور ان کے ساتھ آنے والوں کی رہائش کا اہتمام کیا گیا۔ اس کے بعد تینوں کو سلطان نے اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین جسے تاریخ کے اوراق میں نجم الدین بہرام بھی لکھا گیا ہے، تینوں سلطان کے قصر میں اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی آمد پر سلطان انہیں ساتھ لے کر نکلا۔ اس موقع پر سلطان کے سالاروں میں سے حسام الدین یوسف، مبارز الدین ارتقش، زین الدین بشارہ اور کچھ دیگر امراء اور سالار بھی اس کے ساتھ تھے۔ سب کو سلطان شاہی اصطبل میں لے گیا۔ پھر اس نے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین! یہ شاہی اصطبل ہے۔ اس سے اپنی پسند کا گھوڑا چنو۔ پھر میں دیکھتا ہوں، تمہاری پسند کیسی ہے۔ اس کے بعد مبارز الدین اور نجم الدین اپنے لئے گھوڑوں کا انتخاب کریں گے۔“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم سیف الدین کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پہلے وہ اپنی جگہ کھڑے ہو کر گھوڑوں کا اندازہ لگاتا رہا، پھر اصطبل میں گھومنے پھرنے لگا۔ آخر ایک سفید گھوڑے

کے پاس آ کر وہ رکا، پہلے اس کی پیٹھ تھپتائی، گردن پر ہاتھ مارا، اس کے ایالوں میں ہاتھ پھیرا، اس کے بعد اس کے منہ پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا تھا۔ پھر سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میری پسند کا یہ گھوڑا ہے۔“

سلطان غیاث الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میں تمہاری پسند کی داد دیتا ہوں۔ میرے اصطبل میں سب سے عمدہ گھوڑا بھی یہی ہے۔ اب اس گھوڑے کو رکھ لو۔ بائیں جانب جو زمینیں پڑی ہیں، ان میں سے اپنے لئے زمین کا انتخاب کرو، گھوڑے پر ڈالو۔ اب مبارز الدین! اور نجم الدین! تم دونوں آگے بڑھ کر اپنے لئے گھوڑے چنو۔“

چنانچہ مبارز الدین اور نجم الدین نے بھی اپنے گھوڑوں کا انتخاب کر لیا اور تینوں نے اپنے گھوڑوں پر زمینیں ڈالنے کے علاوہ انہیں دھانے چڑھا دیئے تھے۔

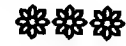
اس موقع پر مسکراتے ہوئے سلطان غیاث الدین کہنے لگا۔

”یہ گھوڑے اب تم تینوں کی ملکیت ہیں۔ اب میرے ساتھ آؤ۔“

پھر سارے سالاروں کے ساتھ سلطان شاہی اسلحہ خانے میں داخل ہوا۔ وہاں بھی اس نے تینوں کو اپنے لئے اسلحے کا انتخاب کرنے کے لئے کہا۔ سیف الدین نے وہاں سے ایک کافی وزنی چوڑے پھل کی تلوار کا انتخاب کیا۔ ایک نیزہ، دو ڈھالیں، ایک کلہاڑا، دو خنجرینیں، ترکش، تیرکمان اور کچھ دوسری چیزیں بھی اور سلطان کے کہنے پر انہیں اپنے گھوڑے کی زین سے سجایا۔ مبارز الدین اور نجم الدین نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اس کے بعد سلطان نے تینوں کو نقدی بھی فراہم کی۔ پھر سلطان کہنے لگا۔

”تین روز مستقر میں اپنی رہائش کے اندر مکمل آرام کرو۔ اس دوران حسام الدین یوسف تمہارے لئے عمدہ لباسوں کا اہتمام کر دے گا۔ میں نے اسے ایسا کرنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ اس کے بعد جن دستوں کے ساتھ تم لوگوں نے حرکت میں آنا ہے، وہ بھی سیف الدین ابوبکر! تمہارے تحت کر دیئے جائیں گے۔ مبارز الدین چاولی اور نجم الدین دونوں تمہارے نائب کی حیثیت سے تمہارے ساتھ کام کریں گے۔ اس کے بعد میں جو تمہیں پہلے بتا چکا ہوں، اس کے مطابق تم ہمارے بدترین دشمن اطلالیہ کے حکمران بارگن

کے علاقوں میں اپنی کارروائیوں کی ابتدا کر دو گئے۔“
چھاتی تانتے ہوئے سیف الدین ابوبکر نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سلطان کے کہنے پر وہ تینوں مستقر کی طرف ہو لئے تھے۔
تین دن بعد میخائیلو کی رہنمائی میں سیف الدین ابوبکر، لشکر کے ایک حصے کے ساتھ بڑی تیزی سے بارگن کی مملکت کی حدود میں داخل ہوا تھا۔



بارگن کی مملکت کا سالار اعلیٰ عسکار ایک روز اپنی رہائش گاہ میں اپنی انتہائی خوبصورت اور پرکشش بیٹی بریزہ، اپنے بیٹے باز نیک اور بیوی سیمس کے ساتھ بیٹھا اپنے کسی گھریلو موضوع پر گفتگو کر رہا تھا۔ بارگن کا ایک اہلکار وہاں آیا اور سالار اعلیٰ عسکار کو مخاطب کر کے اس نے پیغام دیا کہ بارگن نے فی الفور اسے طلب کیا ہے۔

یہ الفاظ سن کر حسین اور خوب صورت بریزہ اور اس کا بھائی باز نیک اور دونوں کی ماں سیمس لمحہ بھر کے لئے پریشان ہو گئے تھے۔ آخر وہ سنبھلے، سیمس نے اٹھ کر عسکار کی تیاری کرائی، اس کے بعد عسکار اپنی رہائش گاہ سے نکل کر اناطولیہ کے قصر کی طرف ہولیا تھا۔

جب وہ قصر کے ایک محافظ کی رہنمائی میں قصر کے ایک کمرے میں داخل ہوا تو وہاں پہلے سے اناطولیہ کی مملکت کا حکمران بارگن، اس کا عالم اذرتم گر بھتیجا ارمناک، بارگن کی بیوی ارزیلہ، اس کا بیٹا ہراکا اور انتہائی خوبصورت، پرکشش بیٹی جوزین کے علاوہ بارگن کا نوجوان سالار ترنوک اور کچھ امراء اور سالار بیٹھے ہوئے تھے۔ عسکار جب اس کمرے میں داخل ہوا تب بارگن نے اپنے پہلو میں اسے بیٹھنے کی جگہ دی۔ جب وہ بیٹھ گیا، تب گفتگو کا آغاز بارگن نے کیا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے ایک انتہائی اہم فیصلے کے سلسلہ میں تم سب لوگوں کو یہاں بلایا ہے۔ اس سے سب باخبر ہیں کہ میرے قصر کی تعمیر کے لئے سرحدی علاقوں سے پتھر یہاں لایا جاتا ہے اور یہاں اس کی تراش خراش کی جاتی ہے۔ جو لوگ کوہستانی سلسلوں کے اوپر سے پتھر جمع کرتے تھے، ان میں کچھ مسلمان قیدی بھی تھے، جن سے ہم یہ کام لیتے تھے اور کچھ ہماری اپنی مملکت کے مزدور تھے، جو اجرت پر کام کرتے تھے۔ چند دن پہلے ایک گروہ حملہ آور وہاں جو کام کرنے والے لوگ تھے یا پتھر لانے والے، ان سب کی نگرانی میری بیوی کا بھتیجا

نیالوق کیا کرتا تھا۔ حملہ آور زنجیروں میں جکڑے مسلمان قیدیوں کو لے گئے۔ نیالوق اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر یہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب ان کو ہستانی سلسلوں سے پتھر ہمارے مرکزی شہر اٹالیہ میں آنا بند ہو گیا ہے اور میرے قصر کا کام رک گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں میری بیوی کا بھتیجا، نیالوق پھر اس کام کی ابتدا کرے اور وہاں کام کرنے والے لوگوں کی نگرانی اور حفاظت کے لئے لشکر کا ایک حصہ بھی مقرر کیا جائے۔ رہی بات وہاں مزدور لگانے کی تو اپنی مملکت میں جو لوگ خوشی سے وہاں مزدوری کرنا چاہتے ہیں، انہیں معاوضہ پر رکھا جائے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی بستیوں سے یا ان بستیوں میں جہاں کہیں بھی مسلمانوں کے گھر ہیں، وہاں سے نوجوان اکٹھے کئے جائیں اور انہیں کوہستانی سلسلوں کے اوپر سے پتھر نیچے گرانے اور پھر وہاں سے پھکڑوں میں لا کر ہمارے مرکزی شہر اٹالیہ کی طرف بھیجنے کے کام میں لگایا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلے کی طرح انہیں صرف دو وقت کا کھانا دیا جائے۔ اجرت انہیں کچھ نہیں دی جائے گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بارگن رکا، پھر اپنے سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ ”یہ ایک کام ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ یہ بھی جاننے کی کوشش کی جائے کہ کون لوگ ان کوہستانی سلسلوں میں حملہ آور ہوئے اور زنجیروں میں جکڑے مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر لے گئے..... نکسار! میرے عزیز! آج ہی لشکر کا ایک حصہ متعین کرو جو نیالوق کے ساتھ جائے گا۔ نیالوق جانتا ہے کہ پہلے کون سے مزدور اجرت پر ہمارے ساتھ کام کر رہے تھے۔ یہ ان سب کو ساتھ لے کر جائے گا۔ ساتھ ہی مسلمان نوجوانوں کو بھی تلاش کر کے ان علاقوں کی طرف لے کر جاؤ۔ جو مسلمان اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتے ہیں، ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔ جو کام کرنے سے انکار کریں یا پس و پیش سے کام لیں، انہیں زبردستی وہاں لے جا کر زنجیروں میں جکڑ کر کام لیا جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بارگن جب رکا، تب اس کے امراء میں سے ایک بولا اور بارگن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے خیال میں ہمیں مسلمانوں کو زنجیروں میں جکڑ کر یہ مشقت نہیں لینی چاہئے۔ اگر ہم انہیں معاوضہ دیں گے تو وہ اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے کام کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ ایسا میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر سلجوقی سلطان غیاث الدین کو خبر ہوئی کہ ہمارے

علاقوں میں جو مسلمان آباد ہیں یا ان کی بستیاں ہیں، وہاں سے ہم مسلمانوں کو اکٹھا کر کے زبردستی ان سے مشقت لیتے ہیں اور انہیں معاوضہ بھی نہیں دیتے تو خدشہ ہے وہ مسلمانوں کی حمایت میں ہم پر حملہ آور نہ ہو جائے۔“

یہ الفاظ سن کر بارگن کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ کسی قدر سخت لہجہ میں اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔

”ایسا نہیں ہوگا۔ غیاث الدین کیا ہے اور اس کی طاقت کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں۔ وہ ہم پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر کسی قوت نے اُس کی مدد کی یا اُس نے اپنے لشکر کی طاقت اور قوت کو بڑھا کر ایسا کرنا چاہا تو یہ بھی بات ذہن میں رکھی جائے کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں ملطیہ کا حکمران طیارلوس، قلعہ ججمن کا حاکم لیفون، سینوب کے علاقہ کا حکمران نکور، ہرقلیہ کا حاکم دوگا، فلاؤلفیا کا حکمران ساماق، سب ہماری مدد کے لئے تیار ہوں گے۔ ہم نے ایک بار ہی انہیں پکارا تو بڑے بڑے لشکر لے کر سلطان غیاث الدین کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے ہم سے آن ملیں گے۔ پھر ہم دیکھیں گے، غیاث الدین کامیاب ہوتا ہے یا ہم اس کی پیشانی پر شکست اور بدنامی کے داغ لگاتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اناطولیہ کی سرزمینوں میں ایک مسلمان حکمران کی حیثیت سے غیاث الدین سلجوقی اکیلا ہے۔ جب کہ اناطولیہ کے جنوبی علاقوں میں ہمارے بہت سے نصرانی حکمران ہیں۔ آخر اکیلا غیاث الدین کس کس کا مقابلہ کرے گا؟“

اس موقع پر بارگن کا بھتیجا ارمناک بولا اور کسی قدر غصے اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں بھی آج سے نئی کارروائیوں کی ابتدا کروں گا۔ اس سے پہلے میں صرف اپنی مملکت کی حدود میں مسلمانوں کی بستیوں اور مسلمانوں کے گھروں کو اپنا نشانہ بناتا رہا ہوں۔ اب میں یہ کام غیاث الدین کے علاقوں میں گھس کر کروں گا۔ پھر میں دیکھوں گا وہ ہمارا کیا بگاڑتے ہیں۔“

ارمناک جب خاموش ہوا، تب بارگن کا سالار اعلیٰ نکسار خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

اگر ایسا کیا گیا تو پھر بات بڑھ جائے گی۔“

دو وقت کے کھانے پر رکھا گیا تھا۔

تیسرے روز جس وقت ہر کوئی اپنے کام میں مصروف تھا اور نیا لوق ایک بلند چٹان پر کھڑا اس سارے کام کی نگرانی کر رہا تھا جب کہ جو لشکر ان کی حفاظت کے لئے مامور تھا، وہ بھی اپنے سالار ترنوک کی کمانداری میں اپنی جگہ پر چوکس تھا کہ ایسے میں سیف الدین اس لشکر کے ساتھ وہاں نمودار ہوا جو سلطان غیاث الدین نے اسے مہیا کیا تھا۔ مبارز الدین اور نجم الدین دونوں اس کے ساتھ تھے۔

پتھروں کی مشقت کرنے والوں نے جب دیکھا کہ ایک لشکر جو تعداد میں تھوڑا ہے، نمودار ہوا ہے تب وہ خوف کے مارے کوہستانی سلسلے کے اوپر چڑھ گئے تھے۔ کوہستانی سلسلہ کے اوپر چڑھنے والوں میں خود نیا لوق بھی شامل تھا۔ اس بار وہ بھاگا نہیں۔ اس لئے کہ اس کی حفاظت کے لئے بارگن نے لشکر وہاں متعین کیا تھا اور اس لشکر کا سالار ترنوک، سیف الدین ابوبکر کے لشکر کو دیکھتے ہی بالکل چوکس ہو گیا اور اپنے لشکروں کو بالکل استوار کر کے رکھ دیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر جب اپنے لشکر کے ساتھ قریب آیا، تب ترنوک فوراً حرکت میں آیا اور اس نے اپنے لشکر کو سیف الدین ابوبکر کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ یہ حکم ملتے ہی ترنوک اور اس کے لشکر کی تہائی کے تہ خانوں سے بڑی تیزی سے بھڑک کر نکلتی جوالا، ویران صحراؤں میں بربادی و زبوں حالی کا کھیل کھیلتی کھولتی، الم بھری آگ، موسموں کی بدلتی چادر میں خوابوں کو عذابوں میں بدلتی لا حاصلی کی اذیتوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

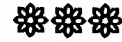
دوسری طرف سیف الدین ابوبکر بھی اپنے دونوں ساتھیوں مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام کے ساتھ اپنے لشکر کو فطرت کے خواب نگر میں زندگی کے انمول لمحوں کی یورش، چاروں طرف لمحوں کے خونی بھنور اٹھاتے ریت کے نہ تھمنے والے جھکڑوں کی طرح حرکت میں آیا۔ پھر وہ بارگن کے اس لشکر پر گردش دہر میں جسموں کو خستہ حال کر کے رسوائیوں کی مسافیتیں بھرتے قدیم تہذیبوں کے عذاب بھرے نقوش، سماعتوں کو بے چین کر دینے والی دستک دیتی خونی آہٹوں، عذابوں کے بارگراں، لہو کے مناظر کھڑے کرتے بیچ در بیچ اور خوف در خوف قہر و ابتلا کے سلسلوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح کوہستانی سلسلہ کے دامن میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے منزلوں کے

نکسار کی اس گفتگو کا جواب ارمناک دینا ہی چاہتا تھا کہ بارگن کی حسین و خوبصورت بیٹی جوزین انتہائی تکبر اور گھمنڈ میں بولی اور کندھے اچکاتے ہوئے کہنے لگی۔

اگر بات بڑھتی ہے تو بے شک بڑھ جائے لیکن یہ بات بڑھانے کی ابتدا ہم نے نہیں، مسلمانوں نے کی ہے۔ وہی ہمارے علاقوں میں گھس کر حملہ آور ہوئے اور نہ صرف ہمارے قیدی چھڑا کر لے گئے بلکہ ہمارے محل کے لئے جو پتھر لانے کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا، وہ بند ہو گیا ہے۔“

جوزین کے یہ الفاظ سن کر نکسار خاموش رہا، کچھ بھی نہ کہا۔ اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ نیا لوق اسی روز کچھ مزدوروں کو لے کر پھر سے پتھر اٹالیہ بھیجنے کا سلسلہ شروع کرے گا اور ارمناک کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ اسے اس مشقت کے لئے مسلمان نوجوان مہیا کریں۔ اس کے ساتھ ہی بارگن نے گفتگو کا وہ سلسلہ ختم کر دیا تھا۔



اناطالیہ کے حکمران بارگن کے قصر کی تعمیر کے لئے پتھر لے جانے کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا۔ نیا لوق جو بارگن کی بیوی اور ملکہ ارزیلہ کا بھتیجا تھا، اس نے پہلے کی طرح کوہستانی سلسلوں سے پتھر اٹالیہ بھیجتا شروع کر دیئے تھے اور پتھروں کی مشقت پر اجرت پر کام کرنے والے نصرانیوں کے علاوہ بارگن کی مملکت میں جو مسلمان آباد تھے، ان سے بھی مفت میں مشقت لینے کا کام شروع کر دیا گیا تھا۔

نیا لوق اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں کی حفاظت کے لئے بارگن نے اپنے ایک سالار ترنوک کی کمانداری میں ایک لشکر بھی متعین کیا تھا تاکہ وہاں کام کرنے والے لوگوں کی حفاظت کا سامان کیا جاسکے اور پہلے کی طرح کوئی حملہ آور ہو کر انہیں نقصان نہ پہنچائے۔ جو لشکر حفاظت کے لئے رکھا گیا تھا، اس نے کوہستانی سلسلہ کے دامن میں اپنا پڑاؤ قائم کر دیا تھا۔ دور تک خیمے نصب کر دیئے گئے تھے اور وہ لشکر پتھروں کو چھکڑوں میں لادنے کے کام میں بھی مدد کرنے لگا تھا۔

چنانچہ نیا لوق کو پتھروں کی مشقت کا یہ سلسلہ شروع کئے ہوئے اس روز تیسرا دن تھا۔ لوگ بڑی محنت سے کوہستانی سلسلہ کے اوپر سے پتھر لڑھکا رہے تھے۔ جو مسلمان مشقت پر لگائے گئے تھے، انہیں زنجیروں میں تو نہیں جکڑا گیا تھا لیکن انہیں اجرت پر نہیں بلکہ صرف

”وہ سامنے ان علاقوں کی حفاظت کے لئے بارگن نے جو اپنا لشکر مقرر کیا تھا، اس کی طرف جاؤ۔ وہاں تم لوگوں کو ضرورت کا سارا سامان ملے گا۔ کھانے پینے کے لئے اشیاء وافر ہوں گی۔ وہاں جاؤ، ہنگامہ کھڑا نہیں کرنا۔ آرام سے ترتیب اور سلیقے کے ساتھ جس چیز کی تمہیں ضرورت ہے، وہاں سے لے لو اور اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔“

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ پر ان جوانوں کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ وہ بارگن کے سالار ترنوک کے پڑاؤ کی طرف گئے، وہاں سے اپنی اپنی پسند کی چیزیں لے کر وہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد سیف الدین نے باقی لوگوں کا جائزہ لیا۔ ایک ایک کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ نیالوق کے سامنے آن رکا۔ چونکہ اپنے چہرے پر اس نے اپنے خود کا نقاب ڈالا ہوا تھا، لہذا نیالوق نے اسے نہیں پہچانا۔ مبارز الدین اور نجم الدین اپنے لشکر کے پاس کھڑے تھے۔

سیف الدین ابوبکر کچھ دیر تک نیالوق کو غور سے دیکھتا رہا۔ اُس کے اس طرح دیکھنے پر نیالوق پر کچھ طاری ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”تم دو قدم آگے آ جاؤ۔“

اس پر نیالوق کپکپانے کے انداز میں دو قدم آگے آ گیا۔ باقی کو مخاطب کر کے سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔

”تم بھی بارگن کے سالار ترنوک کے پڑاؤ کی طرف جاؤ۔ تم لوگوں کو بھی وہاں جو کام کی چیز ملتی ہے، لے کر اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔“

اس پر ان نصرانی نوجوانوں نے بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی ترنوک کے پڑاؤ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور پڑاؤ کی انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی تھی۔

اس کے بعد سیف الدین ابوبکر نے جب اپنے چہرے سے اپنے خود کا نقاب ہٹایا تو اسے دیکھتے ہوئے نیالوق کا رنگ پیلا ہو گیا تھا، آنکھوں کے اندر خوف رقص کرنے لگا تھا، ٹانگیں لرزنے لگی تھیں۔

یہاں تک کہ سیف الدین ابوبکر نے اسے مخاطب کیا۔

”سن نیالوق! اس جگہ کبھی تو زبردست تھا اور میں تیرے سامنے بے بس، زبردست

راستے معدوم کرتے غبار بھرے موسم، بربادی کے ان مٹ نقوش چھوڑتے تند و سفاک لمحات باشر بد دعائیں، بے لباس خواہشیں رزم گاہ میں ناچ اٹھی تھیں۔

بارگن کے سالار ترنوک نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ حملہ آوروں کو روک دے لیکن سیف الدین ابوبکر نے ایسے زوردار، جان لیوا حملے کئے کہ چند ہی لمحوں کے حملوں میں ترنوک کے آدھے لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا تھا اور باقی کا اس نے قتل عام شروع کر دیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ترنوک اپنے چند خاص ساتھیوں کے ساتھ اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بھاگنے کے ساتھ ہی سیف الدین نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ کوہستانی سلسلہ کے گرد پھیل جائیں تاکہ جو لوگ کوہستانی سلسلہ کے اوپر چڑھے ہیں، ان میں کوئی بھاگنے نہ پائے۔

دراصل ایسا سیف الدین ابوبکر اس لئے کر رہا تھا کہ اگر ان میں نیالوق شامل ہو تو اسے زندہ گرفتار کریں۔ اس لئے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دشنام طرازی اور آپ کی ذات محترم کے خلاف کچھ نازیبا جملے استعمال کئے تھے اور سیف الدین ابوبکر اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کی قسم کھا چکا تھا۔

جب کوہستانی سلسلہ کا گھیراؤ کر لیا گیا، تب جو لوگ کوہستانی سلسلہ کے اوپر چڑھ گئے تھے، انہیں مخاطب کرتے ہوئے سیف الدین ابوبکر نے حکمانہ انداز میں نیچے اترنے کا حکم دیا۔ حملہ آور ہوتے ہوئے بھی اور اب بھی سیف الدین ابوبکر اپنے چہرے پر اپنے خود کا نقاب ڈالے ہوئے تھا جب کہ مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام دونوں کے چہرے نیچے تھے۔

جب سب لوگ سیف الدین ابوبکر کے حکم پر نیچے اتر آئے، تب انہیں کوہستانی سلسلہ کے دامن میں کھڑا کیا گیا۔ پھر سیف الدین ابوبکر نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

”تم میں سے جو مسلمان ہیں، وہ ایک طرف ہو جائیں۔“

اس پر کچھ نوجوان ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ سیف الدین ابوبکر ان کے قریب گیا اور بڑی محبت اور شفقت میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہاں کام کرنے کی جو مشقت تم نے اٹھائی ہے، کیا تمہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے؟“

سب نے جب انکار کیا، تب سیف الدین ابوبکر ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

اس پر وہ لشکری بھاگا بھاگا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور ایک شخص کو پکڑ کر لایا جو اپنی پیٹھ پر کافی سامان لادے ہوئے تھا۔

اسے مخاطب کر کے سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔

”ڈرو نہیں۔ میں دیکھتا ہوں تم کپکپا رہے ہو۔ میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔ میرے خیال میں تم اپنے سامنے نیا لوق کی لاش دیکھ کر اس طرح لرز رہے ہو۔ فکرمند نہ ہو۔ میں نے تمہیں تمہارے کسی جرم کی سزا دینے کے لئے نہیں بلایا، تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ واپس اپنے مرکزی شہر اناطولیہ جانا، وہاں اپنے حکمران بارگن تک میرا یہ پیغام پہنچانا کہ اس کے نمائندے نیا لوق کو میں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ ایسا میں نے اس لئے کیا ہے کہ ایک موقع پر اس نے میرے رسول کے خلاف دشنام طرازی اور اہانت آمیز الفاظ استعمال کرنے کی جرأت و جسارت کی تھی۔ اور اس جرأت اور جسارت کی آج سزا اسے مل گئی ہے۔ تم جاسکتے ہو۔“

اس کے جانے کے بعد سیف الدین ابوبکر پھر حرکت میں آیا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اب اس سمت چلو جہاں بارگن کے سالار ترنوک نے پڑاؤ کیا تھا اور شکست اٹھا کر وہ بھاگ گیا ہے۔“

چنانچہ سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام تینوں اپنے لشکر کو ترنوک کی خیمہ گاہ کے پاس لائے۔ خیمہ گاہ میں تھوڑا سا سامان بچا تھا۔ باقی کچھ مسلمان اور کچھ نصرانی مشقت کرنے والے لے گئے تھے۔ اس موقع پر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائیو! ابھی ہم نے اس کام کی ابتدائی ہے۔ خداوند قدوس نے چاہا تو آنے والے دور میں تمہیں ان گنت مواقع پر اپنے لئے فائدے حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔ بہر حال جو کچھ اس خیمہ گاہ میں ہے، اس پر قبضہ کر لو۔ خیمے تہہ کر لو اور جس قدر گھوڑے ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے ہیں، انہی پر یہ خیمے لاد کر گھوڑوں کی باگیں ایک دوسرے سے باندھ دو تاکہ ہم واپسی کا سفر شروع کر سکیں۔“

سیف الدین ابوبکر کے کہنے پر اس کے ساتھی بڑی تیزی سے حرکت میں آئے۔

اور فریادی تھا۔ دیکھ وقت کا انقلاب۔ اب میں مختب ہوں اور تو میرے سامنے بے بس و مجبور کی طرح کھڑا میرے فیصلہ کا منتظر ہے۔ نیا لوق! کبھی تو مسلمانوں کے لئے جسم و روح کا آزار، بے وصف کر دینے والے موسموں، شعور ذات میں بھنور بناتے کرب اور زندگی کے ماہ و سال میں صحرا کے آشوب جیسا تھا اور آج دیکھ میرے سامنے تیری حالت بہری سوچوں، غموں کی مرجھائی شاخ، دکھ کے مگر، ہجر کے اندھے سفر کی سی ہے۔ نیا لوق! اگر تو نے میری ذات کے خلاف برے الفاظ استعمال کئے ہوتے، مجھے مار پیٹا ہوتا، میری اہانت و تذلیل کی ہوتی، قسم خداوند قدوس کی، میں تجھے معاف کر دیتا۔ لیکن تو نے میرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دشنام طرازی کی۔ تو نے میرے اُس رسول کے خلاف اہانت آمیز الفاظ استعمال کئے جنہیں ہم خداوند قدوس کے بعد سب سے محترم اور صاحب عزت خیال کرتے ہیں۔

سن نیا لوق! ہمارے رسول ہمارے دلوں کی ہر گد گداہٹ، ہمارے سینے کی ہر سنسناہٹ، ہماری محبت کے حروف کی ہر وفا، ہماری سوچ و فکر کا ارتکاز ہیں۔ ہمارے لئے وہ ہدایت کی صبح نو کی علامت ہیں اور اس نگار خانہ سخن میں وہ ہمارے لئے عظیم اور محترم ہیں۔ جو بھی کائنات کے اندر ان کے خلاف بولتا ہے، اسے ہم سفاکیت و کمینگی کا پرتو، نیکو و بد بختی کا گولہ، گناہ و عصیاں کا منبع اور ذلت و پستی کا حقیر قصہ سمجھ کر اس کے خلاف حرکت میں آتے ہیں۔ نیا لوق! تو نے میرے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے ہوتے تو معاف کر دیتا۔ لیکن چونکہ تو میرے رسول کے خلاف بولا تھا، لہذا دنیا کی کسی عدالت، دنیا کے کسی مختب، دنیا کے کسی قاضی، دنیا کے کسی فقیہ کے سامنے بھی اس جرم، اس گناہ کی معافی نہیں ہے۔“

اس کے ساتھ ہی ایک جھٹکے کے ساتھ سیف الدین ابوبکر نے اپنی تلوار نکالی اور اپنے ہاتھ سے اس نے نیا لوق کی گردن کاٹ کے رکھ دی تھی۔

جب ایسا ہو چکا، تب سیف الدین ابوبکر نے اپنے ایک لشکری کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تھوڑی دیر پہلے نیا لوق کے ساتھی شکست اٹھا کر بھاگنے والے اپنے سالار کی خیمہ گاہ کی طرف گئے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔“

ترنوک کی خیمہ گاہ کو سمیٹ دیا گیا اور جس قدر جنگ کے دوران مرنے والے اپنے گھوڑے چھوڑ گئے تھے، ان گھوڑوں پر قبضہ کر کے ان پر سامان لادنے کے بعد سیف الدین ابوبکر اور اس کے دونوں ساتھی فارغ ہوئے ہی تھے کہ میخائیلو کے جن ساتھیوں کے ساتھ سلطان غیاث الدین نے سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین اور نجم الدین بہرام کا تعارف کرایا تھا، ان میں سے ایک وہاں پہنچا، سیف الدین ابوبکر کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں محترم میخائیلو کے ساتھیوں میں سے ایک ہوں۔“

اس موقع پر ہلکا سا تبسم سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ کہنے لگا۔
”تمہیں اپنا تعارف کرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب میخائیلو کے ساتھیوں کو پہچانتا ہوں۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“

اس پر وہ آنے والا ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

”یہاں سے لگ بھگ پانچ سے سات میل آگے اٹالیہ کے حکمران بارگن کا بھتیجا ارمناک ایک بہت بڑا لشکر لے کر ہماری سرزمینوں میں داخل ہوگا اور ہماری بستیوں پر حملہ آور ہو کر ان کی لوٹ مار کرے گا۔ ابھی تک بارگن اور اس کے بھتیجے ارمناک تک ان کے سالار ترنوک کی شکست کی خبر نہیں پہنچی۔ بارگن کا یہ بھتیجا اس حادثہ کا انتقام لینا چاہتا ہے جس کے تحت آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو آزاد کرایا گیا تھا۔ وہ ہمارے ہی علاقوں میں ہماری بستیوں کو لوٹے گا اور انہیں آگ لگا کر بھسم کرتا چلا جائے گا۔ ایسا کر کے وہ شاید ہم لوگوں کو یہ سبق سکھانا چاہتے ہیں کہ آئندہ سلطان غیاث الدین کے کسی لشکر کو ان کے خلاف حرکت میں نہیں آنا چاہئے۔“

آنے والا ہرکارہ جب رکا، تب انتہائی غصہ کے عالم میں سیف الدین ابوبکر بول اٹھا۔
”بارگن کے اس بھتیجے کی ایسی کی تمیسی۔ میں اسے جنگ کی تباہی میں ایسا الجھاؤں گا کہ خوف ناک خواب اس کو دن کے وقت بھی دکھائی دیں گے۔ تم ان علاقوں تک ہماری راہنمائی کرو گے، جہاں ارمناک ہمارے علاقوں میں داخل ہونے کے بعد تباہی اور ترکتاز کا کھیل کھیلے گا۔“

آنے والے اس ہرکارے نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ یہاں تک کہ سیف الدین

ابوبکر نے اس موقع پر ایک گہری نگاہ باری باری مبارز الدین اور نجم الدین بہرام پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”میرے دونوں ساتھیو! میں جانتا ہوں اس وقت ہمارے پاس چھوٹا سا ایک لشکر ہے اور بارگن کا بھتیجا یقیناً بہت بڑا لشکر لے کر آیا ہوگا۔ لیکن ہم نے اسے اپنی سرزمینوں میں داخل نہیں ہونے دینا۔ اسے ایسا شرمسار کریں گے کہ ذلت اٹھا کر اسے واپس جانا ہوگا اور اس کے لئے ہمیں کسی طریقے اور سلیقے کے ساتھ اس سے اُلجھنا ہوگا۔ جو کچھ میں چاہتا ہوں میرے دونوں ساتھیو! غور سے سننا۔ لشکر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس رہے گا۔ دوسرا حصہ مبارز الدین اور نجم الدین! تم دونوں کے پاس ہوگا۔ یہاں سے اکٹھے ہم آگے بڑھیں گے۔ ہمارا خبر ہماری رہنمائی کرے گا۔ دشمن سے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر ہم دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ میں بارگن کی سرزمینوں میں چکر کاٹتا ہوا ارمناک کے لشکر کے دوسری سمت جاؤں گا۔ جب کہ تم اور نجم الدین دونوں اسی طرف رہو گے، جس طرف ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔“

تھوڑا سا آگے جا کر میں مڑوں گا اور ارمناک کے لشکر کے پچھلے حصہ پر حملہ آور ہوں گا۔ ظاہر ہے جب میں ایسا کروں گا تو دشمن کا لشکر مڑ کر مجھے اپنا ہدف بنانے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ میرے پیچھے لگیں گے، تب ان کی پشت کی طرف سے مبارز الدین! اور نجم الدین بہرام! تم دونوں حملہ آور ہو جاؤ گے۔ اور جب وہ میرا پیچھا چھوڑ کر تم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے تو میں ان کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر انہیں ایسا نقصان پہنچاؤں گا کہ تم پر حملہ آور ہونے کے ارادوں کو وہ فراموش کر دیں گے۔

ایسا کرنے کے بعد پھر ہم پیچھے ہٹ کر شمال کی طرف یعنی اپنے علاقوں کی طرف بڑھیں گے۔ اس وقت تک دشمن کے لشکر میں تبدیلی آچکی ہوگی۔ وہ اس طرح کہ جس وقت وہ ہمارے علاقوں کی طرف بڑھ رہے ہوں گے، اس وقت ارمناک اور اس کے دوسرے سالار لشکر کے آگے ہوں گے اور جب ہم ان کی پشت پر ضرب لگا دیں گے تو پھر ارمناک اور اس کے ساتھی سالار پشت کی طرف آجائیں گے۔ ہم دونوں جب شمال کی طرف بڑھ جائیں گے، پھر آگے جا کر یکجا ہو جائیں گے اور اکٹھے ہو کر پھر پشت کی جانب سے ان پر حملہ آور ہوں گے۔ اس سے پہلے ان کی پشت جنوب کی طرف ہوگی۔ جب ہم جنوب کی

ارمناک دوبارہ ہمارے علاقوں میں داخل ہونے کے لئے آیا تو اس کی راہ روکیں گے، اس سے نکل جائیں گے۔ چاہے اس کے لشکر کی تعداد کتنی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اگر وہ واپس چلا جاتا ہے تو پھر جس قدر ہمارے پاس سامان ہوگا، اسے لے کر ہم قونیہ کا رخ کریں گے۔ اتنی دیر تک دشمن کے گھوڑوں پر لا دکر جو سامان ہم نے یہاں سے روانہ کیا تھا، وہ بھی وہاں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد لشکریوں کو چند دن سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے بعد سلطان سے اجازت لے کر پھر ہم ان علاقوں کی طرف آئیں گے اور بارگن کی بستیوں کو اپنا ہدف بنائیں گے۔ اس لئے کہ اس کام کی ابتدا چونکہ بارگن نے ہی کی ہے کہ مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹو اور برباد کرو۔ لہذا اب اس کا خمیازہ انہیں بھگتنا ہی ہوگا۔

مبارز الدین اور نجم الدین دونوں نے سیف الدین ابوبکر کی تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر آنے والے اس خبر کی راہنمائی میں وہ وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

سیف الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے سفر کیا تھا یہاں تک کہ ایک جگہ مخبر نے سیف الدین کو روکنے کے لئے کہا۔ سیف الدین رک گیا۔ لشکر کو بھی اس نے روک دیا۔ پھر مخبر کہنے لگا۔

”میرا اندازہ ہے وہ یہاں تک پہنچ گئے ہوں گے۔ یہاں سے آگے وہ زیادہ سے زیادہ ایک میل دور ہوں گے۔“

لہذا وہیں لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس موقع پر تو صفی انداز میں سیف الدین نے اس خبر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم اس طرح ہماری راہنمائی کر رہے ہو۔“

پھر سیف الدین نے مبارز الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”مبارز الدین اور نجم الدین! تم دونوں یہیں دو۔ میں دائیں جانب سے چکر کاٹ کر دوسری سمت جاتا ہوں۔ جب میں تمہاری نگاہوں سے اوچھل ہو جاؤں، تب تم دونوں اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھنا شروع کرنا۔ اس کے بعد جب میری طرف سے تمہارے کانوں میں بکسیروں کی آوازیں پڑیں تو یوں سمجھنا، میں دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا ہوں اور تم بھی اپنے رد عمل کا اظہار کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد رہنا۔“

مبارز الدین اور نجم الدین نے جب اثبات میں اپنی گردن ہلائی، تب اپنے حصہ کے

طرف حملہ آور ہو جائیں گے پھر ارمناک اور اس کے ساتھی جنوب کی طرف آجائیں گے اور ان کی پشت شمال کی طرف ہو جائے گی۔ اس طرح شمال اور جنوب دونوں سمتوں سے ہم انہیں نقصان پہنچائیں گے۔ اس کے بعد ہم ایک دم بڑی تیزی اور برق رفتاری سے مغرب کی طرف چلے جائیں گے۔ وہ ہمارا تعاقب نہیں کریں گے۔ ان کو خبر نہیں ہوگی کہ یہاں سلطان غیاث الدین کے کتنے لشکر سرگرداں ہیں۔ اس کے بعد ارمناک کی طرف سے دو قسم کا رد عمل سامنے آ سکتا ہے۔

اگر ارمناک کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ ہے تو پھر وہ میرا اندازہ ہے، واپس نہیں جائے گا۔ انتظار کرے گا اور ہماری بستیوں کو اپنا ہدف ضرور بنائے گا اور اگر اس کے لشکر کی تعداد کم ہے تو پھر وہ خوف زدہ ہوگا اور واپس جانے کو ترجیح دے گا۔ ان دونوں رد عمل میں سے ایک ضرور ہوگا۔ میرے عزیز بھائیو! اگر تو ارمناک اپنے لشکر کو لے کر واپس اپنے مرکزی شہر اٹالیہ کی طرف جاتا ہے تو یوں جانو وہ شکست قبول کرے گا، ناکام اور نامراد واپس جائے گا۔ اور اگر وہ واپس نہیں جاتا، وہیں رک جاتا ہے، انتظار کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ ہماری بستیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پھر آگے بڑھے گا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر ہم ایک دوسرے رد عمل کا مظاہرہ کریں گے۔ جب ہم دیکھیں گے اور ہمارے ہر کارے ہمیں خبر دیں گے کہ ارمناک سنبھلنے کے بعد پھر ہمارے علاقوں کی طرف بڑھا ہے تب ہم بارگن کے علاقوں میں ان کی بستیوں پر حملہ آور ہو کر جس طرح ماضی میں یہ لوگ ہمارے علاقوں یا اپنے علاقوں کے اندر مسلمانوں کی بستیوں کو ہدف بناتے رہے ہیں، ایسا ہی ہدف ہم ان کی بستیوں کو بنائیں گے اور وہاں سے اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ساتھ ہی چاروں طرف یہ خبر پھیلا دیں گے کہ سلطان غیاث الدین سلجوقی کے سالاروں نے بارگن کے علاقوں میں اس کی بستیوں کے اندر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔

ارمناک کے پاس جب یہ خبریں پہنچیں گی میرے عزیز بھائیو! یاد رکھنا وہ آگے پیش قدمی کرنا بھول جائے گا، مڑے گا تاکہ ہمارے ہاتھوں سے لٹنے والی بستیوں کا تحفظ کرے۔ اور جب ہمارے مخبر بتائیں گے کہ ارمناک ہماری طرف آ رہا ہے تو ہم کوچ کریں گے اور اپنے علاقوں میں جا کر ایک محفوظ جگہ گھات لے لیں گے، انتظار کریں گے۔ اگر تو

لشکر کے ساتھ سیف الدین ابوبکر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

دوسری طرف اناطولیہ کے حکمران بارگن کا بھتیجا ارمناک بڑے پرسکون انداز میں اپنے بہت بڑے لشکر کے ساتھ سلطان غیاث الدین سلجوقی کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا اور اب وہ کافی نزدیک پہنچ چکا تھا۔ یہاں تک کہ ایک طرف سے اپنے لشکر کے ساتھ سیف الدین نمودار ہوا، اپنے لشکر کو اس نے دھواں دھواں شام کے الاؤ میں لہو میں بھاگتی خواہشوں، جستجو کے سارے پیچ و خم ادھیڑ تے سسکتی ویرانیوں کے سلگتے لحوں کی طرح آگے بڑھا۔ اس کے بعد وہ ارمناک کے لشکر پر روشنی شاموں کی تاریکیوں، بادلوں کی گرج، دہکتے خوابوں کے سایوں میں طوفانی شر، بے تحریر دکھ، زندگی کے مصاف کو محدود کرتے نفرت کے لاؤں، ٹیڑھے میڑھے صحرائی راستوں کے نشان تک منادینے والے دکھ کے صحرا سے اٹھتے ریگزاروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر تکبیریں بلند کرتا ہوا حملہ آور ہوا تھا اور ارمناک کے لشکر کے ایک حصے کو اس نے تقریباً کاٹ کے رکھ دیا تھا۔

ارمناک کو جب حملہ ہونے کی خبر ملی تو وہ اس وقت اپنے لشکر کے آگے آگے تھا۔ اپنے سالاروں کے ساتھ وہ پشت کی طرف آیا اور حملہ کرنے والوں پر اس نے جوابی حملے کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کے کہنے پر اس کے لشکری بھی سانسوں کی اوس چاٹتے موت کی گہری نیند سلاتے جبر کے ہولناک طوفانوں، اُمیدوں کے در بند کر دینے والے دست بلاخیز، ہر شے کو بے تکریم کرتی خونی اور زہریلی کہانیوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

کچھ دیر تک سیف الدین ابوبکر ہولناک انداز میں حملہ آور ہوتا رہا۔ اس پر جو حملہ کیا گیا، اس کو روکنا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ ارمناک کے لشکریوں نے شاید یہ سوچا کہ مسلمانوں کا وہ چھوٹا سا لشکر شکست اٹھا کر بھاگنے لگا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پیچھا کیا۔ جوں ہی انہوں نے پیچھا کیا، پشت کی جانب سے ایک دم مبارز الدین اور نجم الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے اور سیف الدین ابوبکر اور اس کے لشکریوں کا تعاقب کرنے والوں پر شعلوں میں ملبوس ہیبت خیز شراروں، موت کی مہریں ثبت کرتی تباہی کے طلسم کی تابکاری، سینوں میں اُلجھن بن جانے والے بگولوں، اُن دیکھے دکھوں کے جھکڑوں میں کروٹیں لیتی بدترین تقدیر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جس طرح سیف الدین نے حملہ آور ہو کر ارمناک کے لشکر کو کافی نقصان پہنچایا تھا، ایسا ہی نقصان مبارز الدین اور نجم الدین نے بھی پہنچا دیا تھا۔ البتہ جس لشکر نے سیف الدین کا تعاقب شروع کیا تھا، وہ مڑ کر مبارز الدین اور نجم الدین پر حملہ آور ہوا۔ جوں ہی انہوں نے ایسا کیا، سیف الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ پھر مڑا اور وہ مبارز الدین اور نجم الدین کی طرف بڑھنے والے دشمن کے لشکریوں پر زندگی کی کراہوں میں بے سکون سوالوں کے شعور کی طرح حرکت میں آیا اور پھر وہ دلوں میں شکست کے خواب، پاؤں میں بربادی کی زنجیریں باندھتی ہولناکیوں، تاریخ کو اپنا خون دے کر اپنی قوم کے لئے مقدس صحیفے تحریر کرتے انقلاب کے ہولناک قافلوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اس طرح سیف الدین ابوبکر نے حملہ آور ہو کر جب تعاقب کرنے والوں کے آدھے لشکر کو موت کے گھاٹ اتار دیا، تب انہوں نے تعاقب ترک کر دیا۔ اس کے بعد سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین اور نجم الدین نے اپنی کارروائی کے اہم حصے پر عمل کیا۔ سیف الدین دائیں جانب سے ہو کر اور مبارز الدین اور نجم الدین بائیں جانب سے ہو کر بڑی تیزی سے اپنے لشکر کو لے کر شمال کی طرف بڑھ گئے تھے۔

شمال کی طرف جانے کے بعد دونوں لشکر ایک بار پھر سیف الدین ابوبکر کی کمانداری میں متحد ہو گئے تھے۔ اب ارمناک اپنے لشکر کی جنوبی سمت میں تھا۔ لہذا شمال کی طرف اس کے لشکر کی پشت ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہاں پہنچتے ہی سیف الدین ابوبکر نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اپنے لشکر کو تیار کیا۔ پھر وہ ایک بار پھر ارمناک کے لشکر کی پشت پر نطق کے کمال سے محروم کرتے سلگتی ریت کے جھکڑوں، زندگی کے لحوں سے اُلجھتے صحرائی بگولوں کی سرگرمی، تاریخ کی رفتار اور وقت کے منجد ہار میں دشتِ قضا اور فنا کے اجنبی لحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

ایک بار پھر سیف الدین ابوبکر نے ارمناک کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کے سینکڑوں لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس کے بعد وہ اچانک حرکت میں آیا اور اپنے پورے لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ دائیں جانب کو غائب ہو گیا تھا۔

ارمناک اپنے لشکر کے دوسرے سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کے شمالی حصے کی طرف آیا۔ اس نے دیکھا، اس سمت سیف الدین کے حملہ آور ہونے کے باعث دور تک اس کے

لشکریوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ارمناک تھوڑی دیر تک تاسف بھرے انداز میں اس صورت حال کو دیکھتا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنے لشکر کو وہاں قیام کرنے اور آرام اور سستانے کے لئے کہا۔ ابھی اس کے پاس خاصا بڑا لشکر تھا چنانچہ جو زخمی ہوئے تھے، ان کی دیکھ بھال کر دی گئی۔ لشکر کا ایک حصہ مستعد کر دیا گیا تھا تاکہ دشمن کا کوئی لشکر اس پر شب خون نہ مارے۔

اس کے بعد ارمناک کے لشکر میں جو دوسرے چھوٹے بڑے سالار تھے، ارمناک نے ان سب کو اپنے پاس بلایا۔ جب سب اس کے پاس جمع ہو گئے، تب ارمناک انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس وقت دشمن کا ہم پر اس طرح حملہ آور ہونا ہی ایک بہت بڑا مقصد حاصل کرنا ہے۔ اس طرح حملہ آور ہو کر دراصل غیاث الدین سلجوقی کے لشکری ہمیں اپنی سرزمینوں میں داخل ہونے سے روکنا چاہتے ہیں۔ پر ایسا نہیں ہوگا۔ میں ان کی سرزمینوں میں ہر صورت داخل ہوں گا، ان کے ارادوں کے ہر مد و جزر، ان کے ہر عناد کی قوت، ان کی ہر برائی کی بافندی کو ذلت و پستی کے قصوں، خوں رسیدہ درد کی دھند، عذاب طاری کرتی ہولناکیوں میں تبدیل کر کے رہوں گا۔ ہم سے ٹکرا کر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس طرح چوہے بلی کا کھیل کھیل کر ہم پر ایک طرف سے حملہ آور ہو کر پھر بزدلوں کی طرح بھاگ جانے کی وجہ سے وہ ہمارے ارادوں کو پسا کر دیں گے اور ہماری پیش قدمی کو روک دیں گے، ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم پیش قدمی کریں گے اور دشمن کے علاقوں میں گھس کر وہ تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلیں گے جو مسلمان مدتوں یاد رکھیں گے۔“

جب سیف الدین ابوبکر کو بھی میخانیکلو کے تحت کام کرنے والے ہرکاروں نے خبر دے دی کہ ارمناک نے وہاں قیام کر لیا ہے اور وہ ہر صورت میں ہمارے علاقوں میں داخل ہو کر ہماری بستیوں پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو یہ خبر ملتے ہی سیف الدین ابوبکر مبارز الدین اور نجم الدین بہرام کے ساتھ حرکت میں آیا اور بارگن کے علاقوں میں اس نے کئی بستیوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے شروع کر دیئے تھے۔ اس نے کسی شخص کو قتل نہیں کیا تاہم اپنے لئے خوراک کے ذخائر وہ ضرور حاصل کرتا رہا تھا۔

آخر یہ خبریں ارمناک کو بھی پہنچ گئیں۔ یہ صورت حال اس کے لئے بڑی عجیب و غریب

اور تکلیف دہ تھی۔ لہذا اس نے فوراً اپنے لشکر کا پڑاؤ وہاں سے اٹھایا اور بڑی تیزی سے اس سمت بڑھا جس سمت سے اسے خبریں آئی تھیں کہ مسلمانوں کے کسی لشکر نے ان بستیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں نقصان پہنچانا شروع کر دیا تھا۔

ارمناک جب ان بستیوں کے قریب پہنچا تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ سیف الدین ابوبکر اپنا کھیل کھیل کر واپس جا چکا تھا۔ ارمناک اس سارے علاقے کو کچھ دیر تک بڑے تاسف سے دیکھتا رہا پھر بول اٹھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میں مسلمانوں کے علاقوں میں داخل ہو کر ترک تاز کرنے کے اپنے ارادے سے باز آتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر میں نے ایسا کیا تو جن لوگوں نے ان بستیوں پر حملہ آور ہو کر ان کا حلیہ بگاڑا ہے، وہ پھر حملہ آور ہوں گے اور ہمارے لوگوں کو نقصان پہنچائیں گے۔“

ارمناک کے لشکری اور چھوٹے سالار تو پہلے ہی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے ارمناک کی ہاں میں ہاں ملائی اور پھر کچھ دیر وہاں قیام کرنے کے بعد ارمناک اپنے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر اٹالیہ کی طرف ہولیا تھا۔



انطا لیہ کی ملکہ ارزیلہ، اس کا بیٹا ہراکا، اپنی خوب صورتی کا جواب نہ رکھنے والی اس کی بیٹی جوزین اپنے قصر میں بیٹھے اپنے گھریلو موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے کہ قصر کے اس کمرے میں انطا لیہ کا حاکم بارگن داخل ہوا۔ وہ پریشان اور فکر مند تھا۔ گردن تقریباً جھکی ہوئی تھی۔ چہرے پر دور دور تک تفکرات کے آثار تھے۔ پھر آگے بڑھ کر وہ ارزیلہ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ تب ارزیلہ، اس کی بیٹی جوزین اور بیٹا ہراکا کچھ دیر تک پریشان کن سے انداز میں بارگن کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر گفتگو کا آغاز حسین اور خوب صورت جوزین نے کیا اور بارگن کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا! کیا بات ہے؟ آپ غیر متوقع اور خلاف معمول پریشان اور فکر مند ہیں۔ کیا کوئی بری خبر آئی ہے؟“

بارگن نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی پھر وہ دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”جس وقت کسی نے حملہ آور ہو کر وہاں زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمان قیدیوں کو رہائی دلائی تھی، ان قیدیوں میں ایک شخص سیف الدین ابوبکر تھا۔ یہ ساری تفصیل مجھے مخبروں نے آ کے بتائی ہے۔ سیف الدین ابوبکر کے دوست تھے۔ ایک کا نام مبارز الدین اور دوسرے کا نام نجم الدین۔ یہ تینوں انا طولیہ کے سلطان غیاث الدین کے پاس پہنچے۔ کہتے ہیں، سیف الدین ابوبکر نام کا شخص انتہا درجہ کا دلیر، جرأت مند اور تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس بنا پر غیاث الدین نے اسے اور دونوں ساتھیوں کو اپنے لشکر میں شامل کیا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ سیف الدین ابوبکر اب ہمارے خلاف ایک طرح سے انتقامی جارحیت رکھتا ہے۔ اس کی ماں بچپن میں مر گئی تھی۔ اس کے باپ نے دوسری شادی

کر لی۔ سوتیلی ماں کا سلوک اس کے ساتھ اچھا نہیں تھا۔ اس کا باپ اسے لے کر کسی دوسرے مقام پر جانے کے لئے نکلا تھا کہ کچھ نصرانی ان پر حملہ آور ہوئے۔ سیف الدین ابوبکر کے باپ کو قتل کر دیا، سیف الدین کو قیدی بنا لیا گیا اور قیدی کی حیثیت سے یہ نیا لوق کے تحت پتھر چکڑوں میں لادا کرتا تھا اور زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

اب جس لشکر نے ترنوک کے لشکر کو شکست دی ہے، اس لشکر کا کماندار بھی سیف الدین ابوبکر تھا اور جس شخص نے نیا لوق کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، وہ یہی سیف الدین ابوبکر ہے۔ کہتے ہیں جس وقت نیا لوق نے ان کے رسول کے خلاف اہانت کے جملے استعمال کئے تھے، اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ نیا لوق کو قتل کرے گا۔ لہذا اس نے ایسا کر دکھایا۔“

بارگن جب خاموش ہوا تب انتہائی نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے جوزین کہنے لگی۔

”بابا! ایک جردا ہے، ایک گلہ بان کی یہ جرأت اور جسارت کہ اس نے ترنوک جیسے ہمارے سالار کو شکست دی اور اس کے لشکر کا صفایا کر دیا اور نیا لوق کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جوانی کا ردوائی کے طور پر ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ایسے بدترین مسلمان کی تو وقت ضائع کئے بغیر گردن کاٹ دینی چاہئے تھی۔“

اس موقع پر بارگن نے ایک گہری نگاہ اپنی بیٹی جوزین پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”بیٹی! میں نے آج ہی دو تیز رفتار اہلکاروں کو اپنے پیچھے ارمناک کی طرف بھجوایا ہے اور اسے یہ کہلا بھیجا ہے کہ جس مسلمان سالار نے نیا لوق کو قتل کیا ہے اور ترنوک کو شکست دی ہے، اگر اس سے اس کا ٹکراؤ ہو تو کوشش کرے کہ اسے زندہ پکڑ کر یہاں لائے تاکہ اسے ہم ذلت آمیز موت ماریں اور یہاں کے لوگ دیکھیں اور انہیں احساس ہو کہ کس طرح ہم نے نیا لوق کے قتل کا انتقام لیا۔“

اس کے بعد بارگن شاید اس موضوع سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا لہذا وہ گھریلو موضوعات پر گفتگو کرنے لگا تھا۔



دوسری طرف سیف الدین اپنے دونوں ساتھیوں مبارز الدین اور نجم الدین بہرام کے ساتھ لشکر کو لے کر جب قونیہ شہر میں داخل ہوا تو جس طرح اس کا استقبال کیا گیا، اس کی

سیف الدین ابوبکر نہ توقع رکھتا تھا نہ امید۔ سلطان غیاث الدین نے اپنے دونوں بیٹوں عز الدین کیاؤس اور علاؤ الدین کی قیادت کے علاوہ بڑے سالاروں میں سے حسام الدین یوسف، مبارز الدین ارتقش، زین الدین بشارہ اور دوسروں کے ساتھ شاندار انداز میں ان کا استقبال کیا تھا۔ لشکریوں کو مستقر اور اپنے گھروں کی طرف بھیج دیا گیا۔ سلطان غیاث الدین اور اس کے دونوں بیٹے عز الدین اور علاؤ الدین، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش، زین الدین بشارہ سب سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین اور نجم الدین بہرام کو لے کر قصر کے قریب جو عمارت بنی ہوئی تھی جس کے اندر سلطان عموماً مشاورت کے لئے اپنے امراء اور سالاروں کی مجلس طلب کیا کرتا تھا، وہاں داخل ہوئے۔

وہاں لگی نشستوں پر جب سب بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز غیاث الدین نے کیا۔ سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سیف الدین! جس مہم سے تم لوٹ رہے ہو، یہ مہم ایک طرح سے تمہارا امتحان تھی۔ میں جانتا چاہتا تھا کہ تمہاری کارکردگی اور تمہاری کارگزاری کس نوعیت کی سامنے آئے گی۔ تم نے جس انداز میں دشمن کا مقابلہ کیا، جس طرح نیا لوق کو موت کے گھاٹ اتارا، بارگن کے سالار ترنوک کو اس کے لشکر سمیت بدترین شکست دی اور پھر امناک بہت بڑا لشکر لے کر ہمارے علاقوں میں ترکتاز کرنے کے لئے آ رہا تھا، اس کے لشکر کو نہ صرف نقصان پہنچایا بلکہ واپس جانے پر مجبور کر دیا اور ساتھ ہی تم ان کی بستیوں سے بہت سامان لے کر آئے ہو۔ تمہاری یہ کارگزاری ایسی ہے کہ میں تمہارا شمار اپنے سب سے اچھے، کارگر اور بہترین سالاروں میں کرتا ہوں۔ تمہاری حیثیت میرے ایک سپہ سالار کی ہو گئی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان غیاث الدین جب دم لینے کے لئے رکا، تب بڑی انکساری اور عاجزی میں سیف الدین ابوبکر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں بنیادی طور پر ایک گلہ بان اور چرواہا تھا۔ میرے گھر کے حالات ایسے تھے کہ مجھے در بدری برداشت کرنا پڑی۔ آپ کے پاس پہلے جو بڑے سالار ہیں ان میں حسام الدین یوسف، مبارز الدین ارتقش اور زین الدین بشارہ ہیں۔ ان کا تجربہ، ان کی کارگزاری مجھ سے کہیں بہتر ہوگی۔ لہذا میں اپنے آپ کو ان سے بہتر نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ.....“

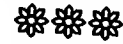
یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین ابوبکر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بڑے سالاروں میں سے حسام الدین یوسف مسکراتے ہوئے بولا اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”سیف الدین! اس میں کوئی شک نہیں تم نوجوان ہو۔ عمر میں ہم سے بہت کم ہو۔ لیکن قسم خداوند قدوس کی، تمہاری کارگزاری ہم سے کئی درجے بہتر ہے۔ میں اپنے خداوند قدوس کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ سلطان نے تمہیں ایک طرح سے اپنے بعد اپنا سالار اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ یہ تقرری ہماری خوشی، ہمارے سکون اور ہمارے اطمینان کا باعث ہے۔ میرے عزیز بھائی! اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو نہ کرنا۔ تم ایک ایسے سالار ہو کہ میں اپنے سارے ساتھی سالاروں کی طرف سے بے کراں اور کف آلود سیلابی ریلے، آتشیں لمحوں کے دستِ فوجی تمہاری شجاعت، نیا آسودگی کے انگاروں، دلوں کی کھولتی لہروں جیسی تمہاری ہنرمندی، تباہی کے تازہ موسموں اور خوف کی پھیلتی لو بھری لہروں جیسی تمہاری شجاعت، دلوں پر وحشت طاری کرتے زہر بھرے قلمروں جیسی تمہاری دلیری کو سلام پیش کرتا ہوں۔ قسم خداوند قدوس کی، آنے والے دور میں اگر ہمیں کسی کے تحت اپنی کارروائی یا اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملا تو ہم تمہاری سالاری میں کام کرتے ہوئے فخر محسوس کریں گے۔ تمہیں ہم سارے سالاروں پر تین طرح سے فوقیت حاصل ہے۔

سنو میرے بھائی! تیغ زن تم بھی ہو، تیغ زن ہم بھی ہیں۔ لیکن تیغ زنی میں تم یقیناً ہم پر فوقیت رکھتے ہو۔ یہ ایک خوبی ہے جو ہمارے اندر بھی ہے اور تمہارے پاس بھی ہے۔ لیکن تمہاری خوبی ہم سے اعلیٰ وارفع ہے۔ تمہارے پاس جو دو خوبیاں ہیں، وہ ہم سالاروں میں کسی کے پاس نہیں وہ یہ کہ تم حافظ قرآن ہو، یہ تمہاری دوسری بڑی صفت ہے اور تمہاری تیسری صفت یہ ہے کہ تم قاری ہو۔ اس طرح دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے پاس صرف ایک تیغ، تمہارے پاس تین شمشیریں ہیں۔ لہذا ہم سب پرانے سالار اپنے آپ پر تمہیں فوقیت دیتے ہیں۔“

حسام الدین یوسف کے ان الفاظ پر جہاں سلطان غیاث الدین، اس کے دونوں بیٹے ز الدین اور علاؤ الدین مسکرا رہے تھے، وہاں سیف الدین بھی بڑی عاجزی اور شکرگزاری سے حسام الدین کی طرف دیکھ جارا تھا۔ پھر سلطان نے سیف الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین! میں جانتا ہوں، فی الحال تمہارا قیام مستقر میں ہے۔ جب تم اپنا گھر آباد کرنا چاہو اور تمہیں کوئی لڑکی پسند آئے اور اس سے شادی کرنا چاہو تو مجھے بتا دینا۔ جس طرف بھی تم اشارہ کرو گے، اسے تمہاری زندگی کا ساتھی بنا دیا جائے گا۔ اور تمہاری رہائش کا میں خود بہترین، عمدہ بندوبست کروں گا۔ میرے خیال میں اب تم اٹھو! جا کر آرام کرو۔“

اس کے ساتھ ہی سب مشاورت کے لئے اس عمارت سے نکل گئے تھے۔



بارگن کے سپہ سالار اعلیٰ کسار کا بیٹا باز نیک اور انتہائی خوب صورت بیٹی بریزہ ایک روز اناطولیہ شہر کے نواح میں گھڑ دوڑ میں مصروف تھے کہ ایک طرف سے اناطولیہ کے حکمران بارگن کی بیٹی جوزینہ آتی دکھائی دی۔ وہ بھی اپنے گھوڑے کو دوڑاتی ہوئی آ رہی تھی۔ بریزہ اور باز نیک کی طرف آنے کی بجائے وہ ان سے ذرا فاصلے پر اپنے گھوڑے کو دوڑانے لگی تھی۔ اس موقع پر بریزہ نے اپنے گھوڑے کو روکا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا بھائی باز نیک بھی اپنے گھوڑے کو روک چکا تھا۔ یہاں تک کہ بریزہ نے اپنے بھائی باز نیک کو مخاطب کیا۔

”یہ جوزین جو مجھ سے کھسکی کھسکی رہتی ہے، کچھ اس طرح جیسے یہ مجھے ناپسند کرتی ہو۔ اگر یہ کہیں بیٹھی ہو، میں بھی وہاں پہنچوں تو اٹھ کے چلی جاتی ہے۔ گھڑ دوڑ کے لئے اگر یہ پہلے آجائے اور میں بعد میں آؤں تو گھڑ دوڑ ختم کر کے چلی جاتی ہے۔ اگر گھڑ دوڑ کے لئے میں پہلے آ جاؤں، یہ بعد میں آئے تو پھر ہم سے ذرا فاصلہ کر کے گھوڑے کو دوڑاتی رہتی ہے، ہماری طرف نہیں آتی۔ نہ جانے اس کے دل میں.....“

بریزہ اپنی بات مکمل نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ اس کا بھائی باز نیک جو بریزہ سے بڑا تھا، چھوٹی بہن بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میری عزیز بہن! تمہیں اس سلسلہ میں پریشان اور فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جوزین اگر ایسا کرتی ہے تو اس کی ایک وجہ ہے۔“

اپنے بھائی باز نیک کے ان الفاظ پر بریزہ چونکی، پھر پوچھنے لگی۔ ”میرے بھائی! کیا وجہ ہے؟“

باز نیک نے ایک گہری نگاہ اپنی چھوٹی بہن بریزہ پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”میری بہن! کبھی آئینہ کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی شخصیت کا جائزہ لینا۔ جوزین تم سے کتنی کھچی رہتی ہے اس لئے کہ سارے لوگ کہتے ہیں، جوزین کی نسبت بریزہ زیادہ خوب صورت ہے، پرکشش ہے اور اس کی نسبت اعلیٰ شخصیت کی مالک ہے۔ یہ باتیں جوزین کو ناگوار گزرتی ہیں۔ اس بنا پر وہ تم سے پہلو تہی کرتی ہے، تم کہیں جاتی ہو، وہاں سے اٹھ کر اس لئے چلی جاتی ہے کہ لوگ تمہاری اور اس کی خوب صورتی کا جائزہ لیں گے اور پھر جب تمہیں اس سے زیادہ خوب صورت قرار دیں گے تو یہ بات یقیناً اس کے لئے ناگواری کا باعث بنے گی۔ لہذا وہ پہلے ہی اٹھ کر چل دیتی ہے۔“

اپنے بھائی کے ان الفاظ پر بریزہ لمحہ بھر کے لئے مسکرائی پھر کہنے لگی۔

”بھائی! یہ خُسن اور خوبصورتی، اللہ کی دین ہے۔ اس میں نہ میرا کوئی کمال ہے نہ جوزین کا۔ لہذا اس سلسلہ میں ہمیں ایک دوسرے سے حسد تو نہیں کرنا چاہئے۔“

بریزہ کے ان الفاظ کا جواب باز نیک دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک گھڑ سوار اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ پہلے اس نے جوزین سے کچھ کہا جسے سنتے ہی جوزین نے اپنے گھوڑے کو موڑا اور اسے سرپٹ دوڑاتی ہوئی شہر کی طرف چلی گئی تھی۔

اس موقع پر آنے والے کو باز نیک نے ہاتھ کے اشارہ سے اپنی طرف بلایا اور وہ باز نیک کے قریب آیا تب باز نیک نے مخاطب کیا۔

”میرے عزیز! کیا ہوا؟ کیا تم کوئی پیغام لے کر آئے ہو جسے سن کر جوزین فوراً شہر کی طرف اپنے گھوڑے کو دوڑا کے چلی گئی ہے؟“

جواب میں آنے والا نوجوان تفکرات بھرے انداز میں بولا۔

”باز نیک! تمہارا کہنا درست ہے۔ ہم لوگوں کے لئے واقعی ہی یہ ایک بہت بری خبر ہے۔ ارمناک، جسے بارگن نے ایک بہت بڑا لشکر دے کر مسلمانوں کے علاقوں کے اندر ترکناز اور یلغار کرنے کے لئے بھیجا تھا، اسے مسلمانوں کے ایک سالار نے جسے کبھی نیا لوق نے اپنی اسیری میں رکھ کر زنجیروں میں جکڑا تھا، اس نے ارمناک کو شرمناک شکست دی ہے اور ارمناک کے لشکر کا خاصا بڑا حصہ اس نے تہ تیغ کر دیا ہے۔ اسی سالار نے پہلے ترنوک کو شکست دی اور پھر نیا لوق کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس لئے کہ نیا لوق نے ان کے رسول کے خلاف گستاخانہ کلمات کہے تھے۔ اس وقت وہ سالار اسیری کی حالت میں

تھا۔ اسیری کی حالت میں ہی اس نے قسم کھائی تھی کہ نیا لوق کو وہ اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایسا کر دکھایا۔ اس کے بعد اس نے لگا تار ہمارے سالاروں کو مٹی میں ملا کر رکھ دیا۔ ترنوک کو اس نے بری طرح دھویا ہے اور آج ارمناک کو اس کے لشکر سمیت اس نے مانجھ کر رکھ دیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا جب خاموش ہوا تب اسے مخاطب کر کے باز نیک کہنے لگا۔

”اچھا تم جاؤ۔ ہم تمہارے پیچھے پیچھے شہر کا رخ کرتے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی، پھر بریزہ اپنے بھائی باز نیک کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بھائی! مسلمانوں کا وہ سالار کیا عجیب و غریب شخصیت کا مالک نہیں ہے؟ کہتے ہیں، پہلے کبھی یہ گلہ بان اور چرواہا تھا۔ سوتیلی ماں کے ستم سے اس کا باپ اسے لے کر کہیں جا رہا تھا کہ کچھ نصرانی حملہ آور ہوئے، اس کے باپ کو قتل کر دیا اور اسے اسیر بنا کر بارگن کے نئے محل کے لئے جو پتھر آتے رہے ہیں، وہاں مشقت پر لگا دیا گیا۔ لیکن وہاں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد وہ ایک طرح سے انتقامی ہو چکا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بریزہ کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کا بھائی باز نیک بولا اور کہنے لگا۔

”بریزہ! تمہارا کہنا درست ہے پر میں نے یہ بھی سنا ہے کہ مسلمانوں کے سلطان غیاث الدین نے اسے اپنے لشکر میں سالار بنا لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر اس نے ترنوک کو شکست دی ہے، ارمناک کے لشکر کو نقصان پہنچایا ہے تو پھر وہ قونیہ کے سلطان غیاث الدین کے عہدہ اور بہترین سالاروں میں شامل ہو جائے گا۔ میری بہن! آؤ شہر کی طرف چلتے ہیں۔ بارگن کا بھتیجا ارمناک آگیا ہو گا اور وہ اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لئے جھوٹے سچے قصے ضرور سنائے گا۔ اس لئے کہ وہ بڑا مغرور، گھمنڈی اور خود پسند ہے۔ اپنے برابر کسی کو سمجھتا ہی نہیں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے اس سالار نے جس کا نام اب ہمارے علاقوں میں سیف الدین ابوبکر کی حیثیت سے گونجتا ہے، اس نے ارمناک کی ساری خود اعتمادی اور اس کی ساری خود پسندی نکال کے رکھ دی ہوگی۔“

بریزہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دونوں بہن بھائی اپنے گھوڑوں کو شہر کی طرف دوڑا رہے تھے۔

باز نیک اور بریزہ دونوں بہن بھائی جب اپنی حویلی میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا اس وقت ان کا باپ کسار بھی حویلی میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی اصطبل کی طرف چلے گئے۔ کسار آگے بڑھ کر ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں اس کی بیوی جبکہ باز نیک اور بریزہ کی ماں سیمس بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنی دیر تک باز نیک اور بریزہ اپنے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے کے بعد اسی کمرے میں داخل ہوئے۔ بریزہ آگے بڑھ کر اپنی ماں سیمس کے پاس بیٹھ گئی۔ جب کہ باز نیک اپنے باپ کسار کے پاس ہو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز بریزہ نے کیا اور اپنے باپ کسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! سنا ہے، ارمناک کو بھی شکست ہوئی ہے اور وہ واپس آ گیا ہے۔“

اس پر کسار بولا اور کہنے لگا۔

”بیٹی! جس وقت تم دونوں گھڑ دوڑ کے لئے گئے تھے، اس وقت ہی ارمناک شکست خوردہ لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تھا اور مجھے اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے بارگن نے بلایا تھا۔ دراصل ارمناک اپنی شکست تسلیم کرنے والا نہیں ہے۔ جو لشکر وہ لے کر گیا تھا، اس سے آدھے سے بھی کم لشکر وہ واپس لے کر آیا ہے۔ باقی کا مسلمانوں کے سالار نے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ اور جب بارگن نے ارمناک سے اُس کی اس شکست کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا کہ مسلمانوں کے اس سالار نے اس کے ساتھ دھوکے اور فریب کا کھیل کھیلایا۔ بارگن خفگی کی حالت میں تھا کہنے لگا، جنگ کھیل ہی دھوکے اور فریب کا ہے لہذا یہ کوئی معقول بہانہ نہ ہوا۔ آخر کار ارمناک نے بارگن کو یہ کہہ کر مطمئن کیا کہ وہ مسلمانوں کے اس سالار کو قتل کرنے کی قسم کھا چکا ہے اور اسے ہر حال میں پورا کرے گا۔ ساتھ ہی انہوں نے کچھ احقانہ فیصلے بھی کئے اور ایک فیصلہ میرے حق میں بہتر ہی ہوا ہے۔ مجھے انہوں نے آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے اور بارگن نے ارمناک کو اپنے لشکریوں کا سپہ سالار بنادیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد کسار جب خاموش ہوا تب بریزہ اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! یہ تو اچھا ہی ہوا۔ آپ آرام کریں۔ اب آپ کی عمر لڑائیوں میں دھکے کھانے کی

نہیں ہے۔ دیکھتے ہیں، ارمناک سپہ سالار بننے کے بعد کون سی بڑی کارروائی کرتا ہے اور کتنی بڑی جنگ جیتتا ہے۔“

تھوڑی دیر رکنے کے بعد بریزہ پھر بولی اور اپنے باپ عسکار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! سنا ہے، مسلمانوں کے جس سالار نے ارمناک کو شکست دی ہے، اسی نے ہمارے دوسرے سالار ترنوک کو بھی بدترین شکست دی اور ملکہ ارزیلہ کے بھتیجے نالوق کو بھی اسی نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔“

دھیمے لہجے میں عسکار مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بیٹی! تیرا کہنا درست ہے۔ یہ تینوں کام مسلمانوں کے اسی سالار نے کئے ہیں اور اس کا نام سیف الدین ابوبکر ہے۔ کمال کا آدمی ہے۔ کہتے ہیں، اس کا باپ اس کی سوتیلی ماں سے تنگ آکر اسے کہیں اور لے جانا چاہتا تھا کہ کچھ نصرانی ان پر حملہ آور ہوئے، اس کے باپ کو قتل کر دیا اور سیف الدین کو غلام بنالیا گیا۔ یہ بارگن کے قصر میں استعمال کے لئے جو پتھر آتے تھے، وہاں مشقت کرتا رہا۔ قیدی کی حیثیت سے اسے زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ جب اس کا چھکارا وہاں سے ہوا تو قونیہ کے سلطان غیاث الدین کی طرف گیا جس نے اس کی خوبیاں دیکھتے ہوئے اسے اپنا سالار بنالیا۔ اور اب جو خبریں لے کر آئے ہیں اور یہ خبریں بارگن تک پہنچائی ہیں، ان خبروں کے مطابق قونیہ کے سلطان نے اسے اپنے لشکر کا سالار اعلیٰ مقرر کر دیا ہے۔ میرے خیال میں ایک ایسا نوجوان جو پہلے گلہ بان ہو، پھر غلام رہا ہو اور سپہ سالار کے عہدے تک مقرر کر دیا گیا ہو، اس کے اندر کوئی نہ کوئی گن، کوئی نہ کوئی خاصیت، کوئی نہ کوئی ہنرمندی تو آخر ہوگی۔ دوسرا احتمالہ فیصلہ انہوں نے یہ کیا ہے کہ قونیہ کے سلطان غیاث الدین کے ساتھ جنگ چھیڑنے کا عزم کر لیا ہے اور آج سے ہی وہ جنگی تیاریوں کو آخری شکل دینا شروع کر دیں گے۔“

تیسرا احتمالہ فیصلہ بارگن اور ارمناک دونوں نے یہ کیا ہے کہ انہوں نے فلاڈلفیا کے حاکم ساماق کی طرف قاصد بھیجا ہے اور اس سے التماس کی ہے کہ اس کی مملکت میں جو دو بہترین قسم کے تیغ زن ہوں، انہیں اٹالیہ بھیجا جائے۔ اس لئے کہ وہ قونیہ کے سلطان کے خلاف جنگ کی ابتدا کرنا چاہتا ہے اور جنگ کی ابتدا سے پہلے وہ چاہتا ہے کہ انفرادی

مقابلے کا اہتمام کیا جائے۔ انفرادی مقابلہ کے لئے فلاڈلفیا کے کسی رومن کو میدان میں اتارا جائے گا اور وہ رومن، میدان میں اترنے کے بعد قونیہ کے سلطان غیاث الدین کے سالار سیف الدین کا نام لے کر انفرادی مقابلہ کے لئے دعوت دے گا اور اس انفرادی مقابلے میں اگر رومن، سیف الدین کو قتل کر دے تو اس کا مسلمانوں پر انتہا درجہ کا منفی اثر پڑے گا۔ اور بارگن کا خیال ہے کہ اس طرح انہیں قونیہ کے سلطان کے خلاف فتح حاصل ہو گی اور وہ قونیہ تک غیاث الدین کا تعاقب کرتے چلے جائیں گے۔

بارگن اور ارمناک دونوں چچا بھتیجا احمق پن اور خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔ قونیہ کا سلطان غیاث الدین جس سلجوقی خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس خاندان کے افراد کو تلوار اور تیغ زنی ورثہ میں ملی ہے۔ یہ اس کی طاقت اور قوت کا غلط اندازہ لگا رہے ہیں۔ میرا اپنا اندازہ اور خیال ہے کہ اس جنگ میں بارگن اور ارمناک کو بدترین شکست اور ذلت آمیزی کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

اس موقع پر سیمس اپنی جگہ پر سے اٹھی اور اپنے شوہر عسکار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جو بھی جیسا کر رہا ہے، اس کا خمیازہ خود ہی بھگتے گا۔ سورج غروب ہونے والا ہے۔ پہلے کھانا تو تیار کریں۔“

جب سیمس اپنی جگہ سے اٹھی تب اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ بھی کھڑی ہو گئی۔ پھر دونوں ماں بیٹی، مطبخ کی طرف چلی گئی تھیں۔



میخائیلو اور اس کے تحت کام کرنے والے کارندوں نے گو سلطان غیاث الدین کو بارگن کی جنگی تیاریوں کی اطلاع کر دی تھی لیکن شاید سلطان جنگ کی ابتدا اپنی طرف سے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس موقع پر ایک ایسا حادثہ پیش آ گیا کہ سلطان نے انطالیہ کے حکمران پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

ہوایوں کہ بارگن اور اس کے لواحقین اور کارندوں نے کچھ مسلمان تاجروں کو بری طرح لوٹ لیا۔ ان کا سامان چھین لیا اور جو کچھ وہ اپنے تن پر رکھتے تھے، انہی میں انہیں دھکے دے کر اپنے علاقوں سے نکال باہر کیا۔ چنانچہ یہ سارے تاجر، سلطان غیاث الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے لٹ جانے کی فریاد سلطان سے کی اور وہ مظالم بھی بیان کئے جو بارگن کے کارندوں اور لشکریوں نے ان پر کئے تھے۔

اس واقعہ کو مؤرخین کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ایک دن سلطان غیاث الدین حسب دستور اپنے قصر میں بیٹھا عدل و انصاف میں مصروف تھا۔ یکایک آدمیوں کا ایک گروہ محل سرا میں حاضر ہوا۔ یہ لوگ کپڑے چاک کئے ہوئے، سر پر خاک ڈالے ہوئے تھے۔ آخر انہوں نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی۔

”اے بادشاہ بلند اقبال! ہم لوگ مسلمان تاجر ہیں۔ اپنے اہل و عیال کے لئے کسب حلال کی غرض سے جا بجا مصیبت جھیلتے اور سفر کی تکلیف برداشت کرتے پھرتے ہیں۔ ہمارے بچے ہمیشہ انتظار میں رہتے ہیں کہ کب باپ کی صورت دیکھیں یا بھائی کا خط بھائی کو پہنچے۔ ہم مصر کے شہر اسکندریہ گئے تھے اور وہاں سے مال و اسباب لے کر تجارت کی غرض

سے انطالیہ کی سرحد پر آئے۔ یہاں ہمارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی۔ انطالیہ کے حکمران طبقے نے ہمیں ستایا، بغیر کسی گناہ اور جرم کے ہم سے کم و بیش ساری رقوم چھین لیں اور جو سامان ہمارے پاس تھا، چھین لیا اور انہوں نے اتنے گھمنڈ کا مظاہرہ کیا کہ کہنے لگے، اگر تمہیں شکایت اور تالش کرنی ہے تو جاؤ، قونیہ کے سلطان غیاث الدین کے پاس جاؤ جو تمہارے لئے عدل و انصاف کی بساط بچھائے بیٹھا ہے۔ اس کے پاس فریاد لے کر جاؤ تاکہ لشکر کشی کرے اور ہمارا سامنا کرے۔“

مؤرخین مزید لکھتے ہیں، جب سلطان غیاث الدین نے اپنے تاجروں سے یہ الفاظ سنے تو اسے تاجروں کی رسوائی، ان کے لٹ جانے پر بے حد افسوس ہوا۔ غصے سے بے تاب ہو کر اس نے قسم کھا کر کہا کہ جب تک تمہارا مال واپس نہ دلا دوں، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ ساتھ ہی سلطان نے تاجروں کو مخاطب کر کے کہا۔

”میں نے خود غربت کی تلخی چکھی ہے اور ظالموں کے ظلم دیکھ چکا ہوں۔ میں تو مسکینوں کا حال جانتا ہوں۔ جو مندے کی ٹوپیاں تم پہنتے ہو، ایسی مندے کی ٹوپی کبھی میں بھی پہنتا تھا۔ فکر نہ کرو۔“

اس کے بعد سلطان نے حسام الدین یوسف کو حکم دیا کہ تاجروں کو اپنے ساتھ لے جائے، ان کی رہائش، ان کے طعام اور آرام و سکون کا بہترین بندوبست کرے۔ ساتھ ہی ان تاجروں کو سلطان نے کچھ رقم دینے کا بھی حکم دیا اور ان سے یہ بھی وعدہ کیا کہ عنقریب وہ بارگن پر حملہ آور ہوگا اور اسے اس زیادتی کی سزا ضرور دے کر رہے گا۔

سلطان کے اس فیصلہ سے وہ تاجر خوش ہو گئے تھے۔ حسام الدین یوسف انہیں اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ چنانچہ اسی روز سے سلطان غیاث الدین نے بھی اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع کیا تھا۔ آخر ایک روز سلطان اپنے لشکر کے ساتھ قونیہ سے نکلا تاکہ بارگن پر ضرب لگائے۔ دوسری طرف بارگن کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ قونیہ کا سلطان غیاث الدین اس پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنے مرکزی شہر سے نکل چکا ہے۔ چنانچہ بارگن اور اس کا بھتیجا ارمناک بھی اپنے سالاروں کے ساتھ نکلے۔ اتنی دیر تک فلاؤلفیا کے حکمران ساماق سے بارگن کے پاس دو بہترین رومن تیغ زن پہنچ چکے تھے۔ بارگن نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے سلطان غیاث الدین کو اپنی سرحدوں پر روکے گا اور اپنے علاقوں کے اندر یلغار کرنے

نہیں دے گا۔ چنانچہ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے لشکر کے ساتھ سرحدوں کی طرف بڑھا۔ سلطان غیاث الدین کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ بارگن اپنے لشکر کے ساتھ اس کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ چنانچہ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک مناسب جگہ پر پڑاؤ کر لیا تھا اور سلطان کے سامنے آکر بارگن بھی اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا تھا۔ دونوں لشکروں کے اندر کچھ دیر تک جنگ کے طبل بجتے رہے، صفیں درست ہوتی رہیں، لشکریوں کو استوار کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ بارگن کے لشکر سے ایک تیغ زن اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا نکلا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں آیا، پھر سلطان غیاث الدین کے لشکر کی طرف منہ کرتے ہوئے اس نے سیف الدین ابوبکر کا نام لے کر انفرادی مقابلہ کے لئے لکارا تھا۔

راہب میخائیلو اس ساری صورت حال سے سلطان غیاث الدین اور سیف الدین کو پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا۔ لہذا اس پکار کے جواب میں سیف الدین ابوبکر فوراً حرکت میں آیا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے میدان کے وسطی حصے کی طرف بڑھا تھا۔

رومن کے سامنے جا کر سیف الدین نے اپنے گھوڑے کو روکا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرا نام تم جانتے ہو اس لئے کہ میرا نام لے کر تم نے انفرادی مقابلہ کے لئے دعوت دی ہے۔ میں سیف الدین ابوبکر ہوں۔ ذرا اپنا نام تو بتاؤ۔“

اس پر فلاؤلفیا کا رومن بولا اور کہنے لگا۔

”میرا نام اولود ہے اور تمہیں زیر کرنے اور تمہارا سر کاٹنے کے لئے مجھے فلاؤلفیا سے یہاں بھیجا گیا ہے۔“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ اولود نام کے رومن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ تو وقت بتائے گا اور میرا محترم خدا فیصلہ کرے گا کہ فلاؤلفیا سے تم میرا سر کاٹنے کے لئے آئے ہو یا میرے خدا نے اس کائنات کے اندر جو قانون فطرت بنا رکھا ہے، اس کے تحت تقدیر تمہیں اپنا سر کٹوانے کے لئے فلاؤلفیا سے یہاں لے آئی ہے۔ سن رومن! اس

وقت اس میدان میں تلوار ہی فیصلہ کرے گی کہ سر کون کاٹتا ہے اور کون کٹاوتا ہے۔“

سیف الدین کی اس گفتگو کے جواب میں رومن آتش صفت برہمی میں سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں یہاں تیرے دل کے تاروں کو توڑنے، تیری عظمت، توقیر پر کالک ملنے کے لئے آیا ہوں۔ ذرا مقابلہ کی ابتدا ہونے دے، پھر اپنی آنکھوں سے دیکھنا کہ میں کیسے طغیانوں کا جبر بن کر تیرے لئے ذلت کے نشان کھڑے کرتا ہوں۔“

ان الفاظ کے جواب میں ہلکا سا تبسم سیف الدین کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ کہنے لگا۔

”گلتا ہے تو نے آج تک بت گری اور بت پرستی کے سامنے واحدانیت کی شناسائی کو نہیں دیکھا۔ تو نے شاید اپنی زندگی میں چٹانوں کو غبارِ راہ میں بدل دینے والے اللہ اکبر کے طوفانوں کے محکم رقص کو نہیں دیکھا۔ ذرا تلواروں کو آپس میں ٹکراتے تو دے، پھر دیکھنا وقت کے اس بحرِ بے کراں میں، میں کیسے تیری نظر کو بے بصر، تیری ہر صدا کو بے صدا، تیری ہر تدبیر کو در بدر اور تیرے ہر ہنر و صنایع کو زندانی شب کی اسیری میں تبدیل کرتا ہوں۔“

سیف الدین کے ان الفاظ کے جواب میں اولود نام کا رومن بھڑکتی آواز میں پھر بول اٹھا۔

”تو مجھے زندانی شب کی اسیری کا کیا شکار کرے گا۔ میں تیرے جسم کے حروف و معانی کا رشتہ منقطع کروں گا، تیری ہر خواہش کو خزاں کے غم میں ڈوبی منحوس ساعتوں اور تیرے ہر جذبے کو الم کا نقیب بنا کر رکھ دوں گا۔ ان میدانوں کے اندر تیرے لئے میں بے کفن، دفن کر دینے والی بجر کی بے رنگ دھول چاروں سمت اڑا کر رکھ دوں گا۔“

اولود جب خاموش ہوا تب فیصلہ کن انداز میں سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”آ، گفتگو کا سلسلہ تمام کریں، ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں۔ تاکہ دیکھنے والے کی لکڑیاں دیکھیں کہ کون سر کاٹتا ہے، کون سر کٹاوتا ہے۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر رومن بے لباس ویرانیوں کی رونق مٹاتی دکھ کی کھولتی ہوں، تباہی کے تازہ موسموں، درد کی تاریک لہروں اور رقص کرتی دکھوں کی یلغار کی طرح سیف الدین پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سیف الدین بھی دھواں دھواں فضاؤں میں انگاروں کا کھیل کھیلتے آتشیں لمحوں کے دستِ فنا، زوال کے خاکوں کی طرح بکھیر دینے والے زہر بھرے قلمروں اور سناٹوں کے اندر گونجتی خوفناک آوازوں میں عذاب طاری کرتی ہولناکیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

کچھ دیر تک بڑے زہریلے انداز میں دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے یہاں تک کہ اپنے حملوں میں تیزی پیدا کرتے ہوئے سیف الدین ابوبکر اس رومن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سن رومن! تھوڑی دیر تک تیری زندگی بھر کی پونجی، تیرے عمر بھر کے اٹائے تیری موت کے اس میدان میں ختم ہونے والے ہیں۔ تیری زندگی کی ساری مسافتوں کو میں بہت جلد بے ثمر اور جھلستی دھرتی جیسا کرنے کے درپے ہوں۔“

جواب میں رومن بھی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔
”سن ریوڑوں کو ہانکنے والے! میں بھی تیرے جسم سے سارا کینہ و آزار نکال کے چھوڑوں گا۔“

رومن پر تیز وار کرتے ہوئے سیف الدین پھر بولا اور کہنے لگا۔
”یقیناً میں ریوڑ ہانکتا رہا ہوں لیکن اب تجھ جیسے خنزیر کو ہانکنے لگا ہوں۔ اگر کچھ کر سکتا ہے تو کر دکھا۔ ورنہ میں تیرے لئے تیری موت کا نذرانہ، تیرے لئے زہر کا پیمانہ، تیرے لئے ساحلوں کی شام، تیرے سایوں کو بے سفر کرنے لگا ہوں۔“

سیف الدین کے تیز حملوں کے باعث رومن پر اعضاء شکنی طاری ہو رہی تھی جو اسے چور چور کر رہی تھی۔ تھکاوٹ سے وہ بے جاں اور بے حس ہونے کے درپے تھا۔ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے الاؤ کے گونجتے شعلوں کی طرح بکسیریں بلند کرنا شروع کیں اور پھر اپنے حملوں میں ایسی تیزی پیدا کی کہ رومن بے بس ہو کر اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ پھر فضا کے اندر جست لگاتے ہوئے سیف الدین نے جب اپنی تلوار رومن کی تلوار پر ماری تب اس نے رومن کی تلوار کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ رومن انتہا درجہ کا پریشان اور فکر مند ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

سیف الدین نے اسے طنزیہ انداز میں مخاطب کیا۔

”میں ریوڑوں کو ہانکنے والا ضرور تھا۔ ٹو نے دیکھا، تجھ جیسے بھیڑیے کو کیسے ہانکا۔ ریوڑ ہانکتے ہوئے چھڑی سے کام لیا کرتا تھا لیکن اب تجھ جیسوں کو ہانکنے کے لئے تلوار سے کام لیتا ہوں۔ دیکھ میری تلوار نے تیری تلوار کو دو لخت کر دیا ہے۔“

اس کے بعد سیف الدین نے زیادہ وقت نہیں لیا۔ تلوار بلند کرتے ہوئے اس نے گرائی اور اس رومن کی گردن کاٹ کے رکھ دی تھی۔

ایسا کرنے کے بعد اسی کے لباس سے سیف الدین ابوبکر نے اپنی تلوار صاف کی، پھر ہارگن کے لشکریوں کی طرف منہ کر کے وہ بلند آواز میں بولا اور بارگن کے بھتیجے، اس کے سپہ سالار اعلیٰ، ارمناک کا نام لے کر اسے انفرادی مقابلے کے لئے لاکارا تھا۔

اس کے بعد سیف الدین ابوبکر نے ایک بار بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، پھر وہ کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ! ہمارے دشمن سموں کو کرچی کرچی، لمحوں کو لخت لخت کرتے نقشی اور کرب کے بگولوں کی طرح ہمارے سامنے صف آرا ہیں۔ یہ ہماری روح کی یکسوئی، ہمارے چہروں کی آسودگی، ہماری روحانی بالیدگی، ہمارے اعتماد کے آنگن، ہمارے تحفظ کے حصار اور ہماری پہچان کے حوالوں کو ہمارے کرنے کے درپے ہے۔ اے اللہ! تو ہی آنکھوں کے آنگن میں چاندنی برساتا، سمندر کی بے تاب موجوں کو تو ہی متحدر رکھتا ہے۔ صحرائی بے کنار یوں کی عصمت تیرے دم سے ہے۔ ہواؤں کی لامکانیاں تیری ذات سے وابستہ ہیں۔ تو انجم و ثریا کو اُن کی اوج عطا کرتا ہے، زمین کی عنایت تیری عطا سے ہے۔ میرے اللہ! تو ہی صدیوں کے غلیظ تمدن کو بربادی کی صلیب پر کھڑا کر دیتا ہے۔“

اے اللہ! اس رزم گاہ میں ہمارے دشمن، راستوں کو پامال کرتے آوارہ مزاج جھکڑ بن کر ہمارے سامنے ہیں۔ اے دو جہاں کے مالک! تو اکیلا مددگار ہے، باقی سب طلب گار ہیں۔ میرے اللہ! میں موحد ہوں، صرف تیری بندگی اور تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ میرے لبوں کا تبسم، میری نبض کی حرکت، میرے سینے کی آسودگی، میری آنکھوں کی چمک، میری خوشیوں کا پہچان میرے اللہ! سب تیری رضامندی سے وابستہ ہے۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے التجا کرتا ہوں کہ آج اس رزم گاہ میں شعلے برساتی موت کے طوفانوں کے سامنے مجھے ہمت و نصرت عطا فرما۔ میں دشمنوں کی اندھی وحشت، ان کی خون آشام عداوتوں، ان

لوہے کے وزنی نیزے پر ہوگا۔ جوں ہی میں مسلمانوں کے اس تیغ زن کے پاس جاؤں گا تو آؤ دیکھوں گا نہ تاؤ، پوری قوت سے اسے آہنی نیزہ دے ماروں گا اور اس کا کام تمام کر کے رکھ دوں گا۔ اسے قتل کرنے کے بعد میں واپس میدان میں آ جاؤں گا اور مجھے امید ہے کہ کامیابی و کامرانی میرے حصے میں آئے گی۔“

بارگن اور اس کے بیٹے ارمناک نے جب اس تجویز سے اتفاق کیا، تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بودان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ پھر وہ اس سمت بڑھا جہاں سیف الدین ابوبکر اپنے گھوڑے پر سوار انفرادی مقابلہ کی ابتدا کرنے کے لئے منتظر کھڑا تھا۔

بودان نام کا وہ رومن جب اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا سیف الدین ابوبکر کی طرف بڑھتا ہے اس کے بائیں ہاتھ میں ڈھال تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ اپنے دائیں جانب جھکا ہوا تھا۔ اس صورت حال کو شاید سیف الدین ابوبکر نے بھی بھانپ لیا تھا اس لئے کہ آنے والے رومن بودان کے ہاتھ میں اس کی تلوار نہیں تھی۔ اس پر سیف الدین ابوبکر فوراً حرکت میں آیا، اپنی تلوار اس نے زین کے ساتھ ہی جو فالتو میان لٹک رہی تھی، اس میں ڈالی اور اپنا ہاتھ وہ زین کے ساتھ بندھے ہوئے نیزے کی طرف لے گیا تھا۔ نیزہ اس نے کھول لیا اور اپنا کام کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔

بودان اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا نزدیک آیا، پھر ایک دم حرکت میں آیا، نیزہ سنبھالا اور تاک کر سیف الدین کو مارا۔ اس وقت تک سیف الدین بھی حرکت میں آچکا تھا۔ وہ بھی اپنا نیزہ سنبھال چکا تھا۔ اس نے بھی نیزہ پوری قوت سے بودان کے دے مارا تھا۔ بودان کا نیزہ جب سیف الدین کے قریب گیا، تب سیف الدین نے پورے زور کے ساتھ ڈھال مارتے ہوئے اس کا نیزہ ایک طرف پھینک دیا۔ اس وقت تک سیف الدین کا اتنی نیزہ بودان کی ڈھال کو چیرتا ہوا اس کے سینے میں پیوست ہو چکا تھا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے سینے میں پیوست ہو جانے والے نیزے کو تھامے بودان اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔

سیف الدین اپنے گھوڑے سے کودا، آگے بڑھا، بودان کے قریب گیا اور اسے لالچ کر کے کہنے لگا۔

”جواں مردوں کا شیوا نہیں کہ میدان جنگ میں آ کر اس طرح فریب سے کام لے

کی ہولناک عذاب رُتوں اور ان کے دکھ کے استعاروں کو روح کے بوسیدہ روگ سمجھ کر پامال کرتا چلا جاؤں۔“

جس وقت سیف الدین ابوبکر دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا یہ دعا مانگ رہا تھا، اس وقت مرنے والے رومن کا ساتھی، بارگن کے لشکر کے سامنے بالکل اُداس اور پریشان کھڑا تھا۔ اس موقع پر اٹالیہ کا حکمران بارگن اس کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بودان! مسلمانوں کے اس تیغ زن نے انفرادی مقابلہ کے لئے میرے بیٹے ارمناک کو لٹکا رہا ہے اور میں سمجھتا ہوں، ارمناک اس کا مقابلہ نہیں کر پائے گا۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم خود میدان میں اُتر دو اور اپنے مرنے والے ساتھی اولود کا انتقام لو اور مسلمانوں کے اس تیغ زن پر فتح مندی بھی حاصل کرو۔“

اس موقع پر بودان پریشان تھا لیکن موقع ایسا تھا کہ وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال بارگن کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ کا کہنا درست ہے۔ ارمناک آپ کی مملکت کے لشکروں کا سالار ہے۔ اگر وہ اس جنگ میں کام آجائے تو اس کے لشکری جی چھوڑ بیٹھیں گے، جنگ سے پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ میں میدان میں اُترتا ہوں لیکن اس مسلمان تیغ زن کا مقابلہ میں بھی نہیں کر پاؤں گا۔ اس لئے کہ مرنے والا میرا ساتھی اولود تیغ زنی اور حرب و ضرب کے فن میں مجھ سے کہیں بہتر تھا۔ اگر مسلمانوں کے اس تیغ زن نے اولود کو اپنے سامنے زیر کر دیا ہے تو میں سچی بات کہوں گا، چھپاؤں گا کچھ نہیں، مجھے وہ اولود سے بھی پہلے زیر کر لے گا۔ اس لئے کہ اولود مجھ سے بہت بہتر تیغ زن تھا۔ ہم لوگ اس مسلمان تیغ زن کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن ایک حربے سے اس کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔“

اس موقع پر بارگن کا بیٹا ارمناک بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ بودان کے یہ الفاظ سن کر چونکا پھر کہنے لگا۔

”وہ کیسے؟“

جواب میں ہلکا سا تبسم بودان کے چہرے پر نمودار ہوا اور بولا۔

”میں ابھی میدان میں اُترنے لگا ہوں۔ اپنے بائیں ہاتھ میں ڈھال لے لوں گا، دائیں ہاتھ میں تلوار نہیں رکھوں گا بلکہ میرا دایاں ہاتھ اپنی زین کے ساتھ بندھے ہوئے

جس طرح تم نے مجھے فریب دینے کی کوشش کی۔ اگر تمہیں مقابلہ کرنا تھا تو چھاتی تان کر میرے سامنے آتے، میرے ساتھ مقابلہ کرتے۔ بالکل ایسے ہی جیسے اس سے پہلے تمہارا ساتھی اولود مقابلہ کر چکا ہے، مارا جا چکا ہے۔ تم نے فریب سے کام لیا، فریب تمہارے خلاف ہی استعمال ہوا۔ اور دیکھو، جو ارادہ تم میرے خلاف لے کر آئے تھے، وہ تمہارے خلاف کامیاب ہو گیا۔ تم اپنا نیزہ میرے سینے میں پیوست کرنے کے درپے تھے، اُلٹا میرا نیزہ تمہاری ڈھال اور تمہارے سینے کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ اب تم چند لمحوں میں ہست سے نیست کی طرف کوچ کر جاؤ گے۔“

جواب میں بودان کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر تک سکا، اس کے بعد دم توڑ گیا تھا۔ سیف الدین نے اس کے سینے سے اپنا نیزہ کھینچ کر نکالا، اسے صاف کر کے اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے بودان کے گھوڑے پر قبضہ کیا، زمین پر پڑا ہوا اس کا نیزہ بھی اٹھایا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، واپس اپنے لشکر کی طرف ہولیا تھا۔ جب وہ اپنے لشکر کے آگے کھڑے سلطان غیاث الدین کے قریب گیا، تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سلطان غیاث الدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اے فرزندِ مہربان! تجھ جیسے نوجوان ہی ملت کے محسن، ہنر کے خزینے، مذہب کے امین، قوم کے پاسبان، عوام کے چوپان بن کر سامنے آتے ہیں۔ تُو نے کیا خوب دونوں رومنوں کو اپنے سامنے زیر کر کے اپنے دشمنوں کی جلوتیں خاموش، ان کی خلوتیں ویران کر دی ہیں۔ جس وقت تُو ان پر حملہ آور ہو رہا تھا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی انوکھے نگر کی فضاؤں کا جنگجو، کسی انوکھے دیس کے سندیوں کا کوئی اسیر حرکت میں آیا ہو اور اس نے اپنے مد مقابل پر چھا جانے کا فیصلہ کر لیا ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان غیاث الدین خاموش ہوا تو اس کے ساتھ اس کا بڑا بیٹا عز الدین بھی کھڑا تھا، وہ بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سیف الدین ابو بکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے بھائی! تُو نے کیا خوب سیلِ بلاخیز کی طرح اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہو کر ان پر اعضاءِ شنی طاری کر کے انہیں دشتِ عدم کی طرف روانہ کر دیا۔ میرے بھائی! تیرے عزمِ صمیم، تیری بے باکی کی آن بان، تیری صحرائی بگولوں کی سی کارکردگی کو صد بار سلام۔“

اپنے بیٹے عز الدین کے الفاظ پر سلطان غیاث الدین خود بھی مسکرا رہا تھا۔ یہاں تک کہ سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ اور عز الدین میرے لئے جو الفاظ استعمال کر رہے ہیں، میں یقیناً نہ ان الفاظ کا حقدار ہوں، نہ میری کارکردگی ایسی ہے.....“

سیف الدین کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ سلطان کا بیٹا عز الدین بولا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین میرے بھائی! یہ تم کسرِ نفسی سے کام لے رہے ہو۔ قسمِ خدائے وحدۃ لا شریک کی، جو تعریف میں نے اور بابائے کی ہے وہ تمہاری کارکردگی سے بہت کم بلکہ کم تر ہے۔“

اس موقع پر چونکہ دشمن کے لشکر میں طبل بجنے لگے تھے لہذا سلطان کے کہنے پر مرنے والوں کے دونوں گھوڑوں کو ایک لشکری پیچھے پڑاؤ کی طرف لے گیا تھا۔ جب کہ سلطان اور عز الدین کے ساتھ سیف الدین بھی لشکر کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

سلطان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ درمیانی حصہ کی کمانداری اس نے اپنے ہاتھ میں رکھی۔ اپنے بیٹے عز الدین کی کاؤس اور سیف الدین کو اپنے ساتھ رکھا۔ لشکر کے دائیں حصے کی کمانداری حسام الدین یوسف کے پاس تھی۔ جب کہ مبارز الدین چاولی، زین الدین بشارہ اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ بائیں حصے کی کمانداری مبارز الدین ارتقش کے پاس تھی اور جس کی نیابت نجم الدین بہرام اور ایک دوسرا سالار جس کا نام سیف الدین تھا لیکن اسے زیادہ تر تاریخ کے اوراق میں امیر قزل کہہ کر پکارا گیا تھا، کر رہے تھے۔ سلطان نے اپنے چھوٹے بیٹے علاؤ الدین اور کچھ سالاروں کو اپنے مرکزی شہر قونیہ میں چھوڑا تھا تاکہ سلطنت کے نظم و نسق میں کوئی فرق نہ پڑے۔

آخر کار جنگ کی ابتدا بارگن اور اس کے بیٹے نے کی۔ چنانچہ وہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ مددوائے غم جاں اور احساس کے خدو خال بگاڑتی زرد روتوں کی رسوائیوں، عمر کی ساری خوشیوں، ہنسی کی ساری بیداریوں کو خاک و خون میں نہلاتے فتنے کی جوالا کھنسی، گرم سانسوں والے گرداب کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان غیاث الدین بھی بارگن کے لشکر پر سلامتی کے گوشوں میں گھس جانے والے قضا کے فکر و فسون، بے کراں سکوت میں صف در صف نمودار ہوتے ہزاروں دوسوں، تہ در تہ غم کی پرتوں میں خوف کی کھولتی لوبھری لہروں کی طرح حملہ

”سلطان محترم! میں میخانیلو کی طرف سے انتہائی اہم خبر لے کر آیا ہوں۔ وہ یہ کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ بارگن کی شکست کے بعد فی الفور اس کا تعاقب نہیں کیا۔ دراصل بارگن نے اپنے بچاؤ کی پہلے سے پیش بندی کر رکھی تھی۔ اس نے یہ سوچ رکھا تھا کہ اگر تو اسے فتح ہوئی تو وہ سلطان کا اس کے مرکزی شہر تک تعاقب کرے گا۔ اور اگر اسے شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا تو پھر وہ صحرائے روزبہ سے ہوتا ہوا اپنے مرکزی شہر اٹالیہ کی طرف جائے گا۔ اس لئے کہ صحرا کے اندر دائیں بائیں گھات میں بیٹھے ہوئے اس کے وہ اتنے وقفہ وقفہ سے سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہوتے رہیں گے اور صحرا کے اندر ایسا نقصان پہنچائیں گے کہ سلطان پیش قدمی کرنے کے بجائے اپنے مرکزی شہر کی طرف واپسی کو ترجیح دے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ ہرکارہ جب خاموش ہوا، تب سلطان کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر کہنے لگا۔ ”واپس جا کر میخانیلو سے شکریہ ادا کرنا اور اسے کہنا کہ تمہاری کارکردگی انتہا درجہ کی قابلِ توصیف ہے۔ صحرائے روزبہ کے اندر جو دستے بارگن نے پھیلا رکھے ہیں، ان سے میں خوب نمٹوں گا۔ تم لوگ فکر مند نہ ہو۔“

اس کے ساتھ ہی وہ ہرکارہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد سلطان نے کچھ سوچا پھر اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”زمینوں کی دیکھ بھال ہم کر چکے ہیں، اٹالیہ کا حکمران بارگن اگر یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کا تعاقب نہیں کریں گے، اگر کریں گے تو صحرائے روزبہ کے اندر پھیلے ہوئے اس کے دستے جگہ جگہ ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں واپس جانے پر مجبور کر دیں گے تو یہ اس کی بھول اور غلط فہمی ہے۔ ہم پیش قدمی کریں گے اور یہ پیش قدمی بارگن کے مرکزی شہر اٹالیہ تک ہوگی۔ اب جب میں اپنے مرکزی شہر قونیہ سے نکلا ہوں تو بارگن کا مرکزی شہر اٹالیہ فتح کئے بغیر نہیں جاؤں گا اور بارگن کو اس کے کئے کی سزا دوں گا اور اس کے سارے علاقے اپنی مملکت میں شامل کروں گا۔“

اپنا یہ فیصلہ دینے کے بعد لمحہ بھر کے لئے سلطان غیاث الدین کی نگاہیں سیف الدین ابوبکر پر جم گئی تھیں۔ پھر کہنے لگا۔

”ابوبکر کے بیٹے! میں تم سے اور حسام الدین سے ایک کام لوں گا۔“

آور ہو گیا تھا۔ اس طرح دونوں لشکروں کے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے سے دلوں پر وحشت طاری کرتے حالات، خون آلود ہانپتے سائے، ذلت و پستی کے قصے، وقت کی بے لگام اذیتوں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ نیکی و بدی، بھلائی و برائی، خیر و بدگمانی اور حیات و موت ایک دوسرے کو نشانہ بنانے لگے تھے۔ جسم و روح کے رشتے کٹنے لگے تھے۔ یادوں اور خواہشوں کے سنگم موت کے کارواں کے سامنے بے تعبیر خوابوں کی حیثیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔

رزم گاہ کے اندر پہچان کی بے موالی، جبر کی اسیری کے تسلسل، سربستہ اور نہاں بربادیاں، درد بھری انتقام کی دستکیں، ہزیمت کی جوش مارتی آندھیاں، بدبختی کی بساط کھولتے طوفان، اندھے موسموں کے بے روک بگولے ناچ اٹھے تھے۔

سلطان غیاث الدین اور اس کے سالاروں کے حملے ایسے تیز اور پُر تشدد تھے کہ اٹالیہ کے حکمران بارگن کے لشکر کی حالت اب بڑی تیزی سے لٹے لٹکتا ہوا، یاس و ناامیدی کی رداؤں، سانسوں کی اندھی جلن، یادوں کی خوفناک خلش، غلامانہ زنگ آلود زنجیروں، بدبختی کے حصار، درد کی دیواروں کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

بارگن اور اس کے بیٹے ارمناک نے جب دیکھا کہ سلطان غیاث الدین کے لشکر کے سامنے ان کی حالت بڑی خطرناک صورت حال اختیار کرتی چلی جا رہی ہے، تب انہوں نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس موقع پر سلطان نے اٹالیہ کے حکمران بارگن کے لشکر کا تعاقب نہیں کیا۔ بارگن اپنے ساتھ بڑا سامان لے کر آیا تھا۔ پہلے اس کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹا گیا اور قبضہ کیا گیا جس وقت یہ سارا کام ہو رہا تھا، اسی وقت راہب میخانیلو کا ایک آدمی سلطان غیاث الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی آمد پر سلطان اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس موقع پر سلطان کا بیٹا عز الدین کیکاؤس، سیف الدین ابوبکر، حسام الدین یوسف، مبارز الدین ارتقش، مبارز الدین چاولی، امیر قزل، نجم الدین بہرام اور دوسرے سارے سالار بھی سلطان کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے۔

میخانیلو کے اس ہرکارے نے پہلے آکر سلطان کو اس شاعر ارتقش پر مبارکباد دی پھر کہنے لگا۔

جوں ہی سلطان نے یہ الفاظ ادا کئے، سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا۔ پھر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ ”سلطان محترم! آپ وہ کام کہتے جو آپ ہمارے ذمے لگانا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھیں ہم کس طرح ساحل وقت پر تیغ تشدد اُمنگوں کی بہتی رو اور دشمن کی ذات کی تہ دار یوں میں کھولتی دہکتی آگ کی طرح گھس کر اس کے رگ و پے میں کرب خیز لمحوں کا دکھ بھرتے ہیں۔ سلطان محترم! اگر آپ صحرائے روز بہ کے اندر مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں تو کہئے! میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب ہلکا سا تبسم سلطان غیاث الدین اور اس کے بیٹے عز الدین کی کاؤس کے چہروں پر نمودار ہوا۔ پھر سلطان، سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سیف الدین! اے فرزند مہربان! میں چاہتا ہوں کہ تم سے اور حسام الدین یوسف سے ایک اہم کام لوں۔ تم دونوں کی کمان داری میں علیحدہ علیحدہ دو لشکر دے دیئے جائیں گے۔ میں تھوڑی دیر تک یہاں سے بارگن کے مرکزی شہر اٹالیہ کا رخ کروں گا۔ اور مجھے امید ہے، اٹالیہ تک کوئی قوت ہماری راہ نہیں روکے گی اور اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو اسے ذلت آمیز پسپائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کیا جائے۔ دو لشکر ابھی تھوڑی دیر تک علیحدہ کر دیئے جائیں گے جس میں سے ایک تمہاری کمانداری میں، دوسرا حسام الدین یوسف کے تحت رہے گا۔ صحرائے روز بہ کے شروع ہونے تک ہم سب اکٹھے سفر کریں گے۔ صحرائے روز بہ کی سرحد پر جا کر تمہارا اور حسام الدین یوسف کا کام شروع ہو جائے گا۔ جو لشکر تمہاری کمانداری میں ہوگا، وہ لشکر کے دائیں پہلو کی حیثیت سے آگے بڑھے گا اور جو لشکر حسام الدین یوسف کی کمانداری میں ہوگا، وہ لشکر کے بائیں پہلو کی حیثیت سے پیش قدمی کرے گا۔ جب ہم صحرائے روز بہ میں داخل ہوں گے تو جس طرح میخانیلو کا ہر کارہ بتا کر گیا ہے، بارگن نے صحرائے روز بہ کے اندر جو اپنے لشکر مقرر کئے ہوئے ہیں جو گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہ اپنی گھات سے نکل کر یقیناً ہم پر ضرب لگانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ جب ایسا ہوگا تو گھات میں بیٹھا جو لشکر دائیں جانب سے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس سے سیف الدین ابوبکر! تم نمٹو گے اور بائیں جانب سے نمودار ہونے والے پر حسام الدین یوسف ضرب

لگائے گا۔ اس طرح صحرا کے اندر گھات لگانے والے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہم پیش قدمی بھی کرتے رہیں گے اور ان سے نمٹتے بھی رہیں گے۔ اور گھات لگانے والوں کی تعداد ہی کم کرتے رہیں گے۔ اس طرح ہم بحفاظت بارگن کے مرکزی شہر اٹالیہ کے قریب جا پہنچیں گے۔ پھر میں دیکھوں گا، بارگن اپنے مرکزی شہر اٹالیہ کا کیسے تحفظ کرتا ہے۔“

سلطان غیاث الدین کی اس تجویز سے اس کے بیٹے عز الدین کے علاوہ سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف اور باقی سارے سالاروں نے بھی اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد مارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد سلطان نے پیش قدمی شروع کی تھی۔ صحرائے روز بہ کی سرحد پر جا کر جو لشکر سیف الدین ابوبکر کی کمانداری میں تھا، وہ لشکر کے دائیں پہلو کی طرف آگیا اور حسام الدین یوسف اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بائیں طرف چلا گیا تھا۔ اس طرح صحرائے روز بہ کے اندر پھر پیش قدمی شروع ہو گئی تھی۔

سلطان غیاث الدین صحرائے روز بہ کے اندر تین سے چار میل اندر گیا ہوگا کہ اچانک دائیں بائیں سے گھات میں بیٹھے بارگن کے لشکر کے کئی گروہ نمودار ہوئے اور انہوں نے سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہونا چاہا۔ لیکن عین اسی وقت اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دائیں بائیں سے سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف حرکت میں آئے اور دونوں طرف سے نمودار ہونے والوں پر وہ لمحوں کو صدیوں، صدیوں کو لمحوں میں تبدیل کر دینے والی قوت و عظمت کی پُر شکوہ علامتوں، انقلابی قافلوں اور سمندر کی طرح جوش مارتے ہڈیوں کی طرح حملہ آور ہوئے۔ گھات سے نکل کر جو لشکر حملہ آور ہوئے تھے، ان میں سے اکثر کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے۔

اس طرح سلطان صحرائے روز بہ میں برابر آگے بڑھتا رہا اور کئی مقامات پر گھات میں بیٹھے بارگن کے لشکر پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن ہر بار سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف نے ان پر حملہ آور ہو کر انہیں مار بھگا دیا تھا۔



کیا۔

”شہر کو لوٹنا، اسے برباد کرنا یا آگ لگانا یا زمین بوس کرنا میں سمجھتا ہوں مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہے اور میرا اپنا اندازہ ہے کہ مسلمانوں کا سلطان اٹالیہ فتح کئے بغیر نہیں جائے گا اور اٹالیہ کو فتح کرنے کے بعد وہ عام معافی اور امان کا اعلان کر دے گا اور یہاں کے لوگوں پر نہ سختی کرے گا نہ جبر کرے گا۔ بلکہ جس طرح لوگ پہلے زندگی بسر کر رہے ہیں، میرے خیال میں ایسے ہی لوگوں کو زندگی بسر کرنے کی آزادی ہوگی۔ تاہم اگر اس نے بارگن کو شکست دے دی تو یہاں حاکم ضرور مقرر کرے گا۔ بارگن کا کیا انجام ہوتا ہے یہ تو خود مسلمانوں کا سلطان ہی فیصلہ کرے گا۔ اس لئے بارگن نے خود غیاث الدین کو موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اس کے علاقوں پر حملہ آور ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نکسار کا، پھر کہنے لگا۔

”بارگن کو اپنی عسکری قوت پر کچھ زیادہ ہی اعتماد، بھروسہ اور گھمنڈ ہو گیا تھا اور وہ کوئی مہم جوئی کر کے شاید شہرت چاہتا ہوگا۔ لیکن اب اس کی ساری شہرت پر کا لک مسلمانوں نے مل ہی دی ہے۔ میرے خیال میں مسلمانوں کا سلطان ہر صورت میں اٹالیہ کو فتح کرے گا۔ اگر ایسا ہے تو بارگن اور اس کے پیچھے ارمناک کے سامنے دو راستے ہوں گے۔ اگر تو وہ گرفتار ہو گئے تو مسلمانوں کا سلطان انہیں کاٹ کے رکھ دے گا۔ دوسری صورت ان کے سامنے یہ ہے کہ یہاں سے بھاگ کر دونوں اپنے قریبی رشتے داروں اور چیدہ چیدہ دوسرے امراء کو لے کر قبرص کی طرف چلے جائیں گے۔ اس لئے ان دونوں قبرص بھی اسی کے تحت ہے اور وہاں انہیں پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ وہاں یہ قیام کر سکتے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نکسار جب خاموش ہوا، تب ایک بار پھر اس کی بیٹی بریزہ اسے مخاطب کر کے بڑی دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

”بابا، بارگن نے فلاڈلفیا کے حکمران ساماق سے دو بہترین رومن تیغ زن منگوائے تھے۔ ایک کا نام بودان اور دوسرے کا نام اولود بتایا گیا تھا۔ ان دونوں کو بھی بارگن نے اپنے لشکر میں شامل کیا تھا اور ارادہ یہ تھا کہ وہ ان کا انفرادی مقابلہ سلطان غیاث الدین کے اس سالار سے کرائے گا جس نے نہ صرف ترنوک کو شکست دی بلکہ ارمناک کو بھی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ بریزہ کے ان الفاظ پر نکسار کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار

نکسار ایک روز اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ حویلی میں اس کی بیوی سیس، حسین و پُر جمال بیٹی بریزہ اور بیٹا باز نیک دیوان خانے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ نکسار بھی دیوان خانے میں داخل ہوا اور ایک خالی نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس موقع پر بریزہ نے اپنے باپ نکسار کو مخاطب کیا اور کہنے لگی۔

”بابا! اب یہ خبر تو پرانی ہو گئی ہے کہ بارگن اور اس کے نئے دل پسند سپہ سالار اور پیچھے ارمناک کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور دونوں شکست کھا چکے ہیں۔ اے میرے باپ! اب مسلمانوں کے سلطان غیاث الدین کا کیا رد عمل ہے؟“

اپنی بیٹی بریزہ کی بات پر کچھ دیر تک نکسار گہری سوچوں میں ڈوب رہا، پھر کہنے لگا۔

”بیٹی! میں بھی ان حالات سے بے خبر ہی تھا لیکن اب جو باہر سے خبریں سن کر آ رہی ہیں، ان کے مطابق مسلمانوں کا سلطان بڑی تیزی سے اٹالیہ کا رخ کر رہا ہے اور کہنے والوں کا کہنا ہے، وہ اب اٹالیہ کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ بارگن اس کی راہ شہر سے باہر روکے گا اور اسے بھاگنے پر مجبور کر دے گا۔ دوسری طرف لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ غیاث الدین اپنے لشکر کے ساتھ اٹالیہ کے قریب پہنچ چکا ہے۔ نکسار کے ان الفاظ نے اس کی بیوی سیس، بیٹے باز نیک اور بیٹی بریزہ تینوں پریشان اور فکر مند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس بار اس کی بیوی سیس بولی اور کہنے لگی۔

”اگر مسلمانوں کے سلطان نے اٹالیہ فتح کر لیا تو پھر ہمارا اور دوسرے لوگوں کا کب بنے گا؟“

اس بار نکسار نے کسی قدر مطمئن انداز میں سیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع

ہوئی، پھر کہنے لگا۔

”سلطان غیاث الدین کا وہ سالار بھی عجیب انسان ہے۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں، کمال کے گمن رکھنے والا ہے۔ شکست اٹھا کر بارگن اور ارمناک کے اٹالیہ شہر میں داخل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ ساری خبریں لوگوں میں پھیلنا شروع ہو چکی ہیں۔ لوگوں کو پتہ چل گیا ہے کہ جنگ کی ابتدا سے پہلے بارگن نے ایک رومن کو انفرادی مقابلے کے لئے اتارا تھا اور اس سالار کو مقابلے کی دعوت دی تھی۔ لیکن سلطان کے اس سالار نے رومن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس رومن کا کام کرنے کے بعد مسلمانوں کے اس سالار نے بارگن کے بھیجے ارمناک کا نام لے کر اسے مقابلے کی دعوت دی تھی لیکن بارگن نے ارمناک کو نہیں جانے دیا۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا سالار، ارمناک کو موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ لہذا ارمناک کی جگہ اس نے دوسرے رومن کو انفرادی مقابلے کے لئے بھیجا۔ اس رومن نے مسلمان کے ساتھ فریب اور دھوکا کرنا چاہا۔ اندر جاتے ہی اس نے مسلمانوں کے سالار کو اپنا آہنی نیزہ دے مارا لیکن وہ بھی بڑا چالاک اور ہوشیار تھا۔ اس نے ایک دم اپنی ڈھال مار کر اس کے نیزے کو ایک طرف کر دیا۔ جواب میں اس نے بھی نیزہ مارا اور رومن کا قصہ تمام کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد اجتماعی جنگ میں بھی بارگن اور ارمناک کو بدترین شکست ہوئی۔

اب کچھ لوگ جو کوہستانی سلسلہ میں پتھروں کی مشقت کرتے رہے ہیں، انہوں نے بھی اٹالیہ شہر میں داخل ہو کر عجیب و غریب قصے بیان کئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بارگن کی بیوی ارزیلہ کے بھیجے نیا لوق کو قتل کرنے کے بعد وہاں مشقت کرنے والے سارے ہی کارکنوں کو مسلمانوں کے اس سالار نے ایک جگہ جمع کیا۔ پہلے اس نے کہا کہ جو مسلمان مشقت کرنے والے ہیں، ایک طرف ہو جائیں۔ جب سب ایک طرف ہو گئے تو اس نے ان کی عجیب انداز میں دل جوئی کی۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ سالار ترنوک کے لشکر کو شکست دے چکا تھا اور ترنوک بھاگ چکا تھا۔ اس کا پڑاؤ بھی قائم تھا۔ لہذا اس نے ان مسلمانوں سے کہا کہ پڑاؤ کی طرف جاؤ۔ تم جو اپنی ضرورت کی چیز سمجھتے ہو وہ لے کر جنگ سے بھاگنے اور مرنے والوں کے گھوڑوں پر بیٹھ کر اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

لہذا ان مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اس نے سارے نصرانیوں کو بھی جمع کیا

اور ان سے بھی کہا، تم بھی جاؤ۔ ترنوک کے پڑاؤ میں تم لوگوں کو جو کام کی اور ضرورت کی چیز چاہئے، وہ لو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور اس کے بعد اس نے نیا لوق کو موت کے گھاٹ اتارا اور وہاں سے فارغ ہو کر وہ ارمناک پر وارد ہوا۔ اسے ذلت آمیز شکست دے کر اٹالیہ کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نکسار جب خاموش ہوا، تب بریزہ کسی قدر دلچسپی لیتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! اس کا مطلب ہے سلطان غیاث الدین کا وہ سالار کوئی عام سالار نہیں ہے بلکہ.....“

بریزہ اپنی بات مکمل نہ کر سکی اس لئے کہ مسکراتے ہوئے نکسار بول اٹھا، کہنے لگا۔
”بیٹی! ہے تو وہ بے چارہ عام سا سالار۔ اس لئے کہ اس کا بچپن بڑا کٹھن گزرا۔ اس نے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ چھوٹا سا تھا جب اس کی ماں فوت ہو گئی۔ سوتیلی ماں نے اس پر ظلم و جبر کئے۔ یہاں تک کہ اس کا باپ بھی سوتیلی ماں کے بھائیوں کے سامنے مجبور ہو گیا۔ باپ بیٹا کسی محفوظ ٹھکانے پر علیحدہ رہنے کے لئے نکلے تھے کہ کچھ نصرانی رہزن ان کا حملہ آور ہوئے، اس کے باپ کو قتل کر دیا اور اسے قیدی بنا کر نیا لوق کے حوالے کر دیا۔ وہاں وہ پتھروں کی مشقت کرتا رہا اور دوسرے مسلمان قیدی کی طرح نیا لوق نے اسے بھی اٹھروں میں جکڑ رکھا تھا۔ اس کے بعد جو اس کے حالات ہیں اس کی سب کو خبر ہے۔ اس ماہ میں کہتا ہوں کہ وہ ہے تو بے چارہ عام انسان لیکن تیغ زنی کا وہ وسیع تجربہ رکھتا ہے اور ہنر کی مدد سے مقابل کو اپنے سامنے نکلنے نہیں دیتا۔“

اپنے باپ کے یہ الفاظ سن کر بریزہ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی سس بول اٹھی اور کہنے لگی۔

”بیٹی! اٹھو! مطبخ کے کام میں لگ جائیں۔“

اس پر بریزہ چونک کر اٹھی اور اپنی ماں کے ساتھ ہوئی تھی۔



سلطان غیاث الدین آخر کار اٹالیہ پہنچا اور اٹالیہ کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ بارگن کے لشکر کے ساتھ محصور رہ کر مقابلہ کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ پہلے مسلمان بار بار تلواروں اور

نیزوں کی مدد سے حملہ آور ہوئے جب کہ فیصل کے اوپر سے بارگن کے لشکری مسلمانوں کا مذاق اڑاتے، طرح طرح کی آوازیں کستے اور انہیں یہ تاثر دیتے کہ یہ شہران کے ہاتھوں فتح ہونے والا نہیں ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے سلطان نے حکم دیا کہ تلوار اور نیزوں سے دشمن پر حملہ آور ہونے کا طریقہ ترک کر دیا جائے۔ پہلے فیصل کی حفاظت کرنے والوں پر ایسی تیز تیر اندازی کی جائے کہ دشمن کے کسی بھی لشکری کو برج سے باہر جھکنے کی ہمت اور جرأت نہ ہو اور اس کے ساتھ ہی نومند لشکری اپنے سامنے ڈھالوں کی آڑ رکھتے ہوئے رسیوں کی سیڑھیوں سے فیصل پر چڑھنے کی کوشش کریں۔

سلطان کا یہ حکم ملنا تھا کہ پہلے ایسی تیر اندازی کی گئی کہ فیصل کے اوپر جو بارگن کے لشکری تھے، ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ کئی تیروں سے چھلنی ہوئے، باقی ادھر ادھر بہ دقت اپنی جانیں بچا رہے تھے۔ مسلمان رسیوں کی سیڑھیوں کی مدد سے فیصل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ رسیوں کی سیڑھیوں کی مدد سے سلطان غیاث الدین کا جو لشکری سب سے پہلے فیصل پر پہنچا، اس کا نام حسام الدین تھا۔ وہ جب فیصل پر چڑھ گیا تو اس کے پیچھے اس کے ان گنت ساتھی بھی فیصل پر چڑھ گئے اور بارگن کے لشکریوں کا انہوں نے قتل عام شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے شہر پناہ کا دروازہ بھی کھول دیا۔ چونکہ بارگن کے لشکریوں نے مسلمانوں کا ٹھٹھہ اڑایا تھا یہودہ گوئی کی تھی، سلطان کے خلاف بھی آوازیں اٹھائی تھیں، کچھ لشکریوں کو گالیاں بھی دی تھیں، اس بنا پر سلطان نے حکم دیا کہ جہاں بارگن کا کوئی لشکری یا مسلح جوان دیکھا جائے، اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ باقی شہریوں کو سلطان نے امان دے دی تھی۔ اس طرح اناطولیہ فتح ہوا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ فتح شعبان ہجری 603 کو ہوئی۔ شہر کا نظم و نسق سب سے پہلے سلطان نے درست کیا۔ فیصل اور برجوں کو جہاں جہاں نقصان پہنچا تھا، ان کی مرمت کرائی۔ ایسا کرنے کے بعد سلطان نے اپنے بڑے سالاروں میں سے مبارز الدین ارتقش کو اناطولیہ کا حاکم مقرر کیا اور پھر اناطولیہ کے لئے سلطان نے بقول مؤرخین قاضی، خطیب، امام، مؤذن مقرر کئے۔ مسجدیں تعمیر کرائیں۔ اناطولیہ شہر کے لوگ خوش تھے کہ سلطان نے کسی شہری کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ شہریوں کو امان دے دی گئی۔

اس فتح کے بعد کسار ایک روز اپنی بیوی سیکس اور بیٹے باز نیک اور بریزہ کے ساتھ ۱۱ ہہر کے کھانے سے فارغ ہوا تھا کہ ایک مقامی شخص اس کی حویلی میں داخل ہوا اور کسار کو پیغام دیا کہ اسے مسلمانوں کے سلطان غیاث الدین نے طلب کیا ہے۔

یہ الفاظ سن کر کسار ہی نہیں، اس کا بیٹا، بیٹی اور بیوی سبھی پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ کسار کچھ سوچنے لگ گیا تھا کہ بریزہ بولی اور دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

”بابا! مسلمانوں کے سلطان نے آپ کو کیوں طلب کیا ہے؟ کیا وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی تو نہیں کرنے والا؟ کسی نے اسے یہ تو نہیں بتا دیا کہ آپ اس سے پہلے اناطولیہ کے لشکریوں کے سالار اعلیٰ تھے؟ کہیں ہمارے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ ہو جائے۔ بابا! میں، اماں اور بھائی بھی آپ کے ساتھ جائیں گے تاکہ اگر کوئی آپ کو کوئی نقصان پہنچائے تو ہم چاروں اکٹھے مرنا پسند کریں گے۔“

کسار جواب میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بریزہ بول اٹھی۔

”بابا! انکار نہ کیجئے گا۔ ہم تینوں آپ کے ساتھ جائیں گے۔ جس وقت آپ چلے جائیں گے، آپ کی غیر موجودگی میں ہمارے لئے وقت گزارنا مشکل نہیں، ناممکن ہو گا۔“

کسار کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔ جب سیکس اور باز نیک نے بھی بریزہ کی حمایت کی، تب امان مان گیا اور اس کے بعد چاروں اپنی حویلی سے نکلے اور سلطان کی طرف روانہ ہوئے۔

سلطان نے اس وقت بارگن کی حویلی میں قیام کر رکھا تھا اور اس وقت سلطان اسی قصر لے کرے میں اپنے سالاروں اور امراء کے ساتھ بیٹھا تھا۔ شاید وہ سب کے سامنے کسار لے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ آخر سلطان کا ایک لشکری اس کے کمرے کے دروازے پر وارد ہوا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ نے جس کسار کو طلب کیا تھا، وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ آپ ہاضمت میں حاضر ہونے کے لئے باہر کھڑا ہے اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا، اس کی بیوی، بیٹی بھی ہے۔“

اس پر سلطان نے تعجب کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

”میں نے اکیلے کسار کو طلب کیا تھا۔ وہ اپنے اہل خانہ کو کیوں ساتھ لے کر آ گیا؟ تم ایسا کرو، اس کی بیوی اور بیٹی دونوں کو ساتھ والے کمرے میں بٹھاؤ۔ کسار اور اس کے

کیا تم لوگ میری ضمانت پر ساتھ والے کمرے میں جانے کے لئے تیار نہیں ہو؟ اگر نہیں تو میں پھر سلطان کے پاس جاتا ہوں اور ان سے اجازت لیتا ہوں کہ تم چاروں کو ان سے ملنے کی اجازت دے دی جائے۔“

سیف الدین ابوبکر کا نام سن کر بریزہ چوکی تھی۔ تھوڑی دیر تک ٹھنکی باندھے وہ اسے دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”اگر آپ سیف الدین ابوبکر ہیں تو پھر ہم آپ کی ضمانت کو قبول کرتے ہیں۔ میں اور میری ماں ساتھ والے کمرے میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ آپ میرے بابا اور بھائی کو ساتھ لے جائیں۔“

سیف الدین ابوبکر نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ پہلے سیس اور بریزہ دونوں کو ساتھ والے کمرے میں بٹھایا، پھر عسکار اور باز نیک کو لے کر اس کمرے میں داخل ہوا جس میں سلطان کے سارے سالار اور امراء بیٹھے ہوئے تھے۔

سلطان نے اپنے سالاروں کے ساتھ پُر جوش انداز میں عسکار اور اس کے بیٹے باز نیک سے مصافحہ کیا، دونوں کو اپنے قریب بٹھایا۔ اتنی دیر تک جو باہر گفتگو ہوئی تھی، سیف الدین نے سلطان سے کہہ دی تھی۔ سلطان مسکرا کر عسکار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تمہاری بیٹی بڑی دانا اور دانش مند لگتی ہے۔ بہر حال! سیف الدین نے انہیں مطمئن کر دیا ہے۔ عسکار! ہم نے تمہیں کسی انتقامی کارروائی کے لئے تو نہیں بلایا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ تم اٹالیہ کے سابق سپہ سالار اعلیٰ ہو۔ تمہیں ہٹا کر بارگن نے اپنے بھتیجے ارمناک کو سپہ سالار مقرر کیا۔ میں نے اٹالیہ کو فتح کرنے کے بعد اپنے ایک سالار مبارز الدین ارتقش کو یہاں کا حاکم مقرر کیا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی سلطان نے مبارز الدین ارتقش کی طرف اشارہ بھی کیا اور بولا۔

”یہاں میں نے چند مسجدیں بھی تعمیر کروا دی ہیں۔ لوگوں کے انصاف کے لئے قاضی مقرر کئے ہیں۔ ایک لشکر یہاں رہے گا جو مبارز الدین ارتقش کی کمانداری میں کام کرے گا اور ہر طرح سے لوگوں کو انصاف ملے گا اور حفاظت کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں تم بھی ہماری مدد کرو۔ تم سے بڑھ کر یہاں کے حالات سے کوئی واقف نہیں ہے۔ میں تمہیں مبارز الدین ارتقش جسے میں نے اٹالیہ کا حاکم مقرر کیا ہے، اس کا معاون، اس کا مددگار اور نائب مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے تمہیں خاصی

ملکہ کو یہاں میرے پاس لے کر آؤ۔“

اس پر وہ مسلح جوان باہر نکل گیا اور عسکار کے قریب جا کر کہنے لگا۔

”آپ اپنی بیٹی اور اپنی بیوی کو ساتھ والے کمرے میں جانے کے لئے کہتے۔ آپ

اور آپ کا بیٹا دونوں سامنے والے کمرے میں جائیں۔ سلطان نے آپ کو بلایا ہے۔“

اس موقع پر بریزہ خوف زدہ سے لہجہ میں بولی اور کہنے لگی۔

”ہم دونوں ماں بیٹی بھی اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ سلطان کے پاس جائیں گی۔“

بریزہ اور اس لشکری کے درمیان جب بحث ہونے لگی تب سلطان نے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین بیٹے! ذرا باہر جاؤ، دیکھو ان کے اندر آنے پر کیا معاملہ ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ عسکار اپنے اہل خانہ کو اپنے ساتھ لے کر آیا ہے۔“

سیف الدین ابوبکر باہر نکلا۔ جب وہ عسکار کے قریب آیا، تب وہ لشکری جو انہیں بلانے کے لئے آیا تھا، وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ سیف الدین قریب ہوا اور بڑے پُر جوش انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے عسکار کے ساتھ مصافحہ کیا، پھر کہنے لگا۔

”اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ عسکار ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کا بیٹا، آپ کی صاحبزادی اور آپ کی اہلیہ ہیں۔ دیکھیں شاید آپ اپنی بیٹی اور اپنی اہلیہ کو ساتھ والے کمرے میں نہیں بھجوانا چاہتے اور مجھے یہ بھی شک پڑتا ہے کہ آپ اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ شاید آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے یہاں بلایا گیا ہے۔“

اس موقع پر عسکار کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بریزہ بول اٹھی۔

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہمارے باپ اور بھائی کو علیحدہ بلا کر انہیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔“

اس پر سیف الدین نے پہلی بار بریزہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”خاتون! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا نام سیف الدین ابوبکر ہے۔ میں تم ماں بیٹی کو اس کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہارے باپ اور تمہارے بھائی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ تمہارے باپ اور بھائی کو جس گفتگو کے لئے ہم نے بلایا ہے، وہ گفتگو تم سے بھی کریں گے۔ میرے خیال میں تم ماں بیٹی خوشی اور اطمینان کا اظہار کرو گی۔“

مرعات حاصل ہوں گی۔ اور مجھے امید ہے تم انکار نہیں کرو گے۔“

سلطان غیاث الدین جب خاموش ہوا تب ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں نکسار کہنے لگا۔

”سلطان محترم! انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ مجھ سے جو بھی کام لینا

چاہیں گے، میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔ آپ مجھے جس عہدے کی پیشکش کر رہے ہیں، اس

منصب کی ادائیگی میرے لئے ایک بہت بڑی سعادت اور خوشی ہوگی اور میں اس کے لئے

ہمہ وقت تیار رہوں گا۔“

نکسار کا یہ جواب سن کر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد سلطان کہنے لگا۔

”میں چند دن حریہ یہاں قیام کروں گا۔ میرے بعد مبارز الدین ارتقش ہوگا۔ یہ

یہاں کے لوگوں کی دیکھ بھال کے علاوہ ہمیشہ تمہاری تہاویز پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس لئے کہ اس کی نسبت یہاں کے حالات سے تم زیادہ واقف اور آگاہ ہو۔“

سلطان جب خاموش ہوا تب نکسار بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اگر آپ اجازت دیں تو میں ذرا اپنے اہل خانہ سے آپ کے سالار

سیف الدین ابوبکر کا تعارف کرا دوں۔ اس لئے کہ ہمارے گھر میں اب تک اکثر اس کے

متعلق گفتگو ہوتی رہی ہے۔ سلطان محترم! دراصل بات یہ ہے کہ ہم ہی نہیں بلکہ اٹالیہ شہر

کے بہت سے لوگ آپ کے اس سالار کی کارروائیوں اور شجاعت سے بے حد متاثر ہیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے نکسار کو روک جانا پڑا۔ کیونکہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سلطان،

نکسار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”نکسار! تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ تم سیف الدین کو اپنے ساتھ لے جاسکتے

ہو۔“

سلطان کا جواب سن کر نکسار خوش ہو گیا تھا۔ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطان نے

اشارے سے سیف الدین کو ساتھ جانے کے لئے کہا اور اس کے ساتھ ہی نکسار کا بیٹا

باز نیک بھی اٹھا۔ تینوں ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئے۔

بریزہ اور سیمس دونوں ماں بیٹی نے جب نکسار اور باز نیک کے ساتھ سیف الدین

ابوبکر کو بھی اس کمرے میں آتے دیکھا تو وہ دونوں اپنی جگہوں پر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

دونوں بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ پھر بریزہ اور سیمس کی طرف دیکھتے ہوئے نکسار

لپٹے لگا۔

”میں سلطان سے اجازت لے کر سیف الدین ابوبکر کو اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں

تاکہ آپ لوگوں سے اس کا تعارف کراؤں۔ حالانکہ سرسری تعارف اس سے پہلے ہو چکا

ہے۔ سیف الدین! یہ میرا بیٹا باز نیک ہے۔ سامنے دائیں جانب میری بیٹی بریزہ ہے۔

ایس جانب میری بیوی سیمس ہے۔“

اس موقع پر سیف الدین بولا اور سیمس اور بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ دونوں کھڑی کیوں ہو گئی ہیں؟ آرام سے بیٹھیں۔“

سیف الدین کے کہنے پر سیمس اور بریزہ بیٹھ گئیں۔ نکسار، باز نیک اور سیف الدین

کھڑے رہے۔ اس موقع پر بریزہ بول اٹھی۔

”آپ ہمیں بیٹھنے کے لئے کہہ رہے ہیں، آپ خود بھی تو بیٹھیں۔“

اس پر سیف الدین، نکسار اور باز نیک بھی وہاں لگی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پھر نکسار بولا

اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سیف الدین! تم عمر کے اس حصے میں ہو کہ میں تمہیں باز نیک کی طرح بیٹا کہہ کر

مخاطب کر سکتا ہوں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ تمہاری شجاعت، تمہاری زندہ دلی اور دلیری کی

داستانیں اٹالیہ شہر میں پہنچتی رہی ہیں۔ لہذا ہمارے گھر میں اکثر و بیشتر تمہارے متعلق گفتگو

ہو کر تھی۔ اس بنا پر میں نے چاہا کہ اپنے اہل خانہ سے تمہارا تعارف تفصیل سے کراؤں

اور تمہارے ساتھ کچھ گفتگو بھی ہو جائے۔“

اس موقع پر سیمس نے دخل اندازی کی، سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے

کہنے لگی۔

”بیٹے! میں نہیں جانتی آپ مزید کتنے دن یہاں قیام کریں گے اور واپس چلے جائیں

گے۔ اگر ہم کسی موقع پر آپ کی دعوت کا اہتمام کریں تو انکار تو نہیں کر دو گے؟“

سیف الدین تھوڑی دیر تک مسکراتا رہا۔ اس موقع پر بریزہ بڑے غور سے اس کی

طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ سیف الدین بولا۔

”آپ کو ایسی زحمت کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ میری زندگی

محبوب و غریب حالات میں گزری ہے اور آج تک نہ کسی نے میری دعوت کی ہے اور نہ ہی

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں سے وعدہ کرتا ہوں، جب کبھی آپ مجھے ہائیں گے، میں آ جاؤں گا۔ پر اسے دعوت نہ کہیں۔ سادہ سا ایک کھانا کہئے۔ یہی میرے لئے کافی ہوگا۔“

سیف الدین ابوبکر مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سلطان نے آواز دے کر سیف الدین ابوبکر کو بلایا۔ اس پر سیف الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد سلطان نے سیف الدین کی ہی طرح نکسار کو بھی آواز دے کر بلایا۔ تب نکسار بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر سیف الدین کے ماتھ ہو لیا تھا۔ دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں سلطان اپنے امراء اور مالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ راہب میخائیلو کا ہرکارہ تھا۔ سلطان اسے پہچان گیا تھا، اسے اپنے قریب بلایا۔ سیف الدین اور دوسرے سالار بھی اسے پہچانتے تھے۔ جب وہ قریب پہنچا تب سلطان نے اسے مخاطب کیا۔

”میرے عزیز! تم کون سی خبر لے کر آئے ہو؟“

آنے والا ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ نے جو اٹالیہ کے حکمران بارگن کو شکست دے کر اس کے مرکزی شہر پر قبضہ کر لیا ہے تو بارگن اپنے بھتیجے ارمناک کے ساتھ اپنی بیوی اور بیٹی اور اپنے بیٹے اور دوسرے عزیز و اقارب اور اہل خانہ اور لشکر کے ایک حصے کے ساتھ قبرص پہنچ چکا ہے۔ وہاں پہنچ کر اس نے یورپ کی مختلف قوتوں سے مدد طلب کی ہے تاکہ جو علاقے اس کے چھن گئے ہیں، وہ واپس لے سکے۔ سلطان محترم! اس سے بھی بڑھ کر جو اہم خبر ہے وہ ہے کہ فلاؤلفیا کے حکمران ساماق، ملطیہ کے حکمران طیارلوس اور ہرقلیہ کے حکمران دوگا کو ہر ہو چکی ہے کہ آپ نے بارگن پر حملہ آور ہو کر اسے شکست دی اور اس کے مرکزی شہر پر مدد کر لیا اور بارگن بچے کچھ لشکریوں اور اپنے عزیز و اقارب کو لے کر قبرص کی طرف چلا لیا ہے۔ یہ خبر سن کر یہ تینوں طاقتیں اپنی اپنی عسکری قوت کو حرکت میں لائی ہیں اور ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہی ہیں۔ مغرب کی طرف سے فلاؤلفیا کا حکمران اماق ایک لشکر لے کر آ رہا ہے۔ یہ رومن ہے۔ اس کو یہ بھی خبر پہنچ چکی ہے کہ اس نے جو ہندو بہترین رومن تیغ زن انفرادی مقابلہ کے لئے بھیجے تھے، مسلمانوں کے سالار سیف

میں کسی کی دعوت میں شامل ہوا ہوں۔ دراصل میرے حالات بڑے پیچیدہ رہے ہیں۔ میں چھوٹا سا تھا جب میری ماں فوت ہو گئی۔ میرا باپ مجھے کتب میں داخل کرانے کے بعد کسی اچھے مقام پر دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ کتب میں میں نے اپنی مذہبی تعلیم مکمل کی۔ ساتھ ہی حرب و ضرب میں بھی کمال حاصل کیا۔ لیکن براہِ حالات اور وقت کا، میری سوتیلی ماں نے میرا اور میرے باپ کا جینا حرام کر دیا۔ اس کے بھائی ادبائش قسم کے لوگ تھے۔ آئے دن ہمارے گھر آتے تھے، بدکلامی ہوتی تھی۔ ہمیں دھمکیاں دیتے تھے جس کی بنا پر میں اور میرا باپ کہیں اور سر چھپانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ مزید بد قسمتی میرے باپ کو قتل کر دیا گیا۔ مجھے غلام بنا کر اس کو ہستانی سلسلہ میں پتھروں کی مشقت پر لگا دیا گیا جہاں سے پتھر آپ کے سابق حکمران بارگن کے قصر کے لئے لائے جاتے تھے۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے، بقول آپ لوگوں کے اٹالیہ شہر میں پہنچتے رہے ہیں۔ کبھی میرے پاس تن کے کپڑوں کے علاوہ کوئی سرمایہ، کوئی اثاثہ بھی نہیں تھا۔ حالات نے میرا ساتھ دیا۔ جب میں کو ہستانی سلسلہ میں پتھروں کی اسیری سے نجات پا چکا، تب حالات نے مجھے میرے دو ساتھیوں کے ساتھ سلطان غیاث الدین کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا۔ سلطان نے مجھے ایک مہم سونپی۔ اس مہم کی کامیابی نے مجھے سلطان کی نگاہوں میں اس کے بہترین سالاروں میں سرفہرست کر دیا۔ میں نے جب بارگن کے سالار ترنوک کو شکست دی، اس کے بعد بارگن کے بھتیجے ارمناک کو بھی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا، تب سلطان میری کارگزاری، میری کارروائی سے متاثر ہوا اور مجھے اپنے لشکروں کا ایک طرح سے سالار اعلیٰ مقرر کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں، میں اس مقام کے قابل نہیں تھا۔ سلطان غیاث الدین کی مہربانی کہ یہ ذمہ داری میرے شانوں پر ڈال دی ہے۔“

سیف الدین ابوبکر سے یہ حالات سن کر بریزہ دکھی اور افسردہ ہو گئی تھی۔ سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا تب بریزہ سنبھلی اور سیف الدین کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جو حالات آپ نے بیان کئے ہیں، یہ تقریباً ہمارے پاس پہلے ہی پہنچ چکے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں آپ ہمیں باتوں میں لگا کر دعوت والے معاملے کو ٹالنا چاہتے ہیں۔“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر چونکا اور کہنے لگا۔

الدین نے انفرادی مقابلہ میں انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ لہذا اب وہ اپنے مرنے والے دونوں تیج زنوں اور بارگن کی شکست کا انتقام لینے کے لئے ہم پر حملہ آور ہونے کی خاطر مشرق کی طرف کوچ کئے ہوئے ہیں۔ باقی دو قوتیں یعنی ہرقلیہ کا حکمران دوگا اور ملطیہ کا حکمران ملیاروس بھی ایک متحد لشکر کو لے کر مغرب کا رخ کر رہے ہیں۔ وہ بھی ہم پر حملہ آور ہوں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ ہرکارہ جب رکاب سلطان غیاث الدین نے کچھ سوچا، اس کے بعد اس نے ہرکارے کو مخاطب کیا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ جو لشکر مغرب سے مشرق کی طرف آرہا ہے، تعداد میں وہ بڑا ہے یا جو مشرق سے مغرب کی سمت رخ کر رہا ہے، وہ بڑا ہے؟“

اس پر ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جو لشکر مشرق سے مغرب کی طرف آرہا ہے، وہ بڑا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہرقلیہ کا حکمران دوگا اور ملطیہ کے حکمران ملیاروس کا متحدہ لشکر ہے جب کہ مغرب کی طرف سے آنے والا صرف فلاؤلفیا کے حکمران ساماق کا لشکر ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا، تب سلطان نے اسے جانے کی اجازت دے دی تاکہ وہ پھر اپنے کام میں لگ جائے۔ اس کے جانے کے بعد سیف الدین ابوبکر نے سلطان کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اگر آپ اجازت دیں تو اس موقع پر میں کچھ بولوں؟“

سلطان نے مسکراتے ہوئے پہلے اثبات میں گردن ہلائی پھر سیف الدین ابوبکر مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابوبکر کے بیٹے! کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اگر تم کسی منصوبہ بندی کی پیش کش کر رہے ہو تو اس پر گفتگو کرو۔ میں سمجھتا ہوں وہ بہترین ہوگی اور سودمند ہونے کے ساتھ ساتھ قائل عمل بھی ہوگی۔ کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

سلطان کے خاموش ہو جانے پر سیف الدین ابوبکر پھر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ آپ کی کمانداری میں رہے گا۔ آپ اناطولیہ شہر کے اندر ہی رہیں گے۔ مبارز الدین ارتقش بھی آپ کے

ساتھ ہوگا۔ دوسرا لشکر میری کمانداری میں دے دیں۔ میرے ساتھ مبارز الدین چاولی کو رکھ دیں۔ میں اس لشکر کی طرف جاؤں گا جو ہرقلیہ کے حکمران دوگا اور ملطیہ کے حکمران ملیاروس کا متحدہ لشکر ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں نہ صرف انہیں روک دوں گا بلکہ انہیں شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دوں گا۔

دوسرا لشکر محترم حسام الدین یوسف کی کمانداری میں دے دیجئے گا۔ نجم الدین بہرام کو اس کے نائب کی حیثیت سے مقرر کر دیں اور وہ مغرب کا رخ کریں، فلاؤلفیا کے حکمران ساماق کے لشکر سے ٹکرائیں۔ مجھے امید ہے اس طرح ہمارے مشرق اور مغرب دونوں سمت سے دشمن کے جو لشکر اناطولیہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ضرب لگاتا چاہتے ہیں وہ شکست اٹھا کر اپنے علاقوں کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

سلطان غیاث الدین نے سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز پر اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اسی روز ایک لشکر سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی کی کمانداری میں مشرق کا رخ کر گیا تھا اور دوسرا لشکر حسام الدین یوسف اور نجم الدین بہرام کی کمانداری میں مغرب کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ جس لشکر کی سرکوبی کے لئے سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی روانہ ہوئے تھے۔ وہ لشکر ہرقلیہ کے حکمران دوگا، ملطیہ کے حکمران ملیاروس کا متحدہ لشکر تھا۔ اپنے مخبروں کی رہنمائی میں سیف الدین ابوبکر لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری سے مشرق کی طرف بڑھا تھا۔ یہاں تک کہ ایک جگہ وہ رک گیا اس لئے کہ سامنے کی طرف سے ملطیہ اور ہرقلیہ کا متحدہ لشکر آرہا تھا۔ لہذا سیف الدین نے اپنے لشکر کو وہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم ملتے ہی آن کی آن میں لشکر نے وہاں پڑاؤ کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر تک ہرقلیہ اور ملطیہ کا متحدہ لشکر بھی وہاں پہنچ گیا اور آتے ہی انہوں نے جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے بڑے بڑے طبل بجوانے کا حکم دے دیا تھا۔ کچھ دیر تک ایسا ہی سماں رہا اس دوران سیف الدین اور مبارز الدین نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک لشکر سیف الدین کے پاس اور دوسرا مبارز الدین چاولی کے پاس رہا۔ اتنی دیر تک کہن کا متحدہ لشکر اپنی معنوں کو استوار کر چکا تھا۔ لہذا وہ سیف الدین کے لشکر پر خیالوں کی بران گزر رہا ہوں میں ظلمت بھری داستانوں، وقت کے تیور بدل دینے والے نحوست کے لرداب، ہواؤں کی گہری مار میں کراہتی صدائیں بکھیرتے زیست کے متحرک زہریلے لہجوں

ملاقوں کا صرف سالار ہی نہیں حاکم بھی تھا۔ اسی لشکری نے فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسایا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی مدد کو پہنچے گا۔ لیکن اب ساماق کی مدد کے لئے لشکری نہ پہنچا، تب ساماق بھی جو اپنے مرکزی شہر فلاڈلفیا سے تھوڑی ہی دور گیا تھا، واپس اپنے مرکز کی طرف چلا گیا۔ اس طرح مغرب سے اٹھنے والی یہ خون ریزی کی فضا آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ ادھر اناطالیہ شہر میں جب سلطان غیاث الدین کو خبر ہوئی کہ ملطیہ اور ہرقلیہ کے متحدہ لشکر کو سیف الدین نے بدترین شکست دی ہے اور انہیں بھاگ جانے پر مجبور کر دیا ہے اور یہ کہ مغربی محاذ پر کوئی جنگ نہیں ہوئی، تب اناطالیہ شہر کے سارے انتظامات سلطان نے مبارز الدین ارغش اور بارگن کے سابق سپہ سالار عسکار نے حوالے کئے۔ سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اناطالیہ سے کوچ کر رہا ہے لہذا وہ راستے میں ان سے آن ملیں۔

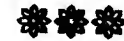
چنانچہ سلطان جس وقت اناطالیہ شہر سے لگ بھگ پچیس میل کے فاصلے پر تھا، تب سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف بھی باری باری سلطان سے آن ملے تھے۔ اس طرح سلطان اپنے لشکروں کو لے کر واپس اپنے مرکزی شہر قونیہ کی طرف چلا گیا تھا اور مسبق سابق اپنی سلطنت کے انتظامی امور میں مصروف ہو گیا تھا۔



کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ سیف الدین ابوبکر بھی اس موقع پر اپنے لشکر کو برہم و طول فطرت، زیست کے علائم میں ہر کام میں انوکھے حشر برپا کرتی قہرمانیت کی داستانوں کی طرح اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ اس کے بعد وہ دشمن کے متحدہ لشکر پر جسم و روح کے رشتوں کو منقطع کرتی ہولناک خصوصیت و عداوت، صدیوں کی طویل خاموشیوں سے نکل کر محسوسانہ کیفیت تک کو لرزا دینے والے جبر کے غضب ناک ناظم، اذیت بھرے اندھیاؤ اور درد بھری انتقام کی دستکوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح میدان جنگ میں کڑی اذیتوں کے عذاب، بے ثباتی کی بے کل کرتی خواہشیں، درد کے جادواں لمحات، نامراد یوں کے سائے، خون میں لت پت تباہی کی سحر خیزیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ میدان جنگ میں بڑی تیزی سے صدائیں، سنگریزوں کی طرح خاموش زبانیں پھری چپ ہونے لگی تھیں۔ بھاگتے لمحوں اور ساعتوں میں خون کی خنکی سرایت کرنے لگی تھی۔ نبضیں ڈولنے لگی تھیں اور رگیں تبسم سے محروم ہونے لگی تھیں۔

کچھ دیر تک اسی طرح ہولناک جنگ برپا رہی۔ رزم گاہ خون آلود ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ سیف الدین اور مبارز الدین چاولی کے ہاتھوں دشمن کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ سیف الدین اور مبارز الدین چاولی نے ابر تک ان کا تعاقب کیا۔ اپنے چند دستے اس نے دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ اس طرح دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی تعداد کو اس نے مزید کم کیا۔ اس کے بعد وہ اس جگہ آیا جہاں جنگ ہوئی تھی، وہاں پہلے ہی اس کا پڑاؤ قائم ہو چکا تھا۔ لہذا بڑی تیزی سے اس نے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا شروع کر دی تھی۔



دوسری طرف حسام الدین یوسف اور نجم الدین بہرام جب فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے تو انہیں اطلاع دی گئی کہ ساماق اپنی سرزمینوں کی طرف واپس جا چکا ہے۔ اس کا جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔ اس لئے کہ اس نے یہ قدم کسی کی شہہ پر اٹھایا تھا۔ اناطولیہ کے شمال مغربی علاقے قسطنطنیہ کی حکومت کے تحت تھے اور وہاں ان کا ایک سالار تھا جسے تاریخ کے اوراق میں لشکری کہہ کر پکارا گیا ہے، وہ ان

دینا بہتر ہے۔ اگر نفاق اور مخالفت پر اصرار کرے تو آخری علاج داغ دینا ہے۔ یعنی آخری حربہ جنگ کرنا ہے۔“

اس پر سلطان نے اس امیر کو سمجھایا کہ وہ کتنی بار اسے سمجھا چکا ہے، اسے وعدہ یاد دلایا چکا ہے لیکن وہ باز نہیں آتا۔ لہذا ایسے موقع پر تلوار استعمال کرنے کے موقف پر فیاضی سے کام لینا سر بلندی اور عزت کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے حفاظت کے موقع پر تلوار سے کام لینا۔ یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا۔ پھر بقول مؤرخین کہنے لگا۔

”جہاں زخم کو نشتر کی ضرورت ہو وہاں بنجین یا انگور کے رس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لہذا ان حالات میں تم ایسے لوگوں کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، اللہ کے لئے برابر ہے۔“

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے امراء اور سالاروں سے طویل مشورہ کیا۔ الغرض سلطان نے یہ فیصلہ کیا کہ لشکری پر جب تک حملہ نہ کیا گیا اس وقت تک وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی مذموم کارروائیوں سے باز نہیں آئے گا۔ لشکری کا مرکزی اور سب سے بڑا شہر بھی ہمارے ہدف کا نشانہ بننا چاہئے جہاں رومنوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہے اور اس لشکر ہی کی وجہ سے وہاں کا حکمران اور سپہ سالار نام جس کا لشکری تھا، بڑے تکبر اور گھمنڈ میں تھا۔ چنانچہ اسے سبق سکھانے کے لئے سلطان نے اس کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی شروع کی۔ دوسری طرف لشکری بھی عظیم الشان لشکر کو لے کر مقابلے میں آیا۔ اس کے لشکر میں رومن، یونانی اور کچھ یورپی قوتیں بھی تھیں ایک کافی بڑا بحری بیڑا جو یورپ سے لشکری لے کر آیا تھا، وہ بھی اس کی بندرگاہ پر کھڑا ہوا تھا۔

اس طرح سلطان بڑی تیزی سے یلغار اور پیش قدمی کرتا ہوا لشکری کے علاقوں میں داخل ہوا اور اس سمت بڑھا جہاں لشکری نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ وہاں سلطان نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔

کہتے ہیں وہاں پہنچ کر دشمن کی طرف دیکھتے ہوئے جب سلطان نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کیں تو سلطان نے سرخ لباس زیب تن کیا اور یہ لباس اکثر و بیشتر سلطان جنگ کے مواقع پر پہنا کرتا تھا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ سرخ لباس پہننے کے علاوہ سلطان نے ایک سخت کمان اپنے بازو میں لٹکائی۔ بہترین اور عمدہ قسم کی تلوار کمر سے باندھی اور ایک انتہائی توانا اور جوان گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے لشکر کا جائزہ لینے لگا۔

کچھ عرصہ آرام اور سکون سے گزر گیا۔ اناطولیہ پر بھی بغیر مزاحمت کے مبارز الدین اور عسار حکومت کا کاروبار چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ رومنوں اور یونانیوں کے سالار اور حکمران، لشکری نے پر پڑے نکال لئے اور گاہے گاہے وہ سلطان کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ سلطان نے کئی بار اس کی طرف پیغام بھجوایا کہ اپنی ان مذموم کارروائیوں سے وہ باز رہے ورنہ سلطان اس کے خلاف لشکر کشی کرے گا لیکن لشکری اپنے ان گھناؤنے افعال سے باز نہ آیا۔ تب سلطان نے اپنے سارے سالاروں اور امراء کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

اس اجلاس میں جو الفاظ سلطان نے استعمال کئے یا اس نے جو گفتگو کی، اسے مؤرخین کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

”آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ لشکری گاہے بگاہے ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اگر لشکری کے غرور اور سرکشی کا تذکرہ نہ کیا گیا تو ممکن ہے نتیجہ ہمارے لئے خراب نکلے۔“

سلطان غیاث الدین کے اس جملے کے جواب میں ایک امیر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! عہد فتنی ایک طرح کی بغاوت ہے اور اس کا انجام برا ہوتا ہے۔ تو! ہوا عہد ملک کو دیران کر کے چھوڑتا ہے۔ لشکری نے ماضی میں ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ امن سے رہے گا اور میں سمجھتا ہوں ابھی گفتگو کا راستہ بند نہیں ہوا۔ اپنی بھیج کر سختی سے باز پرس کرنی چاہئے۔ اگر نادم ہو کر معذرت کر لے تو کوئی ملامت نہیں اور اسے معاف کر

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ سے سلطان خوش ہو گیا تھا۔ چنانچہ سلطان سے اہلات لے کر سیف الدین ابوبکر میدان میں اُترا۔

سیف الدین جب اس رومن کے قریب گیا، تب رومن نے ایک گہری نگاہ اس پر الی، پھر کہنے لگا۔

”تم عجیب قسم کے جنگجو ہو۔ نہ تمہارے پاس گرز ہے نہ تم نے اپنے بازوؤں پر جوشن ماہن رکھے ہیں، نہ کندھوں پر آہنی خول ہیں نہ ناگوں پر خول ہیں۔ بس اپنے سر پر ایک خود ماہن کرا گئے ہو۔ تلوار اور ڈھال پکڑی ہے اور مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔ یہ کہو کہ اس سے پہلے ”رومنوں اولود اور بودان کو کیا تم نے ہی انفرادی مقابلے میں ختم کیا تھا؟“

ہلکی سی مسکراہٹ میں اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے اس رومن کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”سنو! میرا نام سیف الدین ابوبکر ہے۔ میں نے انفرادی مقابلے میں دو کو نہیں، تین اور بر کیا۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر وہ رومن چونکا تھا، پوچھنے لگا۔

”تیسرا کون؟“

جواب میں سیف الدین نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی، پھر اسے لہراتے ہوئے کہنے لگا۔

”تیسرے تم ہو گے۔“

رومن مسکرایا اور کہنے لگا۔

”یہ بھی تم نے خوب کھی۔ تم میرے گرز کی مار نہیں ہو۔ میرا گرز تم پر پڑے گا تو تمہارا سر تلواری کی طرح پھٹے گا۔“

اس رومن کے ان الفاظ پر طرزیہ سی مسکراہٹ سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔ پھر اس نے اپنی تلوار اپنی زین کے ساتھ جو جگہ بنی ہوئی تھی، اس میں رکھ دی اور

لہا مٹا آہنی نیزہ اس نے سنبھال لیا تھا۔ اس موقع پر رومن نے پھر اسے مخاطب کیا۔

”کیا تم میرا نام نہیں پوچھو گے؟“

سیف الدین ابوبکر پھر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میرا تیرا نام نہیں پوچھوں گا۔ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں، تو گم نام ہی مر جائے۔“

مورخین اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس جنگ میں رومن، یونانی اور یورپ کے لشکری تلواروں اور نیزوں کے علاوہ بھاری گرز بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ سلطان نے حسب سابق اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ وسطی حصہ یعنی قلب سلطان نے اپنے پاس رکھا، اپنے بیٹے عز الدین کی کاؤس کو اپنے ساتھ رکھا۔ لشکر کے دائیں پہلو کی کمانداری سیف الدین کے پاس تھی۔ مبارز الدین چاولی اس کی نیابت کر رہا تھا۔ لشکر کا بائیں پہلو حسام الدین یوسف کے تحت تھا اور نجم الدین بہرام اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ پڑاؤ کی حفاظت پر بھی ایک لشکر مقرر کیا تھا جس کی کمانداری زین الدین بشارہ اور امیر قزل کے ہاتھ میں تھی۔ جب دونوں لشکریوں نے اپنی صفیں درست کر لیں تب لشکری کے لشکر کی طرف سے ایک گھڑسوار اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا ہوا آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال، دوسرے میں بھاری بھر کم گرز تھا۔ میدان کے وسط میں آ کر اس نے سیف الدین ابوبکر کا نام لے کر انفرادی مقابلے کے لئے لٹکارا۔

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر اپنے حصے کے لشکر کے سامنے تھا جب وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر مقابلے کے لئے اُترنے لگا، تب ہاتھ کے اشارے سے سلطان نے اسے اپنے قریب بلایا، گھوڑے کو دوڑاتا ہوا سیف الدین ابوبکر جب سلطان کے قریب گیا، تب سلطان اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”فرزندِ مہربان! لگتا ہے تمہارے ہاتھوں جو دو رومن انفرادی مقابلے میں مارے گئے تھے، میدان میں اُترنے والا یہ رومن ان کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ بیٹے! اس کی طرف دھیان رکھنا، اس کے گرز پر نگاہ رکھنا۔ ہو سکتا ہے یہ تمہیں ڈھال کا ہدف بنائے اور چمکے دے کر گرز تمہیں دے مارے۔“

سلطان کے ان الفاظ کے جواب میں سیف الدین ابوبکر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ فکر نہ کریں۔ سیف الدین ابوبکر کی موت اگر اس میدان جنگ میں لکھی ہوئی ہے تو کوئی اسے بچا نہیں سکتا۔ اگر میرے محترم خدا نے مجھے اس میدان میں کامیاب اور فتح مند رکھنا ہے تو میرا مقابل ایک چھوڑ گئی گرز بھی اپنے کندھے پر رکھ کر لے آئے، میں اسے کاٹ کر رکھ دوں گا۔“

ان ہی یقیناً بزم کو رزم گاہ میں تبدیل کرتے ہیں، راکھ سے شعلے نکال سکتے ہیں۔ اے
نہی قوم کے ہدم و ہمدرد! تمہاری تمکنت و شوکت، تمہاری عزیمت و استقامت، تمہاری
ہمت و ہمت، تمہاری پُر شکوہ شجاعت، تمہاری بے باکی و جرأت اور ہنرمندی کو میں صد
امام پیش کرتا ہوں۔ تم نے اپنے عزم مصمم سے ہر دشمن کے آغاز و انجام دونوں کو لہو لہو
لے کے رکھ دیا۔“

اتنی دیر تک سیف الدین ابوبکر قریب آ گیا تھا۔ لہذا غیاث الدین محویت و تفکرات کے
انکار سے لوٹا، ایک گہری نگاہ سیف الدین ابوبکر پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”اے فرزند مہربان! یقیناً تو عزم و ہمت سے طلسمات کی کہانیاں رقم کر سکتا ہے۔ تو
ان سے میری آنکھوں کی چمک، میرے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہے۔ تو یقیناً ملت کی
مدد اتوں کا آئینہ، بہنوں کے ماتھے کا جھومر، نوجوانوں کے خوشنما مستقبل کی سیڑھی، ماؤں
لے لئے شبنم بھری چاندنی سا سکون اور میری مملکت کے لئے فسوں کا ایک شہر ہے۔ میں
ہانا ہوں.....“

یہاں تک کہتے کہتے سلطان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ بڑی عاجزی اور انکساری میں
سیف الدین بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ میرا منصب بول رہا ہے۔ خداوند رحیم کی
مہربانی کے بعد میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے گنتی سے اٹھا کر ایک شہر فسوں
میں لاکھڑا کیا ہے۔“

اس موقع پر سلطان کا بیٹا عز الدین کیاؤس بھی بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”میرے عزیز بھائی! تھوڑی دیر پہلے خود ہی بولتے ہوئے بابا تمہاری تعریف کر رہے
تھے۔ قسم خداوند قدوس کی! اگر یہ الفاظ بابا ادا نہ کرتے تو میں خود تمہارے لئے ایسے الفاظ
ستمال کرتا۔ میرے عزیز بھائی! اب تم اپنے لشکر کے سامنے چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے دشمن
ملے کی ابتدا کر دے۔“

سیف الدین نے مرنے والے رومن کے گھوڑے کو پڑاؤ کی طرف بھیج دیا، خود اپنے
ہے کے لشکر کے بالکل سامنے استوار ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک میدان جنگ میں شور مچا رہا، اس کے بعد لشکری نے اپنے لشکر کو سراہوں

سیف الدین کے ان الفاظ پر رومن شاید تاؤ کھا گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کو اس نے ایڑ
لگائی بلانہ گرز ہوا میں بلند کیا اور جب پوری قوت سے اس نے اپنا گرز سیف الدین ابوبکر کو
مارنا چاہا، تب اس کے گرز کے وار کو سیف الدین نے اپنی ڈھال پر روکا۔ ساتھ ہی اس
قوت اور زور سے نیزہ اس کے گرز پر مارا کہ نیزہ اس کے اندر گھس گیا تھا۔ اس رومن نے
جب اپنا گرز واپس لینا چاہا تو مصیبت میں پھنس گیا۔ اس لئے کہ سیف الدین کا نیزہ گرز
میں پھنس گیا تھا۔ سیف الدین نے دائیں ہاتھ کی گرفت نیزہ پر رکھی تھی۔ نیزہ کو جب اس
نے کھینچا، تب رومن اپنی جگہ کھسکا تھا۔ اس موقع پر رومن نے پوری طاقت اور قوت سے گرز
کو اپنی طرف کھینچ لیا گرز کو وہ حاصل نہ کر سکا۔ اس کے ساتھ ہی ایک سخت جھٹکا سیف
الدین نے اپنے نیزہ کو مارا۔ نیزہ چونکہ اس گرز میں گھسا ہوا تھا، لہذا جھٹکا لگنے سے وہ رومن
اپنے گھوڑے پر توازن کھو بیٹھا۔ گرز بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ خود بھی زمین پر
گر گیا۔ پلک جھپکتے میں سیف الدین نے گرز اور نیزہ جو ایک دوسرے میں پھنسے ہوئے
تھے، زمین پر گرادیئے۔ تلوار سنبھالی اور اس کے ساتھ ہی نیچے اُترا۔ جس وقت رومن اٹھنے
کی کوشش کر رہا تھا، سیف الدین نے آگے بڑھ کر اس کی گردن کاٹ دی تھی۔

رومن کا خاتمہ کرنے کے بعد سیف الدین نے اس کے گرز پر اپنا ایک پاؤں رکھا،
اپنے نیزہ کو خوب گھما کر اس کے گرز کے اندر سے نکالا، نیزے کو اس نے زین سے باندھا،
اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس رومن کے گھوڑے کو لے کر واپس اپنے لشکر کی طرف ہولیا
تھا۔ جس وقت وہ لشکر کی طرف جا رہا تھا، سلطان بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
اس موقع پر سلطان کا بڑا بیٹا عز الدین کیاؤس بھی سلطان کے پاس تھا۔ سلطان بڑی
انکساری اور بڑی عاجزی میں کہہ رہا تھا۔

”ابوبکر کے بیٹے! تو یقیناً دھواں دھواں شہروں میں پھولوں پر شبنم کی پھوار، ویران
ویران بستیوں میں حیات کی نغمہ ریز گونج، سوچوں کے بوجھ اور ریاضت نیم شبی میں
چاہتوں کی صداقت، سکون زاروں کا راز اور کارگاہ ہستی میں اپنائیت کا جھونکا ہے۔
میرے عزیز! تم ملت کی سانسوں کے تسلسل میں وفا کی شادمانی، شہروں کے محافظ، بستیوں
کے پاسان ہو۔ ملت کے راستوں کے محافظ ہو۔ میں تمہاری ان صفات کو صد بار سلام
پیش کرتا ہوں۔ تمہاری حیثیت اب ایک سالار کی نہیں، میرے بیٹے کی سی ہے۔ تم جیسے

میں کھوئے سکے تلاش کرتی حیات گریز کی طرح آگے بڑھایا، پھر وہ سلطان غیاث الدین کے لشکر پر حرف و صوت کی تذلیل کرتی اذیت بدوش و دشتوں، فرط نفرت کے شور، فانی بگولوں کی گرد اور رنگوں کی طرب خیزیوں میں جوش مارتے حرص و ہوس کے سیل کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان غیاث الدین اُس کے بیٹے عز الدین، سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف نے بھی سلطان کے کہنے پر اپنے لشکر کو سحر خیز چاندنی میں مخفی اسرار سے بھرپور معجزات و عجائبات اور امرت کی تلاش میں سرگرداں چٹانوں کو غبارِ راہ میں بدل دینے والے شجاعت بھرے شعور کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر سلطان، لشکری کے لشکر پر محشر برپا کر دینے والی زیست کی خوشگوار حدتوں، بدی کے دامن اور اس کے ارمانوں کو چاک کرتی نیکی کے کیف و مستی کے رقص، گناہ کے آنچلوں کی خواہشوں میں فطرت کو بھڑک اُٹھنے والی آتش، اُجاڑ سنان ویرانوں میں ہر تدبیر کو بیکار کرتے جاتے لحوں کے پاسانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح میدانِ جنگ کے اندر بے لباس کرتی ویرانیاں، دکھ کی کھولتی لہریں بکھیرنے یادیں، ٹوٹتے سپنے، بے بسی کے ہانپتے سائے اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ ذلت و پستی کے قہصے، جاہلی کے تازہ موسم، درد کی تاریک اذیتیں رقص کرنے لگی تھیں۔ کافی دیر تک گھمساوار کارن پڑتا رہا۔ یہاں تک کہ سلطان کے سامنے لشکری کی حالت ڈوب جانے والے حرفور کے مجید، جلتے کھیت کھلیانوں، ظلم و افلاس کے مارے ضمیر، آگ میں جلتی خشک چوب سی ہو شروع ہو گئی تھی۔ ایسے میں سلطان نے ایک بے مثال کارنامہ انجام دینے کی ابتدا کی۔

وہ اس طرح کہ سلطان نے دیکھا، دشمن کے لشکر کا سالار لشکری اپنے لشکریوں کو لٹکا لٹاکر جنگ کے لئے ابھار رہا تھا۔ جب کہ اس کے لشکری آگے بڑھنے کے بجائے پسپا رہے تھے۔ اس موقع پر سلطان نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور لشکری کے قریب جا کر سلطان گلیوں کو کھولتی ہوئی ویرانیوں، فضا کے دہر کی بیگانگی میں قضا کا گہرا غبار، بے روک صحرائی گراؤز، دھند لکوں سے لبریز اُداسیوں میں کرب کی اذیت خیزیوں کی طرح لشکری حملہ آور ہوا۔ سلطان گوبڑھا تھا، لشکری جوان تھا، اس کے باوجود سلطان نے لشکری کو ہلاک رکھ دیا تھا۔ سلطان کے لشکری پر حملہ آور ہونے کے سلسلے کو مؤرخین اپنے الفاظ میں اس طرح

ہاں کرتے ہیں:

جب جنگ میں شدت پیدا ہوئی، نیزہ، گرز گراں، شمشیر براں کی روانی نے اپنا رنگ بھایا تو سلطان تلوار کھینچ کر حملہ آور ہوا اور ایک ہی حملے میں مصفی درہم برہم کرتا ہوا دشمن کے قلب میں پہنچ گیا۔ وہاں سلطان نے تلوار نیام میں کی اور نیزہ سنبھال کر لشکری پر ایسا حملہ کیا کہ اسے ایک ہی وار میں موت کا چہرہ سامنے نظر آنے لگا۔ اس نے لشکری کو گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر پٹخ دیا اور جوش میں آ کر الم خیز آواز میں اپنے لشکریوں کو پکارا۔ چنانچہ سلطان کے لشکریوں نے چاہا کہ لشکری کا سرتن سے جدا کر دیں۔ مگر سلطان نے منع کر دیا اور اپنے لشکر کو سلطان نے حکم دیا کہ اسے پھر گھوڑے پر ڈال دو تا کہ یہ پھر میرے خلاف جنگ کرے۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ لشکری کے اہل لشکر نے جب لشکری کا یہ حال دیکھا تو بد دل ہو کر بھاگنے لگے۔ اس طرح لشکری کے لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اچانک حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔

ہوا یوں، جب لشکری سمیت اس کے لشکر نے شکست قبول کی اور سب بھاگ کھڑے ہوئے تو بقول مؤرخین تقدیر نے یہ تماشا دکھایا کہ سلطان کے تمام ساتھی سلطان سے علیحدہ ہو کر مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اتنے میں ایک مسلح شخص، سلطان کے قریب آیا۔ سلطان نے اس کی پروا نہ کی۔ چونکہ دشمن شکست اٹھا کر بھاگ چکا تھا، سلطان نے یہی خیال کیا کہ وہ اس کے محافظ دستوں کا ایک فرد ہوگا۔ لیکن وہ دشمن کا آدمی تھا۔ وہ موقع کا منتظر تھا۔ جیسے ہی سلطان اس کے پاس سے گزرا، چھپ کر ایک خطرناک وار تلوار کا اس نے سلطان پر کیا اور سلطان کا اس نے کام تمام کر دیا۔ پھر سلطان کا لباس اور اسلحہ وغیرہ لے کر وہ لشکری کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے بھاگ گیا۔

چنانچہ سلطان کا لباس اس شخص نے جس نے سلطان کو قتل کیا تھا، جا کے لشکری کے سامنے پیش کیا۔ لشکری نے جب وہ پوشاک دیکھی تو فوراً پہچان گیا اور اس سے پوچھا۔

”یہ لباس کس کا ہے؟“

اس پر قاتل کہنے لگا کہ میں نے اس لباس والے کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

اس پر لشکری نے فکر گیر انداز میں اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

عامتی طاری رہی۔ یہاں تک کہ باز نیک نے اپنے باپ نکسار کو مخاطب کیا۔
 ”بابا! کیا حالات کے اندر کوئی ایسی تبدیلی واقع ہو رہی ہے جو ہمارے حق میں اچھی نہیں ہے؟“

اپنے بیٹے کے ان الفاظ کے جواب میں نکسار نے باری باری ایک گہری نگاہ باز نیک، بڑے اور نکس پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”سلطان غیاث الدین کی موت کے باعث حالات واقعی ابتر ہو گئے ہیں۔ جہاں ملتان کی مملکت میں سوگ منایا جا رہا ہے، وہیں نصرانی دنیا میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ لہاٹ الدین جس نے ماضی میں مختلف نصرانی حکمرانوں کو شکستیں دیں، وہ اس دنیا سے کوچ کر چکا ہے۔ اب وہ اُمید رکھتے ہیں کہ اناطولیہ کے اندر مسلمانوں کی پہلی جیسی طاقت اور قوت نہیں رہے گی جس کی بنا پر وہ حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو اناطولیہ سے نکال باہر کریں گے۔ ایسا بہت سی حکمتیں سوچ رہی ہیں۔ ایسی سوچ رکھنے والوں میں اناطولیہ کے جنوب مغربی حصوں کا حاکم لشکری، دوسرا فلاؤلفیا کا حکمران ساماق، تیسرا ملطیہ کا حکمران طیارلوس اور چوتھا ہرقلیہ کا حکمران دوگا ہیں۔

اس کے علاوہ یہ خبریں قبرص سے آرہی ہیں کہ یہاں سے بھاگ کر بارگن اپنے بچے کچھ لشکر اور اہل خانہ کے ساتھ قبرص چلا گیا تھا۔ یہاں سے جانے کے بعد بھی اس نے ہارپی ممالک سے اناطولیہ کے سلطان غیاث الدین کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے مدد مانگنی شروع کر دی تھی، جس کے نتیجے میں اسے نہ صرف مالی مدد بھی ملی بلکہ بہت سے ہارپی صلیبی رضا کار اور جنگجو قبرص پہنچ گئے ہیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ بھی سنا جا رہا ہے کہ سلطان غیاث الدین کی موت کے بعد بارگن اور اس کے بھتیجے ارمناک کے مصلے بلند ہو چکے ہیں اور وہ کسی بھی وقت اناطولیہ کے نصرانی حکمران کے ساتھ بات کر کے قبرص سے نکل کر اناطولیہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اور وہ علاقے جو پہلے بارگن کے زیرِ حکمرانی تھے، ان کے علاوہ سلطان غیاث الدین کے علاقوں پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔“

نکسار جب خاموش ہوا، تب دکھ بھرے انداز میں بریزہ بول اُٹھی۔

”بابا! ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اب ہم نصرانی نہیں، مسلمان ہیں۔ اگر اتنی ساری

”کیا تم اس مقتول تک پہنچ کر اس کی لاش لاسکتے ہو؟“

”لا سکتا ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

لشکری نے اپنے لشکر کے چند بہادر اس کے ساتھ کئے۔ سلطان کی لاش ابھی تک اس جگہ سے کافی آگے پڑی ہوئی تھی، جہاں مسلمان مالی غنیمت سمیٹ رہے تھے۔ چنانچہ وہ سلطان کی لاش اٹھا کر لے گئے۔

جب سلطان کی لاش کو لشکری کے سامنے پیش کیا گیا تو مؤرخین کے مطابق وہ رونے لگا اور آہ و زاریاں کرنے لگا۔ اس کو یہ خوف ہو گیا تھا کہ اس کے ایک لشکری نے مسلمانوں کے سلطان کو قتل کر دیا ہے۔ لہذا مسلمان اسے بھی اس طرح قتل کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ لشکری نے جب سلطان کی لاش کو دیکھا تو اس نے فوراً حکم دیا کہ سلطان کو قتل کرنے والے اس فرنگی کی کھال کھینچ لی جائے۔ چنانچہ اس کا قصہ تمام کر دیا گیا۔

اس کے بعد لشکری نے بڑی عزت، بڑے احترام کے ساتھ سلطان کی لاش کو واپس کر دیا۔ اس طرح سلطان کے لشکر نے وہاں سے کوچ کیا اور سلطان کی لاش کو قونیہ شہر میں سلطان کے آباؤ اجداد کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

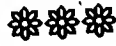
سلطان غیاث الدین کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی۔ عیسائی دنیا میں سلطان کی موت پر خوشیاں منائی گئیں اس لئے کہ سلطان نے اکثر جنگوں میں دشمنوں کو بدترین شکستیں دی تھیں۔ سلطان کی موت کی خبر جب اناطولیہ شہر میں پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے پریشانی اور دکھ کا اظہار کیا۔ اس لئے کہ بارگن کی نسبت مسلمانوں کا سلوک اناطولیہ کے لوگوں کے ساتھ بڑا شفقت آمیز اور رحم دلی والا تھا۔

اس کے علاوہ سلطان غیاث الدین نے اناطولیہ شہر میں جو قاضی مقرر کیا تھا، اس کی تبلیغ کے باعث اناطولیہ شہر میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسلام قبول کرنے والوں میں نکسار، اس کی بیٹی بریزہ، بیٹا باز نیک اور بیوی سیمس بھی شامل تھے۔

اس عظیم حادثہ کے بعد نکسار جب اپنی حویلی میں داخل ہوا تو وہ پریشان، فکر مند اور الجھا الجھا سا تھا۔ دیوان خانے میں جا کر وہ ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ وہاں پہلے سے اس کی بیوی سیمس، بیٹی بریزہ اور بیٹا باز نیک بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر تک دیوان خانے میں گہری

ادا کئے ہیں، ان کے مطابق حالات خراب نہیں ہوں گے۔ میرا بھی دل کہتا ہے کہ سیف الدین ابوبکر اور اس جیسے سلطان کے جو دوسرے سالار ہیں، وہ سلطان کے مرنے کے بعد اس کی سلطنت میں کمزوری اور ضعف نہیں آنے دیں گے۔ دیکھو میرے بچو! تم دونوں بہن بھائی اٹالیہ میں ابھی کسی پر یہ انکشاف نہ کرنا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔“

بریزہ اور اس کے بھائی باز نیک نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر بریزہ اور سمس دونوں ماں بیٹی اٹھ کر گھر کے کام کاج میں لگ گئی تھیں۔



تو تیس پھر اٹالیہ پر حملہ آور ہو گئیں تو بابا! ہمارا کیا بنے گا؟ کیا سلطان غیاث الدین کے بعد کوئی ایسا حکمران نہیں ہوگا جو سلطان کی مملکت کے علاقوں کے تحفظ کے علاوہ دوسرے علاقوں میں جو مسلمان بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی حفاظت کا سامان کر سکے؟“

اپنی بیٹی کو حوصلہ اور تسلی دینے کی خاطر کسار کہنے لگا۔

”بیٹی! فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اٹالیہ کے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور پھر ہم نے جو اسلام قبول کیا ہے، اس کو اب تک ہم نے ایک راز رکھا ہوا ہے، کسی کو نہیں پتہ کہ ہم اب نصرانی نہیں، مسلمان ہیں۔ اس بنا پر میری بیٹی! ہمیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر میں یہ بھی کہوں کہ اس سے پہلے بھی جب بارگن یہاں کا حکمران تھا تو اس کی مملکت میں بہت سے مسلمان پستے تھے۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

بریزہ کچھ دیر خاموش رہی۔ آخر اپنے دل کی بات زبان پر لاتے ہوئے دوبارہ اپنے باپ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا! مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر کا کوئی پتہ نہیں۔ بابا! آپ جانتے ہیں، مسلمانوں کا وہ سالار بڑا نایاب اور بلا کا جنگجو ہے اور اس نے بڑے بڑے دشمنوں اور سوراؤں کو اپنے سامنے زیر کیا ہے۔ انفرادی مقابلہ میں بھی اس نے کبھی اپنے سامنے کسی کو جتنے نہیں دیا۔ سلطان غیاث الدین اور لشکری کے درمیان جو جنگ ہوئی تھی سنا ہے اس میں بھی ایک شخص انفرادی مقابلے کے لئے نکلا تھا۔ جو گرز لے کر آیا تھا، وہ اس نے سیف الدین کو مارنا چاہا لیکن سیف الدین نے اپنا نیزہ اس کے گرز میں ڈال کر گرز اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ بابا! اس وقت جب کہ سلطان غیاث الدین کے مرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے حالات ابتر دکھائی دے رہے ہیں تو کیا سیف الدین ابوبکر اور اس جیسے مسلمانوں کے جو دوسرے سالار ہیں، حالات کو اپنی گرفت میں لے کر سلطان غیاث الدین سلجوقی جیسے حالات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے؟“

بریزہ کے خاموش ہونے پر کسار نے ایک شفقت بھری نگاہ اپنی بیٹی بریزہ پر ڈالی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری بچی! تیرے خدشات درست ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ تو نے جو الفاظ بعد میں

میں محصور ہو کر رہ گئے۔

علاء الدین کی قیقاو نے جب باپ کے انتقال کی خبر سنی تو اپنے چچا مغیث الدین طغرل شاہ جو ارزن الروم کے علاقے کا حاکم تھا، علاؤ الدین نے اسے بلایا اور پھر رمیوں کے قلعہ سینوب کے حاکم ٹکور کو یہ لو بھ اور لالچ دیا کہ اگر وہ اس کے بھائی عز الدین کی کاؤس کے خلاف اس کی مدد کرے تو علاؤ الدین کی قیقاو اسے بہت سی مراعات دے گا۔ چنانچہ سینوب کا نصرانی حاکم ٹکور بھی لشکر لے کر آ گیا اور سلطان عز الدین کی کاؤس کے خلاف علاؤ الدین کی قیقاو کی مدد کرنے لگا۔

جب علاؤ الدین کی قیقاو کے پاس کافی لشکر جمع ہو گیا تو اس نے قیصریہ شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس محاصرہ میں بہت وقت صرف ہوا۔ فریقین کے نامی گرامی سردار ایک مدت تک ضائع ہوتے رہے۔ محصورین میں ایک طرح کی عاجزی اور بے چینی پیدا ہونے لگی اور سلطان عز الدین کا بقول مؤرخین مزاج طول ہونے لگا۔

عز الدین کے لئے سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ بڑے بڑے سالار اس وقت اس کے پاس نہیں تھے۔ قیصریہ میں قیام کے دوران اس نے اکثر سالاروں کو چھوٹے چھوٹے دستے دے کر مختلف شہروں کی طرف روانہ کیا تھا تا کہ شہروں کے اندر کوئی سرکشی اور بغاوت نہ کرنے پائے۔ اب جس وقت سلطان عز الدین کی کاؤس کے چچا مغیث الدین اور بھائی علاؤ الدین نے قیصریہ شہر کا محاصرہ کر لیا تو سلطان بڑا فکر مند ہوا۔ ساتھ کوئی بڑا سالار بھی نہیں تھا جو اس موقع پر سلطان کو کوئی اچھا مشورہ دیتا یا لشکر کی کمانداری کرتے ہوئے علاؤ الدین پر حملہ آور ہو کر مار بھگاتا۔

ان حالات میں سلطان عز الدین نے خفیہ طور پر اپنے کچھ قاصدوں کو اپنے سالاروں کی طرف بھیج دیا۔

چنانچہ انہیں روانہ کرنے کے بعد سلطان نے فیصلہ کیا کہ آدھی رات کے وقت شہر کا دروازہ کھول کر وہ علاؤ الدین پر ایک زوردار حملہ کرے گا اور امراء اور عسا کر کی مدد سے قیصریہ سے نکل کر وہ مرکزی شہر قونیہ میں پہنچ جائے گا۔

کہتے ہیں، قیصریہ شہر کا حاکم، نام جس کا جلال الدین تھا اپنی ذکاوت اور ہوشیاری کی وجہ سے سلطان غیاث الدین کا بڑا پسندیدہ اور معتمد ملازم ہوا کرتا تھا، جب اسے سلطان

اپنے باپ غیاث الدین کی موت کے بعد سلطان کے بڑے بیٹے عز الدین کا اپنے سالاروں اور رؤسا کے ساتھ قیصریہ شہر میں قیام کر رکھا تھا۔ ادھر قونیہ میں نئے سلطانا کے لئے صلاح مشورے ہونے لگے۔ ارکان دولت اور ارباب حکومت نے باہم مشورہ شروع کیا۔ سلطان کے تین بیٹے تھے۔ عز الدین کی کاؤس، علاؤ الدین کی قیقاو اور جلال الدین۔ اب فیصلہ یہ کرنا تھا کہ ان تینوں میں سے کسے نیا سلطان بنایا جائے۔ اس موقع پر مرعش شہر کے والی نصرت الدین نے یہ رائے دی کہ میری نگاہ میں سلطانا غیاث الدین کے بعد اگر سلطنت چلانے کا کوئی حق دار ہے تو وہ سلطان کا بڑا بیٹا، عز الدین کی کاؤس ہے۔

نصرت الدین کی اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ قونیہ سے امراء ایک گروہ قیصریہ شہر میں عز الدین کی خدمت میں حاضر ہو اور اسے تخت و تاج کا مالک جائے۔

چنانچہ مملکت کے سردار بقول مؤرخین سوگ کا لباس پہن کر عز الدین کی طرف بڑی عزت و احترام کے ساتھ قیصریہ میں اس کے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔

سلطان ہونے کے بعد عز الدین کی کاؤس نے تین دن کے بعد سب امراء کو خلعت کئے۔ شاہی فرمانوں کی تجوید اور مناصب کے تقرر سے فراغت پانے کے بعد قونیہ جا۔ تیاری ہو رہی تھی۔ اس لئے کہ قونیہ مرکزی شہر تھا۔

اچانک خبر آئی کہ سلطان کا چھوٹا بھائی، علاؤ الدین ایک بہت بڑا لشکر لے کر قیصر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا ہے۔ یہ خبر سن کر سب پریشان ہو گئے اور

عزالدین کے اس ارادہ کا علم ہوا کہ سلطان آدمی رات کو باہر نکل کر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو وہ رات کے وقت سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور تنہائی میں سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے سنا ہے، آپ کے دل میں یہ آیا ہے کہ آدمی رات کو شہر سے نکل کر حملہ آور ہوں گے۔ ایسا نامناسب خیال پیدا ہونا ہمارے لئے نقصان دہ ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ اب آپ ایسا غیر مفید اندیشہ ظاہر نہ کریں۔ بندے کو ایک تدبیر سوجھی ہے۔ اگر بن پڑے تو یہ عقدہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔“

جلال الدین کے ان الفاظ پر سلطان عزالدین چونکا اور کہنے لگا۔

”وہ کیا ہے؟“

چنانچہ جلال الدین کہنے لگا۔

”اگر سلطان حرم سرا میں جا کر بیگمات سے کوئی قیمتی زیور لا کر بندہ کے حوالے کریں تو اس کے ذریعے آج ہی رات میں یہ کام ناکال سکتا ہوں۔“

یہ سن کر سلطان عزالدین حرم سرا کی طرف گیا اور اپنی بہن سے بارہ ہزار دینار قیمت کا ایک سر بیچ لے کر جلال الدین کے حوالے کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جلال الدین اسی رات کو ایک غلام کے ساتھ تاریکی میں شہر سے نکلا اور قلعہ دار سے کہا۔

”میری دالہسی کے منتظر رہو۔ میری آواز سننا تو دروازہ کھول دینا۔“

یہ کہہ کر جلال الدین نصرانی ٹکڑ کی فرو دگاہ کی طرف روانہ ہوا۔ ٹکڑ سے اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ پہریدار کے پاس پہنچا تو اس سے کہا۔

”ٹکڑ کو اطلاع کرو کہ قیصر یہ کا حاکم جلال الدین ملنا چاہتا ہے۔“

چنانچہ فوراً اطلاع کر دی گئی اور جلال الدین کو بلا لیا گیا۔ ٹکڑ نے آگے بڑھ کر عزت کے ساتھ اسے اپنے پاس بٹھایا۔

چنانچہ ٹکڑ کے پاس بیٹھنے کے بعد جلال الدین نے کہنا شروع کیا۔

”مجھے آپ سے راز کی بات کہنا ہے۔ اگر تنہائی ہو جائے تو کہوں۔ جب ٹکڑ کے حکم پر تمام خدام علیحدہ ہو گئے تو جلال الدین نے کہا۔

”آپ کو معلوم ہے کہ سلجوقوں کے ملک میں کسی پہلو سے بھی آپ کی شرکت نہیں بنتی۔ اس لئے اس کی کیا ضرورت ہے کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور دوسروں کا شکار بنیں۔ ملک مغیث الدین جو سلطان غیاث الدین کا بھائی ہے، اس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کا ملک چاہتا ہے۔ جہاں تک علاؤ الدین کا تعلق ہے، وہ اپنے باپ غیاث الدین کی جگہ کا طالب ہے۔ باقی رہا عزالدین کا معاملہ، معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے۔ مجھے تو آپ کی محبت اور مصلحت کے خیال سے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو اس بے فائدہ محنت سے چالیں اور اپنے ملک کی حفاظت میں مصروف ہو جائیں۔“

مؤرخین کہتے ہیں، یہ کہہ کر جلال الدین نے قیمتی زیور سامنے رکھا اور بولا۔

”اس کی قیمت بارہ ہزار مصری دینار ہے۔ اسے نعل بہا کے طور پر قبول کرو۔“ (در اصل لشکر کے واپس ہونے کے اخراجات کو نعل بہا کہا جاتا تھا)

جلال الدین پھر کہنے لگا۔

”جب آپ کا لشکر کوچ کر جائے گا اور سلطنت پر سلطان عزالدین کا اقتدار کامل ہو جائے گا تو سلطان کی طرف سے بھی آپ کے مفاد کے لئے بہت کچھ کیا جائے گا۔“

اس موقع پر ٹکڑ نے کچھ سوچا، پھر جلال الدین کو مخاطب کر کے بولا۔

”آپ تھوڑی دیر میرے خیمہ میں رکیں، میں ذرا اپنے سالاروں اور اُمراء سے مشورہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے آخری فیصلہ سے آپ کو آگاہ کرتا ہوں۔“

جلال الدین نے اس سے اتفاق کیا۔ چنانچہ ٹکڑ خیمہ سے نکل گیا۔ اس نے دوسرے ہمہ میں اپنے سالاروں اور اُمراء کو جمع کیا اور وہ قیمتی ہار جو جلال الدین لے کر آیا تھا، وہ سب کے سامنے پیش کیا اور بولا۔

”اس کی قیمت بارہ ہزار مصری دینار بتائی گئی ہے۔ یہ عزالدین کی کاؤس کا ایک نمائندہ اور قیصر یہ شہر کا حاکم لے کر آیا ہے۔ اس کے بدلے وہ چاہتا ہے کہ ہم علاؤ الدین کی قیادت کی دہ کریں اور اپنا لشکر لے کر واپس چلے جائیں۔“

ٹکڑ یہاں تک کہنے کے بعد رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

”اب میں تم سب لوگوں کے پاس مشورہ کرنے کے لئے آیا ہوں کہ مجھے کیا قدم اٹھانا ہے۔“

اس موقع پر تگور کا ایک سالار بولا اور کہنے لگا۔

”یہ ہار واقعی قیمتی ہے۔ اسے رکھ لیا جائے اور جو نمائندہ یہ ہار لے کر آیا ہے، اسے صاف کہہ دیا جائے کہ ہم اپنا لشکر لے کر واپس نہیں جائیں گے۔ اور یہ قیمتی زیور جو ہمارے حوالے کیا ہے، اسے بھی واپس نہیں کریں گے۔ اس کے ہمیں ایک نہیں، کئی فائدے ہوں گے۔ پہلی بات یہ کہ جو قیمتی زیور لے کر آیا ہے، یہ ہمارا ہوگا۔ اس کے علاوہ عز الدین کے بھائی علاؤ الدین کی قیادت نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر ہماری وجہ سے وہ اپنے بھائی عز الدین کے خلاف کامیاب ہو گیا تو قیصر یہ شہر ہمارے حوالے کر دیا جائے گا۔ اب قیصر یہ پر بھی اتفاق نہیں کریں گے۔ اگر ہم عز الدین کو شکست دیتے ہیں تو قیصر یہ چھوڑے، تو عز الدین کا مرکز شہر قونیہ بھی اپنے قبضے میں لیں گے۔ وہ بھی ہمارا شہر ہوگا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سالار کا، پھر بڑے طنز یہ انداز میں کہنے لگا۔

”اس سے بڑھ کر اچھا موقع ہمیں کبھی نہیں ملے گا۔ عز الدین اور علاؤ الدین کی قیادت دونوں کو ہر صورت میں آپس میں ٹکرانا چاہئے۔ ہم علاؤ الدین کی مدد کریں گے۔ جب دونوں بھائی آپس میں ٹکرائیں گے تو دونوں کی طاقت اور قوت میں ضعف اور کمزوری پیدا ہوگی۔ جب دونوں کمزور ہو جائیں گے تو ان کے مقابلے میں ہم طاقتور ہو جائیں گے۔ دونوں بھائی بے اتفاقی کا شکار ہو کر اپنے اپنے علاقوں تک کا دفاع نہیں کر سکیں گے اور ان پر حملہ آور ہو کر یکے بعد دیگرے ان سے سارے شہر چھین کر انہیں انا طولیہ کے میدانوں سے چلتا کریں گے۔ اس طرح ان علاقوں میں جو مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی ہے، یہ ختم ہو جائے گی۔ میرے خیال میں اس سے بہتر اور کوئی موقع ایسا کرنے کا نہیں مل سکتا۔“

تگور اپنے اس سالار کی اس تجویز سے مطلق متفق دکھائی دیتا تھا۔ اس کے باوجود سالاروں اور اُمراء نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ یہاں تک کہ ایک مسلح شخص خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا اور تگور کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہمارا ایک ہرکارہ آیا ہے۔ وہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔“

چنانچہ تگور نے فوراً اسے اندر بلا لیا۔ جب وہ مخبر تگور کے سامنے آیا تو تگور نے اسے مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”تم کون سی اہم خبر لے کر آئے ہو؟“

جواب میں وہ ہرکارہ بولا اور کہنے لگا۔

”آپ جانیں، میں ایک انتہائی بری خبر لے کر آیا ہوں جس کی وجہ سے ہمارے ہاروں طرف خطرات منڈلانے لگے ہیں۔ سلطان عز الدین نے سلطان بننے کے ساتھ ہی اپنے کچھ سالاروں کو چھوٹے چھوٹے لشکر دے کر مختلف شہروں کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ امن و امان کی صورت خراب نہ ہو، لوگوں پر گرفت رکھی جائے۔ اب ان سارے سالاروں کو یہ خبر ہو چکی ہے کہ عز الدین، قیصر یہ شہر میں محصور ہے۔ یہ خبر سنتے ہی عز الدین کے سارے سالار آندھی اور طوفان کی طرح قیصر یہ کا رخ کر رہے ہیں۔ وہ بہت جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔ آنے والے ان سالاروں میں سب سے خونخوار سیف الدین ابوبکر ہے۔ پھر مبارز الدین ہے، پھر زین الدین بشارہ ہے۔ نجم الدین بہرام، حسام الدین یوسف ہے۔ کہتے ہیں سیف الدین ابوبکر آندھی اور طوفان کی طرح قیصر یہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ ایسا سالار ہے کہ آؤ دیکھے نہ تاؤ، آتے ہی حملہ آور ہوگا۔ اور کہنے والوں کا کہنا ہے کہ وہ صفوں کی صفیں پچھاڑ دینے کی ہمت اور جرأت رکھتا ہے۔ بس میرے پاس یہی خبر ہے۔ اسے خواہ آپ اچھا سمجھیں یا برا، آپ کی مرضی۔“

یہ خبر سن کر تگور کے پاؤں تلے سے ایک بار زمین کھسک گئی تھی۔ اس کے سالاروں اور سارے اُمراء نے بھی چپ سادھ لی تھی اور سب پریشان اور فکر مند ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ تگور بولا اور کہنے لگا۔

”اب اس ہار کو قبول کرنے کے بعد ہمیں یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔ ورنہ اس ہار سے بھی جائیں گے اور اپنا لشکر بھی گنوائیں گے۔“

تگور کی اس گفتگو سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اس خیمے سے اٹھ کر تگور اپنے ٹیمپ میں گیا جہاں وہ جلال الدین کو بٹھا کے آیا تھا۔ جلال الدین کے پاس جا کے وہ بیٹھا اور بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”جلال الدین! جو پیشکش تم لے کر آئے ہو، وہ ہمارے لئے قابل قبول ہے۔ لیکن مجھے پورا اطمینان اس وقت ہوگا، جب میرا ایک شخص سلطان کے پاس جائے اور ان تمام اعدوں پر سلطان سے قسم لے۔“

اس پر جلال الدین کہنے لگا۔

اور حملہ آور ہو گیا۔ لمحوں کے اندر سلطان عز الدین نے اپنے بھائی علاؤ الدین کی قیادت کے لشکر کو بدترین شکست دی۔ اس کے قدم اکھڑ گئے، شکست قبول کی اور پھر وہ اپنے آپ کو محفوظ کر کے بقول مؤرخین انگور یہ شہر کی طرف بھاگ گیا تھا۔

اسی روز قیصریہ میں سلطان کے پاس سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین، نجم الدین بہرام، حسام الدین یوسف، زین الدین بشارہ اور دیگر سالار پہنچ گئے۔ ان کی آمد پر سلطان کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اس دوران ایک بہت برا اور افسوس ناک حادثہ بھی پیش آیا۔ اور وہ یہ کہ بارگن اور اس کے بھتیجے ارمناک نے قبرص سے نکل کر اپنے ان سارے علاقوں پر پھر قبضہ کر لیا تھا جن پر کبھی وہ حکومت کرتا تھا۔

دراصل سلطان غیاث الدین کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد بارگن اور اس کا بھتیجا اور بچے کچھ لشکری شاہی خاندان کے افراد اناطولیہ سے قبرص کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ بارگن، قبرص کا بھی حکمران تھا۔ وہاں پہنچتے ہی بارگن چچین سے نہیں بیٹھا۔ اس نے اپنے بہت سے نمائندے یورپی ممالک کے علاوہ قسطنطنیہ کی طرف روانہ کئے اور ان سے مالی اور عسکری مدد طلب کی۔ چنانچہ صلیبی رضا کار گروہ درگروہ اُس کے پاس قبرص پہنچنا شروع ہو گئے اور اس کی مالی مدد بھی خوب کی گئی۔ بارگن کے پاس اب ایک بہت بڑا لشکر قبرص میں جمع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اب وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ اسے موقع ملے اور اپنی سلطنت پر پھر قبضہ کرے۔

چنانچہ جب چاروں طرف سلطان غیاث الدین کی شہادت کی خبر پہنچی اور یہ بھی خبریں پھیلیں کہ سلطان غیاث الدین کے دونوں بیٹے عز الدین اور علاؤ الدین ایک دوسرے سے لکڑا گئے ہیں، تب بارگن نے اسے اپنے لئے ایک بہترین موقع خیال کیا۔ وہ ایک بہت بڑے بحری بیڑے اور جہاز لشکر کے ساتھ اناطولیہ کی بندرگاہ کی طرف بڑھا۔ اُس کی اس پیش قدمی کی اطلاع جب سلطان غیاث الدین کی طرف سے اناطولیہ کا حاکم مقرر کئے جانے والے مبارز الدین ارتقش کو ہوئی تو وہ پریشان ہوا۔ اس لئے کہ اس کے پاس تو نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے چھوٹا سا ایک لشکر تھا۔ جب اس نے اندازہ لگایا کہ وہ بارگن کا مقابلہ نہیں کر سکتا، تب اپنے اس لشکر کو لے کر وہ اناطولیہ سے نکلا اور قونیہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ بارگن اور اس کا بھتیجا ارمناک اپنے جہاز لشکر کے ساتھ ساحل پر اترے۔ جن

”پہلے تم قسم کھا کر حلف نامہ لکھو اور اپنے قاصد کے ہمراہ یہ حلف نامہ میرے ساتھ روانہ کر دو۔“

تکمر نے اس مشورہ کے مطابق عمل کیا اور جلال الدین تکمر کے قاصد کو لے کر شہر روانہ ہوا۔ جب سلطان عز الدین کی خدمت میں پہنچا تو اسے کامیابی کی خوش خبری سنائی اور تکمر کے قاصد کو اشارہ کیا کہ سلطان کی دست بوسی سے مشرف ہو۔ اس کے بعد تمام ماجرا کہہ سنایا۔ سلطان نے اپنے دستخط حلف نامے پر مرتب کر کے قاصد کے ذریعے اسی رات کو واپس کر دیا۔

جب تکمر نے حلف نامہ دیکھا اور قاصد نے سلطان کی ملاقات کا ذکر کیا تو اُس نے اپنی مصلحت، اپنی بہتری اور حفاظت اسی میں سمجھی کہ اپنے لشکر لے کر جس قدر جلد ممکن ہو، بھاگنے کی بات کرے۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے لشکر کو حکم دیا کہ خفیہ طور پر شور و غل کئے بغیر ایک دم روانہ ہو جائے اور صبح ہوتے ہوتے سلطان عز الدین کی حدود سے نکل جائے۔ مؤرخین لکھتے ہیں، یہ لوگ اس حکم کی تعمیل میں فوراً اونٹوں پر سامان بار کر کے روانہ ہو گئے اور صبح تک وہ سلطان کے علاقوں سے نکل گئے۔

اگلے روز صبح کے وقت چاروں طرف ویرانی تھی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ صبح کو سلطان عز الدین کے چچا مغیث الدین طغرل شاہ اور اس کے بھائی علاؤ الدین کی قیادت کو خبر دی گئی کہ تکمر کی فرودگاہ بالکل خالی پڑی ہوئی ہے۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اس خبر سے انہیں تعجب ہوا اور تکمر کی چال کی وجہ سے سب ایک دوسرے سے منتشر ہوئے۔ اس موقع پر علاؤ الدین نے گمان کیا کہ شاید یہ سب لوگ میرے بھائی سے خفیہ طور پر مل گئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ فریب کے ساتھ مجھے قید کروا دیں۔

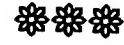
اس موقع پر سلطان غیاث الدین کا بھائی اور سلطان عز الدین کا چچا مغیث الدین بھی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنا لشکر لے کر وہاں سے اپنے شہر ارز الروم کی طرف چلا گیا۔ چونکہ اندر ہی اندر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ سلطان کے لشکر بڑے بڑے سالاروں کی سرکردگی میں بڑی تیزی سے قیصریہ کا رخ کر رہے ہیں۔ اس موقع پر جب کہ مغیث الدین کوچ کر رہا تھا اور علاؤ الدین کی قیادت کو کوچ کرنے والا تھا، سلطان عز الدین اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکلا

اس موقع پر سلطان نے اپنے سالاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک اور کام بھی کیا۔ سلطان عزالدین نے زین الدین بشارہ کو ایک علاقے کا حاکم مقرر کیا۔ سلطان کے علاقے ملطیہ سے ملتے تھے، وہاں کا حاکم حسام الدین کو مقرر کیا گیا تھا اور آبلستان کا مل مبارز الدین چاولی کو مقرر کیا گیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ تینوں سالار تو لشکر کے اندر رہیں گے لیکن یہ ان علاقوں کے حاکم بھی ہوں گے اور اپنی طرف سے وہ ان علاقوں کا نظم و نسق لانے کے لئے اپنے نائب مقرر کر سکتے ہیں۔

اس طرح سلطان نے چند روز تک اپنے لشکریوں کو قیصریہ شہر میں سستانے کا موقع راہم کیا، اس کے بعد وہ اپنے چھوٹے بھائی علاؤ الدین کی قیادت سے نمٹنے کے لئے انگوریہ شہر کا رخ کر گیا تھا۔



علاقوں پر پہلے بارگن حکومت کرتا تھا، وہ سارے علاقے اپنی گرفت میں لے لئے۔ سرحدوں پر مختلف سمتوں میں محافظ دستے مقرر کر دیئے اور اب بارگن اور اس کے بھیجے ارمناک کی ہمت اور جسارت اس قدر بڑھی کہ ان دونوں نے سلطان عزالدین کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کا طریقہ کار شروع کر دیا تھا۔



سلطان عزالدین کی کاؤس کو خبر ہو چکی تھی کہ اٹالیہ میں اس کا حاکم مبارز الدین ارتقش اٹالیہ سے تونہ پہنچ چکا ہے اور اٹالیہ کی ساری سلطنت ایک بار پھر بارگن کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اگلے روز کچھ مخبر سلطان عزالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بڑی رازداری کے ساتھ سلطان کو کچھ خبریں سنائیں۔ سلطان نے ان خبروں کو کسی پر ظاہر نہ کیا لیکن وہ پریشان اور فکر مند ضرور ہوا تھا اور اس سے اگلے روز سلطان نے اپنے سارے سالاروں اور امراء کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

جب سب لوگ سلطان کے پاس پہنچ گئے تب سلطان نے سب سے پہلے اٹالیہ کے وسیع علاقے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا، ساتھ ہی اپنے سالاروں کو اس نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ جوں ہی اس کے بھائی علاؤ الدین کے ساتھ معاملات کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ اٹالیہ کے حاکم بارگن سے ٹکرائے گا اور اسے ایک بار پھر قبرص کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دے گا اور آنے والے دور میں کبھی بارگن کو اٹالیہ میں داخل نہیں ہونے دے گا۔

اس کے بعد سلطان نے علیحدگی میں بڑی رازداری کے ساتھ سیف الدین ابوبکر کے ساتھ کوئی گفتگو کی تھی۔ اس گفتگو کو سن کر سیف الدین ابوبکر اپنے دیگر سالاروں کے پاس سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا۔

سیف الدین کے جانے کے بعد سلطان نے سب کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ دو چار روز تم لوگ آرام کرو۔ اس کے بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ انگوریہ کا رخ کرنا چاہوں گا۔ علاؤ الدین وہاں محصور ہو کر یہ خیال کرتا ہے کہ وہ محفوظ ہوگم ہے اور کوئی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ اس نے چونکہ نصرانیوں کے ساتھ مل کر میرے خلاف بغاوت کی تھی، لہذا اُسے اس بغاوت کی سزا ہر صورت میں مل کر رہے گی۔“

لگے ہیں، اس کا صحیح اور سچائی پر رہتے ہوئے جواب دینا۔ جھوٹ نہ بولنا۔“

بریزہ نے بشارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”مجھے نہ جھوٹ بولنے کی عادت ہے، نہ جھوٹ بولوں گی۔ پوچھیں کیا پوچھنا ہے؟“

”کچھ لوگوں نے تم پر الزام لگایا ہے کہ تم عیسائیت ترک کر کے اسلام قبول کر چکی ہو۔“

اس موقع پر ہلکا سا تسم حسین اور خوبصورت بریزہ کے چہرے پر نمودار ہوا پھر کہنے لگی۔

”اسے الزام مت کہیں، انکشاف کہیں۔ الزام تو آپ اس وقت کہیں گے جب آپ لوگوں نے پوچھا ہو کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے کہ نہیں۔ اور میں نے انکار کر دیا ہو۔ اب آپ نے پوچھا ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے کہ نہیں تو میں آپ لوگوں سے کہتی ہوں کہ الحمد للہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں اور اب میں نصرانی نہیں، مسلمان ہوں۔“

بریزہ کے اس دلیرانہ جواب پر وہاں بیٹھے پادریوں اور بشارت سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ بریزہ پھر بول اٹھی۔

”کچھ اور پوچھنا ہے تو پوچھیں۔“

ان الفاظ پر بشارت چونکا اور کہنے لگا۔

”تو گویا تم اپنے گناہ کا اقرار کرتی ہو۔“

بریزہ نے پھر غور سے بشارت کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”میں اسے گناہ نہیں، ثواب سمجھتی ہوں۔ اسے ایک سعادت خیال کرتی ہوں۔ لہذا میں اسے ثواب اور سعادت تسلیم کرتی ہوں۔“

اس موقع پر بشارت کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ قریب کھڑے دو مسلح جوانوں کو اس نے بلایا اور کہنے لگا۔

”اسے پکڑ کر اس کی حویلی میں لے جاؤ اور تم دونوں عسکار کی حویلی کے باہر پہرہ دو گے تاکہ عسکار کے گھروالوں میں سے اور خصوصیت کے ساتھ یہ بریزہ یہاں سے بھاگ کر کہیں اور نہ جانے پائے۔ کل اس معاملہ پر عسکار، اس کی بیوی سیس اور بیٹے باز نیک سے بھی تحقیق کی جائے گی، اس کے بعد بریزہ کا بھی فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ اپنا جرم قبول کر چکی ہے۔ کل اس کے ہاپ، ماں اور بھائی سے بھی تحقیق کی جائے گی اور پرسوں صبح بریزہ کو مصلوب کر دیا جائے گا۔“

بشارت اس حکم پر وہ دونوں مسلح جوان، بریزہ کو اپنی نگرانی میں لے کر اس کی حویلی کی

بارگن کو دوبارہ اٹالیہ پر حکومت کرتے چند ہی روز ہوئے تھے کہ کچھ لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ اس کی غیر موجودگی میں اٹالیہ کے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور کسی نے یہ بھی شکایت لگا دی کہ عسکار کی بیٹی حسین اور خوب صورت بریزہ بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہے۔ شکایت کرنے والوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ عسکار اور اس کی بیوی اور بیٹا بھی اسلام قبول کر چکے ہیں، صرف بریزہ کی شکایت کی گئی تھی۔ چنانچہ بارگن نے اٹالیہ شہر کے سب سے بڑے کلیسا کے بشارت کو حکم دیا کہ سابق سپہ سالار اعلیٰ کی بیٹی بریزہ کو پادریوں کی عدالت میں طلب کیا جائے اور تحقیق کی جائے کہ اس نے اسلام قبول کیا ہے کہ نہیں۔ اگر تو وہ اسلام قبول کر چکی ہے تو پھر اس کے لئے قرار واقعی سزا تجویز کی جائے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو پھر اسے باعزت اپنے گھر بھیج دیا جائے۔

چنانچہ بارگن کا یہ حکم ملنے کے بعد بریزہ کو اٹالیہ شہر کے بڑے کلیسا کے بشارت نے طلب کیا۔ اس موقع پر عسکار، باز نیک اور سیس بھی ساتھ گئے تھے لیکن ان تینوں کو بڑے پادری نے کلیسا سے نکل کر گھر چلے جانے کے لئے کہا تھا جس پر وہ بے چارے تینوں بے لکڑ اور مجبور ہو کر اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

چنانچہ بریزہ کو چند پادریوں کی موجودگی میں بشارت کے سامنے پیش کیا گیا۔ بشارت کچھ دیر تک بریزہ کا بغور جائزہ لیتا رہا، اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تیرا باپ کبھی اٹالیہ کی مملکت میں سب سے اچھے عہدے پر فائز تھا۔ وہ اٹالیہ کے لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ اب بھی ان علاقوں میں اس کی عزت اور تکریم ہے اور اس کی نسبت سے تم بھی ہماری نگاہوں میں قابل عزت اور قابل تکریم ہو۔ جو کچھ ہم تم سے پوچھتے

کے ساتھ وہ بڑی تیزی سے اناطولیہ کی بندرگاہ کی طرف ہو لئے تھے۔

گھوڑوں کو سرپنٹ دوڑاتے ہوئے وہ بندرگاہ سے مشرق کی جانب ساحل سمندر پر آئے۔ وہاں اور بہت سے مسلح جوان کھڑے تھے۔ ان کے اندر نکسار، اس کی بیوی سیمس اور ہازنیک بھی تھے۔ اپنے باپ، اپنی ماں اور بھائی کو وہاں دیکھ کر بریزہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر اپنے گھوڑے کو سیف الدین ابوبکر، نکسار کے قریب لایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آپ وقت ضائع نہ کریں۔ یہ جو مسلح جوان اس وقت آپ کے ساتھ ہیں، ان میں سے آدھے آپ کے ساتھ جائیں گے اور آپ وقت ضائع کئے بغیر بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ مشرق کی طرف پیش قدمی شروع کر دیں۔ اپنے گھوڑوں کو سمندر کے کنارے کے ساتھ وہاں دوڑائیں جہاں تک پانی پہنچتا ہے تاکہ آپ کے گزرنے کے بعد پانی آپ کے گھوڑوں کے نشانات کو مٹاتا چلا جائے۔ میں اپنے کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ پیچھے رہوں گا تاکہ اگر تعاقب کیا جائے تو میں ان سے نمٹ سکوں۔ اگر میرے پیچھے میں تاخیر ہو جائے یا میں تعاقب کرنے والوں کے ساتھ الجھ جاؤں تو آپ نے رُکنا نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ جو مسلح جوان ہیں، ان کے ساتھ آگے بڑھتے جانا ہے۔ لگ بھگ دس میل آگے جانے کے بعد وہاں کچھ مسلح جوان کھڑے ہوں گے۔ جو مسلح جوان آپ کے ساتھ ہوں گے، وہ انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہولیں گے۔ ان کے ساتھ آپ نے وہیں سے بائیں ہاتھ یعنی شمال کا رخ کرنا ہے اور وہ مسلح جوان آپ سب کو اپنی حفاظت میں قونیہ شہر کی طرف لے جائیں گے۔ قونیہ شہر میں آپ چاروں کی رہائش کا اہتمام پہلے سے سلطان عزالدین کی کاؤس نے کر رکھا ہے۔ آپ کو کسی قسم کی پریشانی اور فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر جب دم لینے کے لئے رُکا، تب جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بریزہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ ہم چاروں کو تو محفوظ کرنے کے لئے آگے بھیج رہے ہیں اور آپ خود کیا کریں گے؟ آپ بھی ہمارے ساتھ روانہ ہوتے۔ آپ نے ہم چاروں کو اناطولیہ شہر سے نکال کر ہم چاروں کی جانیں بچا کر ہم پر وہ احسان کیا ہے جسے ہم زندگی بھر فراموش نہیں کر سکیں گے۔“

طرف روانہ ہوئے تھے۔ اس موقع پر ہشپ نے اپنے قریب ہی ایک پادری کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”یہ مسلح جوان تو بریزہ کو لے کر اس کی حویلی کی طرف گئے ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ مسلح جوانوں کو نکسار کی حویلی کے سامنے اور اطراف میں مگرانی اور پہرہ کے لئے مقرر کر دیں تاکہ ان چاروں میں سے کوئی بھی بھاگنے نہ پائے۔“

اس پر پادری وہاں سے اٹھ کر ایک طرف چلا گیا تھا۔

دونوں مسلح جوان بریزہ کو لے کر جب اس کی حویلی کے قریب گئے، تب پیچھے سے ایک نو جوان جو اپنے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا، بڑی تیزی سے نمودار ہوا۔ اس نے بریزہ کے ساتھ جانے والے ان دونوں لشکریوں کی گردنوں پر ہاتھ ڈالے اور ان کی آواز بند کر دی اور گلا گھونٹ کر ان کا خاتمہ کر دیا اور دیوار کے ساتھ جہاں اندھیرا تھا، وہاں ان کی لاشوں کو ڈال دیا۔ رات اب چونکہ گہری ہوتی جا رہی تھی، جب آنے والے مسلح جوان نے ان دونوں کا خاتمہ کر دیا، تب بریزہ اپنی حویلی کی طرف بھاگی۔ وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ حویلی کو باہر سے قفل لگا ہوا تھا۔ اتنی دیر تک ان دو مسلح جوانوں کا خاتمہ کرنے والا، بریزہ کے پیچھے آیا، ایک دم ہاتھ بڑھا کر اس نے بریزہ کا بازو پکڑ لیا اور ایک طرف کھینچ لیا۔

بریزہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”کون ہوتم؟ کہاں لے جانا چاہتے ہو مجھے؟ دیکھو اگر تم نے زبردستی کی تو میں شور کر دوں گی اور ارد گرد کے سارے لوگوں کو بلا لوں گی۔“

اس پر دھیمے لہجے میں بریزہ کے کانوں میں رس گھولتی ایک آواز پڑی۔

”بریزہ وقت ضائع نہ کرو۔ میں سیف الدین ابوبکر ہوں۔ میرا یہاں آنے کا کوئی مقصد نہیں۔ صرف تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔ جلدی کرو۔“

سیف الدین ابوبکر کا نام سنا تھا کہ بریزہ اس کے ساتھ جدھر وہ چاہتا تھا، بھاگ کھڑی ہوئی۔

تھوڑا سا آگے جا کر سیف الدین جو اپنے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا، رک گیا۔ وہاں دو گھوڑے تھے اور چار مسلح جوان گھوڑوں پر سوار منتظر تھے۔ جو دو خالی گھوڑے تھے، ایک پر سیف الدین نے بریزہ کو سوار کیا اور ایک پر خود بیٹھا۔ اس کے بعد ان چاروں مسلح ساتھیوں

اس پر سیف الدین کہنے لگا۔

”ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ تم لوگوں میں سے کسی کو میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں جانو جو کچھ میں نے کیا ہے، یہ میرے منصب کا تقاضا تھا۔ اب آپ لوگ روانہ ہو جائیں۔ میں آپ کے پیچھے رہوں گا تاکہ تعاقب کرنے والے اگر اس طرف آئیں تو ان کی راہ روکی جاسکے۔ میرے ساتھ یہ سات آٹھ مسلح جوان ہیں۔ اگر تعاقب کیا جاتا ہے تو ہم ان پر ایسی تیر اندازی کریں گے کہ ان میں سے کوئی بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اب آپ لوگ آگے روانہ ہو جائیں۔ وقت ضائع نہ کریں۔“

اس کے ساتھ ہی کسار، اس کی بیوی سبس، بریزہ اور بازیگ چاروں وہاں سے روانہ ہوئے۔ مسلح جوان ان کے ساتھ ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ سمندر کے کنارے کنارے اپنے گھوڑوں کو مشرق کی جانب سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ سیف الدین ابوبکر اور اس کے ساتھ جو مسلح جوان تھے، وہ بھی کچھ فاصلہ رکھ کر مشرق کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی زیادہ سے زیادہ دو میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ مغرب کی طرف انہیں گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں جس پر سیف الدین ابوبکر نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا تعاقب شروع کر دیا گیا ہے۔ لہذا تعاقب کرنے والوں سے نمٹنے کے لئے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بالکل چوکس اور تیار ہو گیا تھا۔

اس وقت رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ وقت کے جملہ تاریک میں فروزاں ستاروں نے روشنی کے ہالے بناتے ہوئے یادوں کے سلگتے لمحوں کو روشن کر دیا تھا۔ شب کے بانی اندھیروں میں جنگلوں میں جگنو اپنی درخشندگی پھیلانے لگے تھے۔ چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی اس سے سمندر کے کنارے تسکین اور آسودگی کے باب کھول رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فضاؤں کے اندر مغرب کی طرف سے کچھ ہولے دکھائی دیئے۔ انہیں دیکھتے ہی سیف الدین ابوبکر کی حالت یکسر بدل گئی۔ اس کے ساتھیوں نے دیکھا، وہ گویا ہر شے کو بے تکریم کر دینے والی ازل سے بھٹکتی روحوں کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ بستیوں میں آگ، جسموں میں زہر بھرتی چیتھی آنندھیوں کی طرح اس کے چہرے پر سختی اور جبر قس کرنے لگے تھے۔

۱۰۵ — ❀ —

اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے اپنی کمان سنبھالی، اپنا ہاتھ اپنی پشت پر ترکش کی طرف لے گیا۔ کمان میں تیر بجایا، اپنے ساتھیوں کو بھی اس نے ایسا ہی کرنے کے لئے کہا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جب میں تیر چلاؤں تو میرے ساتھ تم بھی تیر چلا دینا۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ وہ ہمارے تیروں کی زد میں آتے ہیں کہ نہیں۔ اگر تو ہمارے تیروں کی وجہ سے ان کے اندر چیخ و پکار ہوئی تو پھر لگاتار موسلا دھار بارش کی طرح ان پر تیر اندازی کرنی ہے۔ مہرے خیال میں ہمارے ایسا کرنے سے وہ آگے نہیں بڑھیں گے، اپنی جانیں بچا کر بھاگنے والی بات کریں گے۔ اور اگر ہمارے تیروں سے کوئی رد عمل سامنے نہ آیا تو تھوڑی دیر بعد پھر ان پر تیروں کی بارش کریں گے۔“

اس کے ساتھیوں نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر سیف الدین ابوبکر نے چلنے پر تیر بڑھایا، تیر کھینچا۔ ایسا ہی اس کے ساتھی بھی کر چکے تھے۔ اس کے بعد سیف الدین نے تیر ہلایا۔ اس کے ساتھی بھی تیر چلا چکے تھے۔ ان کے تیر چلنے کے ساتھ ہی مغرب کی طرف سے ایک چیخ و پکار اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تیر تعاقب کرنے والوں کو لگے ہیں اور یہ چیخ و پکار سننے ہی سیف الدین ابوبکر اور اس کے ساتھیوں نے لگاتار موسلا دھار بارش کی طرح تیر چلانے شروع کر دیئے تھے۔

کچھ دیر ایسا ہی ساں رہا، اس کے بعد جب انہوں نے تیر اندازی بند کر دی تو انہوں نے دیکھا جو ہولے ان کا تعاقب کر رہے تھے، وہ اب دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ تاہم کچھ گھوڑے ادھر ادھر سرگرداں دکھائی دے رہے تھے۔ شاید وہ مرنے والوں کے گھوڑے تھے۔ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میرے خیال میں ہمارا تعاقب کرنے والے واپس جا چکے ہیں۔ آؤ ہم بھی پیش قدمی شروع کریں۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین اور اس کے ساتھی سمندر کے کنارے کنارے اپنے گھوڑوں کو مشرق کے رخ پر دوڑا رہے تھے۔



اگلے روز صبح ہی صبح یہ خبر پورے انطالیہ شہر میں پھیل گئی تھی کہ کسار اپنے اہل خانہ کو لے

موجود نہیں ہے۔ اس صورت حال پر میں چونکا، مجھے شک ہو گیا وہ بھاگ گئے ہیں۔ میں نے دو تین اطراف میں مسلح جوانوں کو بھیجا تا کہ ان کا تعاقب کریں اور انہیں پکڑ کر لائیں۔ صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے دو زخمی لشکری، کلیسا میں داخل ہوئے اور انہوں نے یہ افساف کیا کہ بریزہ اور اس کے ماں باپ اور بھائی سمندر کے کنارے کنارے بھاگے تھے۔ انہوں نے تعاقب کیا اور ابھی وہ سمندر کے کنارے اٹالیہ سے دو تین میل دور ہی گئے ہوں گے کہ سامنے کی طرف سے ان پر ایسی تیر اندازی کی گئی کہ ان کے سارے ماتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ وہ دونوں جوق گئے، یہ سارا معاملہ بتانے کے لئے کلیسا میں پہنچ گئے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بشارت خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر تک قصر کے اس کمرے میں گہری اور کاٹ کھانے والی خاموشی طاری رہی۔ بارگن کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے گردن سیدھی کی، پھر درد بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”میرا اندازہ ہے کہ اگر بریزہ اسلام قبول کر چکی ہے تو پھر اس کا باپ عسکار، ماں سیمس اور بھائی باز نیک بھی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اکیلی بریزہ ایسا نہیں کر سکتی۔ اب بڑی پریشانی کی بات یہ ہے کہ انہیں اٹالیہ شہر سے اس طرح سلامتی کے ساتھ کس نے نکالا؟ اور کون ایسا کر سکتا ہے؟ اس سے میں دو طرح کے خدشات کا شکار ہوں۔ اول یہ کہ اٹالیہ کے کچھ ایسے لوگ ہیں جو ان کے ہمدرد ہیں جنہوں نے بریزہ کو اس کی حویلی کی طرف لے جانے والے دونوں مسلح جوانوں کا خاتمہ کر دیا ہے اور پھر ایسے انتظامات کئے جن کے تحت عسکار اپنی بیوی، بیٹی اور بیٹے کے ساتھ اٹالیہ کی بندرگاہ کی طرف سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔“

دوسرا جو اندیشہ میرے ذہن میں آتا ہے، وہ یہ کہ عسکار کے تعلقات مسلمانوں سے بھی ہو سکتے ہیں اور مسلمان یہاں آس پاس ہی کہیں منڈلا رہے ہوں گے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ عسکار کو خدشہ ہوا ہو گا کہ جب میں نے اپنے علاقوں کو واپس لے لیا ہے اور کسی روز جب یہ اُٹھ پھیلے گی کہ عسکار اور اس کے اہل خانہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو میں ان کے خلاف حرکت میں آؤں گا۔ لہذا اس کے ہمدرد مسلمان ان علاقوں میں ہی سرگرداں ہوں گے اور اہل اس کی مدد کے لئے آئے اور عسکار اور اس کے اہل خانہ کو یہاں سے نکال کر لے گئے۔“

کر بھاگ گیا ہے۔ یہ خبر اٹالیہ کے حکمران بارگن تک بھی پہنچ گئی۔ لہذا بارگن نے کلیسا کے بشارت اور ان پادریوں کو طلب کر لیا جن کے سامنے بریزہ کا معاملہ پیش کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ بشارت اور اس کے ساتھی پادری جب بارگن کے قصر میں داخل ہوئے، بارگن نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس موقع پر بارگن کا بھتیجا، بارگن کی خوبصورت بیٹی جوزین اور ملکہ اریلیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ بارگن نے بشارت اور پادریوں کو اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ سب بیٹھ گئے، تب بارگن بولا اور کہنے لگا۔

”شہر کے اندر یہ خبر گردش کر رہی ہے کہ عسکار اب اٹالیہ شہر میں نہیں ہے۔ نہ ہی حویلی میں اس کی بیوی، بیٹا اور بیٹی ہیں۔ گزشتہ شب کے پہلے حصے میں بریزہ کا معاملہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس سے آپ کی کیا گفتگو ہوئی تھی؟“

جواب میں بشارت کہنے لگا۔

”بریزہ کو جب ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے اس سے کہا کہ تم پر الزام لگایا جا رہا ہے کہ تم اسلام قبول کر چکی ہو۔ جواب میں اس نے بڑی جرأت مندی کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگی۔ یہ الزام تو اس وقت ہو گا جب کوئی مجھ سے پوچھا کہ میں نے اسلام قبول کیا ہے کہ نہیں اور میں اسلام قبول کرنے کے باوجود انکار کر دوں، تب اسے الزام کہا جائے گا۔ آپ نے پوچھا کہ میں نے اسلام قبول کیا ہے کہ نہیں تو میں سر عام کہتی ہوں کہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ آپ لوگوں نے جو مجھے سزا دینی ہے، دے لیں۔“

جب بریزہ نے خود ہی مان لیا کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے، تب مجھے شک ہوا کہ ممکن ہے اس کے باپ، ماں اور بھائی نے بھی اسلام قبول کر لیا ہو۔ چنانچہ میں نے معاملے کو اگلے دن پر چھوڑا اور اپنے کچھ مسلح جوانوں کو بریزہ کے ساتھ بھیجا۔ ان کے ذمہ یہ کام لگا کہ بریزہ کو اس کی حویلی میں لے جائیں اور حویلی کے باہر چہرہ دیں اور صبح بریزہ کے علاوہ اس کے باپ، بھائی اور ماں کو بھی کلیسا کی عدالت میں لائیں۔ بریزہ کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ایک شخص بھاگا بھاگا میرے پاس واپس آیا اور اس نے کہا کہ جن دو مسلح جوانوں کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ بریزہ کو حویلی میں لے جائیں، ان دونوں کی لاشیں عسکار کی حویلی کے باہر پڑی ہیں۔ جب کہ عسکار کی حویلی کو باہر سے قفل لگا ہوا ہے اور بریزہ بھی وہاں

یہاں تک کہنے کے بعد بارگن رکا، کچھ سوچا، دوبارہ وہ بشارت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ نے جن دوزخی لشکریوں کا ذکر کیا ہے، وہ کیا کہتے ہیں کہ ان پر کس وقت حملہ کیا گیا؟“

جواب میں بشارت بولا اور کہنے لگا۔

”یہ رات کے پہلے حصے ہی کا ذکر ہے۔ دس بارہ لشکریوں نے ان کا تعاقب شروع کیا تھا۔ وہ ان کے نزدیک جب پہنچے تو انہوں نے تیز تیر اندازی کی۔ اس تیر اندازی کے باعث ہمارے آٹھ لشکری ہلاک ہو گئے، دو بڑی مشکل سے اپنی جانیں بچا کر آئے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ حادثہ اناطولیہ شہر سے دو سے تین میل دور پیش آیا اور اس وقت رات کا پہلا حصہ تھا۔“

بارگن پھر انتہائی مایوس لہجے میں بولا اور کہنے لگا۔

”اگر یہ حادثہ جو پیش آیا ہے، اناطولیہ سے دو تین میل مشرق میں پیش آیا اور اس وقت رات کا پہلا حصہ تھا تو اب تک تو عسکار اور اس کے اہل خانہ کو نکال کر لے جانے والے اگر ہماری سلطنت کو عبور نہیں کر چکے تو وہ سرحدوں کے قریب پہنچ چکے ہوں گے۔ اگر ہم ان کا تعاقب کریں بھی تو ان کو نہیں پکڑ سکتے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بارگن رکا، پھر کہنے لگا۔

”بہر حال آپ لوگ جائیں، جا کر آرام کریں۔ میں اپنے کچھ خبر شہر میں پھیلاتا ہوں جو یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ عسکار اور اس کے اہل خانہ کو اناطولیہ شہر سے نکالنے میں کس کا ہاتھ ہے اور وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے عسکار اور اس کے اہل خانہ کو سزا سے بچانے کے لئے اناطولیہ سے نکال دیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بارگن رکا، پھر بشارت کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بہر حال میں اپنے کچھ آدمی مقرر کروں گا، جو یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ عسکار اور اس کے اہل خانہ کو یہاں سے کس نے اور کس طرف نکالا۔ اب آپ لوگ جائیں، جا کر آرام کریں۔“

اس کے ساتھ ہی بشارت اور اس کے ساتھی پادری، بارگن کے قصر سے نکل گئے تھے۔



کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے عسکار، سمس، بریزہ اور اراک سمندر کے کنارے اناطولیہ سے لگ بھگ دس میل کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ وہاں پہلے کچھ مسلح جوان کھڑے شاید ان کی آمد ہی کے منتظر تھے۔ جو مسلح جوان عسکار اور اس کے اہل خانہ کو لے کر آئے تھے، وہ پہلے سے وہاں کھڑے ہو کر انتظار کرنے والوں سے پرجوش انداز میں ملے۔ عسکار اور اس کے اہل خانہ کا تعارف کرایا اور پھر جب وہ روانہ ہونے لگے، اب اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ بول اٹھی۔

”بابا! ہمیں یہاں رک کر امیر سیف الدین ابو بکر اور اس کے ساتھیوں کا انتظار نہیں کرنا چاہئے اور ان کے آنے کے بعد اگلی منزل کی طرف کوچ کرنا چاہئے۔ نہ جانے ان پر کیا ہوتی ہوگی۔“

عسکار نے جو مسلح جوان ان کے ساتھ آئے تھے، ان کی طرف جب سوالیہ انداز میں مخاطب ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

”ہم یہاں رک نہیں سکتے۔ ابھی اسی وقت بلکہ فی الفور ہم یہاں سے شمال کی طرف روانہ ہوں گے۔ آپ لوگوں کو اناطولیہ سے نکالنے کے لئے امیر سیف الدین ابو بکر نے تلف چوکیوں کا اہتمام کیا تھا۔ ابھی رات آدمی سے کم گزری ہے، صبح تک خداوند قدوس لے جا ہا تو ہم اپنی اگلی چوکی پر پہنچ جائیں گے۔ جہاں کچھ مسلح جوان بڑی بے چینی سے ہماری آمد کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ہم یہاں رک کر امیر سیف الدین ابو بکر کا انتظار نہیں کریں گے اور ہمیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ہمارے لئے حکم ہے کہ فی الفور یہاں سے اہل کی طرف کوچ کر لینا ہے۔“

اس موقع پر بریزہ اس مسلح جوان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”میرے بھائی! یہاں نہ لے کا حکم کس کا ہے؟“

اس پر وہ مسلح جوان بولا اور کہنے لگا۔

”میری بہن! آپ پریشان اور فکر مند نہ ہوں۔ امیر سیف الدین ابو بکر کچا کھیل کھیلنے لے نہیں ہیں۔ یہ حکم انہی کا ہے کہ ہمیں یہاں رکتا نہیں ہے، یہاں پہنچ کر فی الفور اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہونا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر ان کے تعاقب میں کوئی

کدھر کا رخ کرو گے؟ ہمارے لئے تو تم نے بتا دیا کہ ہمیں قونیہ شہر کی طرف جانا ہے اور ہمیں یہ بھی خبر ہے کہ قونیہ مرکزی شہر ہے اور ہمیں یہ بھی خبر ہو چکی ہے کہ سلطان غیاث الدین شہید ہو چکا ہے اور اس کے دونوں بیٹوں عز الدین کیاؤس اور علاؤ الدین کیقباد کے درمیان حکومت حاصل کرنے کے لئے کشمکش جاری ہے۔ بیٹے! کیا میں پوچھ سکتا ہوں، تمہارا جھکاؤ کس طرف ہے؟“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوا، کہنے لگا۔
”محترم نکسار! سلطان غیاث الدین کے بعد سارے امراء، سالار اور سرکردہ لوگ عز الدین کیاؤس کو اپنا سلطان تسلیم کر چکے ہیں۔ عز الدین بڑا ہے جبکہ علاؤ الدین چھوٹا ہے۔ گو علاؤ الدین نے اپنے بڑے بھائی عز الدین کے خلاف سرکشی اختیار کر رکھی ہے لیکن سلطنت کے سرکردہ لوگوں نے مکمل طور پر سلطان عز الدین کو حکمران تسلیم کر لیا ہے۔ حالات زیادہ دن پیچیدہ نہیں رہیں گے۔ اس سے پہلے جس وقت سلطان عز الدین نے قیصریہ شہر میں قیام کیا ہوا تھا تو علاؤ الدین نے کچھ دوسری قوتوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کا گھیراؤ کیا تھا۔ لیکن جب انہیں خبر ہوئی کہ مختلف سالار جنہیں سلطان نے مختلف شہروں میں امن قائم کرنے کے لئے بھیجا تھا، وہ واپس آ گئے ہیں تب علاؤ الدین کے جتنے ہمدرد اور ہم نوا تھے، سب اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ بھاگ گئے۔ اس کے بعد سلطان عز الدین نے اچانک قیصریہ شہر سے نکل کر علاؤ الدین پر حملہ کر دیا اور علاؤ الدین اپنے لشکر کو لے کر انگور یہ شہر کی طرف چلا گیا۔ انگور یہ کی طرف روانگی سے پہلے بریزہ کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا تھا، اس کی خبر سلطان کو ہوئی۔ لہذا سلطان نے بڑی رازداری سے مجھے آپ لوگوں کی مدد کے لئے روانہ کیا اور میں اپنے ساتھ کافی مسلح جوانوں کو بھی لے کر آیا تھا۔ جس طرح میں نے آپ لوگوں کو وہاں سے نکالا ہے، اس طرح اگر نکالنے کا مجھے موقع نہ بھی ملتا تب بھی میں رات کی تاریکی میں اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ اٹالیہ شہر میں داخل ہوتا اور زبردستی آپ لوگوں کو نکال لے جاتا۔“

میں آپ لوگوں سے جدا ہو کر انگور یہ شہر کا رخ کروں گا۔ وہاں یقیناً سلطان عز الدین نے اپنے چھوٹے بھائی علاؤ الدین کیقباد اور اس کے لشکریوں کا محاصرہ کر رکھا ہوگا اور مجھے ایسے موقع پر ہر صورت میں سلطان کے پاس پہنچنا ہے۔“

نکل بھی آیا اور ان سے امیر کی مڈبھیڑ ہو گئی تو امیر یقیناً ان کا خاتمہ کر کے ہمارے ساتھ آنے لپٹیں گے۔ اب باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔ ہمیں یہاں سے امیر ہی کے حکم کے مطابق فی الفور روانہ ہونا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی قافلہ پھر اسی رفتار سے شمال کی طرف روانہ ہوا تھا۔ نکسار، سمس، بریزہ اور بازیک مسلح جوانوں کے ساتھ رات بھر سفر کرتے رہے۔ سورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پہلے سے کچھ لوگ ان کے منتظر تھے۔ وہیں پر انہوں نے صبح کے کھانے کا اہتمام کیا۔ ابھی وہ کھانا شروع کر لے ہی والے تھے کہ جنوب کی طرف سے سیف الدین بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ قریب آ کر سیف الدین ابوبکر اور اس کے ساتھی اپنے گھوڑوں سے اترے۔ جو مسلح جوان پہلے سے وہاں کھڑے انتظار کر رہے تھے اور جنہوں نے وہاں صبح کے کھانے کا اہتمام کیا تھا، سیف الدین نے ان کی کارکردگی کی تعریف کی۔ اس کے بعد وہ نکسار کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگا تھا۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر سنا یا گیا۔ اس کے بعد پھر سفر کی ابتدا کر دی گئی۔ یہاں تک کہ سیف الدین ابوبکر اس قافلے کو لے کر بارگن کی حدود سے نکل کر اپنی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔

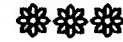
اپنی حدود میں لگ بھگ چار پانچ میل اندر جانے کے بعد ایک جگہ سیف الدین رک گیا۔ اس کے رکنے پر سارے مسلح جوان، نکسار اور اس کے اہل خانہ بھی رک گئے۔ اس موقع پر اپنے گھوڑے کو سیف الدین، نکسار کے قریب لایا اور کہنے لگا۔

”یہاں میری اور آپ کی منزل علیحدہ ہو جائے گی۔ یوں جانیں ہمارے راستے ۲ جدا ہو جائیں گے۔ آپ کے ساتھ یہاں سے دس مسلح جوان جائیں گے جو آپ کو یہاں سے قونیہ لے جائیں گے۔ آپ کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ قونیہ میں آپ کی رہائش کا پہلے سے اہتمام کر دیا گیا ہے۔ آپ کی رہائش کے لئے جو حویلی مختص لگئی ہے، یہ دس مسلح جوان آپ کو اس حویلی میں لے جائیں گے اور اس حویلی میں آپ کی ضرورت کی ہر شے ملے گی۔ آپ کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس موقع پر حسین بریزہ، سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس سے پہلے ہی اس کا باپ نکسار بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”اگر یہاں سے ہمارے راستے جدا ہو جاتے ہیں تو بیٹا! کیا میں پوچھ سکتا ہوں؟“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین دوبارہ کسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”عنقریب میں قونیہ آؤں گا اور تفصیل کے ساتھ ملاقات آپ سے ہوگی۔ اب آپ مجھے جانے کی اجازت دیں۔“
 اس کے ساتھ ہی کچھ مسلح جوانوں کو کسار کے ساتھ رکھا گیا، باقی مسلح جوانوں کے ساتھ سیف الدین ابوبکر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ انگوریہ شہر کی طرف روانہ ہو تھا۔ جبکہ کسار، بازیک، سیمس اور بریزہ چاروں ان مسلح جوانوں کے ساتھ قونیہ کا رخ کر رہے تھے۔



دوسری طرف سلطان عزالدین نے اپنے لشکر کو چند روز تک قیصریہ میں سستانے کا موقع فراہم کیا تھا، اس کے بعد سلطان نے انگوریہ شہر کا رخ کیا تھا۔ اس لئے کہ اس کے بھائی علاؤالدین نے انگوریہ جا کر اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ بڑی تیزی سے اپنے لشکر کی تعداد بڑھاتا چلا گیا تھا۔ مستقبل کے کسی فتنے سے بچنے کی خاطر سلطان عزالدین اپنے بھائی کی طرف سے اٹھنے والے اس فتنے کو اس کے انجام تک پہنچا کر پھر سلطنت کے دیگر امور کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔

چنانچہ وہ لشکر لے کر انگوریہ کی طرف روانہ ہوا۔ دوسری طرف اس کے چھوٹے بھائی علاؤالدین کی قیادت کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے انگوریہ کا رخ کئے ہوئے ہے، لہذا سلطان عزالدین کی آمد سے پہلے ہی علاؤالدین نے اپنے لشکر کو انگوریہ شہر کے باہر استوار کر دیا تھا تاکہ جوں ہی سلطان وہاں پہنچے، اس کے ساتھ جنگ کی طرح ڈال دی جائے۔

چنانچہ سلطان عزالدین جب وہاں پہنچا، تب علاؤالدین نے اپنے لشکر میں جنگ کے بل بجا دیئے تھے۔ سلطان عزالدین نے بھی اپنے لشکر کو استوار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر علاؤالدین کے لشکر سے اس کا ایک سالار مبارز الدین عیسیٰ نکلا۔ یاد رہے کہ ان دنوں مبارز الدین اور سیف الدین نام کے بہت سے سالار لشکروں کے اندر موجود تھے۔ اس مبارز الدین عیسیٰ کی سلطان عزالدین کے سالار نجم الدین بہرام کے خاندان سے کوئی پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ چنانچہ مبارز الدین عیسیٰ بقول مؤرخین مسلح ہو کر میدان میں اُترا اور نجم الدین بہرام کو اس نے مقابلہ کے لئے لاکارا۔ کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جس

طویل ہو گئی اور کسی کو دوسرے پر قابو پانے کا موقع نہ ملا تو دونوں مجبور ہو کر اپنے ہاتھ زین کی طرف لے گئے اور گرز تان لئے۔ اس سے بھی عاجز ہوئے اور کوئی غالب و مغلوب نہ رہا تو ہاتھ لگوا لیا۔ مگر علاؤ الدین جو اس وقت انگوہر میں موجود تھا، شہر سے باہر اپنے لشکر میں نہیں آیا تھا، اس نے اندرون شہر سے حکم بھیج کر مبارز الدین کو واپس بلا لیا۔ چنانچہ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نجم الدین بھی اپنے لشکر میں واپس چلا گیا تھا۔

جس وقت مبارز الدین عیسیٰ اور نجم الدین بہرام ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے، اسی وقت اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ سیف الدین ابوبکر لشکر میں شامل ہوا تھا۔ اس کی آمد پر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا اور سلطان جو اس وقت اپنے لشکر کے سامنے کھڑا ہو کر انفرادی مقابلے کا بغور جائزہ لے رہا تھا، بڑے پرجوش انداز میں سیف الدین ابوبکر سے ملا اور سیف الدین نے مختصر الفاظ میں ٹکڑا اور اس کے اہل خانہ کو بچا کر قونیہ کی طرف بھجوانے کی تفصیل بتا دی تھی جس پر سلطان نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا، ساتھ ہی سلطان سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے بھائی! تُو نے وہ معرکہ سر کیا ہے جو کسی اور کے بس کا نہیں تھا۔“

سلطان عز الدین مزید کچھ کہتا چاہتا تھا کہ اسی وقت علاؤ الدین کے حکم پر جب مبارز الدین واپس چلا گیا تو نجم الدین بھی واپس ہو لیا۔ مورخین لکھتے ہیں، نجم الدین بہرام جب سلطان کے پاس پہنچا تو سلطان نے اس کی ثابت قدمی پر آفریں کہی اور اسے قیمتی خلعت سے نوازا۔

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے سلطان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں ذرا میدان میں اترنے لگا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون انفرادی مقابلہ کے لئے آتا ہے۔ مبارز الدین نے ہمارے بھائی نجم الدین کو اپنی پرانی دشمنی کی بنا پر اس طرح میدان میں بلا کر ایک طرح سے ہماری توہین کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں، مبارز الدین یا دوسرا کوئی سالار کیسے انفرادی مقابلہ کے لئے آگے بڑھتا ہے۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر سلطان عز الدین نے مسکراتے ہوئے جب اپنی گردن اثبات میں ہلائی تب سیف الدین کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ آگے بڑھا اور دونوں لشکروں کے بیچ میں جا کر اس نے علاؤ الدین کی قیادت کے

وقت مبارز الدین عیسیٰ اور نجم الدین بہرام، سیواس شہر کے کتب میں اکٹھے پڑھتے تھے، وہاں بھی ان کی کسی بات پر رقابت اور دشمنی ہو گئی تھی اور تب سے یہ دونوں ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن ہو گئے تھے۔

چنانچہ مبارز الدین عیسیٰ میدان میں آنے کے بعد رکا اور نجم الدین بہرام کا نام لے کر اس نے مقابلہ کے لئے پکارا۔

نجم الدین بہرام، سلطان عز الدین سے اجازت لے کر میدان میں اُترا۔ جب وہ مبارز الدین کے سامنے گیا تو مبارز الدین کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ایک عرصے سے میری خواہش تھی کہ تیری گردن کاٹوں۔ آج مجھے موقع ملا ہے تیرے جنوں کو بے جہت، تیرے ارادوں کو سلب اور تیرا مٹتے ہیولوں جیسے احساسات کو آتش سرخ سایوں میں تبدیل کروں۔“

اس موقع پر نجم الدین بہرام نے کھا جانے والے انداز میں مبارز الدین کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”باتیں کرنا آسان ہے لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے پھر پتہ چلتا ہے کہ ارادے کر کے سلب ہوتے ہیں۔ میں تیرے ساتھ اپنی دشمنی کو فراموش کر چکا تھا لیکن تُو اگر اس دشمنی اور عداوت کو تازہ دم رکھنا چاہتا ہے تو پھر میں بھی اس میدان میں تیرے رشک و حسد تیرے کینہ و بغض، تیری کدورت کے کڑوے پن کو، سراب و اہموں کو زیر کر کے رہوں گا۔“ اس کے ساتھ ہی دونوں انتہائی خوف ناک انداز میں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو شروع ہو گئے تھے۔

جب کافی دیر تک دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے، کوئی نتیجہ نہ نکلا تو دونوں اپنے مختلف ہتھیاروں سے کام لیتے ہوئے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے درپے ہو گئے تھے۔ اُن کی اس لڑائی اور اُن کے اس ٹکراؤ کو مورخین اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

نجم الدین بہرام نے سلطان سے اجازت حاصل کی اور میدان میں جا اُترا۔ دونوں جنگجوؤں میں شیر تیندوے کی طرح نیزوں سے لڑائی ہونے لگی۔ جب نیزہ بازی بہر

لشکر کی طرف دیکھا پھر بلند آواز میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم میں سے جو اپنے جسم کی عرق و رگ، جذبات کی تپش، امیدوں کے ریثم۔ محروم ہونا چاہے اور انہیں خونی ساعتوں کے سندیوں میں تبدیل کرنا چاہے وہ میرے ساتھ انفرادی مقابلے کے لئے اترے۔ سنو! میں سیف الدین ابوبکر ہوں۔ تم میں سے بھی اپنے لبوں کے نطق، اپنے جسم کی رعنائی و لطافت کو اپنے لئے بوجھ خیال کرے، میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کے لئے اترے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر کا، پھر پہلے سے زیادہ بلند آواز میں رہا تھا۔

”میری طرف دیکھو، میں سیف الدین ابوبکر بول رہا ہوں۔ تم میں سے جو بھی! بیوی کو بیوہ، اپنی ماں کو نوحدہ کر، اپنے خاندان والوں کی رحوں کو زخم سے دوچار کرنا چاہے میرے مقابل آئے۔ پھر دیکھو میں اس کے اساطیری ارادوں کو کیسے اس کے سپنوں۔ سایوں اور اس کی آسودگی و ولولہ انگیزی کو نارسائی کی تلملاہٹ اور خنجر دلوں سے اٹھ سربابوں میں تبدیل کرنا ہوں۔ حیرت ہے میرے پکارنے پر تم میں سے کوئی بھی انفرادی مقابلے کے لئے میدان میں نہیں اُترا۔ کوئی تو ہو جو اس میدان میں میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرے اور سکوت کے وقار کو خونی ہنگاموں میں تبدیل کرائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد کچھ دیر تک سیف الدین ابوبکر وہیں کھڑا رہا، اپنی تلوار کو اپنی ڈھال کو اپنے اوپر لہراتا رہا۔ جب کسی نے اس کے مقابل آ کر انفرادی مقابلہ کی ابت نہ کی، تب سیف الدین ابوبکر واپس چلا گیا تھا۔

سیف الدین کے واپس جانے کے بعد حملہ کی ابتدا علاؤ الدین کی قیادت کے لشکر نے اور سلطان عز الدین کے لشکر پر وقت کے اندھے حصار میں روز و شب کی بے بسی۔ زخموں، بربادی کی کھانسناتے صدیوں کے ہولناک کرب، مبہوت و حیران کر دینے والے در بدری کی متلاشی بغاوتوں، تغیر کے اندھے جنوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سلطان عز الدین اور اس کے سالاروں نے بھی فوراً جوابی کارروائی کی اور انہوں نے اپنے لشکر کو دلوں کے کورے قرطاس پر وقت کے خونی نوے رقم کرتی بھڑکتی انتقامی آگ سبز ارض پر چھائے سانٹوں میں چینی چلتی جھاگ اور اگلتی قضا کی طرح آگے بڑھایا۔

کے بعد علاؤ الدین کی قیادت کے لشکر پر وقت کے بدلتے انداز میں راستوں اور شاہراہوں کی سرسراہٹ موت، جنگل کی آوارہ گرد خاموشیوں میں منزلوں کے نشان مٹا دینے والے خوف کے خونی بگولوں، کارہستی کی خام بنیادوں کو غم و اندوہ کی طرح ہلا دینے والے رقصاں شعلوں کے کھیل کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

یوں انگور یہ شہر کے نواح میں بھڑکی بے تاب تاریکیاں، دکھ سموں کے لمحات، بے بسی کی ساعتیں، سفاک سازشیں، زندگی کی محرومیاں، حسرتوں کے انبار اور درد کی تعبیریں رزم گاہ کے اندر رقص کرنے لگی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد سلطان عز الدین کے لشکر کے ہاتھوں علاؤ الدین کی قیادت کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی اور علاؤ الدین کی قیادت کا لشکر بھاگ کر انگور یہ شہر میں محصور ہو گیا۔

علاؤ الدین کو شکست دینے کے بعد سلطان عز الدین نے انگور یہ شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ محاصرہ میں اتنی سختی اور شدت اختیار کی گئی کہ نہ اندر سے کوئی چیز باہر جانے کی اجازت تھی اور نہ ہی باہر سے اندر جانے کی اجازت تھی۔ سلطان عز الدین کے ایسا کرنے سے شہر کی حالت ابتر ہونے لگی۔ اس لئے کہ شہر کے اندر جو خوراک کا ذخیرہ تھا، وہ بالکل کم ہو کر رہ گیا تھا۔ لہذا شہر کے لوگ بے حد تک ہو چکے تھے۔ چنانچہ انگور یہ شہر کے محصورین کی حالت جب ابتر ہونے لگی، تب سب نے مل کر علاؤ الدین کی قیادت سے مشورہ کیا۔ وہ خود بھی تنگ پڑ چکا تھا۔ سلطان عز الدین کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا اس نے سلطان عز الدین سے صلح کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور اس کی رضامندی کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ صلح کا یہ پیغام سلطان عز الدین کے چاشنی گیر امیر سیف الدین آئینہ کے ذریعے پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس منصوبہ بندی کے تحت علاؤ الدین کے قاصد، سلطان کے چاشنی گیر کے پاس پہنچے اور خواہش ظاہر کی کہ وہ سلطان سے امان طلب کرتے ہیں۔ چنانچہ سیف الدین چاشنی گیر نے آنے والے قاصدوں کو سلطان کے حضور پیش کیا۔ قاصدوں میں سے ایک نے سلام و کلام اور اہل شہر کی فریاد اور علاؤ الدین کی قیادت کے بارے میں ساری باتیں تفصیل کے ساتھ سلطان کے سامنے پیش کیں۔ سلطان کی پیشانی بقول مؤرخین مسرت اور خوشی سے دکھ اٹھی۔ اس نے اپنے سالار حسام الدین اور سیف الدین امیر قزلباش جیسے سالاروں اور اراکین سلطنت کو بلا کر ان کے سامنے نہایت سخت قسمیں کھائیں کہ میرے غلام اور ملازم کسی

ساتھ انگوریہ سے اپنے مرکزی شہر قونیہ کا رخ کیا تھا۔
یاد رہے کہ سلطان کے پاس سیف الدین نام کے تین شخص تھے۔ ایک سیف الدین ابوبکر جو لشکریوں کا سالار اعلیٰ تھا۔ دوسرا سیف الدین آئینہ جو چاشنی گیر تھا اور تیسرا سیف الدین جو ملک الامراء اور امیر قزل بھی کہلاتا تھا۔



قونیہ شہر میں داخل ہونے کے چند روز بعد سیف الدین ابوبکر اپنی بستی کی طرف گیا جس کا نام تاریخ کے اوراق میں لادیق لکھا گیا ہے اور اس بستی کو لازک کہہ کر بھی پکارا گیا ہے اور یہ بستی قونیہ شہر کے بالکل قریب تھی۔

اس بستی میں داخل ہونے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب اس حویلی کے قریب گیا جو کبھی اس کے باپ کی تھی، اس نے دیکھا ایک نوجوان جو اپنی حرکات سے بڑا سرکش، متکبر اور مغرور لگتا تھا، ہاتھ میں کوڑا لئے ایک بوڑھے شخص کو مار رہا تھا۔ یہاں تک کہ بوڑھا اس کی منت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”جس طرح مجھ پر ناحق اور انصافی کے ساتھ ظلم و جبر کر رہے ہو، اس طرح اگر تم پر کوئی ظلم کرے تو پھر بتاؤ تمہارے دل پر کیا بیتے گی؟“

اس نوجوان نے دو تین اور کوڑے انتہائی غصے میں اس بوڑھے کو دے مارے جس کی بنا پر وہ بوڑھا اس حویلی کی دیوار کے ساتھ گر سا گیا تھا۔

اس موقع پر ان کے قریب جا کر سیف الدین ابوبکر اپنے گھوڑے سے اتر ا اور اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم اس بوڑھے کو کیوں مار رہے ہو؟“

اس نوجوان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، زوردار انداز میں ایک کوڑا اس نے سیف الدین کے بھی دے مارا تھا۔

کوڑا کھانے کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر کی حالت یکسر بدل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کروٹیں لیتے طوفانوں، برہم برق کی لپک اور فضا کے بے عکس مناظر جوش ارنے لگے تھے۔ چہرے پر نفرت اور حقوت کی کشش، پہلی رتوں کے زہر اور موت و مرگ کی حدیثیں اپنا رنگ جما گئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سیف الدین آگے بڑھا، ہاتھ آگے

خیلے سے بھی علاؤ الدین کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ علاؤ الدین کو قابل اطمینان ملطیہ کے علاقے میں روانہ کر دیا جائے گا اور ہر قسم کا اسباب و سامان، لباس اور خوراک اور اہل خانہ کو اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ اہل شہر نے جو بغاوت کی ہے، اس کا ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

چنانچہ سلطان کے یہ الفاظ سن کر قاصد خوش ہو گئے تھے۔ اس کے بعد حلف عہد نامہ قلمبند ہوا اور قاصد کے حوالے کر دیا گیا۔

مورخین لکھتے ہیں، قاصد نے جب شہر پہنچ کر یہ سرگزشت بیان کی تو شہر والوں نے سلطان کا پرچم نصب کرنے کی خواہش کی اور سلطان عز الدین کے چاشنی گیر سیف الدین آئینہ کو طلب کیا۔ سیف الدین آئینہ، سلطان عز الدین کے حکم سے شہر میں داخل ہوا اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ سلطان عز الدین کا علم قلعہ کی چوٹی پر نصب کر دیا گیا۔ پھر شہر کے ہر چھوٹے بڑے کی دلجوئی کی گئی اور سلطان نے امن و امان کا اعلان کروا دیا۔

اس موقع پر علاؤ الدین کی قیادت کو اس کی حفاظت کے لئے اس کے کچھ جاننے والوں کے ساتھ مسلح جوانوں کی مگرانی میں رکھا گیا۔ اس کے بعد امیر سیف الدین چاشنی گیر نے شہر کے اشراف اور اکابر کو سلطان عز الدین کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ یہ لوگ دست بوسی کی عزت حاصل کر کے اپنی زبان سے معذرت اور عداوت کا اظہار کریں۔ چنانچہ انگوریہ شہر کے سارے لوگ، چاشنی گیر سیف الدین کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت طلب کی۔ اس کے بعد سلطان عز الدین بھی انگوریہ شہر میں داخل ہوا اور اہل شہر کو معاف کر کے ان کی دلجوئی کر کے ایک طرح۔ ان کے دل جیت لئے تھے۔

ان سارے امور سے فرصت پانے کے بعد سلطان عز الدین نے اپنے بھائی علاؤ الدین کو سیف الدین چاشنی گیر کے سپرد کر دیا اور اس کے لئے سلطان نے یہ حکم دیا کہ اسے ملطیہ کے طرف جو منشار نام کا قلعہ ہے، وہاں رکھا جائے اور اس کے اور اس کے اہل خانہ کو خور و نوش، پوشاک اور مطبخ سب کے اخراجات سلطان کی طرف سے پورے کئے جائیں۔ اس کے علاوہ قلعہ منشار کے امیروں اور سرداروں کے نام سلطان نے یہ پیغام بھی بھجوا دیا کہ علاؤ الدین کے وہاں قیام کے دوران اس کی دیکھ بھال بھی کی جائے اور اس کی نگہبانی اور اس کی مگرانی کی جائے۔ ان تمام انتظامات کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے

بڑھا کر اس سے کوڑا چھیننا چاہا۔ اس نوجوان نے جب کوڑا اپنی طرف کھینچا، تب سیف الدین نے ایک جھٹکے کے ساتھ کوڑا اپنی طرف کھینچتے ہوئے اس کو اپنے قریب کیا، پھر ایسا زوردار، پُر قوت طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا کہ سیف الدین کی پانچوں انگلیوں کے نشان اس کے چہرے پر بن گئے تھے اور وہ لڑکھڑا کر گر گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے ایک جھٹکے کے ساتھ اس سے کوڑا چھین لیا اور پہلے ایک زوردار گھونسنہ اس کی گردن پر دے مارا۔ جسے وہ برداشت نہ کر سکا اور زمین پر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے کئی کوڑے اس کی چھاتی، پیٹ اور پیٹھ پر برسادیئے تھے جس پر وہ بلبلاتا اٹھا تھا۔

پھر سیف الدین آگے بڑھا۔ زمین پر پڑے اس نوجوان کے ایک ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھا، دوسرے سے اس کی کمر پر ایک ٹھوکر ماری اور کہنے لگا۔

”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اس بوڑھے کو کیوں مار رہے تھے؟ اب تک تم نے مجھے جواب نہیں دیا۔ یاد رکھنا، میں تم جیسے جوانوں کو لمحوں کے اندر سیدھا اور مستقیم کر کے رکھ دیتا ہوں۔ بتاؤ تم کون ہو؟“

اتنی دیر تک دو اور نوجوان حویلی سے نکلے اور ان کے پیچھے ادھیڑ عمر کے دو اشخاص بھی تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سیف الدین نے اس نوجوان کو زمین پر لٹا رکھا ہے اور اس پر سختی کر رہا ہے، تب انہوں نے اپنی تلواریں بے نیام کر لیں۔ اس موقع پر ایک جھٹکے کے ساتھ سیف الدین بھی اپنی تلوار بے نیام کر کے اپنی ڈھال سنبھال چکا تھا۔ پھر جو نوجوان حویلی کے اندر سے نکلے تھے، وہ آگے بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ گلی کے اندر سے کچھ نوجوان بھاگتے ہوئے آئے اور سیف الدین کے قریب کھڑے ہو کر ان میں سے ایک حیرت سے سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”امیر آپ یہاں؟..... کیا معاملہ ہوا؟ کیا اس نوجوان نے آپ سے کوئی بدتمیزی کی ہے، آپ کی اہانت کی ہے؟ ایسا ہے تو اس کا سر کاٹ دیا جائے گا۔“

جو نوجوان بھاگتے ہوئے آئے تھے، وہ سب سیف الدین کے لشکری تھے اور انگویرہ سے لوٹنے کے بعد وہ اپنے گھروں کی طرف آئے تھے۔ سیف الدین نے تشکر آمیز انداز میں ان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”میرے عزیز! جو سامنے حویلی ہے، یہ کبھی ہماری تھی۔“

اس پر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔ ”امیر! ہم جانتے ہیں یہ حویلی آپ کی ہے۔“ اس انکشاف پر دو بوڑھے جو حویلی کے اندر سے نکلے تھے، پریشان ہو گئے تھے۔ جو لہجہ ان زمین پر بے سدھ لیٹا تھا، اسے بھی سیف الدین نے چھوڑ دیا تھا اور وہ کھڑا ہو گیا۔ ہلکے سیف الدین اپنی ننگی تلوار لئے آگے بڑھا۔ حویلی سے نکلنے والے چاروں کپکپا رہے تھے۔ ان دو نوجوانوں نے اپنی تلواریں بے نیام کی تھیں، انہوں نے اپنی تلواریں نیاموں میں الٹ لی تھیں۔ سیف الدین آگے بڑھ کر کچھ دیر تک غور سے انہیں دیکھتا رہا، پھر ڈھلی ہوئی مہر کے جو اشخاص باہر نکلے تھے، انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کیا تم دونوں نے مجھے پہچانا؟“

ان میں سے کوئی منہ سے نہ بولا تاہم انہوں نے اثبات میں گردنیں ہلا دی تھیں۔ ہلکے سیف الدین پھر بولا اور کہنے لگا۔

”تمہاری بہن اور میری سوتیلی ماں جو اس گھر میں رہتی تھیں، کہاں ہیں؟“

اس پر سیف الدین کے جو لشکری وہاں جمع ہو گئے تھے، ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔ ”امیر سیف الدین! جو عورت یہاں رہتی تھی، اسے تو ان لوگوں نے بھوکا پیاسا مار دیا۔ اور بچی ہے۔ اور اب یہ اس حویلی پر قابض ہیں۔“

سیف الدین پھر اس نوجوان کی طرف متوجہ ہوا جو بوڑھے کو مار رہا تھا۔ اپنی تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھی، پھر کہنے لگا۔

”میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ تم اس بوڑھے کو کیوں مار رہے تھے۔ ابھی تک تمہاری طرف سے مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔“

جواب میں وہ نوجوان بولا اور کہنے لگا۔

”یہ بوڑھا اجرت پر ہمارا ریوڑ چراتا ہے۔ کئی دن سے لگا تار دیر سے آتا ہے اور جانور اللہ بندھے رہتے ہیں، باہر سے پیٹ بھر کر نہیں آتے۔ میں نے کئی بار کہا کہ وقت پر آکر لوگوں کو نہیں آتا۔ پھر میں نے آج اس سے باز پرس کی۔ اس نے جب اُلٹے سیدھے ہاتھ دیئے، تب میں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔“

سیف الدین نے کھا جانے والے انداز میں تھوڑی دیر تک اسے دیکھا پھر حویلی سے

حویلی سے نکلنے میں تاخیر سے کام لیا تو میں خود حویلی میں آؤں گا اور تم پانچوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔ سنو! آج سے اس حویلی کا مالک یہ بوڑھا ہے جو دیوار کے پاس گرا پڑا ہے۔ یہ حویلی اور ریوڑ بھی اسی کا ہے۔ حویلی کے اندر جاؤ۔ وقت ضائع نہ کرو۔ جو کچھ تم نے یہاں سے لینا ہے، لو اور اس حویلی میں آنے سے پہلے جہاں رہتے تھے، وہاں چلے جاؤ۔ آنے والے دنوں میں تم پانچوں میں سے کسی نے بھی اگر کبھی اس حویلی میں آکر حق جتانے کی کوشش کی یا اس بستی میں داخل ہونا چاہا تو یاد رکھنا وہ زندہ واپس نہیں جائے گا۔ میں بستی کے سب لوگوں سے کہہ دوں گا کہ ان پانچوں میں سے آنے والے دور میں جو بھی بستی میں داخل ہو، اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔“

اس پر وہ پانچوں سب سے سب حویلی میں داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھوڑوں پر وار باہر آئے اور وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد سیف الدین دیوار کے قریب آیا، بوڑھا وہاں پڑا ہوا تھا، اسے ہمارے کراٹھایا، پھر بڑی محبت میں اسے مخاطب کیا۔
”تمہارا نام کیا ہے؟“

وہ بوڑھا بڑی نرمی اور بڑی عاجزی سے سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ان بیٹھیوں سے میری گلو خلاصی کرائی۔ میرا نام عظیم الدین ہے۔ میں ایک قریبی بستی کا رہنے والا ہوں۔ وہاں سے چل کر ہونگہ یہاں آتا تھا، اس لئے اکثر دیر ہو جاتی تھی۔ اسی بنا پر یہ مجھ پر سختی کرتے تھے۔“
سیف الدین نے عظیم الدین کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہنے لگا۔

”اب کوئی تم پر سختی نہیں کرے گا۔ آج سے یہ حویلی تمہاری ہے۔ حویلی کے اندر جس مذرا جانور ہیں، وہ سب تمہارے ہیں اور تم اس حویلی اور ان جانوروں کے مالک ہو۔ یہ ان نلت لوگ جو گلی میں آکر جمع ہو گئے ہیں، یہ اعلان میں ان سب کی موجودگی میں کرتا ہوں کہ تم اس حویلی کے مالک اور جانوروں کے بھی مالک ہو۔ تم اب واپس اپنی بستی کی طرف آؤ، اپنے اہل خانہ کو لے کر یہاں آؤ اور یہاں مستقل رہائش اختیار کر لو۔ اور تمہارا ریوڑ ہے۔ چاہے تم اسے خود چراؤ یا تمہارا کوئی بیٹا اس کی دیکھ بھال کرنا چاہے، تب بھی تمہاری رضی، تمہارے فیصلے پر منحصر ہے۔ میں یہاں کے لوگوں سے کہتا جاتا ہوں کہ تمہارا خیال

نکلنے والے اوپر عمر کے دونوں اشخاص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ چار افراد جو تمہارے پیچھے کھڑے ہیں، یہ کون ہیں؟“

اس پر بوڑھے کو مارنے والا نوجوان بولا اور کہنے لگا۔

”جو سب سے پیچھے کھڑے ہیں ان میں سے ایک میرا باپ اور دوسرا میرا چچا ہے۔ یہ جو دونو جوان آگے کھڑے ہیں، وہ دونوں میرے چچا زاد ہیں۔“

اس موقع پر طنزیہ سے انداز میں سیف الدین نے گردن ہلائی، پھر دونوں ڈھلی عمر کے اشخاص کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم دونوں اگر مجھے پہچان چکے ہو تو کیا تم بتاؤ گے کہ یہ ریوڑ کس کا ہے؟“

ان دونوں بوڑھوں نے کوئی جواب نہ دیا، گردنیں اُن کی جھک گئی تھیں۔ اس پر اُنہو تلوار لہراتے ہوئے جب سیف الدین آگے بڑھا تو وہ دونوں چونکے، اپنی گردنیں سیدھ کیں، پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے سیف الدین کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں تم دونوں بھائی ہو اور ان تین نوجوانوں میں سے دو بیٹے تم میں سے ایک کے اور ایک بیٹا دوسرے کا ہے۔ ان تینوں نوجوانوں کو بتاؤ کہ یہ حویلی کس کی ہے۔ اور جو حویلی کے اندر ریوڑ ہے، وہ کس کا ہے۔“

اس پر انہوں نے جب خاموشی اختیار کی، تب سیف الدین نے اپنی تلوار ان کے سامنے لہرائی اور کہنے لگا۔

”اگر تم نے جواب دینے میں ذرا سی تاخیر سے کام لیا تو میں تم دونوں کی گردنیں کاٹ دوں گا۔“

اس پر وہ فوراً بولے اور یک زبان ہو کر کہنے لگے۔ ”آپ ہماری گردنیں نہ کاٹیں! سب کچھ بتاتے ہیں۔“

پھر ان میں سے ایک اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

”یہ حویلی آپ کی ہے۔ اس حویلی کے اندر جو ریوڑ ہے، وہ بھی آپ کا ہے۔“

سیف الدین نے پھر انہیں مخاطب کیا۔

”اس حویلی کے اندر کیا تمہارا کوئی ذاتی سامان ہے؟ جو کچھ بھی ہے، اسے لپیٹ باندھ کر واپس باہر آ جاؤ۔ میں تمہیں تھوڑی دیر کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر تم میں سے کسی

اپنے اہل خانہ کو یہاں لاؤ، اس کے بعد ریوڑ کو چرانے کے لئے باہر لے کر جانا۔ اب تم ہاڈ۔ میں بھی یہاں سے کوچ کرنے لگا ہوں۔ میں صرف اس حویلی کو دیکھنے کے لئے آیا تھا، جس میں، میں نے اپنا بچپن گزارا۔ چونکہ اب یہ حویلی میں تمہیں دے چکا ہوں، لہذا میں اس میں داخل نہیں ہوں گا۔“

اس کے ساتھ ہی اس بوڑھے کی پیٹھ سیف الدین نے تھپتھپائی۔ جب وہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھنے لگا، تب اس بستی کے نوجوان جو سیف الدین کے لشکر میں شامل تھے، سیف الدین کے سامنے آئے اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

”امیر! آپ یہاں کچھ دیر آرام کریں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر جائیں۔“

سیف الدین نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اس بوڑھے کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑ لگا کر بستی سے نکلنے کے بعد وہ قونیہ شہر کا رخ کر رہا تھا۔



رکھیں گے۔ کوئی تم پر جبر اور سختی نہیں کرے گا۔ جو کرے گا، وہ اس سے دُگنے جبر اور سختی سے گزرے گا۔“

ہمدردی بھرے یہ الفاظ سن کر عظیم الدین نام کا وہ بوڑھا بری طرح رونے لگا تھا۔ سیف الدین آگے بڑھا، اسے گلے لگا لیا، اسے ڈھارس دی۔ اس پر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا، پھر نکھرتی ڈوبتی ہوئی آواز میں وہ سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کاش! راکھ یادوں اور خاک چاہتوں میں موسموں کی آتشیں سختیوں جیسی کالی راتوں کے ایوانوں میں وقت کی بے خوف صداؤں اور تشنگی کے دشت میں امر ہوتے لمحوں میں آپ جیسا سخت جان نوجوان پہلے بلکہ بہت پہلے مجھ پر اپنا دستِ شفقت رکھ دیتا۔ یہ لوگ بڑے ظالم، بڑے نا انصاف تھے۔ بس معاوضہ کچھ نہیں دیتے تھے۔ کبھی کبھی اتاج کی صورت میں کچھ دے دیتے تھے یا دوپہر اور شام کا کھانا کھلا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ نقدی کی صورت میں مجھے کچھ نہیں دیتے تھے۔“

سیف الدین نے عظیم الدین کی پیٹھ تھپتھپائی پھر کہنے لگا۔ ”اب تم کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ جانور کتنے ہیں؟“

جواب میں عظیم الدین کہنے لگا۔ ”جانور بہت ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔“

یہ الفاظ سن کر سیف الدین مسکرا دیا، کہنے لگا۔

”اگر اس حویلی کے اندر جانور سینکڑوں کی تعداد میں ہیں تو پھر آپ پریشانی اور فکر مندی کا اظہار کیوں کرتے ہیں؟ آپ کو کسی سے نقدی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کبھی آپ کو نقدی کی ضرورت ہو، اپنے ریوڑ میں سے جتنے چاہیں جانور بیچ دیں اور نقدی اپنے پاس محفوظ کر لیں۔ کوئی آپ سے باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ ریوڑ اور حویلی تو اب آپ کی ذاتی ملکیت ہے۔ میرا نام سیف الدین ہے اور میں سلطان عز الدین کے لشکر کا سالار ہوں۔ آنے والے دور میں تمہیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو یا تمہیں کوئی ناجائز تنگ کرے یا جن لوگوں کو میں نے یہاں بے نکالا ہے، وہ کسی موقع پر یہاں آ کر تمہارے ساتھ سخت کھائی کریں تو اس بستی کے لوگوں میں سے کسی کے ذریعے مجھ تک پیغام پہنچا دیتا۔ پھر دیکھنا میں ان کا کیسا حشر نشر کرتا ہوں۔ اب تم پہلے حویلی کی طرف جاؤ، اس کے بعد حویلی کو باہر سے قفل لگاؤ۔ جانوروں کو فی حال اندر ہی رہنے دو۔ اپنی بستی میں جا کر

”بس آپ دونوں باپ بیٹا ہی خوش ہوتے رہیں گے یا مجھے اور میری بیٹی بریزہ کو بھی اپنی اس خوشی میں شامل کریں گے؟“
اس پر نکسار بولا اور کہنے لگا۔

”در اصل بات یہ ہے آج ہمیں بازار میں سیف الدین ابو بکر مل گیا تھا۔“
سیف الدین ابو بکر کا نام سن کر بریزہ چونکی تھی، آنکھوں میں چمک، چہرے پر دردور دور تک طمانیت کے آثار پھیلے تھے۔ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ سیمس شکایت بھرے لہجے میں اپنے شوہر نکسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”اگر آپ کو بازار میں سیف الدین ابو بکر ملا تھا تو آپ کو چاہئے تھا کہ اسے اپنے ساتھ حویلی میں لے کر آتے۔ وہ ہمارا محسن ہے۔ میں تو یہ چاہ رہی تھی کہ جب وہ انگور یہ کی ہم سے فارغ ہوگا تو اسے اپنے ہاں بلائیں گے اور اس کی ایک بہترین دعوت کا اہتمام کریں گے۔“
جواب میں نکسار بولا اور کہنے لگا۔

”دعوت کا اہتمام تو ہو گیا ہے۔ یہ جو سامان میں اور باز نیک لے کر آئے ہیں، اس میں دعوت کا سارا سامان ہے۔ گھر سے جن چیزوں کی خریداری کا ارادہ ہم لے کر گئے تھے، ان چیزوں کے علاوہ دعوت کا بھی سامان لے کر آئے ہیں۔ میں نے سیف الدین سے کہا کہ ہمارے ساتھ حویلی میں چلے لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ وہ مغرب کی نماز کے بعد ہمارے ہاں چکر لگائے گا۔ دراصل وہ اپنی بستی کی طرف سے آرہا تھا اور وہاں اُس نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے۔“

نکسار کے خاموش ہونے پر بریزہ نے فوراً پوچھ لیا۔ ”کیسا فیصلہ بابا؟“
اس پر نکسار نے تفصیل کے ساتھ وہ سب کچھ بتا دیا تھا کہ کس طرح سیف الدین نے اپنی سوتیلی ماں کے بھائیوں اور ان کے بیٹوں کو نکالا، ایک بیٹے کو مارا جس نے ایک بڑھے پر ظلم کیا تھا، اور اپنی حویلی ریوڑ سمیت بوڑھے کے حوالے کر دی۔

یہ ساری تفصیل جان کر تھوڑی دیر تک سیمس اور بریزہ دونوں ماں بیٹی بے پناہ خوشی کا ظہار کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ بریزہ بولی اور کہنے لگی۔

”یہ امیر سیف الدین ابو بکر نے بہت اچھا کام کیا۔ ان کی سوتیلی ماں نے انہیں اور

نکسار اور باز نیک دونوں باپ بیٹا کچھ سامان اٹھائے تو نیہ کی ایک حویلی میں داخل ہوئے۔ حویلی میں داخل ہونے کے بعد باز نیک نے حویلی کے دروازے کو اندر سے زنجیر لگائی پھر بھاگتا ہوا اپنے باپ سے آگے نکل گیا۔ سیدھا دیوان خانے میں داخل ہوا۔ دیوان خانے میں اس وقت سیمس اور بریزہ دونوں ہاں بیٹی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے باز نیک کہنے لگا۔
”میں آپ دونوں کے لئے ایک بہت اچھی بلکہ یوں کہہ سکتا ہوں کہ انتہائی اچھی قسم کا خوشخبری لایا ہوں۔“

اتنی دیر تک نکسار بھی دیوان خانے میں داخل ہو گیا تھا اور دیوان خانے میں داخل ہونے کے بعد باز نیک نے اپنے ہاتھوں میں اٹھایا ہوا سامان جہاں رکھا تھا، نکسار نے بگو جو سامان وہ اٹھا کر لا رہا تھا، وہیں رکھ دیا تھا۔ ساتھ ہی نکسار، باز نیک کے الفاظ سن کر مسکرا رہا تھا۔ اس موقع پر بریزہ بولی اور اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! کیا آج کوئی خاص بات ہے؟ باز نیک بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا ہے، آپ بگو مسکرا رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کوئی ایسی خبر ہے جس نے میرے باپ اور بھائی دونوں کو خوش کر دیا ہے۔“

اس پر نکسار مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بریزہ میری بیٹی! بات کچھ ایسی ہی ہے۔ بس یوں جانو ہمیں آج ایک اچھی بلکہ بہا ہی اچھی خبر ملی ہے۔“

نکسار کے خاموش ہونے پر اس بار سیمس بولی اور کہنے لگی۔

طوفی کا اظہار کرتے ہوئے کسار، سیمس اور بریزہ تینوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ سیف الدین آگے بڑھ کر کسار کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ دوسری طرف باز نیک ہو بیٹھا تھا۔ اتنی دیر تک سیمس اور بریزہ بھی بیٹھ گئی تھیں۔ گفتگو کا آغاز بریزہ نے کیا اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا نے آپ کے متعلق ہمیں تفصیل بتادی ہے کہ کس طرح آپ نے اپنی حویلی اور ریوڑ غریب آدمی کے حوالے کر دیا ہے اور اپنی سوتیلی ماں کے بھائیوں کو ان کے بیٹوں سمیت اپنی حویلی سے نکال دیا ہے۔ یہ تو ایک بہت اچھی خبر ہے۔ بلکہ میں سمجھتی ہوں، آپ نے نیکی کا ایک بہترین کام کیا ہے۔ لیکن ہمیں بھی آپ سے ایک شکوہ ہے۔“

”کیسا شکوہ؟“ بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین نے پوچھ لیا تھا۔

اس پر بریزہ بولی اور کہنے لگی۔

”سلطان کو اپنے لشکر کے ساتھ انکوریہ شہر سے قونیہ شہر میں داخل ہوئے کئی روز گزر چکے ہیں۔ اس دوران کیا آپ نے ہماری حویلی کی طرف چکر لگایا؟ اب آپ کے ساتھ ہمارا ایک تعلق اور رابطہ ہے۔ اسی تعلق اور رابطہ کی بنا پر آپ نے ہم سب کو اناطولیہ شہر سے نکالا اور پھر آپ نے حرید مہربانی یہ کی کہ سلطان سے کہہ کر آپ نے ہمیں یہ حویلی بھی دلوا دی۔“

بریزہ کے ان الفاظ کے جواب میں سیف الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کسار بول اٹھا اور سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! کبھی نہ بھاری آمد کا سخت انتظار تھا۔ دراصل میں تم سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ جو حویلی ہمیں دی گئی ہے، ہم نے اس کا کتنا معاوضہ ادا کرنا ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟“

جواب میں سیف الدین ابوبکر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اس کی نہ کوئی قیمت ہے نہ آپ نے کوئی معاوضہ ادا کرنا ہے۔ یہ میری حویلی نہیں ہے۔ میں تو آپ جانتے ہیں مستقر کے ایک کمرے میں رہتا ہوں۔ یہ حویلی سلطان ﷲ الدین کی طرف سے آپ کے لئے مختص کی گئی ہے۔ اب آپ اس حویلی کے مالک ہیں۔ اس کے لئے آپ کو کوئی قیمت نہیں ادا کرنا ہوگی۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ نے پوچھ لیا۔

ان کے باپ کو گھر سے نکال دیا تھا اور خود بھی اس رد عمل کا شکار ہوئی کہ اس کا خاتمہ اس کے بھائیوں نے کر دیا اور آخر اس کے بھائی اور ان کے بیٹے بھی اس حویلی اور ریوڑ سے محروم ہو گئے۔ بہر حال اپنی حویلی اور ریوڑ کو ایک بوڑھے اور غریب کے حوالے کر کے امیر سیف الدین ابوبکر نے بہت اچھا کام کیا ہے۔“

بریزہ کے خاموش ہونے پر کسار پھر بولا اور کہنے لگا۔

”بیٹی! سیف الدین ابوبکر ہمیں بازار میں مل گیا تھا۔ اپنے گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے اسے گھر چلنے کے لئے کہا تو وہ کہنے لگا، ابھی تو وہ مستقر میں جائے گا۔ لہذا مغرب نماز ادا کرنے کے بعد وہ یہاں آئے گا۔ میں چاہتا ہوں، اس کی آمد تک اس کی بہترین دعور کا سارا سامان تیار ہونا چاہئے۔ سیمس اور بریزہ! تم دونوں جانتی ہو کہ سیف الدین ابوبکر وہاں نہ پہنچتا تو ہم اناطولیہ سے زندہ سلامت نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ یہ سیف الدین ابوبکر ہمت اور جواں مردی ہے کہ اس نے ہم سب کو بڑی حفاظت کے ساتھ اناطولیہ سے نکالا ا تعاقب کرنے والوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ میرے خیال میں تم دونوں ماں بیٹی اٹھو، یہ سامان لے کر مطبخ میں چلی جاؤ اور دعوت کی تیاری کو آخری شکل دینا شروع کرو۔“

کسار کے ان الفاظ کے ساتھ ہی سیمس اور بریزہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور مطبخ طرف چلی گئی تھیں۔

مغرب کی نماز کے بعد جب حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی، تب باز نیک جو وقت اپنے باپ کسار، ماں سیمس اور بہن بریزہ کے ساتھ دیوان خانے میں بیٹھا ہوا جست لگا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”لگتا ہے امیر سیف الدین ابوبکر آگئے ہیں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ بھاگتا ہوا باہر آ گیا تھا۔

جب اس نے حویلی کا بیرونی دروازہ کھولا تو اس نے دیکھا باہر واقعی سیف الدین ابوبکر کھڑا تھا۔ سیف الدین نے مصافحہ کرنے کے لئے جب ہاتھ باز نیک کی طرف بڑھ تب باز نیک آگے بڑھا، پہلے سیف الدین ابوبکر سے گلے ملا، پھر پُر جوش انداز میں مصافحہ کیا۔ سیف الدین جب حویلی میں داخل ہوا، باز نیک نے اندر سے زنجیر لگائی، سیف الدین کو لے کر آگے بڑھا۔ جب وہ دیوان خانے میں داخل ہوا تو اسے دیکھتے ہی بے

”آپ کھانا کہاں سے کھاتے ہیں؟“

بریزہ کے اس سوال پر سیف الدین نے غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میری رہائش مستقر میں ہے اور کھانا بھی میں مستقر میں ہی کھاتا ہوں۔“

بریزہ نے دوسرا سوال کیا۔

”جس بہتی میں کبھی آپ کی رہائش ہوا کرتی تھی، کیا وہاں آپ کے باپ یا ماں کے

رشتے دار بھی رہتے ہیں؟“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیف الدین کچھ دھکی اور افسردہ سا ہو گیا تھا۔ پھر بھاری آواز

میں کہنے لگا۔

”میری ماں کا کوئی رشتہ دار تھا ہی نہیں۔ وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کے

مرنے کے بعد میرے ننھیال کا خاتمہ ہو گیا۔ جہاں تک میرے باپ کا تعلق ہے تو یہ دو بھائی

تھے۔ دوسرے بھائی کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ بڑا تھا۔ وہ میری ماں سے بھی پہلے فوت ہو گیا

تھا۔ گویا میرا باپ اکیلا رہ گیا تھا۔ اور پھر میرے باپ کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل اگر یہ سمجھتے ہیں

کہ میرے باپ کو قتل کرنے کے بعد وہ بچ جائیں گے، دندناتے رہیں گے تو یہ ان کی بھول

ہے۔ اس سے پہلے میرے وسائل نہیں تھے۔ سلطان کے لشکر میں سالار بننے کے بعد میں

نے اپنے کچھ آدمیوں کو مقرر کیا ہے جو قاتلوں کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور جس

روز وہ مجھے مل گئے، میں ان سے ایسا انتقام لوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔“

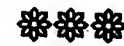
اس موقع پر کسار نے دخل اندازی کی اور بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بریزہ بیٹی! جلد ہی عشاء کی نماز کا وقت ہو جائے گا۔ میرے خیال میں کھانا لاؤ۔

سب اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

کسار کے ان الفاظ پر سیس اور بریزہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دیوان خانے میں

انہوں نے کھانا لگا دیا۔ پھر سب وہاں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔



اپنے بھائی علاؤ الدین کی قیادت کی طرف سے اطمینان حاصل ہونے اور اپنی سلطنت

نظم و نسق اپنے اندازوں کے مطابق درست کرنے کے بعد سلطان عز الدین نے اب اپنے

دشمنوں سے انتقام لینے کی ٹھان لی تھی۔

اس مقصد کے لئے اس نے اپنے سارے امراء اور سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا

تھا۔ بڑے بڑے سالار جن میں سیف الدین ابوبکر، حسام الدین یوسف، مبارز الدین

ہادلی، مبارز الدین ارتقش، نجم الدین بہرام، زین الدین بشارہ، سیف الدین امیر قزل،

سیف الدین آئینہ چاشنی گیر اور بہاؤ الدین سمیت دیگر بہت سے سالار اور امراء سب

سلطان کے قصر میں جمع ہوئے تھے۔ جب سب لوگ جنہیں بلایا گیا تھا، قصر کے اس کمرے

میں جمع ہو گئے، تب ایک گہری نگاہ اس موقع پر سلطان عز الدین کیا وُس نے سب پر ڈالی،

کچھ سوچا، پھر اس کے بعد انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس وقت ہمارے سامنے ایک نہیں، پانچ بڑی قوتیں ہیں جو ہمیں اپنا ہدف بنانے

کے درپے ہیں، ہمیں اناطولیہ کے میدانوں سے نکال باہر کرنا چاہتی ہیں۔ ان میں

سرفہرست اٹالیہ کا حکمران بارگن، دوسرا اناطولیہ کے جنوب مغربی وسیع علاقوں کا حکمران

لشکری جو ایک طرح سے میرے باپ کا قاتل بھی ہے، تیسری بڑی قوت سینوب کے

علاقے کا حکمران نکور ہے۔ یہ وہ بد بخت ہے، جس وقت میرے بھائی علاؤ الدین نے

ہمارے خلاف سرکشی کی تھی، یہی نکور، علاؤ الدین کی مدد کے لئے پہنچا تھا۔ اس کے سامنے

بڑا مدعا یہ تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوں۔ ہم دونوں بھائی آپس

میں لڑتے رہیں، سارے مسلمان ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جائیں اور جب

اناطولیہ میں ہماری حکومت کمزور ہو جائے تو یہ ہم پر حملہ آور ہو کر اپنا مقصد حاصل کرنے میں

کامیاب ہوں۔ چوتھی قوت جنجن کے علاقے کی ہے، جس کا حکمران لیفون ہے۔ یہ بھی بڑا

بد بخت انسان ہے۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں

دیتا۔ اور پانچویں سب سے بڑی قوت قسطنطنیہ کا شہنشاہ ہے جس کے لشکر کا ہر بگاہے بحیرہ

اسطورس کو عبور کر کے ہمارے علاقوں کو اپنا ہدف بناتے ہیں اور اپنے لئے فوائد حاصل کرنے

کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کچھ قوتیں ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہیں لیکن وہ کم

رہے کی ہیں۔ آپ لوگوں کو یہاں بلانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ ہم اپنے

ام کی ابتدا کہاں سے، کس سمت سے کریں۔“

سلطان کے اس استفسار پر بڑے امراء میں سے پہلے بہاؤ الدین ارتقش بولا اور

لہان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں سمجھتا ہوں، اناطولیہ اب ہمارا علاقہ ہے۔ اس لئے کہ سلطا غیاث الدین نے اسے فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کیا تھا۔ ہمارے باہمی اختلاف اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر بارگن پھر ان علاقوں پر قابض ہو گیا ہے بلکہ پہلے کی نسبت اس نے مزید علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ لہذا اس موقع پر میں مشورہ دوں گا کہ ہمیں اب کام کی ابتدا اناطولیہ کے حکمران بارگن کی طرف سے کرنی چاہئے۔“

بہاؤ الدین ارتقش جب خاموش ہوا، تب سیف الدین آئینہ چاشنی گیر بولا اور سلطا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ کے والد محترم کا ٹکراؤ اناطولیہ کے جنوب مغربی علاقوں کے حاکم لشکری سے ہوا تھا۔ اس ٹکراؤ کے دوران آپ کے والد کو دھوکا دہی سے ختم کیا گیا۔ لہذا سمجھتا ہوں کہ ہمیں سب سے پہلے اپنے کام کی ابتدا اپنے مرحوم سلطان کے انتقام سے کرنا چاہئے۔ لشکری پر ضرب لگا کر پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔“

اس کے بعد دیگر لوگوں نے بھی مشورے دیئے۔ اس موقع پر سلطان کے چہرے گہری مسکراہٹ تھی۔ وہ بولا اور کہنے لگا۔

”میں سب سے آخر میں سیف الدین ابوبکر سے اس کی رائے جانوں گا۔ اس لئے وہ لشکر کا سالار اعلیٰ ہے۔“

پھر سلطان نے حسام الدین یوسف کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”حسام الدین! میں جانتا ہوں تم جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہو۔ تمہاری طر مبارز الدین ارتقش بھی ایسی ہی ہنرمندی رکھتا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں تم دونوں کے علا مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام، زین الدین بشارہ اور سیف الدین امیر قزل سر ابھی تک چپ اور خاموش ہیں۔ کیا اس خاموشی کی کوئی خاص وجہ ہے؟“

سلطان کے ان الفاظ پر حسام الدین کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا تھا۔ ایسی حالت مبارز الدین چاولی، سیف الدین امیر قزل سر، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام کی بھی تھی۔ یہاں تک کہ حسام الدین یوسف ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! بہاؤ الدین ارتقش اور سیف الدین آئینہ کے علاوہ دوسرے سالار

اور امراء نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔ ہم لوگ ایک خاص وجہ سے چپ ہیں۔ سلطان محترم! اس معاملہ سے متعلق پہلے سیف الدین ابوبکر سے پوچھئے۔ ہم جتنے سالار خاموش ہیں، ان سب کی رائے یہی ہے کہ سیف الدین کی منصوبہ بندی اور اس کی رائے بڑی احسن ہوگی۔ اگر ہم اس پر عمل کریں تو کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔“

حسام الدین یوسف کے الفاظ پر سلطان عز الدین مسکراتے ہوئے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھنے لگا تھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ابوبکر کے بیٹے! میں چاہتا تھا کہ میں آخر میں تم سے اس موضوع پر گفتگو کروں لیکن تمہارے بہت سے سالار تم پر انحصار کرتے ہیں۔ لہذا اب بولو کہ ہمیں اپنے کام کی ابتدا کہاں سے کرنی چاہئے؟“

سلطان کے اس استفسار پر سیف الدین ابوبکر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہماری پیٹھ مشرق کی طرف ہے۔ اس لئے کہ مشرق میں اس وقت کوئی اسلامی ملک نہیں ہے۔ سارے اسلامی ملک مغرب کی طرف ہیں۔ لہذا ہماری پیٹھ چونکہ مشرق کی طرف ہے لہذا ہمیں سب سے پہلے اپنی پیٹھ کو محفوظ کرنا چاہئے۔ ہماری پیٹھ پر اس وقت دو خاصے بڑے دشمن ہیں۔ ایک ہرقلیہ کا دوگا اور دوسرا ملطیہ کا طیارلوس۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملطیہ کے وسیع علاقے ہماری مملکت میں شامل ہیں۔ ملطیہ شہر بھی ہمارا ہے لیکن اس کے نواح میں ہرقلیہ کی طرف جس قدر علاقے ہیں ان پر طیارلوس کا قبضہ ہے اور وہ اپنے آپ کو ملطیہ کا حکمران کہلاتا ہے۔ اس کے ارادے یہ ہیں کہ کبھی خم ٹھونک کر اپنی اقتدار قوت میں اضافہ کر کے ملطیہ شہر اور اس کے اطراف میں وہ علاقے جو اس وقت اسے قبضے میں ہیں، ان کو فتح کر کے وہ ایک عظیم سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ جہاں تک ہرقلیہ کا تعلق ہے، یہ بندرگاہ ہے۔ اس کا حکمران دوگا بھی بڑا متکبر ہے۔ اس لئے بندرگاہ کے ذریعے اسے مختلف نصرانی حکومتوں سے مدد ملتی رہتی ہے جس کی بنا پر وہ اذقاع کر لیتا ہے۔ میں چاہتا ہوں سب سے پہلے ہم آندگی اور طوفان کی طرح حرکت مائیں، پہلے ملطیہ کا رخ کریں۔ ملطیہ کے جس قدر علاقے طیارلوس کے پاس ہیں، اس پر قبضہ کیا جائے۔ میں جانتا ہوں، طیارلوس کے پاس خاصا بڑا لشکر ہے۔ وہ خم ٹھونک کر اسے سامنے آئے گا لیکن اسے شکست دینے کے بعد ہمیں فی الفور ہرقلیہ کا رخ کرنا

چاہئے اور ہرقلیہ پر بھی قبضہ کرنے کے بعد جو لشکر اس کام کے لئے متعین کیا جائے، اسے فی الفور اپنے مرکزی شہر قونیہ لوٹ کر آنا چاہئے۔

سلطان محترم! اگر ہم ملطیہ اور ہرقلیہ کے سارے علاقوں کو دشمنوں سے پاک کر کے وہاں اپنے حاکم اور عامل مقرر کرتے ہیں تو یاد رکھئے گا، ہماری پیٹھ نگنی نہیں رہے گی۔ ہمیں پشت کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور ہم بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی بڑی دشمن قوتوں کے سامنے حرکت میں آسکیں گے۔ سلطان محترم! یہ میری ذاتی رائے ہے۔ اگر آپ اس کے علاوہ کوئی اچھی تدبیر رکھتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں، اس پر عمل ہونا چاہئے۔“

سلطان عز الدین کچھ دیر تک توصیفی انداز میں سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

”میرے بھائی! جو تجویز تم نے پیش کی ہے، یہ آخری ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اب جو لشکر اس مہم پر روانہ کئے جائیں گے ذرا ان کی تفصیل بھی کہو۔“

جواب میں سیف الدین ابوبکر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ان دونوں مہموں کے ساتھ ساتھ ہمیں بڑا احتیاط بھی رہنا ہوگا۔ ہمارے اس منصوبہ بندی کی اطلاع ہماری دوسری دشمن قوتوں کو بھی ہو سکتی ہے۔ پھر وہ مختلف سمتوں سے حملہ آور ہو کر ہماری توجہ ہرقلیہ اور ملطیہ سے ہٹانے کی بھی کوشش کریں گے۔ اس بنا پر آپ کے پاس ایک خاصا بڑا لشکر قونیہ میں رہنا چاہئے اور کچھ نامور اور سرکردہ سالار بھی آپ کے پاس ہونے چاہئیں۔ سب سے پہلے میں اپنے محترم حسام الدین یوسف کا نام لوں گا۔ انہیں آپ کے پاس ہونا چاہئے۔ حسام الدین یوسف کے بعد مبارز الدین ارتقش بھی قونیہ میں کام کریں۔ یہ دونوں سالار آپ کو بہترین مشورے دے سکتے ہیں اور اس قابل ہیں کہ دشمن کے حملوں کا جواب دیں اور جوابی کارروائی کرنے کا ہمت اور جرأت بھی رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ سیف الدین امیر قزل بھی آپ کے پاس رہے۔ جو لشکر اس مہم کے لئے مقرر کیا جائے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ ملطیہ کو اپنا ہدف بنائے گا اور دوسرا ہرقلیہ کو۔ ایک لشکر کی کمانداری مجھے دے دیں۔ میرے ساتھ زین الدین بشارہ کو کر دیں۔ دوسرا لشکر مبارز الدین چاولی کی کمانداری میں دے دیں۔ نجم الدین بہرام اس کی نیابت کرے۔ میں یہاں سے ملطیہ کی طرف روانہ ہوں“

اب کہ مبارز الدین ہرقلیہ کا رخ کرے گا۔ سلطان محترم! آپ جانتے ہیں ہرقلیہ کا قلعہ بڑا مضبوط، بڑا مستحکم اور کوہستانی سلسلوں جیسا سنگین اور محفوظ ہے۔ لہذا اسے کسی طریقہ اور جتن کے ساتھ فتح کر کے اس پر قابض ہونا ہوگا۔ میں ملطیہ کی طرف جا کر اپنے کام کی ابتدا کروں گا۔ ظاہر ہے طیارلوس میری راہ روکے گا۔ اتنی دیر تک مبارز الدین اور نجم الدین بہرام اس شاہراہ پر پہنچ جائیں جو شاہراہ ملطیہ سے ہرقلیہ کی طرف جاتی ہے لیکن مبارز الدین اور نجم الدین بہرام، ہرقلیہ پر حملہ آور نہ ہوں بلکہ جو شاہراہ ملطیہ سے ہرقلیہ اور ہرقلیہ سے ملطیہ کی طرف آتی ہے اس کے کنارے کسی محفوظ جگہ پر ہرقلیہ کے ذرا قریب گھات میں چلے جائیں۔ اس کے بعد دورِ عمل ہمارے سامنے آسکتے ہیں۔

میں اگر ملطیہ کے علاقوں میں وہاں کے حکمران طیارلوس سے ٹکراتا ہوں تو یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی مدد کے لئے ہرقلیہ کا حکمران دوگا پہنچے۔ ایسی صورت میں جب دوگا، ہرقلیہ سے نکل کر ملطیہ کی طرف بڑھے گا، اس کی پشت کی جانب سے مبارز الدین اور نجم الدین بہرام حملہ آور ہو کر اس کے لشکر کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائیں گے، اتنی دیر تک ہو سکتا ہے، میں بھی طیارلوس کے لشکر سے فارغ ہو کر سامنے کی طرف ہرقلیہ کے حکمران دوگا پر ضرب لگا دوں۔ اس طرح ہم بہ سرعت تمام اپنی دونوں مہموں سے فارغ ہو جائیں گے۔

دوسرا درِ عمل اس طرح ہمارے سامنے آسکتا ہے کہ جب میں ملطیہ کے علاقوں پر حملہ آور ہوں تو طیارلوس مجھ سے ٹکرائے اور ہرقلیہ کے حکمران دوگا کو اس کی خبر نہ ہو۔ اگر اتنی دیر تک ہم ملطیہ سے نمٹ چکے ہوں گے، اس کے بعد میں اپنے لشکر کے ساتھ ہرقلیہ کا رخ کروں گا۔ اس وقت تک مبارز الدین اور نجم الدین بہرام دونوں شاہراہ کے کنارے گھات میں رہیں گے۔ چنانچہ جب ہرقلیہ کے حکمران دوگا کو خبر ہوگی کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے تو وہ اپنے مرکزی شہر ہرقلیہ سے باہر نکل کر ہمارا مقابلہ کرے گا۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اُس کا یہ اقدام یقیناً ہمارے حق میں اچھا ہوگا۔

ہرقلیہ کا حکمران دوگا جب اپنے مرکزی شہر سے نکل کر مجھ سے ٹکرانے کے لئے ہرقلیہ سے شمال کی طرف جائے گا، تب مبارز الدین اور نجم الدین بہرام اس وقت اپنی گھات سے نکلیں گے، جب میں ہرقلیہ کے حکمران سے ٹکرا جاؤں گا۔ یہ پشت کی جانب سے حملہ آور ہو آئیں گے۔ ہرقلیہ والوں کے پاس بہت بڑا لشکر ہے جس سے وہ ماضی میں بھی دفاع

اور بابا گھر پر نہیں ہیں۔“

بریزہ فوراً بول پڑی اور کہنے لگی۔

”آپ کا اندازہ درست ہے۔ بابا اور بھائی دونوں بازار سودا سلف خریدنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔“

اس پر سیف الدین کہنے لگا۔

”اچھا تم دروازہ بند کرلو۔ میں تھوڑی دیر تک آ جاؤں گا۔“

بریزہ جھٹ سے بول پڑی، کہنے لگی۔

”اس کا مطلب ہے کہ بھائی اور بابا حویلی میں ہوں تو پھر آپ حویلی میں آ سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرے اور میری ماں کے ساتھ آپ کو تعلق واسطہ نہیں ہے۔“

سیف الدین فوراً معذرت طلب انداز میں کہنے لگا۔

”بریزہ خاتون! ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل تمہارے بابا اور بھائی کی غیر موجودگی میں میرا یوں آنا جانا اچھا نہیں لگتا۔ تمہارے بابا اور بھائی گھر میں ہوں تو پھر میں جس وقت چاہے آ جاؤں۔ میری باتوں کا برا نہ ماننا۔ میں نے اس لئے ایسا نہیں کہا کہ میرا تمہارا اور تمہاری ماں سے کوئی تعلق واسطہ اور جان پہچان نہیں ہے۔“ یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین ابوبکر کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ بریزہ بول اٹھی۔

”میرے اور میری ماں کے ساتھ بھی آپ کا تعلق اور واسطہ ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ہمیں اٹھالیہ سے کیوں نکالتے؟ اگر میرے ساتھ بھی آپ کا کوئی گہرا واسطہ اور تعلق نہ ہوتا جس طرح اٹھالیہ شہر میں دو مسلح جوان رات کی تاریکی میں مجھے اپنے گھر کی طرف لے جا رہے تھے، تاکہ وہاں مجھے نظر بند رکھا جائے اور اگلے روز مجھے اور میرے اہل خانہ کے ساتھ پھر پادریوں کی عدالت میں پیش کیا جائے اور آپ نے ان دو کا خاتمہ کر کے میری ماں، میری عزت بچائی۔ آپ کو یاد ہوگا، جس وقت آپ نے میرا بازو پکڑا تھا اور آپ نے ہانام بتائے بغیر مجھے کھینچنا چاہا تو میں نے مزاحمت کی تھی۔ میں نے یہ بھی کہا تھا، میرا بازو لہڑ دو ورنہ میں شور کروں گی اور سب کو اکٹھا کر لوں گی۔ لیکن اس وقت جب آپ نے کہا کہ میں سیف الدین ابوبکر ہوں تو آپ کو یاد ہوگا کہ جواب میں، میں نے ایک لفظ نہیں کہا

کرتے رہے ہیں۔ اس لئے کہ بہت بڑی بحری قوتیں بھی ان کے پاس جمع ہیں۔ ظاہر ہے جب ہم دوطرفہ حملے دوگا پر کریں گے تو وہ شکست اٹھائے گا اور شکست اٹھانے کے بعد واپس ہرقلیہ کے قلعہ میں اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس دوران مبارز الدین اور نجم الدین بہرام یہ قدم اٹھائیں گے کہ وہ ہرقلیہ کے دروازوں پر قبضہ کر لیں گے، دوگا کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس طرح ہرقلیہ کے حکمران دوگا کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور ہرقلیہ شہر پر قبضہ کر کے وہاں اپنا حاکم مقرر کر دیا گے۔ ایسا کرنے کے بعد میں، زین الدین بشارہ، مبارز الدین اور نجم الدین بہرام چندرا وہاں رک کر وہاں کا نظم و نسق درست کریں گے۔ آپ ہمارے ساتھ جسے بھی ہرقلیہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجیں گے اسے وہاں چھوڑیں گے، اپنے لشکر کو لے کر جس برق رفتاری۔ جائیں گے، اسی سرعت کے ساتھ واپس قونیہ کی طرف آ جائیں گے۔“

سلطان عز الدین اور وہاں بیٹھے سارے سالاروں نے سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سلطان اٹھ کھڑا ہوا تاکہ مستقر میں جا کر لشکر کی ترتیب کو آخری شکل دی جائے۔ اس کے ساتھ سارے امراء اور سالار اٹھ کر سلطان کے ساتھ ہو لئے تھے۔ شام سے تھوڑی دیر پہلے ایک روز سیف الدین ابوبکر نے عسکری حویلی کے دروازہ پر دستک دی تھی۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اندر سے کسی کی دھیمی ٹھٹھکی ہوئی خوبصورت آواز سنائی دی۔

”کون ہے؟“

جواب میں سیف الدین ابوبکر بھی دیشے سے لہجے میں بول پڑا اور کہنے لگا۔

”میں سیف الدین ہوں۔“

اس پر دروازہ فوراً کھل گیا۔ سیف الدین نے دیکھا، دروازہ کھولنے والی حسین خوبصورت بریزہ تھی۔ بریزہ پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد سیف الدین ابوبکر نے کچھ سوچا اس موقع پر اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بریزہ بول اٹھی۔

”آپ دروازے پر کھڑے ہو کر کن سوچوں میں پڑ گئے ہیں؟ اندر آئیں۔“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ کہنے لگا۔

”بریزہ خاتون! یہ جو دروازہ تم نے کھولا ہے، اس کا مطلب ہے تمہارا بھائی بازو

تھا اور جس قدر تیز میں بھاگ سکتی تھی، آپ کے ساتھ بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ اگر میرا کوئی تعلق، کوئی واسطہ آپ کے ساتھ نہ ہوتا تو میں ایسا کیوں کرتی؟“

بریزہ کے اس جواب پر سیف الدین ابو بکر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ پیچھے سے مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”بریزہ بیٹی! ایسی گفتگو کر کے تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔“

اس موقع پر چوکتے ہوئے سیف الدین ابو بکر نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو اس کی پشت پر کسار اور باز نیک کھڑے دونوں مسکرا رہے تھے۔ اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ کہنے لگی۔

”بابا! انہوں نے حویلی کے دروازے پر دستک دی۔ میں نے جب دروازہ کھولا تو یہ جان گئے کہ آپ اور بھائی گھر پر نہیں ہیں۔ اس بنا پر میں نے دروازہ کھولا ہے۔ میں نے انہیں اندر آنے کے لئے کہا تو کہنے لگے کہ تمہارے بابا اور بھائی گھر پہ نہیں ہیں، میں تھوڑی دیر تک آ جاؤں گا۔ یہ واپس جانے لگے تو میں نے انہیں روک لیا۔“

کسار نے توصیفی انداز میں اپنی بیٹی بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”بریزہ میری بیٹی! تم نے بہت اچھا کیا۔“

اس کے بعد کسار آگے بڑھا اور سیف الدین کے شانے پر اس نے ہاتھ رکھا، پھر کہنے لگا۔

”چلو بیٹے! اندر چلو۔ یہ حویلی تمہاری اپنی ہے۔ اگر کبھی میں یا باز نیک گھر پہ نہ ہوں تو بیٹے! تم اس حویلی میں جس وقت چاہو، آ سکتے ہو۔ دن یا رات، اس حویلی کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے ہیں۔ میرے بچے! تکلف اور اجنبیت نہ برتا کرو۔“

اس موقع پر کچھ سامان باز نیک نے اور کچھ کسار نے اٹھایا ہوا تھا۔ بریزہ آگے بڑھی، اپنے باپ سے اس نے سارا سامان لینا چاہا۔ اس پر کسار مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بیٹے! سارا نہیں، تھوڑا سا سامان تم کچھ لو۔“

اس پر بریزہ نے کچھ سامان لیا۔ اتنی دیر تک حویلی کے دیوان خانے سے نکل کر سیس بھی باہر آن کھڑی ہوئی تھی۔ سب آگے بڑھے اور دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گئے۔

اس موقع پر کسار کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین کہنے لگا۔

”در اصل میں آپ کو یہ بتانے کے لئے آیا تھا کہ میں آنے والی شب کے پچھلے حصے میں ایک لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کر رہا ہوں۔ آپ تو یہ شہر میں اجنبیت محسوس نہ کیجئے گا۔ جو لشکر جا رہا ہے، اس میں سلطان عز الدین شامل نہیں۔ اگر آپ کو یہاں کوئی شکایت ہو، کسی سے کوئی شکوہ ہو، کوئی زیادتی کرے یا آپ کو کسی شے کی ضرورت ہو تو یہاں بڑے سالاروں میں سے حسام الدین یوسف اور مبارز الدین ارتقش رہیں گے۔ ان دونوں سے میں نے آپ کے متعلق تفصیل سے کہہ دیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ حسام الدین یوسف سے میں نے کہا ہے کہ وہ آپ کی احوال پر ہی کرتا رہے۔ اور اگر آپ کو کسی شے کی ضرورت ہو تو اس کا سامان کرے۔ مجھے امید ہے کہ یہاں آپ کو کسی سے شکایت نہیں ہوگی۔“

سیف الدین ابو بکر کے یہ الفاظ سن کر بریزہ سنجیدہ ہو گئی اور کسی قدر افسردہ سی ہو گئی تھی۔ قبل اس کے کہ کسار بولتا، بریزہ پہلے ہی بول پڑی اور سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”آپ لشکر لے کر کس مہم پر روانہ ہو رہے ہیں؟“

جواب میں سیف الدین نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

”میں مبارز الدین، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام دو مختلف مہموں کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ اور یہ مہمیں مشرق کی طرف ہیں۔ ان دو مہموں سے نمٹنے کے بعد ہم اپنے بڑے دشمنوں کی طرف دھیان دیں گے۔“

سیف الدین جب خاموش ہوا تب کسی قدر فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کسار کہنے لگا۔

”اگر دو لشکر مشرق کی دو مختلف مہموں کی طرف روانہ ہو رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے، تو یہ شہر میں لشکر کی تعداد کم ہو جائے گی۔ اس دوران اگر بارگن، فلاڈلفیا کے حکمران سامان، جنوب مغربی اناطولیہ کے طاقت ور حاکم لشکری، سینوب کے حکمران نکور یا جنسن کے حکمران لیفون میں سے کسی نے سلطان کے علاقوں میں داخل ہو کر نقصان پہنچانا چاہا تو ہم اس کا کیا بندوبست اور کیا سدباب ہوگا؟“

سیف الدین ابو بکر کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

”آپ کا اندیشہ درست ہے اور ان اندیشوں کا ہم نے پہلے سے بندوبست کر رکھا

ہانور قربانی کے لئے دیتے تھے، اس کا گوشت رسیوں میں پرو کر اور دھوپ میں رکھ کر خشک کر لیا کرتی تھی اور کئی ماہ تک وہی خشک گوشت ہمارے ہاں استعمال ہوتا تھا۔ ہمارے ہاں جب کبھی میٹھی چیز کے لئے دل کرتا تھا تو میرا باپ باہر سے شکر لایا کرتا تھا۔ اس شکر سے ہم ستونیا کرتے تھے اور پی کے گزر بسر کر لیتے تھے۔ میں نے بچپن کی زندگی بڑی کٹھن بسر کی ہے اس واسطے میں نے کبھی کھانے پینے کی طرف خاص رغبت نہیں کی۔ جوں جوں گیا، کھالیا۔ کبھی کوئی شکوہ، کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔“

سیف الدین کے یہ حالات سن کر بریزہ کچھ زیادہ ہی اُداس ہو گئی تھی۔ سمس بھی گہری سوچوں میں ڈوب گئی تھی۔ باز نیک اور نکسار بھی اُداس تھے۔ یہاں تک کہ سیف الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”میں نے بھی خواجواہ اپنے حالات سنا کر آپ لوگوں کو افسردہ کر دیا ہے۔ میں اب ہاتا ہوں۔ اس مہم سے واپسی پر آپ سے ملاقات ہوگی۔“

اس موقع پر بریزہ، سیف الدین کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔ سیف الدین جب اٹھ کر روازے کی طرف بڑھا تو نکسار اور باز نیک چپ چاپ اس کے ساتھ ہو لئے۔ بریزہ اور سمس بھی کھڑی ہو گئیں۔ سب دروازے تک گئے۔ اس کے بعد سیف الدین ان کے س سے نکل گیا تھا۔



ہے۔ قونیہ میں سلطان کے علاوہ بڑے سالاروں میں حسام الدین یوسف، مبارز الدین ارتقش، سیف الدین امیر قزل اور کچھ دوسرے سالار بھی ہوں گے۔ سلطان خود بھی یہاں ہوگا اور جس قدر لشکر میں اور مبارز الدین لے کر یہاں سے اپنی مشرقی مہموں کی طرف روانہ ہوں گے، اس سے چار گنا بڑا لشکر یہاں سلطان کے پاس موجود ہوگا۔ اور ہمیں امید ہے کہ ہماری غیر موجودگی میں کوئی قونیہ کے لئے خطرہ بننے کی کوشش نہیں کرے گا۔ پھر جس مہم پر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہو رہا ہوں، مجھے امید ہے کہ چند ہی دن میں وہ مہم نمٹا کر ہم واپس قونیہ آجائیں گے۔ اس کے بعد ہماری سلطنت کے جو بڑے دشمن ہیں۔ ان کے خلاف ہماری کارروائیوں کی ابتدا ہو جائے گی۔“

اس موقع پر سمس بولی اور کہنے لگی۔ ”بیٹے! کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم آج کا کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ؟“

اس پر سیف الدین نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔ ”ایسا ممکن نہیں۔ مجھے ابھی بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ ویسے بھی آپ کی خواہش کے مطابق ایک بار تو میں آپ کے ہاں سے کھانا کھا چکا ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مستقر میں آج میرے دوسرے سالار بھی کھانے پر میرا انتظار کریں گے۔ لہذا میں کھانا اُن کے ساتھ وہیں کھاؤں گا۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا تب بریزہ بولی اور کہنے لگی۔ ”جنتا ہے مستقر کے کھانے کے علاوہ اب آپ کو اور کھانا اچھا لگتا ہی نہیں ہے۔“

سیف الدین مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ویسے بھی مرغن اور لذت والے کھانے کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ بچپن میں اس وقت جب کہ میری ماں مرچکی تھی اور میرے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی، میری سوتیلی ماں جب میرا باپ کام کے سلسلے میں باہر ہوا کرتا تھا، مجھے کھانے سے دُور بٹھا دیتی تھی۔ پہلے خود کھاتی تھی، اس کے بعد تھوڑا سا کھانا جس میں اس کا اپنا جھوٹا اور بچا ہوا ہوتا تھا، مجھے کھلا دیا کرتی تھی۔ اس بنا پر شروع ہی سے مجھے مرغن اور اچھے کھانے کھانے کی عادت نہیں پڑی۔ جس وقت میری ماں مری، اس وقت چھوٹا سار ہوا تھا اور ہم بڑی عسرت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ میری ماں عید الاضحیٰ پر جو ہم اپنے گھر کا

اُسی روز رات کے پچھلے حصہ میں دو لشکروں نے قونیہ سے کوچ کیا تھا۔ ایک لشکر سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ کے پاس تھا اور انہوں نے ملطیہ کے علاقوں رخ کیا تھا۔ دوسرا لشکر مبارز الدین اور نجم الدین کے تحت تھا اور انہوں نے ہرقلیہ کا رخ کیا تھا۔ سیف الدین اور زین الدین بشارہ بڑی تیزی سے ملطیہ کے علاقوں کی طرف بڑے تھے۔ ملطیہ کے حاکم کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ سلطان عز الدین کا ایک لشکر اس پر حملہ آور ہو۔ کے لئے آ رہا ہے۔ لہذا اس نے بھی اپنی تیاری کو اپنے عروج پر لے جاتے ہوئے سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ کے لشکر سے ٹکرانے کا عزم کر لیا تھا۔ اس کے خبروں سے یہ بھی خبر دی تھی کہ جو لشکر اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آ رہا ہے، وہ کوئی اتنا بڑا نہیں جس کی بنا پر ملطیہ کے علاقوں کے حاکم طیارلوس نے کھلے میدانوں میں سیف الدین اور زین الدین بشارہ کے لشکر کی راہ روک دی ہے۔

اس کے ساتھ ہی طیارلوس نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ اس لئے کہ اس نے دیکھا، ایک چھوٹا سا لشکر اس سے ٹکرانے کے لئے آیا تھا جسے وہ بہت جلد اور وقت ضائع کئے بغیر بھاگ جانے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ جس کی بنا پر وہ بڑی تیزی سے اپنی صفیں درست کرنے لگا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین اور زین الدین بھی اپنی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر سیف الدین نے زین الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”میرے بھائی! جنگ کی ابتدا طیارلوس کو کرنے دینا۔ جب وہ اپنے کام کی ابتدا دے تو میں اور تم زوردار انداز میں تکبیریں بلند کریں گے۔ لشکریوں کو میں نے سمجھا دیا ہے

ہماری ان تکبیروں کے جواب میں وہ بھی پوری قوت سے اس انداز میں تکبیریں بلند کریں گے کہ انا طولیہ کا سارا میدان گونج اُٹھے۔ اس کے بعد طیارلوس پر ضرب لگائیں گے، پھر دیکھیں گے طیارلوس کتنی دیر تک ہمارے سامنے ٹھہرتا ہے۔“

زین الدین بشارہ نے توصیفی انداز میں سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی عقیدت میں کہنا شروع کیا۔

”امیر سیف الدین! خداوند قدوس نے چاہا تو میں آپ کے پہلو میں رہ کر دشمن پر ضرب لگاؤں گا اور آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔ آپ بے فکر رہئے۔“

زین الدین بشارہ کے ان الفاظ سے سیف الدین خوش ہو گیا تھا۔ پھر لشکر کی صفیں درست کرنے کے بعد طیارلوس حرکت میں آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ ہانپتی زیست کے بھیاں کھنڈرات میں خون چاٹتی خواہشوں، خزاں کے زرد آنچلوں سے اٹھ کر بہتے لحوں کی لہروں میں رقص کرتی تاریکیوں، وقت کی بدترین عقوبت گاہوں میں کرب جان بنتے مضمرات اور ضبط کے آنچلوں کو جبر جبر کرتی موت و مرگ کی حدتوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

طیارلوس کے حملہ آور ہونے کے ساتھ ہی سیف الدین اور زین الدین دونوں نے مل کر سناٹوں کی فضاؤں میں موسموں کی کڑواہٹوں میں سیاہ آندھیوں کی طوفانی یورش، کالی راتوں کے ایوانوں اور روحوں کے گہرے سناٹوں میں بھڑکتے آتش فشاں کی حدت اور سوختہ تنہائیوں کا تعاقب کرتے عظمتوں اور رفعتوں کے منشور کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ ان کی تکبیروں کے جواب میں پورے لشکر نے انہی کی طرح پوری طاقت اور قوت سے تکبیریں بلند کیں اور ان تکبیروں سے یوں لگا جیسے زمین لرز گئی ہو اور انا طولیہ کے میدانوں کے اندر ایک زلزلہ برپا ہو گیا ہو۔ اس کے بعد سیف الدین اور زین الدین بشارہ، طیارلوس کے لشکر پر قلب کو مضطرب و بے قرار کرتی، خون اُگلتی ساعتوں اور روحوں کی آسودگی پر شب فون مارتی سرگرداں مرگ کی گونجوں، دل و جان کے بہتے سیل کو بے شعور کرتے ہنگاموں، ہڈیوں کی تیز اڑان کو بے نام و نشان کرتے وارفتہ سیل محشر، آتش کے ہولناک فشار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے زندگی لہو لہو ہونے لگی تھی۔ دشت و کوہ کا چہرہ طون آلود اور بدوں کا نکھار رنگ خزاں رسیدہ ہونے لگا تھا۔ زوال کا شکار کرتی آندھیاں

میں درست اور استوار کرنے لگے تھے۔ اس باریف الدین نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی۔ ایسا اُس نے ہرقلیہ کے حکمران دوگا کے لشکر کا اندازہ لگاتے ہوئے کیا تھا۔ لشکر کو اس نے تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے نائب کی حیثیت سے زین الدین بشارہ کو اپنے ساتھ ہی رکھا۔ اسی طرف دوگا جب اپنے لشکر کی صفیں درست کر چکا، تب اس نے اپنے کام کی ابتدا کی۔ پہلے لشکر کو اس نے آگے بڑھایا، پھر وہ سیف الدین اور زین الدین بشارہ کے لشکر پر راج میں ٹکھن، بدن میں خوف، جذبوں میں درد، دلوں میں اضطراب، رگوں میں جان گھلا اپنے والا سوز، نبض میں بد سکونی، سینوں میں اذیتیں بھر دینے والی شعلے برساتی موت اور صحراؤں کی اندھی وحشت کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اپنے کام کی ابتدا کرنے سے پہلے سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ نے اپنے لشکریوں کے ساتھ موت کا طوفان کھڑا کر دینے والی سمندر کی بے تاج موجوں، زمین کی لایت کو انجم و ثریا کی روح، صحراؤں کی بے کرائیوں، ہواؤں کی لامکانیوں کو ستاروں کی ہمک عطا کر دینے والی زندگی کی حسین ترین صداؤں کی طرح تکبیریں بلند کی تھیں۔ اس کے بعد وہ دوگا کے لشکر پر دکھ کے بے کراں صحراؤں میں راستوں کو پامال کرتے طوفانوں کے زہریلے لمحوں، بدن کی تہہ میں اتر جانے والے آگ و خون کے سیلاب، ہر شے کی خود اعتمادی کو پامال کرتی غموں کی اندھی شدت، زندگی کی گردشوں میں تعمیروں کا دکھ، درد کے آزار، قحط کے عذاب بھر دینے والی تباہی کھڑی کرتی تاریکیوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ یوں ہرقلیہ شہر کے نواح میں میدان جنگ کے اندر زرد پتوں کی کہانیاں حیات کی کراہوں کو آسیب زدہ کرنے لگی تھیں۔ تقدیر کے بدلتے تندہارے فنا کے جنوں کھڑے کرنے لگے تھے اور بھڑکتی انتقام کی آگ، نارسائی کی تلملاہٹیں پھیلائے لگی تھیں۔

رزم گاہ میں روز و شب کی بے حسی کے زخم، آنکھوں میں ڈوبی داستانیں، دکھ کے آسیب، حلقہ در حلقہ قضا کے بے عکس مناظر، بھری صداؤں کے اندر نفرت بھری کشمکش ناچ اٹھی تھی۔

ہرقلیہ کا حکمران زیادہ دیر تک سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ کے حملوں کو برداشت نہ کر سکا۔ شکست قبول کی اور چاہتا تھا کہ بھاگ کر ہرقلیہ میں محصور ہو جائے لیکن اُن وقت گھات سے مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام اپنے لشکر کے ساتھ نمودار

زندگی کا رس چوس کر زیست کو ختم کرنے لگی تھیں۔ رزم گاہ کے اندر غموں کی دھوپ، ردحوں کی پیاس، جسم و جان کو چاٹ جانے والی شعلے برساتی موت، صحراؤں کی اندھی وحشتیں اور خون آشام سراب ناچ اٹھے تھے۔

کچھ دیر تک ہولناک ٹکراؤ ہوا اور اس ٹکراؤ کے بعد طیاروں نے محسوس کیا جیسے اسے اور اس کے لشکر کو کسی نے اٹھا کر صدیوں کے غلیظ تمدن، بربادی کی صلیبوں، ظلمتوں سے دست و گریباں دکھ کے بے کراں صحرا اور راستوں کی پامالی کرتے آوارہ مزاج جھکڑوں میں لاکھڑا کیا ہو۔ کچھ دیر تک اس نے مزید مقابلہ کیا۔ اس دوران اس کے لشکر کی تعداد آدھے سے بھی بہت کم رہ گئی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اس نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ سیف الدین نے جو پہلے سے دستے مقرر کئے ہوئے تھے، وہ طیاروں کے پڑا کی ہر چیز پر قبضہ کرنے لگے تھے۔ جبکہ سیف الدین اور زین الدین بشارہ نے طیاروں اور اس کے لشکر کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ یہ بڑا ہولناک تعاقب تھا۔ اس تعاقب کے دوران نہ صرف یہ کہ طیاروں کا خاتمہ کر دیا گیا بلکہ اس کے لشکر کی اکثریت بھی موت کے گھاٹ اُ گئی۔ اور جو باقی بچے، وہ اپنی حفاظت اور اپنے تحفظ کی خاطر مختلف سمتوں کو بھاگ گئے تھے طیاروں کا خاتمہ کرنے اور اس کے لشکر کو بدترین شکست دینے کے بعد سیف الدین ابوبکر نے دو دن تک اپنے لشکر کو سستانہ کا موقع فراہم کیا۔ اس کے بعد اس نے پھر پیر جیسی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ ہرقلیہ کا رخ کیا تھا۔ ہرقلیہ کے حکمران دوگا کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر اس پر ضرب لگانے کے لئے آ رہا ہے، لہذا وہ ہرقلیہ۔ لگ بھگ پانچ میل باہر نکل کر اپنے لشکر کو استوار کر کے اور اس کی صفیں درست کر کے سیف الدین ابوبکر کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔

چنانچہ جونہی سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ اپنے لشکر کو لے کر وہاں پہنچے انہوں نے دیکھا وہاں پہلے سے دوگا اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکا تھا اور سیف الدین اور زین الدین بشارہ کے لشکر کی آمد کے ساتھ ہی اس نے اپنے لشکر کے اندر طبل بجوانے شروع کر دیے تھے اور صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ جنگ کی ابتداء کرنا چاہتا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ بھی اپنے لشکر

”کیا تو نیہ سے ٹو ہمارے لئے کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہے؟“
اس پر آنے والا قاصد بولا اور کہنے لگا۔

”امیر سیف الدین ابوبکر! سلطان کی طرف سے میں آپ کے نام دو پیغام لے کر آیا ہوں۔ ابھی تک آپ کی ان دونوں فتوحات کی خبریں تو نیہ نہیں پہنچیں۔ بہر حال سلطان کو یقین ہے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ اس بنا پر آپ کے نام سلطان کا پہلا پیغام ہے کہ جب ملطیہ اور ہرقلیہ کے علاقے فتح ہو جائیں تب یہ علاقے حسام الدین یوسف کی ملحداری میں خیال کئے جائیں۔ اس لئے کہ سلطان نے پہلے ہی حسام الدین یوسف کو ملحد کا حاکم مقرر کر رکھا ہے۔ اور سلطان کا یہ بھی پیغام ہے کہ حسام الدین یوسف کی جگہ جو ملحد کا عامل کام کر رہا ہے، یہ سارے علاقے اسی کے تحت اور اسی کے زیر انتظام رہیں گے۔“
یہاں تک کہنے کے بعد قاصد رکا، دم لیا، پھر کہنے لگا۔

”آپ کے نام سلطان عز الدین کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ جب آپ ان علاقوں کو فتح کر کے لوٹیں تو واپسی پر ان کے بھائی علاؤ الدین سے ملیں جو اس وقت قلعہ منشار میں ہری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس سے اس کا احوال پوچھیں اور اسے کسی چیز کی ضرورت ہو اسے مہیا کی جائے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی پوچھا جائے کہ قلعہ منشار کے اندر اسے کوئی لہلہ تو نہیں ہے؟ اگر ہو تو اسے ہر صورت میں رفع کیا جائے۔“
یہاں تک کہنے کے بعد قاصد رکا اور کہنے لگا۔

”امیر سیف الدین ابوبکر! صرف یہی دو پیغام ہیں جو میں سلطان کی طرف سے آپ کو نام لے کر آیا ہوں۔“

اس پر سیف الدین نے ایک چھوٹے سالار کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”قاصد کو اپنے ساتھ لے جاؤ، اس کے کھانے پینے اور رہائش کا اہتمام کرو۔ کل لشکر اس سے کوچ کرے گا اور یہ ہمارے ساتھ ہی تو نیہ کا رخ کرے گا۔“
اس کے ساتھ ہی وہ چھوٹا سالار تو نیہ سے آنے والے قاصد کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔



ایک روز عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد عسکار اور باز نیک دونوں باپ بیٹا جب اپنی

ہوئے۔ دو گاکے لشکر کی پشت کی طرف آئے اور پھر دو گاکے لشکر کی پشت پر وہ ہجر کی تلخیاں بڑھاتی سپنوں کی گہری آگ، دل و جان کے بہتے سیل اور جذبوں کی تیز آواز ان تک کو منتشر کر دینے والے عذابوں، لمحوں کو لخت لخت، سموں کو کرچی کرچی کرتے موت کے سایوں کی کڑے لمحات اور ٹھوکروں بھرے مقدر اور اپنی قبائلی موت کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔
اس طرح دو گاکے لشکر چکی کے دو پاٹوں میں پسے لگا تھا۔ سامنے کی طرف سے سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ بڑی تیزی سے اس کے لشکر کی تعداد کم کر رہے تھے۔
پشت کی جانب سے مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام نے تیز حملے کرتے ہوئے ان کی صفیں کاٹنا شروع کر دی تھیں۔ کئی مواقع پر دو گانے دائیں بائیں سے نکل کر بھاگنا چاہا لیکن اب سیف الدین اور مبارز الدین چاولی کے لشکر کی پوری طرح اس کے گرد حصار کر چکے تھے۔

پھر ایسا موقع بھی آیا کہ دو گاکے لشکر کا قتل عام کر دیا گیا۔ اس قتل عام میں دو گاکے خود بھی مارا گیا، اس کے لشکر کا بھی خاتمہ کر دیا گیا۔ اور اس طرح بڑے احسن طریقے سے ملطیہ کے علاقوں کے علاوہ ہرقلیہ اور اس کے گرد و نواح کے سارے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

اس شاندار فتح اور کامیابی کے بعد سیف الدین نے دونوں لشکروں کو متحد کر دیا اور پھر یہ متحدہ لشکر مزید جنوب کی طرف بڑھا اور ہرقلیہ شہر کے نواح میں پڑاؤ کر لیا تھا۔ دراصل وہاں پڑاؤ کر کے سیف الدین ابوبکر اپنے لشکریوں کو سستانے اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔

ہرقلیہ کے نواح میں قیام کئے سیف الدین ابوبکر کو جب تیسرا دن آیا، تب سلطان عز الدین کی طرف سے ایک قاصد سیف الدین ابوبکر کے پڑاؤ میں داخل ہوا، سیدھا اس طرف گیا جہاں سیف الدین، مبارز الدین چاولی، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام اپنے کچھ دیگر سالاروں کے ساتھ بیٹھے اس مہم کی کامیابی سے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ آنے والا وہ خبر اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ان کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ سب نے اٹھ کر پرجوش انداز میں اس سے مصافحہ کیا۔ شاید سیف الدین ابوبکر اسے پہچان چکا تھا، اسی بنا پر اس کا ہاتھ پکڑ کر سیف الدین نے اپنے قریب بٹھالیا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سے روکنے کے لئے سیف الدین ابوبکر نے پہلے سے منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اس نے مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام کو گھات میں بٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ جب دو گانے دیکھا کہ شکست اس کا مقدر بن رہی ہے تو اس نے بھاگنا چاہا تو پشت کی جانب سے مبارز الدین اور نجم الدین بہرام اپنے لشکر کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو گئے۔ اس طرح دو گانہ شہر کی طرف بھاگ نہ سکا بلکہ دو طرفہ حملوں کا شکار ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ طیاروں کی طرح دو گانہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے سارے علاقے اب سلطان عز الدین کی کاؤس کی ملکیت ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عسکاردم لینے کے لئے رکا، دوبارہ وہ اپنی بیٹی بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”بیٹی! یہ تو پہلی خبر ہے۔“

اس پر بریزہ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔
”بابا! سیف الدین اگر کوئی کامیاب مہم سر کرتے ہیں تو میں سمجھتی ہوں، ہمارے لئے اس سے بڑھ کر کوئی خوشی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب آپ دوسری خبر کہیں۔“
بریزہ کے ان الفاظ پر عسکار کے چہرے پر تبسم نمودار ہوا، ہونٹوں پر اس نے زبان پھیری، پھر بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹی! ہمارے ساتھ دائیں جانب جو حویلی ہے، یہ ایک تاجر کی ہے اور اس کا کپڑے کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ سلطان نے اس کو اپنے پاس بلایا تھا اور اس سے التجا کی تھی کہ وہ حویلی بیچ دے۔ اس شخص کی اور بھی بہت سی حویلیاں ہیں۔ لہذا جب سلطان نے اسے کہا کہ وہ حویلی بیچ دے اس لئے کہ وہ حویلی سلطان اپنے لئے نہیں بلکہ سیف الدین ابوبکر کے لئے خریدنا چاہتا تھا اور اس کے لئے سلطان نے اپنے پاس سے ادائیگی کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا تھا لیکن جب اس تاجر سے سلطان عز الدین نے پوری تفصیل کہی کہ اس کی حویلی سیف الدین ابوبکر کے لئے خریدی جا رہی ہے جس کے پاس اپنے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں، اب کہتے ہیں اس تاجر نے حویلی کی قیمت لینے سے انکار کر دیا اور وہ حویلی بغیر قیمت کے سیف الدین ابوبکر کے نام کر دی گئی ہے۔ میرے خیال میں دو ایک روز تک یہ حویلی خالی ہو جائے گی۔ پھر سلطان کی طرف سے کچھ آدمی مقرر کئے جائیں گے جو حویلی کی صفائی

حویلی کے دیوان خانے میں داخل ہوئے تو وہاں پہلے سے سیمس اور بریزہ دونوں ماں بیٹی عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد بیٹھی ہوئی آپس میں گفتگو کر رہی تھیں۔ عسکار اور باز نیک دونوں باپ بیٹا بڑے خوش دکھائی دے رہے تھے۔ سیمس اور بریزہ دونوں ماں بیٹی نے کچھ دیر تک گہری نگاہوں سے ان دونوں کا جائزہ لیا، پھر بریزہ بولی اور اپنے باپ عسکار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! آپ کا چہرہ اور بھائی کی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آج کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے یا آپ کوئی ایسی خبر سن کر آئے ہیں جو بڑی اہمیت بلکہ خوشی کی حامل ہے۔“
بریزہ جب خاموش ہوئی تب توصیفی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے عسکار کہنے لگا۔ ”بیٹی! تیرا اندازہ سو فیصد درست ہے۔ آج ہمیں ایک بہت اچھی خبر ملی ہے۔ بلکہ تم یوں کہہ سکتی ہو کہ دو اچھی خبریں ملی ہیں جنہوں نے ہمارا سراونجا کر دیا ہے۔“
اس پر بریزہ اپنے باپ عسکار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! اگر ایسی کوئی خبریں ہیں جن میں ہماری بہتری، ہماری بھلائی پنہاں ہے تو کہیں۔ تاکہ ہم بھی ان سے لطف اندوز ہوں۔“
جواب میں ذرا کھنکرتے ہوئے عسکار نے گلا صاف کیا، پھر کہنے لگا۔

”بیٹی! پہلی خبر یہ ہے کہ سیف الدین اپنی مہم میں کامیاب رہا ہے۔ پہلے وہ ملطیہ کے حکمران طیاروں کی طرف بڑھا تھا جبکہ جو شاہراہ ملطیہ سے ہرقلیہ کی طرف جاتی ہے، اس شاہراہ پر کسی مناسب جگہ اس نے مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام کو ان کے لشکر کے ساتھ گھات میں بٹھا دیا تھا۔ خود وہ طیاروں سے ٹکرایا۔ طیاروں کو اس نے بدترین شکست دی اور جو خبریں آج یہاں شہر میں پہنچی ہیں، ان کے مطابق سیف الدین ابوبکر کے ہاتھوں طیاروں کو مارا گیا۔ اس طرح ملطیہ کا وہ علاقہ جو طیاروں کے قبضے میں تھا، اس پر بھی اب سلطان کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔

ملطیہ کے حاکم طیاروں کا خاتمہ کرنے کے بعد سیف الدین ابوبکر، ہرقلیہ کے حکمران دو گانہ کی طرف بڑھا تھا۔ دو گانے ہرقلیہ سے پانچ سات میل دور سیف الدین سے ٹکرانے کا عزم کیا۔ چنانچہ دونوں میں جب ٹکراؤ ہوا تو دو گانہ کو بھی سیف الدین نے بدترین شکست دی۔ دو گانے اس موقع پر چاہا کہ بھاگ کر ہرقلیہ میں محصور ہو جائے لیکن اسے اس حرکت

”بریزہ کو میں نے جان بوجھ کر کپڑے تیار کرنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ دراصل میں تم اہلوں ماں بیٹے سے انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ بریزہ میری بیٹی ہے۔ اس کی حرکات و سکنات اور سیف الدین ابوبکر کے ساتھ اس کی گفتگو سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس کا جھکاؤ سیف الدین ابوبکر کی طرف ہے اور اس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ تم دونوں ماں بیٹے سے مشورہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم بھی سوچ بچار کرو۔ مل کر یہ طے کریں کہ اگر بریزہ سیف الدین کو پسند کرتی ہے تو سیف الدین تک یہ پیغام کس طرح پہنچایا جائے۔“

اس پر عسکر کی بیوی سیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔
”یہ کام میں خود سرانجام دے لوں گی۔ ویسے آپ کا اندازہ غلط نہیں بلکہ درست ہے۔ میں نے خود اندازہ لگایا ہے کہ بریزہ، سیف الدین ابوبکر کی طرف مائل ہے۔ سیف الدین ابوبکر اگر اسے زندگی کے ساتھی کی حیثیت سے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے تو میں سمجھتی ہوں ہمارے سب سے بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ آپ دونوں باپ بیٹا بیٹھیں۔ میں اس موضوع پر بریزہ سے گفتگو کرتی ہوں اور پتہ چل جائے گا کہ وہ امیر سیف الدین کو پسند کرتی ہے کہ نہیں۔“

ابھی بریزہ نے اپنے باپ کے لئے ایک صاف ستھرا نیا لباس نکال کر ایک مسہری پر لٹائی تھا کہ اسی وقت کمرے میں سیس داخل ہوئی۔ کمرے میں جو شستیں لگی ہوئی تھیں، سیس ان پر بیٹھ گئی پھر بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بریزہ! تم اپنے باپ کا لباس نکال چکی ہو۔ اب تھوڑی دیر کے لئے میرے پاس آ بیٹھو۔ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

بریزہ چپ چاپ اپنی ماں کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز سیس نے لا اور بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی! جو کچھ میں پوچھنے لگی ہوں، اس کا جواب سچائی پر رہتے ہوئے دینا۔ نہ مجھ سے رونا، نہ میرے سامنے جھوٹ بولنا۔ اس لئے کہ میں اسے ایک عیب خیال کرتی ہوں۔ تم میری بات بڑے غور سے سننا، پھر جو تمہارے دل کی بات ہو، کہہ دینا۔ کوئی تمہارے لئے مصیبت کا باعث نہیں بن سکتا۔ اچھا، میں زیادہ تمہید نہیں باندھوں گی۔ اس گفتگو کی

ستھرائی اور آرائش کا کام سرانجام دیں گے۔ اور میرے خیال میں یہ سب کچھ بہت جلد ہو جائے گا۔ بیٹی! اب کہو یہ خبر کیسی ہے؟“

بریزہ جواب میں بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”بابا! یہ خبر تو پہلی خبر سے بھی بہت اچھی ہے۔ اس طرح امیر سیف الدین ہمارے قریب آ جائیں گے اور ہمارے ہمسایہ ہو جائیں گے۔“

بریزہ کی اس گفتگو کا جواب عسکر دینا ہی چاہتا تھا کہ حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس پر باز نیک اٹھا اور کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں دستک دینے والا کون ہے۔“

پھر وہ اٹھ کر دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوٹا۔ جب وہ دیوان خانے میں داخل ہوا اسی نشست پر بیٹھ گیا جہاں سے اٹھ کر گیا تھا، تب اسے مخاطب کرتے ہوئے عسکر نے پوچھ لیا۔

”بیٹے! کون تھا؟“

اس پر باز نیک کہنے لگا۔

”قصر کا ایک نمائندہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ آپ کو سلطان نے طلب کیا ہے۔“

عسکر یہ الفاظ سن کر پریشان ہو گیا تھا، اندیشوں میں ڈوب کے رہ گیا تھا۔ پھر بیٹی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری بیٹی! تو میرے لئے کوئی اچھا سا لباس نکال جو میں پہن کر سلطان کے پاس جاؤں۔ میرے خیال میں ہم سے کوئی ایسی غلطی سرزد تو نہیں ہوئی جس کی ہمیں سزا ملے۔ بہر حال میرا دل کہتا ہے کہ مجھے بلانے کے لئے کوئی اور معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔“

یہ کہنے کے بعد عسکر کا، پھر بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بریزہ! میری بیٹی! تو اٹھ، میرے لئے کوئی اچھا سا لباس نکال جسے پہن کر میں

سلطان کے پاس جاؤں گا۔“

اس پر بریزہ اٹھی اور دیوان خانے سے نکل گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد صرف لمحہ بھر کے لئے خاموشی رہی، پھر عسکر بولا اور اپنی بیوی سیس اور بیٹے باز نیک کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

طرف آتی ہوں۔ میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں، یہ بتاؤ کیا تم سیف الدین ابوبکر کو پسند کرتی ہو؟ اور اس کی زندگی کی ساتھی بننے کی خواہش مند ہو؟“

سمس کے اس سوال پر بریزہ کی گردن جھک گئی تھی۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے سمس اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”بیٹی! گردن جھکا دینا میرے سوال کا جواب نہیں۔ میں تمہارے منہ سے کچھ سننا پسند کروں گی۔ دیکھو ابھی موقع ہے۔ خاموشی طاری کئے رہو گی، چپ سادھ لو گی تو تمہارا مستقبل بھی خراب ہو سکتا ہے لہذا جو میں نے سوال کیا ہے، اس کا جواب دو۔“

رد عمل کے طور پر بریزہ نے اپنی گردن سیدھی کی، ایک گہری نگاہ اس نے اپنی ماں سمس پر ڈالی، پھر کہنے لگی۔

”اماں! جو اندازہ آپ نے لگایا ہے، وہ درست ہے۔ میں واقعی امیر سیف الدین ابوبکر کو پسند کرتی ہوں۔ میں نے آپ سے کوئی چیز چھپائی نہیں۔ جو کچھ میرے دل میں ہے، وہ میں نے آپ سے بیان کر دیا ہے۔“

اس پر سمس نے بریزہ کو گلے لگا کر پیار کیا، پھر بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میری بیٹی! تُو تھوڑی دیر کے لئے یہیں رک۔ میں اس موضوع پر تیرے باپ اور بھائی سے گفتگو کرتی ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی سمس اس کمرے سے نکلی، دیوان خانے میں آئی۔ اس موقع پر عسار اور باز نیک دونوں باپ بیٹا بڑے غور اور انہماک سے سمس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ سمس نے گفتگو کا آغاز کیا اور اپنے شوہر عسار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں نے بریزہ کے ساتھ تفصیل سے گفتگو کی ہے، جر کالب لباب یہ ہے کہ بریزہ، سیف الدین ابوبکر کو پسند کرتی ہے اور اسے ہی اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔“

سمس سے یہ الفاظ سن کر عسار کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، پھر کہنے لگا۔

”سمس! سیف الدین ابوبکر پتھروں کے اندر تابیاب اور انتہا درجہ کا قیمتی جوہر اور گوہ ہے جس کا مول لگانا بھی مشکل ہے۔ سنو سمس! جو لڑکی بھی سیف الدین ابوبکر کی زندگی کا ساتھی بنے گی، میں سمجھتا ہوں وہ خوش قسمت لڑکی ہوگی۔ اس لئے کہ ایسے جوہر اور ایسے

گوہر روز روز نہیں ملتے۔ میرے خیال میں اب میں سلطان کے پاس جاتا ہوں۔ سیف الدین ابوبکر اس وقت اپنی مہم پر گیا ہوا ہے، لہذا اب وہ اس مہم سے لوٹ کر آئے گا تو بریزہ کے سلسلے میں تفصیل کے ساتھ اس سے گفتگو کروں گا۔ اور مجھے امید ہے کہ سیف الدین ابوبکر، بریزہ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔“

عسار کی اس گفتگو سے سمس اور باز نیک دونوں ماں بیٹا خوش ہو گئے تھے۔ عسار دوسرے کمرے کی طرف گیا، بریزہ سے اپنا نیا لباس لے کر پہنا، پھر وہ سلطان سے ملاقات کرنے کے لئے حویلی سے نکل گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ لوٹ کر اپنی حویلی میں آیا۔ دیوان خانے میں آ کر جب بیٹھا، تب بریزہ، سمس اور باز نیک اس کے سامنے ہو بیٹھے تھے۔ پھر گفتگو کا آغاز بریزہ نے کیا اور عسار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بابا! سلطان نے آپ کو بلایا تھا۔ خیریت تو تھی؟ کیا وجہ تھی، کیا کوئی.....“

بریزہ نے اپنی بات مکمل نہ کر سکی، عسار بول اٹھا اور کہنے لگا۔

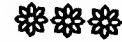
”بیٹی! پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں تمہارے چہرے پر السردگی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ سلطان نے مجھے اپنے پاس بلا کر وہ عزت دی جس کی میں امید تک نہیں رکھتا تھا۔ سلطان نے کھڑے ہو کر مجھ سے مصافحہ کیا، مجھے اپنے قریب بٹھایا اور سب سے پہلی پیشکش سلطان نے مجھے یہ کی کہ میں اپنی حویلی میں بیکار ہارہتا ہوں، سلطان نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم کبھی بارگن کے لشکر کے سالار اعلیٰ ہوا کرتے تھے اس بنا پر سلطان نے مجھ سے کہا ہے، گھر بیٹھ کر منجند زندگی بسر کرنے کے ہائے میں چاہتا ہوں کہ جب ہمیں کوئی مہم پیش آئے تو تم اس مہم میں شامل ہوا کرو۔ بے لک عملی طور پر جنگ میں حصہ نہ لو، پڑاؤ میں رہو یا لشکر کے اندر رہ کر لشکریوں کی حوصلہ لوائی کرتے رہو۔ سلطان کا کہنا تھا کہ اس طرح میں ایک طرح سے مصروف بھی ہو جاؤں اور میری زندگی کے دن بھی اچھے گزریں گے۔ میں نے سلطان سے ایسا کرنے کا وعدہ بھی لیا ہے۔“

عسار جب خاموش ہوا تب سمس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”آپ نے اچھا کیا۔ اس طرح وقت اچھا گزر جائے گا۔ اور کبھی کبھی میں، بریزہ اور باز نیک بھی آپ کے ساتھ لشکر میں شامل ہو جایا کریں گے۔ اس لئے کہ میں نے اکثر مواقع پر دیکھا ہے کہ سلطان اگر کسی مہم کے لئے کوچ کرتے ہیں تو سالاروں اور لشکریوں کے اہل خانہ بھی ان کے ساتھ پڑاؤ میں شامل ہوتے ہیں۔“

کسار کے اس انکشاف پر بریزہ اور باز نیک بھی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی۔ لہذا کسار اور باز نیک دونوں اٹھ کر مسجد کی طرف چلے گئے تھے۔



ہر قلیہ سے کوچ کرنے کے بعد سیف الدین، زین الدین بشارہ، مبارز الدین اور نجم الدین بہرام نے اپنے لشکر کو ملطیہ شہر کے نواح میں منشار نام کے قلعے کے نواح میں آن روکا تھا اور وہاں پڑاؤ کر لیا تھا۔

پڑاؤ قائم ہونے کے بعد سیف الدین کے کہنے پر زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام تو لشکر میں ہی رہے جبکہ سیف الدین نے مبارز الدین چاولی کو اپنے ساتھ لیا اور منشار نام کے قلعے کے صدر دروازے کے پاس آیا۔ دروازے کے محافظ سیف الدین اور مبارز الدین چاولی کو ان کے چہروں سے تو نہیں پہچانتے تھے لیکن پڑاؤ کرنے کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر نے قلعے والوں کو اپنی آمد اور پھر علاؤ الدین سے سلطان کے حکم پر ملاقات کرنے کا پیغام بھیجوا دیا تھا۔

اس بنا پر جب وہ صدر دروازے کے قریب پہنچے، تب دروازے کے محافظوں کو مخاطب کرتے ہوئے سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔ ”میں سیف الدین ابوبکر ہوں۔ یہ میرے ساتھ مبارز الدین چاولی ہیں اور ہم دونوں.....“

سیف الدین ابوبکر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ دروازے کے محافظوں کا سرخیل بولا۔ ”آپ کو اس سے آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس کے ساتھ ہی دروازے کے سارے محافظ آگے بڑھے، بڑے پُر جوش انداز میں انہوں نے سیف الدین اور مبارز الدین سے مصافحہ کیا، پھر ان میں سے دو سیف الدین اور مبارز الدین کو قلعے کے اندر لے گئے تھے۔ قلعے کے ایک دروازے کے قریب وہ دونوں اٹھا رک گئے۔ پھر ان میں سے ایک سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

الکلیف نہیں۔ سب مجھے عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔“

علاء الدین جب خاموش ہوا، تب سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”آپ کو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیے، وہ چیز آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ آپ

ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔“

علاء الدین نے بڑے خوش کن انداز میں سیف الدین کی پیٹھ پھینچائی اور کہنے لگا۔

”تم لوگوں نے مجھ سے میری احوال پرسی کی، مجھ سے خوش اخلاقی سے گفتگو کی، یوں

امیری ہر ضرورت پوری ہو گئی۔ ویسے بھی مجھے ضرورت کی ہر چیز مہیا کی جاتی ہے اور میرا

ہر خیال رکھا جاتا ہے۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔ بہر حال مجھے اس بات کی بے

ملوثی ہے کہ تم دونوں نے ہر قلیہ اور ملطیہ کے دیگر علاقوں کو بھی فتح کر لیا ہے۔ اس لئے

ملطیہ تاریخ کے اوراق میں بڑی اہم حیثیت کا حامل رہا ہے اور اس پر قبضہ ہماری

ملکت کے لئے بڑی اہمیت اختیار کر سکتا ہے۔“

(دراصل ملطیہ قبل از مسیح سے ہی بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ملطیہ کے لوگوں کی تاریخی

اہمیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ آزادی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے آباء و اجداد

رب کی طرف کے ایک جزیرے کریٹ سے نقل وطن کر کے جہازوں کے ذریعے سفر

رتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ ملطیہ کے لوگ فخریہ کہتے تھے، ہم ماضی کی یادوں میں

لوئے ہوئے رہنا پسند نہیں کرتے۔ ہماری نظریں تو مستقبل پر ہیں اور یہ مستقبل ان

رہنماؤں سے بنے گا جو ہم انجام دیں گے۔

ملطیہ کے لوگ بھی آرا می زبان بولنے والے قبائلیوں کی طرح بھیڑ کے بچے کی کھال

لٹختے تھے اور دوہرے پھل کی کلباڑیوں سے شہتیر پھاڑتے تھے۔ ان میں اس طرح کے

ار مشرق کے باشندوں سے آئے تھے۔ ان کے ہاں مصریوں کی دھوپ گھڑیاں بھی ہوتی

لیں۔ ان میں لوہے کی چھڑیاں لگی ہوتی تھیں جن کے سائے کی حرکت سے وقت معلوم کیا

اتھا۔ ان کا رخ شمال کی طرف ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق

ان نقشہ بھی بنا رکھا تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ملطیہ کے عالموں نے ایسے آلات بھی بنا

لیے تھے جن سے وہ سیاروں کی چال کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ انہیں وہ آسمان اور ستاروں

کا تلف سمجھتے تھے۔ یہ عالم اپنے کام میں بڑے ماہر تھے۔ انہی عالموں اور صاحب علم

”اس کمرے کے اندر علاؤ الدین کی رہائش ہے۔“

چنانچہ سیف الدین نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد

دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا خود علاؤ الدین تھا۔ اس نے سیف الدین اور مبارز الدین کو

اپنے اس کمرے کے دروازے پر کھڑے دیکھا، تب اس کی حیرت اور پریشانی کی کوئی انتہا

نہ تھی۔ کچھ دیر تک علاؤ الدین بڑے دکھ بھرے انداز میں سیف الدین اور مبارز الدین کی

طرف دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ سیف الدین، علاؤ الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کیا آپ ہم دونوں کو اندر آنے کے لئے نہیں کہیں گے؟ ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں

لیں گے۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر علاؤ الدین چونکا تھا، پیچھے ہٹا، دونوں کو اندر آنے کے

لئے کہا۔ جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے، تب سیف الدین نے غور سے علاؤ الدین کی

طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”میں ان علاقوں میں مبارز الدین، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام کے ساتھ

ایک اہم مہم پر آیا ہوا تھا اور میں آپ سے گزارش کروں کہ ملطیہ کا سارا علاقہ ہم نے فتح کر

لیا ہے۔ پہلے ملطیہ شہر اور تقریباً اس کا آدھا علاقہ ہمارے پاس تھا۔ اب ملطیہ کا پورا علاقہ

ہمارے پاس ہے۔ اس کے علاوہ ہر قلیہ پر بھی ہم قبضہ کر چکے ہیں۔ وہ علاقے بھی اب

ہمارا ملک میں شامل ہیں۔ اس مہم کے دوران سلطان عز الدین کا پیغام میرے نام آیا کہ

اور پیغام یہ تھا کہ میں اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد آپ سے ملاقات کروں، آپ کو

احوال پرسی کروں۔ اور مجھے یہ بھی کہا گیا کہ آپ سے یہ بھی پوچھوں کہ آپ کو یہاں قیام

دوران کسی سے کوئی شکایت اور تکلیف تو نہیں؟“

یہ الفاظ سن کر علاؤ الدین نے سکھ کا ایک لمبا سانس لیا، چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا

پھر کہنے لگا۔

”تم دونوں کی آمد کو میں غلط سمجھا تھا۔ جس وقت میں نے تم دونوں کو اس کمرے

دروازے پر دیکھا تو میرے دل میں یہ آواز اٹھی تھی کہ شاید تم دونوں مجھے کہیں لے جاؤ

میرا خاتمہ کرنے کے لئے آئے ہو۔ لیکن تم سے حقیقت حال سن کر مجھے بے حد خوشی ہو

ہے۔ اس بات کی بھی خوشی ہے کہ میرے بڑے بھائی نے میری احوال پرسی کی۔ مجھے یہاں

مناسب نہیں سمجھا اور یہ تدبیر کی کہ ذلفی کے مندر میں جو اپالونام کا کاہن رہتا تھا اسے بہت ساسامان اور مال و زردے کر یہ کام اس کے سپرد کیا کہ غائب کا حکم اس طرح لگایا جائے کہ لیسپ کا خاتمہ کر دیا جائے۔

اور یہ غائب کا حکم اس طرح لگایا جاتا تھا کہ ایک عورت جس کا نام میتیا تھا، پہاڑ کے ایک سوراخ میں بیٹھی ہوتی۔ اس سوراخ میں سے بھاپ نکل رہی ہوتی اور اس حالت میں یہ عورت الفاظ ادا کرتی تھی، انہیں غائب کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ہوتا یوں تھا کہ چند مذہبی عالم بہت سے الفاظ لکھ کر اس عورت کو دے دیتے تھے اور حفظ کرا دیتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر لیسپ کے بارے میں ذلفی مندر والوں سے پوچھا گیا، اس کی پاداش کیا ہے اور کاہن نے کہا کہ لیسپ واجب القتل ہے البتہ اس کا خون بہا اس کے وارثوں کو دیا جائے تاکہ ان کی برائیاں کا سامان ہو سکے۔ غرض کہ کاہن کا یہ حکم سن کر لیسپ کا خاتمہ کر دیا گیا۔ بہر حال ملطیہ کا یہ علاقہ جس پر اب سلطان عزالدین کا پوری طرح قبضہ ہو چکا تھا، تاریخ کے اوراق میں ہزاروں سال قبل بھی بڑا اہم خیال کیا جاتا تھا)

سیف الدین اور مبارز الدین چاولی کچھ دیر تک منشار قلعہ میں علاؤ الدین کے پاس بیٹھ کر اس سے گفتگو کرتے رہے، اس کی احوال پرسی کرتے رہے۔ علاؤ الدین ان کا شکریہ ادا کرتا رہا۔ اس کے بعد سیف الدین نے علاؤ الدین سے اجازت لی، قلعہ سے نکلا، اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ قونیہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

سیف الدین، مبارز الدین، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام چاروں اپنے لشکر لے کر جب قونیہ میں داخل ہوئے تو سلطان عزالدین، سلطنت کے امراء اور عام لوگوں نے شاندار انداز میں اپنے لشکر کا استقبال کیا۔ سارے سالاروں سے سلطان گلے ملا۔ باقی راء نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد سلطان نے سب کو جا کر آرام کرنے کو کہا اور سیف الدین کو سلطان نے اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا۔

چنانچہ سیف الدین چپ چاپ سلطان کے ساتھ ہولیا۔ سلطان اسے لے کر قصر میں ایک کمرے میں بیٹھا، سیف الدین کو اس نے اپنے سامنے بٹھایا۔ قبل اس کے کہ لان گفتگو کا آغاز کرتا، اس کی طرف بڑی فکر مندی سے دیکھتے ہوئے سیف الدین ابوبکر ہنگامہ لگا۔

لوگوں میں تالش نام کا بھی ایک شخص تھا جو بنیادی طور پر نمک کا تاجر تھا لیکن صاحب علم بھی تھا۔ اس نے سچ سچ حساب لگا کر اس سورج گرہن کی پیشگوئی کی تھی جس نے بعد میں ان علاقوں میں رونما ہو کر ایک ہیجان برپا کر دیا تھا۔ اس وقت اہل ملطیہ کا یہ خیال تھا کہ زمین ایک الگ تھلک جسم ہے جس کے ارد گرد طرح طرح کی آگ جل رہی ہے جو کبھی نہ بجے گی۔ اس میں دیکھیں تو کبھی کبھی بیرونی کائنات دکھائی دے جاتی ہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اس بجکر اہل بیرونی کائنات میں اور اجسام بھی اپنے مداروں پر گردش کر رہے ہیں۔ یہ اجزاء نظر نہیں آتے اور ان میں خبر نہیں کتنے سال گزر جانے کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ زندگی کے بارے میں ملطیہ والوں کا خیال تھا کہ اس کا آغاز پانی سے ہوا اور یہ کم از کم کر ارض پر قرونوں سے کوئی ایسی شکل اختیار کر گئی ہے جو اس کی موجودہ شکل سے بھی ارفع ہوگی۔ ان علاقوں میں لیسپ نام کا ایک شخص بڑا مشہور اور معروف تھا۔ کہتے ہیں کہ بنیاداً طور پر یہ جزیرہ ساس میں جو بحیرہ الجزائر میں واقع ہے وہاں کا ایک غلام تھا جو اپنی دانائی اور قصہ گوئی میں بڑا مشہور تھا۔ اس نے ملطیہ کے علاقوں میں ہی قیام کیا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس کی نقل کی ہوئی حکایتیں جن میں جانور بولتے اور باتیں کرتے تھے، شاید اس کا طبع زاد نہ تھیں۔ کیونکہ پہلے سے سینہ بہ سینہ چلی آتی تھیں۔ اور ساتھ ہی مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ لیسپ کو قصے سنانے کے فن میں کمال تھا۔ لوگ بازاروں میں جمع ہو کر جہاں وہ قیہ سنانا تھا، بڑے شوق سے سنتے تھے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ اس لیسپ کی ایک حکایت سیاسی رنگ کی بھی ہے جس میں انہوں نے اپنے دور کے ایک حکمران پر طنز کیا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ ایک دن مینڈکوں۔ لکڑی کے ایک بے وقوف لٹھے کی حکومت سے تنگ آ کر ایک خوش اندام سارس کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس سارس نے حکومت شروع کی تو اپنی رعایا کو کھانا شروع کر دیا۔

یہ حکایت لیسپ نے اس لئے لکھی تھی کہ اس کے قریب ہی جزیرہ ساس کا حکمران بڑا جاہل تھا جو اپنی قوم پر بڑے ظلم اور جبر ڈھاتا تھا۔ اس نے بزرگان قوم کی قدیم مجلس شور کو توڑ کر مطلق العنان حکومت قائم کی تھی اور یہ حکایت لیسپ نے شاید اسی کے لئے لکھی تھی چنانچہ اس بادشاہ نے جب یہ حکایت سنی تو اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ لیسپ کو جان۔ مار دے گا۔ لیکن چونکہ لیسپ کی شخصیت قوم کے قصہ گو کی تھی اس لئے اسے خود قتل کر

”سلطان محترم! گلتا ہے مجھ سے کوئی غلطی اور خطا ہوگئی ہے جس کی بنا پر آپ نے مجھے اس طرح علیحدگی میں رازدارانہ گفتگو کرنے کے لئے بلایا ہے۔“

اس موقع پر سلطان عزالدین کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، پھر کہنے لگا۔

”سیف الدین ابوبکر! تمہاری حیثیت میرے چھوٹے بھائی کی سی ہے۔ تم سے خطا نہیں ہوئی۔ ہاں تم سے مجھے ایک شکوہ ضرور ہے اور اس کا میں آج اظہار کرنے لگا ہوں۔

دیکھو سیف الدین! حسام الدین کو میں نے ملطیہ، مبارز الدین کو بھی ایک علاقہ کا حاکم مقرر کر دیا ہے۔ میری یہ خواہش تھی کہ میں تمہیں بھی کسی علاقے کا حاکم اور عامل مقرر

کروں۔ تم نے خود تو وہاں قیام نہیں کرتا، اپنے کسی نائب کو وہاں کا نظم و نسق چلانے کے لئے مقرر کرتا ہے۔ لیکن اصل عامل تم ہی ہو گے۔ بالکل ایسے ہی جس طرح حسام الدین

یوسف، مبارز الدین ارتقش کو میں نے ان علاقوں کا حاکم مقرر کیا ہے۔ انہوں نے اپنی طرف سے وہاں عامل مقرر کر دیئے ہیں اور خود لشکر میں رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔“

سلطان جب خاموش ہوا، تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے سیف الدین کہنے لگا۔

”سلطان محترم! کیا آپ اس عمل سے تنگ ہیں کہ میں آپ کے ساتھ رہوں؟“

سلطان نے فوراً اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے سیف الدین کو اس موضوع پر گفتگو کرنے سے منع کر دیا، پھر کہنے لگا۔

”سیف الدین! تمہاری حیثیت میرے دل، میرے لشکر اور میری سلطنت میں کیا ہے، یہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں ہر برے وقت میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں اور

بدترین سے بدترین حالت میں، میں جانتا ہوں تم ہمارے دشمنوں کو مار بھگانے کی ہمت اور جواں مردی رکھتے ہو۔“

سیف الدین اس موقع پر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اگر یہ بات ہے تو پھر میں کسی علاقے کا حاکم مقرر ہونا پسند نہیں کروں گا۔ میں چاہوں گا جس قدر میری زندگی ہے، آپ کے ساتھ قونیہ شہر میں گزاروں۔ بس اس

کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ سلطان محترم! آپ جانتے ہیں کہ ماضی میں، میں نے سادہ سی زندگی بسر کی ہے۔ ایسے بھی مواقع آئے کہ جب ہم غلام کی حیثیت سے بارگن کے لئے

پتھر اکٹھے کرنے کا کام کرتے تھے۔ دو دو دن تک کھانا بھی نہیں ملتا تھا۔ سلطان محترم! میری نظر میں حاکم ہونا اتنا اہم نہیں ہے، نہ میں اس کی کوئی حیثیت سمجھتا ہوں۔ میرے لئے سب

سے اہم اور سکون اور خوشی کی بات یہی ہوگی کہ میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کے سالار کی حیثیت سے آپ کے اور سلطنت کے لئے خدمات انجام دیتا رہوں۔“

سیف الدین کے یہ الفاظ سن کر کچھ دیر تک سلطان عزالدین تو صغی انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”جو الفاظ تم نے ادا کئے ہیں، ان کے جواب میں میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں تمہارے ان الفاظ کا جواب دوں۔ بہر حال اگر تمہارے یہی ارادے ہیں تو میں تمہارے

ساتھ ہوں۔ تمہاری حیثیت میری سلطنت میں میرے بعد سب سے اہم ہوگی۔ دیکھو ایک اہم موضوع ختم ہوا۔ یعنی میں تمہیں کسی علاقے کا حاکم بنانا چاہتا تھا لیکن تم پسند نہیں کرتے،

قونیہ میں ہی رہنا چاہتے ہو۔ لہذا جو تمہاری خواہش ہے، اس پر عمل کیا جائے گا۔ دراصل میں تمہارے ساتھ عین موضوع پر گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ ایک موضوع پر گفتگو ہو چکی ہے،

دوسرے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

سیف الدین! اب تک تمہاری رہائش مستقر کے ایک کمرے میں رہی ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میرے لشکریوں کا سالار اعلیٰ وہاں قیام کرے لہذا تمہاری رہائش کے لئے

ایک حویلی کا اہتمام کیا ہے۔ یہ حویلی عساکر کی حویلی کے بالکل ساتھ دائیں جانب ہے۔ یہ ایک تاجر کی حویلی تھی۔ دراصل وہ تاجر تمہارا بڑا چاہنے والا اور فدائی نکلا۔ میں نے اسے

قیام بھیجا کہ میں تمہاری حویلی خریدنا چاہتا ہوں، تم کیا قیمت لینا پسند کرو گے؟ دراصل اس اجر کی قونیہ شہر میں اور بھی حویلیاں ہیں اور اس حویلی میں اس نے اپنے کاروبار میں کام

لرنے والے کچھ لوگوں کو رکھا ہوا تھا۔ اس پر وہ تاجر میرے پاس آیا، مجھ سے ملاقات کی رمجھ سے پوچھا کہ آپ وہ حویلی کیوں خریدنا چاہتے ہیں؟ اس کی کیا خاصیت ہے کہ آپ

ل میں رہتے ہوئے حویلی خریدنا چاہتے ہیں؟ اس پر میں نے اس پر انکشاف کیا کہ حویلی سیف الدین ابوبکر کے لئے خریدنا چاہتا ہوں۔ تب اس نے قسم کھائی کہ وہ اس حویلی کی

نئی قیمت وصول نہیں کرے گا اور یہ حویلی سیف الدین ابوبکر کے حوالے کرے گا۔ اس نے کہ سیف الدین ابوبکر وہ شخص ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔ لہذا وہ حویلی خالی کر دی گئی

اکشاف کروں، چند دن پہلے میں نے نکسار کو بلایا تھا۔ وہ جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا ہے، یوں ہی گھر میں بیکار پڑا رہتا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا، جب کبھی ہم درپیش ہو وہ لشکر میں شامل ہوا کرے۔ بے شک عملی طور پر جنگ میں حصہ نہ لے لیکن لشکریوں کے اندر رہ کر وہ لشکریوں کا حوصلہ بڑھا سکتا ہے۔ جنگ کے اچھے مشورے بھی دے سکتا ہے۔ اس نے میری اس پیشکش کو قبول کر لیا ہے۔ اس ملاقات کے دوران اس نے ایک بہت اچھا، فوٹوگراف اور خوب صورت اکشاف بھی کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اُس کی بیٹی بریزہ تمہیں پسند کرتی ہے۔ دیکھو سیف الدین! بریزہ کا تمہیں پسند کرنا ایک فطری عمل ہے۔ میرے پاس آنے سے پہلے بقول نکسار اپنی بیوی کے ذریعے اس نے بریزہ سے پوچھا تھا کہ کیا وہ واقعی سیف الدین کو پسند کرتی ہے؟ تب نکسار کا کہنا تھا کہ بریزہ نے اپنی زبان سے تسلیم کیا کہ وہ سیف الدین کو پسند کرتی ہے۔ اس بنا پر بریزہ کا باپ ہی نہیں، اس کی ماں اور بھائی بھی یہ چاہتے ہیں کہ بریزہ کی شادی تمہارے ساتھ ہو جائے۔ میرے بھائی! اب میں تم سے یہ جاننا پسند کروں گا کہ کیا تم بریزہ سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو اور اسے اپنی زندگی کی ساتھی بننے کی خواہش رکھتے ہو۔“

اس اکشاف پر سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر خوشگوار تبسم نمودار ہوا تھا۔ پھر سلطان زالدین کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

”سلطان محترم! بریزہ یقیناً انتہا درجہ کی خوبصورت اور اچھی لڑکی ہے۔ اس کی گفتگو بھی اچھی ہے، متنسار ہے۔ لیکن ان حالات میں اگر میری اور اس کی شادی کا اہتمام کیا جاتا ہے تو سلطان محترم! یہ ایک عارضی عمل ہوگا۔ آپ خود بتا چکے ہیں کہ وہ میرے ممنون ہیں۔ میں نے انہیں اٹالیہ سے نکال کر یہاں پہنچایا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بریزہ مجھے پسند نہ کرتی ہو یا دی کی خواہش مند نہ ہو، وہ صرف اس فعل کی وجہ سے میری طرف متوجہ ہوئی ہو کہ میں اسے اور اس کے اہل خانہ کو اٹالیہ سے نکالا۔ سلطان محترم! ایسے فعل کا اثر عارضی ہوتا ہے، اور کسی وقت بھی اس کا اثر رفع ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں اپنی نندیدگی کا اظہار کر رہا ہوں۔ بریزہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کرنا میں سمجھتا ہوں، ایک بڑا اہم ہے۔ ایسی لڑکی کسی قسمت والے کو ملتی ہے۔ میں چاہتا ہوں پہلے اس کے ساتھ میری ملاقات کا اہتمام کیا جائے۔ وہ میرے حراج کو سمجھے، میں اس کے دل اور اس کے ذہن و شعور

ہے۔ اب وہ حویلی تمہاری ہے۔ اور اس کی صفائی ستھرائی اور اس کی رہائش کا کام بھی مکمل کر دیا گیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان عز الدین جب خاموش ہوا تب کچھ دیر تک بڑی حیرت سے سیف الدین، سلطان کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! یہ آپ کا مجھ پر احسان اور یہ.....“

سیف الدین اپنی بات مکمل نہ کر سکا کیونکہ سلطان نے روک دیا اور بولا۔

”تم نے میری خاطر اتنے دشمنوں کو اپنے سامنے زیر کیا، اس کے مقابلہ میں یہ حویلی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی۔ اس بنا پر تمہیں نہ میرا ممنون ہونے کی ضرورت ہے اور نہ اس سلسلے میں شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ حویلی اب تمہاری ہے۔ تم جب اور جو وقت چاہو اس میں منتقل ہو جاؤ۔“

سیف الدین نے اس موقع پر لمبا سانس لیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں اس حویلی کو دیکھوں گا ضرور لیکن ابھی اس میں منتقل نہیں ہوں کسی مناسب موقع پر میں مستقر سے نکل کر ضرور اس حویلی میں منتقل ہونا پسند کروں گا۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر سلطان نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بارہ دوبارہ سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سیف الدین! میں نے تم سے کہا تھا کہ میں تم سے تین موضوعات پر گفتگو کرنا چاہوں۔ دو پر گفتگو ہو چکی، ایک موضوع تمہیں کہیں عامل مقرر کرنا تھا، دوسرا موضوع تمہارا حویلی کا۔ اب تیسرا موضوع ان دونوں موضوعات سے زیادہ اہم ہے۔ میرے بھائی! اور اس کے اہل خانہ پر تمہارے بڑے احسانات ہیں۔ جس وقت وہ اٹالیہ میں پھنسے تھے اور لوگوں نے ان کے متعلق شکایت کر دی تھی کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں، بریزہ پادریوں کی عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اُس نے بڑی جرأت مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تسلیم کیا کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ اس کے ایسا کرنے پر اس کے باپ پر بھی شک کیا گیا اور یقیناً اس سے اگلے روز ان کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ لیکن تم نے اہمیت اور جرأت مندی سے انہیں وہاں سے نکال کر یہاں پہنچایا جس کی بنا پر وہ تمہارے بڑے احسان مند اور ممنون ہیں۔ تمہیں اپنا محسن اور مربی خیال کرتے ہیں۔ میں تم پر آ

میں جمع کیا جائے۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد سارے سالار اور امراء وہاں جمع ہو گئے۔ جو خبر وہ خبر لے کر آیا تھا، سلطان نے سب سے کہہ دی تھی۔ ساتھ ہی سلطان نے یہ بھی کہا کہ اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں کہ اب ہمیں کون سا قدم اٹھانا چاہئے۔

سلطان چاہتا تھا کہ فی الفور اٹالیہ کے حکمران بارگن کے خلاف لشکر کشی کی جائے۔ سارے سالاروں اور امراء نے آپس میں مشورہ کرنے کے بعد سلطان کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ اس اتفاق پر سلطان نے خوشی اور طمانیت کا اظہار کیا۔ پھر وہ سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سیف الدین! اب تم کہو، اس مہم پر ہم کب تک روانہ ہو سکتے ہیں؟“

جواب میں سیف الدین کی چھاتی تن گئی تھی، کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جو لشکر میں اور مبارز الدین، زین الدین بشارہ، نجم الدین بہرام لے کر آئے ہیں اسے صرف دو دن سستانے کا موقع دیں۔ اس کے بعد ہم یہاں سے کوچ کریں گے اور بارگن کو بتائیں گے کہ وہ کس طرح ترک تاز اور جارحیت سے کام لیتے ہوئے ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔“

سیف الدین کا یہ جواب سن کر سلطان نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ پھر سارے امراء اور سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے سلطان کہنے لگا۔

”آج مغرب کی نماز کے بعد سب لوگ عسکار کی حویلی میں جمع ہوں۔ اس لئے کہ وہاں سیف الدین ابوبکر اور عسکار کی بیٹی بریزہ کی معافی کا اہتمام کیا جائے گا اور اسی سلسلہ میں ایک بہت بڑی دعوت کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔“

سلطان کے اس انکشاف پر سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پہلے ہی وہ سیف الدین کو مبارکباد دینے لگے تھے۔ اس کے بعد سلطان نے وہ اجلاس ختم کر دیا تھا اور سیف الدین سے کہا تھا کہ وہ پہلے جا کے اپنی اُس نئی رہائش گاہ کو دیکھ لے۔ اس پر دوسرے سالاروں کی طرح سیف الدین بھی قصر سے نکل کر اس حویلی کی طرف گیا تھا جو سلطان نے اس کے لئے حاصل کی تھی۔



سے اٹھنے والے خیالات کا جائزہ لوں۔ اس کے بعد ہم جب دونوں محسوس کریں کہ ہم واقعی ایک دوسرے کو دل کی گہرائیوں سے پسند کرتے ہیں اور اس میں کوئی لوبھ لاچ یا غرض نہیں ہے تو پھر ہم شادی کر لیں گے۔“

سیف الدین ابوبکر کا یہ جواب سن کر سلطان عز الدین خوش ہو گیا تھا، کہنے لگا۔

”سیف الدین میرے بھائی! تم نے عسکار کی پیشکش کا یہ جواب دے کر میرا دل خوش کر دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اور بریزہ یقیناً ایک دوسرے کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کرو گے۔ لہذا میں چاہوں گا کہ عسکار سے بات کر کے تم دونوں کی معافی کا اہتمام کر دیا جائے۔ اس لئے کہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے سلطان کو رک جانا پڑا۔ قصر کا ایک مسلح جوان دروازے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ کا ایک مخبر آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔“

اس پر سلطان نے فوراً اس مخبر کو طلب کر لیا۔ وہ جب اس کمرے میں داخل ہوا تب سلطان نے اس کو اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا، پھر اسے مخاطب کیا۔

”میرے عزیز! کہو کیا خبر لے کر آئے ہو؟“

اس پر وہ مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اٹالیہ کے حکمران نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ یورپ کی قوتیں بھی اس کی مدد کر رہی ہیں اور رومیوں کا ایک لشکر بھی جو اپنے بحری بیڑے میں وہاں پہنچا ہے، اس نے بھی اٹالیہ کے مستقر میں قیام کر لیا ہے اور اس کے لشکر کی تعداد اور اہم طاقت و قوت کے بڑھنے کی وجہ سے بارگن نے اپنے علاقوں سے نکل کر ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہو کر لوٹ مار اور یورش کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ بارگن کا بیٹا جسے اس سے پہلے امیر سیف الدین نے بدترین شکست دی تھی، وہ پھر پُر زورے نکال پھا ہے اور ہمارے علاقوں میں اس نے لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔“

یہ الفاظ سن کر سلطان عز الدین کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے آواز دے کر اپنے چوب دار کو بلایا اور حکم دیا کہ سارے سالاروں اور امراء کو قصر کے اس کمرے

بریزہ نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگی۔

”یہ آپ کی حویلی ہے۔ اس کی صفائی ستھرائی، اس کی زیبائش اور آرائش سلطان نے میرے ذمہ لگائی تھی۔ اب آپ اس کا جائزہ لیں۔ اس میں جو مسہریاں اور دوسرا سامان ہے، وہ میرے مشورے سے خریدا گیا اور آراستہ کیا گیا ہے۔ اگر آپ اس میں کوئی تبدیلی کرنا چاہیں تو بتادیں۔ اس کے مطابق تبدیلی کر دی جائے گی۔“

سیف الدین آگے بڑھا، بریزہ کے ساتھ اس نے حویلی کے سارے کمروں، راہ داری اور چھوٹا سا جو باغچہ تھا، اس کا جائزہ لیا۔ پھر دیوان خانے کی طرف آیا۔ بریزہ اس کے ساتھ تھی۔ سیف الدین جب دیوان خانے میں بیٹھ گیا تب اس کے سامنے بریزہ بھی بیٹھی۔ گفتگو کا آغاز سیف الدین نے کیا اور کہنے لگا۔

”حویلی کی ساری آرائش اور زیبائش میں سمجھتا ہوں مثالی ہے۔ اس سے بہتر یہ کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ بہر حال اگر یہ کام تم نے کیا ہے تو میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ ساتھ ہی میں نے تم سے ایک موضوع پر گفتگو بھی کرنی تھی۔“

بریزہ نے غور سے سیف الدین کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”کون سے موضوع پر آپ نے مجھ سے گفتگو کرنی ہے؟“

جواب میں سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”میں نے سنا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو، اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کا فیصلہ کر چکی ہو؟“

سیف الدین کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم بریزہ کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگی۔

”آپ نے صحیح سنا ہے۔“

سیف الدین پھر بولا اور کہنے لگا۔ ”وہ کیسا ہے اور کون ہے؟“

مسکراتے ہوئے بریزہ کہنے لگی۔

”وہ ایک محبت پسند انسان ہیں۔ کائنات کی روشن ترین سچائی کی طرح۔ میں ان پر نیزہ اعتماد رکھتی ہوں۔ ان الفاظ کو میں یوں بھی کہہ سکتی ہوں کہ میری جوانی کی مہک، اب کی خوشبو، میری ذات کے رنگ و نگہت کی روشنی اور نغمہ گسی حتیٰ کہ میری زندگی کی حسین نین صد اقسیم سب ان کے لئے ہیں۔“

قصر سے نکل کر سیف الدین ابوبکر نے سیدھا اس حویلی کا رخ کیا تھا۔ جب وہ حویلی کے صدر دروازے پر پہنچا، دروازے کو جب اس نے کھولنا چاہا تو اس نے دیکھا، دروازہ اندر سے بند تھا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سیف الدین نے حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد حویلی کا دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والی حسین و خوب صورت بریزہ تھی اور دروازہ کھولنے کے بعد اس نے جب دیکھا کہ دروازے پر دستک دینے والا سیف الدین ابوبکر ہے، وہ دروازے کا پٹ پکڑ کر مسکراتے ہوئے سیف الدین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

سیف الدین نے اس موقع پر بریزہ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا، پھر کہنے لگا۔

”بریزہ! تم دروازے کا پٹ پکڑ کر اس طرح کھڑی ہو جیسے میرا حویلی کے اندر آنا ممنوع ہے۔“

ان الفاظ پر بریزہ چونک اٹھی، دروازہ اس نے پورا کھولا، ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی، پھر کہنے لگی۔

”آپ کا حویلی میں آنا کیوں منع ہے؟ حویلی ہے ہی آپ کی۔ پر میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟“

اس پر سیف الدین حویلی میں داخل ہوا۔ بریزہ نے پہلے کی طرح دروازہ بند کر دیا۔ چنانچہ سیف الدین اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”دراصل میرے لشکر میرے گھوڑے کو مستقر کی طرف لے گئے ہیں۔ میں سلطان کے پاس سے اٹھ کر آ رہا ہوں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بریزہ رکی، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

”امیر سیف الدین جنہیں میں نے پسند کیا ہے ان کی مٹھی میں میری محبت کا مقدار ہے۔ وہ میرے بزمِ رخسار و گیسو کے مہتاب کا نور، میرے لبوں کا نطق، میری خوش کلامی کی سلاست کے مالک ہیں۔ انہی کے لئے میرے عرق و رگ میں جذبات کی تپش اور میرے کنوار پن کی رعنائی اور لطافت ہے۔ میرے سینے میں دبے دبے جوان جذبے زیر لب برسوں کے پیغام، زلفوں میں چھپے عہد شباب کی بارش، دل کی طغیانوں کے ولولے حتیٰ کہ سینے میں رکے شباب کے طوفان سب انہی کے لئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بریزہ رکی، پھر سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
”میں نے سنا ہے، آپ بھی کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔“
مسکراتے ہوئے سیف الدین کہنے لگا۔

”یقیناً میں بھی ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں اور میں تم سے یہ کہوں کہ میری زندگی کی ساری سعی و طواف، سطوت و وقار سب اس کے لئے ہے۔ اس کے تکلم کا حسن میرے لئے کنگن کی کھنک جیسا، اس کی خواہشوں کی ڈالیوں کے پھول میرے لئے سحر کی خوشگوار کرنور کے سے ہیں۔ میرے لئے وہ نئی بہاروں کے گیتوں، بہتے چشموں کی صداؤں، بہاروں کی نوید جیسی ہے۔ وہ لڑکی لبوں پر تبسم سجاتی چاہتوں کی سفیر ہے۔ میرے لئے وہ امیدوں، ریشم، چاہتوں کا گھر وندا اور وقت کے بدلتے انداز میں صبح کا سحر خیز جمال ہے۔“

جواب میں غور سے سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ کہنے لگی۔

”کیا آپ اس لڑکی کا نام بتائیں گے؟“

سیف الدین کہنے لگا۔ ”پہلے تم بتاؤ، تم کسے پسند کرتی ہو اور اس کا نام بھی کہو۔“
بریزہ کہنے لگی۔

”آپ مرد ہیں۔ اس کام میں مرد ابتدا کرتے ہیں۔“

جواب میں سیف الدین نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، بریزہ کا ہاتھ اس نے اپنے ہاتھ میں لیا پھر کہنے لگا۔

”جس لڑکی کو میں پسند کرتا ہوں، اس کا ہاتھ اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ اب

کہو، تم کسے پسند کرتی ہو؟“

جواب میں بریزہ نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔

”جس کے ہاتھ میں، میں نے اپنا ہاتھ دیا ہے، وہی میری منزلوں کے امام ہیں اور اہی میرے ساتھی ہیں۔ وہی ہیں جن سے میں بے پناہ محبت کرتی ہوں۔“

بریزہ کے یہ الفاظ سن کر سیف الدین ابو بکر مسکرا دیا تھا۔ پھر اس نے بریزہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور اس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہنے لگا۔

”اب تم جاؤ۔ گھر میں بڑی بے چینی اور بے تابی سے تمہارا انتظار ہو رہا ہوگا۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر بریزہ چونک سی پڑی، کہنے لگی۔ ”گھر میں میرا کیوں اتنی بے تابی سے انتظار کیا جا رہا ہوگا؟“

جواب میں سیف الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”بات یہ ہے کہ تمہارے گھر میں آج بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ میں نا اب مستقر کی طرف جاتا ہوں۔ تم حویلی کو باہر سے قفل لگا دو اور گھر جاؤ۔ تمہیں خود ہی چل جائے گا، آج تمہارے ہاں کس طرح کی دعوت ہے۔ اور میں تم پر یہ بھی انکشاف دوں کہ تمہاری حویلی میں آج مغرب کی نماز کے بعد بہت سے لوگ جمع ہوں گے۔ میل تم گھر سے جا کر پتہ کر لینا۔ میں اب جاتا ہوں۔“

بریزہ نے ہمت اور جرأت مندی سے کام لیتے ہوئے سیف الدین کا بازو پکڑ لیا اور کہنے لگی۔

”آپ یہ تو بتائیں کہ دعوت کس قسم کی ہے اور کون لوگ آئیں گے؟“

سیف الدین نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

”یہ سب کچھ تمہیں اپنی حویلی میں جا کر خبر ہو جائے گی۔ دیکھو اب تم گھر جاؤ۔ وقت نہ کرو۔“

اس پر پھر بریزہ بولی اور کہنے لگی۔

”اچھا میں آپ کے کہنے پر گھر جاتی ہوں۔ حویلی کو قفل لگاتی ہوں اور حویلی کی چابی اپنے ساتھ لے جائیں۔“

سیف الدین پھر مسکرایا، کہنے لگا۔

”حویلی کو قفل لگا کے چابی اپنے پاس رکھو۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دور میں یہ چابی تمہارے ہی پاس رہے۔ دیکھو میں اب جاتا ہوں۔ آج کی دعوت میں، میں نے بھی شرکت کرنی ہے۔ لہذا میں نے جا کے اپنی کچھ تیاری بھی کرنی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین حویلی کے صدر دروازے کی طرف ہولیا۔ بریزہ جستجو میں ڈوبی اس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ دونوں باہر آئے۔ سیف الدین کے کہنے پر بریزہ نے حویلی کو باہر سے قفل لگا دیا، اس کے بعد سیف الدین مستقر کی طرف چلا گیا۔ بریزہ سوالات کی بوچھاڑ میں ڈوبی اپنی حویلی میں داخل ہوئی تھی۔

حویلی کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی، سیدھی دیوان خانے کی طرف گئی۔ وہاں اس کا باپ، ماں اور بھائی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آگے بڑھ کر جب اپنی ماں سیمس کے پاس بیٹھ گئی تب سیمس اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی! سیف الدین کی حویلی کی صفائی کر کے آگئی ہو؟“

بریزہ نے اثبات میں گردن ہلاتی پھر کہنے لگی۔

”اماں! سیف الدین بھی وہاں آگئے تھے۔ انہوں نے اپنی حویلی دیکھ لی ہے۔ میں حویلی کو قفل لگا آئی ہوں۔ وہ مستقر کی طرف چلے گئے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ اپنی حویلی کی چابی لے جائیں لیکن ان کا کہنا تھا کہ چابی تمہارے پاس ہی رہے گی۔“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیمس، باز نیک تینوں مسکرا رہے تھے۔ ان کے اس طرا مسکرا۔ نے پر بریزہ غور سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”آج تینوں مجھے کچھ بدلے بدلے سے دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا معاملہ ہے؟“

اس پر سیمس بولا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین نے تم سے یہ کہا کہ حویلی کی چابی تمہارے پاس ہی رہے گی تو بیٹی اس نے درست ہی کہا ہے۔ اس لئے کہ آج تمہاری اور سیف الدین کی منگنی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ یہ سارا اہتمام سلطان کی طرف سے ہوگا۔ کھانا تیار کر کے ہماری حویلی میں لا جائے گا، یہاں سارے مہمان جمع ہوں گے اور سب کی موجودگی میں تمہاری اور سیف الدین کی منگنی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔“

اپنے باپ سے یہ الفاظ سن کر بظاہر بریزہ شرماری تھی لیکن اس کے بطن میں خوشیوں

ایک طوفان اور جذبات کی ایک ہلچل برپا ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ سیمس اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی! تم بھی اب تیار ہو جاؤ۔ مغرب کی نماز کے بعد یہ رسم ادا کی جائے گی۔“

اپنی ماں کے یہ الفاظ سن کر بریزہ دیوان خانے سے نکل گئی تھی۔

اسی روز مغرب کی نماز کے بعد سارے امراء عسکری حویلی میں جمع ہوئے۔ خود سلطان عزالدین نے بھی شرکت کی۔ کھانے کا اہتمام قصر کی طرف سے تھا لہذا بڑے خوشگوار ماحول میں سارے امراء اور سالاروں کی موجودگی میں سیف الدین اور بریزہ کی منگنی کی رسم ادا کی گئی تھی۔

تین دن بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ انطالیہ کے حکمران بارگن سے ٹکرانے کے لئے اپنے مرکزی شہر قونیہ سے کوچ کیا تھا۔ سلطان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ قونیہ میں چھوڑا تھا اور اس لشکر کی کمانداری سیف الدین امیر قزل کے حوالے کی تھی جبکہ باقی لشکر کو لے کر سلطان نے انطالیہ کی طرف کوچ کیا تھا۔

انطالیہ کے حکمران بارگن کو بھی اطلاع ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کا سلطان عزالدین اس پر ضرب لگانے کے لئے اپنے مرکزی شہر قونیہ سے کوچ کر چکا ہے، لہذا اس نے بھی اپنے مرکزی شہر انطالیہ سے کوچ کیا۔ اس بار اس کے لشکر کی تعداد پہلے کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ اس کے لشکر میں ان گنت رومن اور یونانی شامل تھے۔ اور اس سے پہلے سیف الدین ابوبکر کے ہاتھوں انفرادی مقابلہ کے دوران بودان اور اولودنام کے جو دو رومن مارے گئے تھے، ان کے کچھ رشتہ دار جنگجو اور تیغ زن بھی بارگن کے لشکر میں شامل ہو چکے تھے اور اپنے مرنے والوں کا، عزیزوں کا انتقام سیف الدین ابوبکر سے لینے کا عزم کر چکے تھے۔

بارگن کے مجبوروں نے جب خبر دی کہ قونیہ کا سلطان عزالدین اپنا لشکر لے کر انطالیہ پر رب لگانے کے لئے پیش قدمی کر چکا ہے، تب بارگن نے بھی ایک بہت بڑے جہاز لشکر لے ساتھ اپنے مرکزی شہر انطالیہ سے کوچ کیا۔ اس کے لشکر میں اس کی بیٹی جوزین کے وہ اور بہت سی لڑکیاں بھی شامل تھیں تاکہ اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھائیں۔ ساتھ ہی ریوں اور سالاروں کے اہل خانہ بھی شامل تھے۔ اس طرح ایک بہت بڑی جمعیت کے تھ بارگن اپنے مرکزی شہر سے نکل کر سرحد کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر گیا تھا۔

دوسری طرف سلطان عز الدین بھی آندھی اور طوفان کی طرح یلغار کرتا ہوا اسی سمت آیا۔ اس لئے کہ بارگن کے علاقوں میں سلطان کے مخبروں کا سربراہ میخانیلو بڑی تن دہی اور بڑی محنت سے بارگن کے علاقوں میں اپنا کام کر رہا تھا۔ وہ اپنے اہلکاروں کے ذریعے ہر قسم کی خبریں بروقت سلطان تک پہنچا رہا تھا اور میخانیلو کی بھیجی ہوئی خبروں کے مطابق سلطان نے اس سمت کا رخ کیا تھا جہاں بارگن نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا تھا۔ بارگن کے لشکر کے سامنے جا کر سلطان نے اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ اس بار سلطان کے سالاروں اور لشکریوں کے اہل خانہ بھی ساتھ تھے۔ لشکر میں سلطان کی خواہش کے مطابق کسار بھی شامل تھا اور اس کے ساتھ سیس، باز نیک اور بریزہ بھی لشکر میں شامل تھے۔

تھوڑی دیر تک دونوں سمتوں میں لشکر کی تقسیم اور تنظیم کا معاملہ طے کیا جاتا رہا۔ سلطان نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ تین حصوں میں سے ایک سلطان نے اپنے پاس رکھا، دوسرا سیف الدین ابوبکر کے پاس تھا۔ جب کہ زین الدین بشارہ اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ تیسرا لشکر مبارز الدین چاولی کی کمانداری میں تھا۔ جب کہ نجم الدین بہرام اس کا نائب مقرر کیا گیا تھا۔ سلطان کے ساتھ حسام الدین یوسف تھا۔ چوتھا لشکر جو چھوٹا تھا، اسے پڑاؤ کی حفاظت کے لئے رکھا گیا تھا۔ اس کی کمانداری کچھ چھوٹے سالاروں کے علاوہ کسار کر رہا تھا۔

دونوں طرف کے کمانداروں نے جب اپنے لشکریوں کو استوار کر لیا، صفیں درست ہو گئیں تب اپنے مرنے والے دروہمنوں کا انتقام لینے کے لئے ایک رومن اپنے گھوڑے کو سر پٹ دوڑاتا ہوا دونوں لشکروں کے بیچ میں آیا اور سیف الدین ابوبکر کا نام لے کر اس نے انفرادی مقابلہ کے لئے پکارا۔

اس موقع پر سیف الدین اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا لشکر کے وسطی حصے سے سلطان کے پاس آیا اور انفرادی مقابلہ کے لئے اترنے کی اجازت طلب کی۔ چونکہ اس کا نام اکر انفرادی مقابلہ کے لئے پکارا گیا تھا لہذا سلطان نے اسے مقابلہ کے لئے اترنے کی اجازت دے دی تھی۔

چنانچہ سیف الدین نے اپنے گھوڑے کو موڑا، گھوڑے کو اس زمین کی طرف - جاتے ہوئے پہلے اس نے گہری نگاہ آسمان کی طرف ڈالی، پھر اس کا سر تھوڑا سا ہنسا

طرف جھک گیا تھا، اس کے بعد وہ لرزتی اور بڑی عاجزی آمیز آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”اے اللہ! ذہن کی شاہراہ پر، سوچوں کی راہوں پر، جسم و جان کے سارے روابط کو تو ہی استوار کرتا ہے۔ بے کراں، بے انت خلاؤں میں تو ہی سراپوں کے جزیرے آباد کرتا ہے۔ دھواں دھواں خواہشوں، سر بیدہ آرزوؤں کو تو ہی سلامتی کے خیام عطا کرنے والا ہے۔ میرے اللہ! تو ہی نفس مجہول سی دل نگاری، بربادی کی لامتناہی پر چھائیوں، موت و رگ کی حدتوں، خون آشام عذابوں سے اپنے بندوں کو نجات دیتا ہے۔ اے اللہ! سلگتے بزار لحوں میں ٹوٹی بکھرتی فضاؤں میں بے خزاں پھولوں کی وادیاں تیرے ہی گن سے آباد ہں۔ میرے مالک! تو ہی چاہتوں کی سرمئی مسافتوں کو جذبوں کی طلب فروزاں عطا کرنے والا ہے۔ جسم و جان کے حوصلے، زمین کو اس کی غنایت، سمندر کی بے تاب موجوں دروائی اور انجم و ثریا کو اوج تیرے ہی دم سے ہے۔

اے مالک دو جہاں! زندگی کی گردشوں میں تو ہی زرد پتوں کی کہانیاں، آگ اور خون لے سیلاب کو محبت و چاہت بھرا تبسم ادا کرنے والا ہے۔ اے اللہ! دشمن ہمارے سامنے تعزیر، جنوں، خوف بھرے اندھیروں، کھولتے صحرائی بگولوں، گرتی برق کی برہمی کی طرح کھڑا بلے کا منتظر ہے۔ میرے اللہ! مجھے ہمت، استقامت اور قوت دے کہ میں انفرادی بلہ میں اپنے اس دشمن کی حالت سلگتے تھل کی بانجھ مٹی سی کر کے رکھ دوں۔ اے اللہ! اپنی بت، اپنی حمایت سے مجھے اس قابل کر دے کہ میں گرتی برق کی برہمی، ہجرتوں کے دکھ سے ساگر، خون آشام لحوں کی طرح اپنے اس مد مقابل پر وارد ہوں اور اسے اپنے منے جھکنے پر مجبور کر دوں۔“

اس کے بعد سیف الدین ابوبکر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اس کی رفتار تیز کی اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

رومن نے غائر نگاہ سے پہلے سیف الدین کا جائزہ لیا، پھر کہنے لگا۔ ”کیا تیرا نام ہی سیف الدین ابوبکر ہے؟ کیا تو ہی ہے جو اس سے پہلے انفرادی بلے میں ہمارے عزیز ورشتہ دار دونوں رومنوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے؟“ جواب میں سیف الدین نے بھی غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”تمہارا کہنا درست ہے۔ میں وہی سیف الدین ابوبکر ہوں۔“

اس بار اس رومن کا لہجہ بدل گیا اور کھلتی آواز میں کہنے لگا۔

”اگر ٹوسیٹ الدین ہے تو پھر اپنے دل کے صفحات پر لکھ رکھ، آج کے اس مقابلہ میں تیری حالت میں غبار و خوف بھرے آفت، شب گزیدہ یادوں، موسموں کی کڑواہٹوں اور شہ سے کئے سایوں کی سی کر کے رہوں گا۔“

اس رومن کے ان الفاظ کے جواب میں سیٹ الدین مسکرایا پھر کہنے لگا۔

”اس سے پہلے جو رومن انفرادی مقابلہ کے لئے آئے، انہوں نے میرے ساتھ مقابلہ شروع کیا، شروع میں وہ بھی تجھ جیسی گفتگو کرتے تھے۔ خوب لاف و گزاف سے کا لیتے تھے۔ لیکن جب میری تلوار نے انہیں قضا کے بے عکس مناظر، جان کا عذاب، نفرت، شدت، نامساعد انقلاب جیسی اپنی کارکردگی دکھائی تو پھر ان کی حالت بدبختی کے ہائے سایوں، کرب کے کھولنے لگوں اور نوحہ کنان ماتم گسار ساعتوں سے بھی زیادہ اہتر ہو کر گئی تھی۔ دیکھ رومن! میرے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔ اب کوئی گنہ نہیں ہوگی۔ اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال، میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کر اور پھر دیکھ، کس تلوار کس کی گردن کاٹتی ہے اور کون کس کے لئے غبار و خوف بھرے آفت کھڑے کرتا ہے۔ سیٹ الدین کے ان الفاظ کے جواب میں بڑی تیزی اور پھرتی کے ساتھ وہ رو حرکت میں آیا اور ادبار کی گرتی برق، قبائلوں موت، رگوں میں کڑواہٹ، لہو میں بے جا بھرتی قہر مانیت کی طرح سیٹ الدین پر حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سیٹ الدین ابوبکر بھی صحرا بدر بگولوں میں چلتے پھرتا کی برسات، بساط ذات میں روح کی تڑپ، قلب کی حرارت چھین لینے والے بھڑک آتش فشانوں کی حدتوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

کچھ دیر تک بڑے ہولناک انداز میں دونوں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے، کے بعد سیٹ الدین نے محسوس کر لیا کہ رومن کے حملوں میں اب کسی قدر سستی آگئی تم ایک موقع پر جب کہ دونوں کی تلواں آپس میں ٹکرائی تھیں تو ایک سخت اور طاقتور جھٹکے ساتھ سیٹ الدین نے رومن کو اس کے گھوڑے سے گرا دیا اور اس کے ساتھ خود بھی کودا سیٹ الدین کے ایسا کرنے پر رومن بوکھلا سا گیا تھا۔ اس موقع پر سیٹ الدین مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سن رومن! تیری زندگی کے چند ہی لمحے باقی رہ گئے ہیں۔ میں تیرے چہرے اور تیری آنکھوں سے صاف اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تیری حالت اب میرے مقابلہ میں بڑی عجزی سے محرومیوں کے زخموں، درد کی تعبیروں اور جلتی زخموں کے شعور ماتم کی سی ہونا شروع ہو گئی ہے۔“

اس کے ساتھ ہی بڑے خوفناک انداز میں ایک بار پھر سیٹ الدین اس پر حملہ آور ہوا اور سیٹ الدین اس تیزی سے تلوار چلاتے ہوئے ایسے خوفناک وار کرنے لگا تھا کہ رومن لئے پاؤں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب تھکاوٹ سے ڈھال ہونے لگا، ہاچانک سیٹ الدین نے اپنی ڈھال اس کے سر کے بائیں حصے پر اس طرح ماری کہ رومن زمین پر گر گیا۔ سیٹ الدین نے آگے بڑھ کر اس سے ڈھال چھین لی، تلوار بھی ایک دف رکھ دی۔ پھر اپنی تلوار کی نوک اس نے اس رومن کی گردن پر رکھی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”دیکھا ہی ہوا جس کا میں نے تمہارے سامنے اندازہ پیش کیا تھا کہ تم جیسے رومن مع میں بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اور بعد میں میری تلوار میں قضا کے عکس دیکھ کر لک کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ سن رومن! میرے ساتھ انفرادی مقابلہ کرنا تاریخ کے طے میں جلتی دھوپ میں لمبے سفر سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ دیکھ اب تو میرے سامنے بس ہے۔ زنگ کھائے لو ہے، دیمک لگی لکڑی کی طرح حسرتوں کے انبار، بخت نامراد ادا ہوا ہے۔ اب بول مقابلے کی ابتدا کے وقت جوڑو نے الفاظ ادا کئے، وہ تجھے یاد ہیں می تیرے ذہن سے اڑ گئے ہیں۔“

سیٹ الدین کے ان الفاظ پر جب اس رومن نے کوئی جواب نہ دیا تب سیٹ الدین اربلند ہو کر گری اور اس رومن کو کاٹ کر نکل گئی تھی۔

رومن کا خاتمہ کرنے کے بعد سیٹ الدین اپنے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد بارگن اور اس کے اتحادیوں نے اپنے کام کی ابتدا کی اور وہ عاز الدین کے لشکر پر دل کی گرہیں کھول کر چہروں کو بریدہ رنگی دیتے در دیکھن، اعتماد اب کو تخت لخت، ارادوں کی برف کو پگھلا دینے والے حوصلوں کے شباب، ہجر کی کالی میں بے شکل غبار ہولوں اور آگ اور تیزاب کی بارش میں لو کے قہری تھیٹر کی

ہارتے ہوئے اپنے لشکریوں کو نئے انداز میں حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ یہ حکم ملنا تھا کہ اوردار انداز میں تکبیریں بلند کرتے ہوئے مسلمان لشکری بارگن کے لشکر پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے وہ ان کی کھال اتار کر رکھ دیں گے۔ یہاں تک کہ بارگن اور رومنوں کے اس فہم لشکر کو بدترین شکست ہوئی اور ان کی بد قسمتی کہ وہ اپنا پڑاؤ بھی چھوڑ گئے۔ پڑاؤ کے اندر ناکی عورتیں اور بے شمار سامان تھا۔ اس کی انہوں نے کوئی فکر نہ کی۔ بارگن اور رومن بڑی آزی سے شکست اٹھا کر پلٹے اور اناطالیہ شہر کی طرف بھاگ گئے تھے۔ سلطان کے حکم پر، گن کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا گیا اور سلطان نے حکم دے دیا تھا کہ بارگن کے پڑاؤ میں کسی بچہ، کسی عورت، کسی لڑکی کو ذرا خراش تک نہیں آنی چاہئے۔ بارگن کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ کام نکسار کو سونپا گیا تھا جب کہ سلطان اور اس کے لشکری اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر سلطان کے لشکر میں جو عورتیں تھیں، وہ بھی بھاگ دوڑ کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کو پانی پلانے کے عمل میں مصروف ہو گئی تھیں۔

جس وقت سیف الدین ابوبکر زخمی ہونے والے ایک لشکری کی دیکھ بھال کر رہا تھا، اس طرف سے اسے تلاش کرتی ہوئی تیز تیز چلتی ہوئی بریزہ آئی۔ اس کے ہاتھ میں سرخ اکا ایک آب خورہ اور ایک سرخ مٹی کا کورا پیالہ تھا۔ سیف الدین کے قریب آ کر ہلکی ہلکی بات میں بریزہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں آپ کو انفرادی مقابلہ میں شاندار کامیابی اور لشکر کی شاندار فتح پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے آب خورے سے شکر کا شربت ڈالا اور سیف الدین کو پیش کیا۔ سیف الدین نے پیالہ لیا۔ وہ پیالہ اُس نے اُس زخمی لشکری کے منہ سے لگایا جس کی بھال کر رہا تھا۔ وہ لشکری ہچکچایا۔ سیف الدین نے اس کا گال تھپتھپایا اور اس کے سر پر پھیرا، پھر کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں تو پیاسا ہے۔ پورا پیالہ پی جا۔“

لشکری کو کچھ حوصلہ ہوا۔ شربت کا وہ سارا پیالہ پی گیا تھا۔ پیالہ جب سیف الدین نے لے منہ سے ہٹایا تب اس زخمی لشکری نے گہری نگاہ سامنے کھڑی بریزہ پر ڈالی، پھر بڑی باتیں کہنے لگا۔

طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سلطان عزالدین نے بھی عجیب سے انداز میں اپنے کام کی ابتدا کی۔ پہلے اس نے سوتے سپنوں، اونگھتی نیندوں، لرزاں خاموشیوں، بے رنگ دھندلکوں کے اندر درودِ طوفان کھڑے کر دینے والے انداز میں تکبیریں بلند کیں، پھر سلطان بارگن کے لشکر صدیوں کے بند کواڑ توڑ کر آفتوں کے سیل بے پناہ کی طرح ہر چیز کو سمیٹ دینے والی مور کی تمازت، بے کراں شب کے اطراف میں بحر کی سطح کو لرزاں کر دینے والے طوفانوں اور دشت و دمن، کوہ و صحرائیں ہوا کے جھونکوں کو شعلہ ریز کر دینے والی نفرت کی چڑھتی طغیانہ کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس طرح رزم گاہ کے اندر محرومیوں کے جال، حسرتوں کی رودائیں، نادیدہ لمحوں و شکلیں، ستم کے پیلے موسم، جبر کے اندھے دائرے، پھری موجوں کے بگولے، نفرت و یلغار، قہر و ممانیت کی آندھیاں رقص کرنے لگی تھیں۔

بارگن اور اس کے حمایتیوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ تیز حملے کر۔ ہوئے اپنی کامیابی اور مسلمانوں کے سلطان کی ناکامی کو یقینی بنائیں لیکن وہ ایسا کرنے کا کامیاب نہ ہوئے۔ اس لئے کہ مسلمان مجاہد اور جنگجو اکیلے دو تین رومنوں کا مقابلہ کر۔ ہوئے انہیں موت کے گھاٹ اتار رہے تھے۔ اس طرح کچھ دیر تک گھمسان کارن پڑا، اس کے بعد بارگن اور اس کے اتحادیوں اور حمایتیوں نے اندازہ لگایا کہ مسلمانوں کے لشکر سامنے اب ان کے لشکریوں کی حالت غم پرستی کے سیاہ جبر، خونی خواب اور اڑھے ٹکڑے ادھام کے کالے بادلوں، بے رنگ دھندلکوں، سلگتی خاک اور اُداس شاموں کی سی شروع ہو گئی ہے۔ اس موقع پر ایک بار پھر بارگن نے، رومنوں نے اپنے لشکریوں کو اور انہیں ترغیب دی کہ وہ پوری طاقت سے حملہ آور ہوں تاکہ اپنی فتح کا اعلان کیا جا۔ لیکن بارگن کے لشکریوں کے علاوہ رومنوں کی حالت اب مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تہذیب کے گونگے اجسام کی سی ہو چکی تھی۔ بارگن اور رومنوں کے للکارنے کے باوجود پر کوئی اثر نہ ہوا جیسے اُن کی سماعتیں اُن سے چھین لی گئی ہوں۔ وہ پہلے کی طرح پیلے اور پتوں اور غلط حروف کی طرح مسلمانوں کے سامنے سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ سلطان نے جنگ کو آخری لمحات میں داخل کر دیا۔ اس نے زوردار انداز

”میری بہن! آپ کا بہت شکریہ۔ اب اگر آب خورے میں شربت ہو تو ایک پیالہ بھر کر امیر کو پلائیں۔ اگر آپ ایسا کرتی ہیں تو اس میں میرا طمینان قلب ہوگا۔“

اس لشکری کے یہ الفاظ سن کر سیف الدین اور بریزہ دونوں مسکرا دیئے تھے۔ ایک بار پھر شکر کے شربت سے بریزہ نے سرخ رنگ کا مٹی کا وہ پیالہ بھرا، سیف الدین کی طرف بڑھایا۔ سیف الدین اسے تین سانسوں میں پی گیا۔ پھر پیالہ اس نے واپس کر دیا۔ اس موقع پر ایک طرف سے سلطان عز الدین بھی آگیا تھا۔ اس نے مسکراتی ہوئی ایک نگاہ بریزہ پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”میں اپنی بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر بے حد خوش ہوا ہوں۔“

سیف الدین چونکہ اس لشکری کی دیکھ بھال کر چکا تھا، لہذا سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ نے کچھ پیا؟“

سلطان نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔ ”ابھی تک تو میں اپنے لشکریوں کی ہی دیکھ بھال کر رہا ہوں۔“

اس پر سیف الدین، بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”سلطان کے لئے تازہ شربت بنا کر لاؤ۔“

بریزہ جب پلٹنے لگی، تب سلطان نے اسے مخاطب کیا۔ ”بیٹی! زکو! پہلے یہ بتاؤ جو آب خورہ تمہارے ہاتھ میں ہے، کیا اس میں شربت ہے؟“

اس موقع پر بریزہ نے سوالیہ انداز میں پہلے سیف الدین کی طرف دیکھا۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میری بیٹی! تو سیف الدین کی طرف نہ دیکھ۔ یہ تجھے کچھ نہیں کہے گا۔ اب یہ بتا، کہ اس آب خورے میں کچھ ہے؟“

بریزہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ تب سلطان کہنے لگا۔

”بیٹی! جب اس میں شربت ہے تو تم واپس کیوں لے جا رہی ہو؟ پیالہ تمہارے پاس ہے، آنخورہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ پیالہ بھرتا کہ میں پی جاؤں۔“

اس پر بریزہ مسکرائی، شربت کا پیالہ بھر کے اس نے سلطان کو دیا۔ سلطان زمین پر بیٹھا

گیا۔ تین سانسوں میں اس نے شربت پیا، پیالہ اس نے واپس بریزہ کو دیا اور کہنے لگا۔

”میری بیٹی! اب تو اپنے خیمہ کی طرف چلی جا۔ مجھے امید ہے کہ تو میری آمد سے پہلے سیف الدین کو اس انفرادی مقابلے اور لشکری کامیابی پر مبارکباد دے چکی ہوگی۔“

بریزہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

”سلطان محترم! آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں ایسا کر چکی ہوں۔“

اس کے بعد سلطان کے کہنے پر بریزہ وہاں سے ہٹ گئی تھی جب کہ سلطان اور سیف الدین دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کر زخمی لشکریوں کی دیکھ بھال کرنے لگے تھے۔

سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ کام میں مصروف تھا کہ ایک مسلح جوان بھاگنے کے از میں وہاں آیا۔ اسے دیکھتے ہی سلطان ہی نہیں سارے سالار چونکے کے انداز میں اس طرف دیکھنے لگے تھے۔

وہ مسلح جوان قریب آیا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اس جنگ میں بارگن کے اہل خانہ بلکہ اس کے سالاروں اور لشکریوں بھی اہل خانہ شامل تھے۔ جنگ کے دوران دشمن کے وہ لشکری جو کم زخمی ہوئے تھے، ان

پ کے حکم کے مطابق مرہم پٹی کر کے فارغ کر دیا گیا ہے اور انہیں جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ جو زیادہ زخمی ہیں، ان کی دیکھ بھال کی جا رہی ہے اور ان کے لئے کچھ

نصب کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن سلطان محترم! زیادہ زخمی ہونے والوں میں ایک لڑکی بھی تھی اپنے آپ کو بارگن کی بیٹی بتاتی ہے اور اپنا نام جوزین کہتی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ لشکری جب رکا تب سلطان نے کچھ سوچا، اس کے بعد پھر لگا۔

”اگر وہ اپنے آپ کو بارگن کی بیٹی کہتی ہے تو جھوٹ نہیں کہتی ہوگی۔ پہلے کہو کہ اس نون کی مرہم پٹی کی ہے؟“

اس پر وہ لشکری بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اس کے زخموں کی بہترین دیکھ بھال کی گئی ہے۔ لیکن وہ پریشان اور ہے، کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتی اور انتہائی غصے کے عالم میں بھی ہے۔“

اس پر سلطان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ سیف الدین ابو بکر اور حسام الدین یوسف

دونوں کو اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ جب کہ دوسرے سالاروں کو اپنے کام میں مصروف رہنے کا حکم دے کر سلطان اس لشکری سے کہنے لگا۔

”چلو مجھے اس کے پاس لے کے چلو۔“

اس کے ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے سلطان نے ایک لشکری کو بلایا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم کسار کے خیمہ میں جاؤ اور کسار کے علاوہ اس کی بیٹی بریزہ کو بلا کے لاؤ۔ ہم ادھر جارہے ہیں جہاں دشمن کے لشکری زخمی ہوئے ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی وہ لشکری تیز تیز چلتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

سلطان آگے بڑھا، اپنے لشکری کی رہنمائی میں ایک جگہ جا رہا۔ وہاں زمین کی نگی پیٹھ پر زخمی حالت میں بارگن کی بیٹی جوزین بیٹھی ہوئی تھی۔ اس موقع پر وہ لشکری، جوزین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! تمہیں دیکھنے کے لئے ہمارے سلطان آئے ہیں۔“

سلطان کا نام سن کر جوزین ایک دم سنبھل گئی۔ رنگ اس کا پیلا ہو گیا تھا، کپکپانے لگی تھی۔ شاید وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ سلطان آگے بڑھا، بڑے شفقتانہ انداز میں جوزین کے سر پر ہاتھ پھیرا، اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بیٹی! میں تیری حالت دیکھتا ہوں۔ تو خوف زدہ ہو گئی ہے۔ دیکھ ہماری نگاہوں میں تو بیٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں تجھے کوئی خطرہ نہیں۔ تو جب، جس وقت بھی اپنے باپ کے پاس جانا چاہے گی، تجھے عزت و احترام کے ساتھ وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ اپنے دل سے خوف اور ڈر نکال دے۔ ہم عورت کی عزت اور احترام کرنے والے لوگ ہیں۔“

یہاں تک کہتے کہتے سلطان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اتنی دیر تک کسار اور بریزہ بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ کسار اور بریزہ کو جب جوزین نے اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کو نگاہیں شرمساری سے جھک گئی تھیں۔ کسار نے آتے ہی جوزین کے سر پر ہاتھ رکھا، پھر اکر کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

”بیٹی! تو زخمی ہے، تجھے.....“

کسار خاموش ہو گیا اس لئے کہ اس دوران بریزہ بول اٹھی اور سلطان کی طرف دیکھنے

ہوئے کہنے لگی۔

”سلطان محترم! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں جوزین کو اپنے ساتھ لے جاؤں؟ یہ زخمی ہے، اسے دیکھ بھال کی ضرورت ہے اور مجھ سے بہتر اس کی کوئی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ میں اسے اپنے ساتھ خیمہ میں رکھوں گی۔ اور جب یہ ٹھیک ہو جائے گی تو اس کی خواہش کے مطابق جہاں یہ کہے گی، اسے پہنچا دیا جائے گا۔“

جواب میں سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بریزہ میری بیٹی! میں نے تمہیں اور تمہارے باپ کو اس غرض کے لئے بلایا تھا کہ تم دونوں بارگن کی بیٹی جوزین کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اس کی بہترین دیکھ بھال کی جائے، لشکر کا ایک طبیب اس کے زخموں کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کیا جائے گا اور اسے کسی شے کی کمی محسوس نہیں ہونی چاہئے۔“

سلطان کے یہ الفاظ سن کر جہاں بریزہ خوش ہو رہی تھی، وہاں جوزین چونکنے کے انداز میں کبھی سلطان، کبھی بریزہ، کبھی کسار کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر بریزہ آگے بڑھی، جوزین کی بظلوں میں ہاتھ ڈال کر اس نے اسے اوپر اٹھایا۔ اس پر جوزین کہنے لگی۔

”میری ٹانگ زخمی ہے۔ میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔“

اس موقع پر بریزہ نے قریب کھڑے سیف الدین ابو بکر کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”آپ جوزین کو اٹھا کر میری پیٹھ پر رکھ دیں۔ میں اسے خود اٹھا کر اپنے خیمہ میں لے جاؤں گی۔“

پھر جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ کہنے لگی۔

”جن کو میں نے مخاطب کیا ہے، یہ سیف الدین ابو بکر ہیں۔ میری ان سے منگنی طے ہو چکی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو یہ تمہیں اٹھا کر میری پیٹھ پر رکھ دیں۔ اس طرح میں آسانی سے تمہیں اپنے خیمے میں لے جا کر تمہاری دیکھ بھال کر سکتی ہوں۔“

جوزین بے حد شرمندہ ہو رہی تھی، منہ سے کچھ نہ بولی۔ اس نے اثبات میں گردن اٹائی، تب سیف الدین ابو بکر نے اسے اٹھا کر بریزہ کی پیٹھ پر لا دیا۔ بریزہ اپنے باپ کے ساتھ اسے لے کر اپنے خیمہ کی طرف ہوئی تھی۔

بریزہ اسے خیمے میں لے گئی۔ خیمے میں اس وقت بریزہ کی ماں سیمس بیٹھی ہوئی تھی۔

لہذا اگر میں آپ سے کچھ سوال کروں تو آپ برا تو نہیں مانیں گی؟“
جوزین کے ان الفاظ پر سیمس اور بریزہ دونوں مسکرا دی تھیں یہاں تک کہ سیمس بولی اور کہنے لگی۔

”بیٹی! پوچھو کیا پوچھتی ہو؟“

جوزین کہنے لگی۔

”آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ واقعی اسلام قبول کر چکی ہیں؟“

سیمس نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگی۔

”بیٹی! تمہارا کہنا درست ہے۔ میں، میرے شوہر نکسار، میری بیٹی بریزہ اور بیٹا

بازنیک ہم چاروں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ بیٹی! شاید تمہیں یاد ہوگا کہ مسلمانوں کے ایک سالار سے تم بڑی نفرت اور بڑی بے زاری کا اظہار کرتی تھیں۔ نام اس کا سیف الدین ابوبکر ہے۔ میں تم سے کوئی بات چھپاؤں گی نہیں۔ میری بیٹی! دیکھو بریزہ، سیف الدین ابوبکر کو پسند کرنے لگی تھی، اسے چاہنے لگی تھی۔ اسی بنا پر بریزہ کی اس چاہت کا اظہار سیف الدین سے کیا گیا جس کے نتیجے میں سیف الدین ابوبکر اور میری بیٹی بریزہ کی سلطان نے منفی طے کرا دی ہے اور خداوند قدس نے چاہا تو عنقریب یہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی بن جائیں گے۔“

سیمس جب خاموش ہوئی تب جوزین بولنا چاہتی تھی کہ سیمس نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگی۔

”بیٹی! اس وقت خاموش رہو۔ ایک تو تم زخمی ہو، دوسرا میں جانتی ہوں تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ پہلے میں تمہارے کھانے کا اہتمام کرتی ہوں، اس کے بعد تم آرام کرنا۔ جب تم آرام کر چکو گی تو میں اور بریزہ دونوں ماں بیٹی تمہارے پاس بیٹھیں گی۔ پھر جس موضوع پر تم گفتگو کرو گی، ہم دونوں ماں بیٹی تمہارا ساتھ دیں گی۔“

جوزین کو شاید بھوک لگی ہوئی تھی، اس نے اس سے اتفاق کیا۔ سیمس اور بریزہ نے اس کے لئے کھانے کا اہتمام کیا۔ کھانا کھانے کے بعد جوزین اسی بستر پر گہری نیند سو گئی تھی۔

جوزین جب نیند سے اٹھی تو اس نے دیکھا، خیمہ میں سیمس اور بریزہ دونوں ماں بیٹی

اس نے جب بریزہ کی پیٹھ پر جوزین کو دیکھا تو پریشان سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے بڑھی، سہارا دے کر جوزین کو نیچے اتارا، پھر خیمے کے اندر جو دو بستر لگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک پر جوزین کو لٹا دیا گیا۔ جوزین عجیب سے انداز میں بریزہ اور سیمس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ سیمس بولی اور کہنے لگی۔

”جوزین! تیری حیثیت ہماری نگاہوں میں بیٹی کی سی ہے۔ میرے لئے جس طرح بریزہ ہے، ایسے ہی تو بھی ہے۔ بیٹی! اب تم فکرمند نہ ہو۔ بریزہ اور اس کے باپ کے جانے کے بعد مجھے خبر ہو گئی تھی کہ تم گرفتار ہوئی ہو۔ بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں جانو تم اپنے گھر پہنچ گئی ہو۔“
پھر سیمس نے بریزہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

”بریزہ میری بیٹی! اپنے لباسوں میں سے جو سب سے اچھا لباس ہے، وہ لے کر آؤ۔ پہلے جوزین کا لباس تبدیل کیا جائے، اس کے بعد میں گیلے کپڑے سے اس کا چہرہ اور بدن صاف کرتی ہوں۔“

سیمس کے ان الفاظ کے جواب میں جوزین تشکر آمیز انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ بریزہ اٹھی، ایک انتہائی خوب صورت اور قیمتی لباس لے کر آئی، پھر سیمس نے ایک بڑی چادر لی۔ چادر اس نے جوزین کے اوپر بچھائی، پھر اس چادر ہی کے نیچے اپنے اس نے جوزین کا پہلا لباس اتار کر نیا لباس پہنا دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ایک صاف انگو چھالیا، اسے بھگویا اور اس سے جوزین کا چہرہ، اس کے ہاتھ پاؤں، پنڈلیاں تک صاف کیں۔ پھر بریزہ انگو چھالے کر، دھو کر ایک جگہ لٹکا آئی۔ دونوں ماں بیٹی جوزین کے پاس بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر تک گہری کاٹ کھانے والی خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ جوزین بولی اور سیمس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

”آپ لوگوں کے پاس اس طرح پڑے میں بڑی خجالت محسوس کر رہی ہوں۔ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ لوگوں کی جان لینے کی کوشش کی۔ آپ وہ لوگ ہیں جو مجھے زندگی دینے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جوزین رُکی، پھر سیمس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”آپ نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ جواب میں، میں آپ کو ماں کہہ کر مخاطب کروں گی۔“

ہے۔ جب سے بریزہ کے ساتھ اس کی منگنی طے ہوئی ہے، بہت کم آتا ہے۔ یہ صرف تمہیں دیکھنے کے لئے آیا ہے اور تمہاری احوال پرسی کے لئے آیا ہے۔“

جوزین نے اس موقع پر گہری نگاہ سیف الدین ابوبکر پر ڈالی، پھر ہلکے سے تبسم سے کہنے لگی۔

”اس سے پہلے آپ کے متعلق ہم نے آپ کے بڑے کارنامے سن رکھے ہیں۔ آپ واقعی سلطان کے نایاب سالاروں میں سے ایک ہیں۔ آپ نے نہ صرف ارمناک کو شکست دی بلکہ نیا لوق کو بھی موت کے گھاٹ اتارا۔ نیا لوق کو آپ نے کیوں قتل کیا، اس سے مجھے کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ اس کی وجہ ضرور ہوگی۔ اور مجھے امید ہے یہاں قیام کے دوران میں اس کی وجہ بھی جان جاؤں گی۔ اس کے علاوہ آپ نے میرے باپ کے عمدہ سالار ترنوک کو بھی بدترین شکست دی جس کی بنا پر آپ کے کارنامے یقیناً اس سے پہلے اٹالیہ میں عام ہو چکے تھے۔ اس جنگ کے دوران جو آپ نے دومانے ہوئے رومنوں یعنی اولود اور بودان کا انفرادی مقابلے میں کام تمام کیا تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ سلطان کے ایک لا جواب اور بے مثال تیغ زن ہیں جس کا مقابلہ کرنا اگر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے جوزین رُکی، مزید کچھ کہنا چاہتی تھی کہ بیچ میں سیف الدین ابوبکر بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”خاتون! یہ مت سمجھنا کہ تم اٹالیہ کے حکمران بارگن کی بیٹی ہو اس لئے ہم تمہیں اتنی عزت، اتنا احترام دے رہے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہر عورت، ہر ناتوان کو ایسی ہی عزت، ایسا ہی احترام دیتے ہیں۔ میں صرف اس لئے یہاں آیا ہوں تاکہ تم سے یہ پوچھوں کہ یہاں قیام کے دوران اگر تمہیں کوئی تکلیف ہو تو برملا اظہار کرنا۔ اور اب تم یہ محسوس کرو، تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے تو تمہارے پاس سیمس اور بریزہ دونوں سنبھلی ہیں، ان سے کہنا۔ یہ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھیں گی۔ زنجیوں کی وجہ سے لشکر ابردو یا تین ہفتوں تک یہاں قیام کرے گا، اس کے بعد جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ اس دوران میرے خیال میں تم بھی گھوڑے پر سواری کرنے کے قابل ہو جاؤ گی۔ حال یہاں قیام کے دوران تمہیں کوئی فکر اور پریشانی کو اپنے ذہن میں جگہ دینے کی

مغرب کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ جوزین اُٹھ کے بیٹھ گئی۔ جس طرح سیمس اور بریزہ نے اپنے سروں کو اپنے دوپٹوں سے ڈھانپا ہوا تھا، جوزین نے بھی ڈھانپ لیا۔ پھر وہ بڑے شوق اور جستجو بھرے انداز میں سیمس اور بریزہ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد سیمس اور بریزہ دونوں ماں بیٹی پہلے کی طرح جوزین کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ گفتگو کا آغاز کرنا ہی چاہتی تھیں کہ اسی وقت خیمے میں عسکار، باز نیک اور ان کے ساتھ سیف الدین ابوبکر داخل ہوا۔

بریزہ، سیف الدین ابوبکر کو بڑی چاہت سے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ تینوں آگے بڑھے پھر ایک طرف بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز عسکار نے کیا اور اپنی بیوی سیمس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”جو کچھ میں تم دونوں ماں بیٹی سے کہنے کے لئے آیا تھا، وہ تم دونوں نے پہلے ہی کر دیا ہے۔ جوزین کا لباس تم نے تبدیل کر دیا ہے اور اس کے چہرے، ہاتھوں کی بھی خوب صفائی کر دی گئی ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عسکار رُکا، پھر جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”جوزین! میری بیٹی! کسی قسم کا تکلف مت کرنا۔ یوں سمجھنا کہ تم اپنے گھر پر ہو۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہو، سیمس اور بریزہ سے کہو۔ تمہاری ہر خواہش کا احترام کیا جائے گا، تمہاری ہر ضرورت کو پورا کیا جائے گا۔ فکر مند اور پریشان ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد عسکار رُکا، پھر سیف الدین ابوبکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جوزین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جوزین! میری بیٹی! یہ سلطان کا سالار سیف الدین ابوبکر ہے۔ اس سے پہلے بھی تم نے اس کے متعلق سن رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں، اس کی شکایتیں بھی تمہارے پاس پہنچتی رہی ہیں۔ اس وقت ہم بھی ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے لیکن کسی شخص کی اصلیت کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب کوئی کسی کے ساتھ رہے۔ بیٹے! اٹالیہ سے نکلنے کے بعد ہم قونیہ گئے اور قونیہ میں قیام کے دوران ہی بریزہ، سیف الدین ابوبکر کو پسند کرنے لگی جس کی بنا پر بریزہ کی منگنی ہم نے سیف الدین سے کر دی ہے۔ بیٹے! یہ ہمارے خیمے میں عموماً آتا نہیں

ضرورت نہیں ہے۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کے اٹھنے پر بریزہ پریشان اور فکر مند سی ہو گئی تھی۔ سیف الدین کو مخاطب کر کے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ سیمس بول اٹھی۔

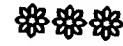
”بیٹے! کہاں جا رہے ہو؟ بیٹھو۔ اب شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔“

اس پر سیف الدین کہنے لگا۔

”اماں! میں صرف جوزین کی احوال پرسی کے لئے آیا تھا۔ مجھے ابھی سلطان کے پاس

جانا ہے۔ اس لئے کہ لشکر کے بہت سے کام ابھی باقی ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر خیمے سے نکل گیا تھا۔



لگاتار تین ہفتے تک اپنے لشکر کو سلطان نے سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس دوران زخمی ہونے والے لشکری بھی بالکل صحت یاب ہو گئے تھے۔ اور دوسری طرف جوزین جس کی ٹانگوں پر زخم آئے تھے، وہ بھی اب ٹھیک ہو چکی تھی اور چلنے پھرنے کے قابل تھی۔ گھوڑے پر بھی سواری کر سکتی تھی۔ تین ہفتے بعد سلطان نے اپنے تازہ دم لشکر کے ساتھ بارگن کے مرکزی شہر اٹالیہ کا رخ کیا تھا۔

دوسری طرف اٹالیہ کے حکمران بارگن کو ایک غم اور دکھ ضرور تھا کہ اُس کی بیٹی کہیں کھو گئی ہے یا جنگ کے دوران قتل کر دی گئی ہے۔ لیکن اسے اس بات کی خوشی بھی تھی سلطان نے اسے شکست دے کر اس کا تعاقب نہیں کیا۔ اور بارگن اسے سلطان عزالدین کی حماقت تصور کر رہا تھا۔ اس لئے کہ جنگ سے پہلے اٹالیہ کے حکمران بارگن نے جو رومنوں سے مدد کی درخواست کی تھی، اس درخواست کے جواب میں قسطنطینہ سے ایک بحری بیڑا اٹالیہ کی بندرگاہ پہنچ گیا۔ اس بحری بیڑے کے اندر رومنوں کا ایک بہت بڑا لشکر تھا جو سلطان کے خلاف اٹالیہ کے حکمران بارگن کی مدد کے لئے آیا تھا۔

اب بارگن کی طاقت اور قوت میں ایک بار پھر اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے شاندار انداز میں بحری بیڑے کے ذریعے آنے والے رومنوں کے لشکر کا استقبال کیا اور دوسرا قدم جو اس نے اٹالیہ پہنچ کر اٹھایا، وہ یہ تھا کہ اس نے اپنے کچھ مخبر پھیلا دیئے تاکہ اس کی بیٹی جوزین کو تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

بارگن کو جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کا سلطان اپنے لشکر کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے بعد اب پھر اس کے مرکزی شہر کی طرف پیش قدمی شروع کر چکا

سمیٹ کرنی وارداتوں کو جنم دیتے لہورنگ لاوے، ہر گھڑی کو ایک قیامت، زندگی کے ہر لمحے کو مسلسل جبر میں تبدیل کرنے والے عذابوں، رات کی گہری تیرگی میں آنندھیوں پر سوار سلطنتی موت کی تمازت اور دکھ کے سیلاب کی طرح حملہ آور ہو گیا۔

دوسری طرف سے پہلے سلطان نے اپنے کام کی ابتدا کی اور جوانی کا ردوائی کرتے ہوئے وہ بھی بارگن کے لشکر پر سراب ہونٹوں کے ساحلوں پر قطرہ قطرہ زہر برساتی اندھی پیاس، جواں جذبوں میں دکھ کی فروزاں طلب میں دل کے خواب زاروں میں گھس کر ہر شے کو بے جوڑ و بے ربط و وسوسوں میں تبدیل کرتے دکھ کے بے انت سراپوں اور غم کی محبت گاہوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان کے ساتھ ہی ساتھ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سیف الدین ابوبکر نے بھی اپنے کام کی ابتدا کی اور وہ بھی بارگن کے لشکر کے اس حصے کی طرف بڑھا جس میں رومن تھے۔ چنانچہ وہ رومنوں پر درد کی اندھی راہوں پر ڈڑے ڈڑے کو خون آلود کرتے سراپوں، عذابوں سے بھرے زنگ آلود حزن، ذہنوں پر خونی دستک دیتی قضا کی ہولناک پکار اور نفس نفس کو زہر آلود، جان کو ہولناک آزار سے روشناس کراتے صدیوں کے کالے تہر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سیف الدین ابوبکر کے ساتھ حسام الدین یوسف بھی حرکت میں آیا اور وہ بارگن کے لشکر کے دوسرے پہلو پر خلا کی اندھی فضاؤں میں ہر شے کو چاٹتی سرد مہری کی آنندھیوں، سمتوں کا تعین، راتوں کا تعین بھلا دینے والے جوش مارتے گھنے عذابوں اور قلوب پر انوکھی وحشت طاری کرتی موت کی دف بجاتی تلواروں کی عجیب صنایع کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

یوں اناطولیہ شہر کے نواح میں مرگ کا رقص کرتے بگولے، سینوں میں پیوست ہونے والے خنجر، سنسان راتوں میں اذیت بھرے عذاب کھولتی بھیا نک آنندھیاں، بد نصیبی کے بھیا نک لمحے اور خونی احساس کی شدتیں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔ اناطولیہ شہر کے نواح میں رزم گاہ کے اندر خونخوار جذبوں کی صلیبیں، نفرت کے بھڑکتے الاؤ، موت کی اندھی خلش، ہوش و حواس کی گمراہی، بد بختیاں اوڑھاتی دھوپ اور دلوں کی جراثیمیں ناچ اٹھی تھیں۔

کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ شروع میں بارگن کے لشکر کے علاوہ رومن بھی بڑے ہڈامید تھے کہ مسلمانوں کے سلطان کو شکست دے کر مار بھگائیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے

ہے، تب اس نے قسطنطنیہ سے آنے والے رومنوں سے صلاح مشورہ کیا اور ان کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے سلطان کا اناطولیہ شہر سے باہر مقابلہ کیا جائے اور ہر صورت میں اس کو شکست دے کر ایسا تعاقب کیا جائے کہ کسی کوچ کر واپس بھاگنا نصیب نہ ہو۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد بارگن نے اناطولیہ شہر سے صرف ایک میل شمال میں اپنا پڑاؤ قائم کیا۔ لشکر کو تیار اور مستعد کر دیا۔

دو روز بعد سلطان بھی وہاں پہنچ گیا اور اپنے لشکر کے ساتھ اس نے بارگن کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کر لیا تھا۔ بارگن کے لشکر کی اس وقت بڑے غرور و تکبر کے انداز میں اپنے گھوڑوں کو ادھر ادھر دوڑا رہے تھے، وحشی قسم کے نعرے بلند کر رہے تھے، اپنی شاندار رخ اور کامیابی اور سلطان کی شکست کے نعرے بلند کرتے جا رہے تھے۔

آخر کار اگلے روز بارگن نے سلطان کے ساتھ ٹکرانے کا عزم کر لیا۔ اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا۔ ساتھ ہی اس کے لشکر کے اندر ایک عجیب طرح کی ہلچل، چیخ و پکار اور نعرے بازی شروع ہو گئی۔ بارگن کے لشکر کی ہر صورت میں مسلمانوں سے اپنی شکست کا انتقام لینے پر ٹٹکے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سلطان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

سلطان نے اس بار اپنے لشکر کے اندر تبدیلی کی۔ لشکر کو اس نے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ سلطان نے اپنے پاس رکھا اور اپنے نائب کی حیثیت سے نجم الدین بہرام کو اپنے ساتھ رکھا۔ دوسرے حصے کی کمانداری سیف الدین ابوبکر کے پاس تھی جب کہ مبارز الدین چاولی اس کے نائب کی حیثیت سے مقرر ہوا تھا۔ تیسرے حصے کی کمانداری حسام الدین یوسف کے پاس تھی اور زین الدین بشارہ اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ چھوٹا سا ایک لشکر سلطان نے اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کیا اور اس لشکر کی کمانداری ایک چوتھے سالار کے ذمہ لگائی گئی تھی۔

دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر چکے، تب سلطان عز الدین، سیف الدین ابوبکر، حسام الدین یوسف، مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام اور دوسرے سالار باہم مشورہ کرتے رہے، پھر سب اپنے اپنے لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔ اتنی دیر تک بارگن نے اپنے اور رومنوں کے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ سلطان کے لشکر پر زمانے کی دُور یوں کو

کلبیروں کی چھاؤں تلے زوردار انداز میں نعرے بلند کرتے ہوئے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر کے اپنے سامنے دشمن کی صفوں کو الٹ کر ان کی لاشوں کی ایک طرح بساط بچھانا شروع کر دی تھی۔ یہ صورت حال یقیناً بارگن کے لشکریوں کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ لہذا ان حالات میں بارگن کے لشکریوں کی حالت بڑی تیزی سے فراق و ہجر کی راہ، انحطاط و زوال، بے چہرگی کے رنگ، زندگی کے لو بھرے خیالوں اور رنج و غم کے کھلیانوں کی طرح ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ بارگن نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔

سلطان اور اس کے سالاروں نے وحشی ہواؤں کے زور، جوش مارتی بھوکی جڑ لہروں، نظر نظر کی روشنی، نفس نفس کی نفگی چھینتی اذیتوں کی انگڑائیوں کی طرح بارگن اور اس کے لشکر اور رومن اتحادیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔

اس موقع پر بارگن اور اس کے اتحادی رومنوں نے کوشش کی کہ شہر میں داخل ہو کر محصور ہو جائیں اور سلطان کا مقابلہ کرتے رہیں۔ ساتھ ہی آس پاس کی جوشاہی ریاستیں ہیں، ان سے بھی مسلمانوں کے سلطان کے خلاف مدد طلب کی جائے۔

لیکن شاید سلطان اور اس کے سالار پہلے مشورہ کر چکے تھے لہذا سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھے۔ ان کے دہار پہنچنے تک بارگن کے کچھ لشکر شہر میں داخل ہو چکے تھے لیکن بعد میں آنے والوں کے انہوں نے راستہ روک لیا اور جو بھی شہر پناہ کی طرف آتا، اس پر حملہ آور ہو کر انہوں نے انہیں کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے شہر میں داخل ہو کر محصور ہونے کا ارادہ بارگن نے ترک کر دیا۔ ساحل پر چونکہ رومنوں کا بحری بیڑا کھڑا تھا، لہذا وہ بحری بیڑے کی طرف بھاگا اس طرح بارگن اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ رومنوں کے بحری بیڑے میں سوار ہو گیا اس کے جو دستے سیف الدین ابوبکر کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے شہر میں داخل ہوئے تھے، انہیں جب خبر ہوئی کہ بارگن شکست کے بعد یہاں سے کوچ کرنے کے لئے بحر بیڑے میں سوار ہو چکا ہے تو وہ بھی شہر پناہ کے دوسرے دروازے سے نکلے اور جا کر انہوں نے بھی بحری بیڑے میں سوار ہونا شروع کر دیا تھا۔

اس طرح بارگن شکست اٹھا کر رومنوں کے بحری بیڑے میں بیٹھ کر وہاں سے بھاگ

گیا تھا۔ سلطان عزالدین اپنے لشکر کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا اور شہر کا نظم و نسق اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

شہر کی فتح کے تیسرے روز جس وقت عسار اپنے اہل خانہ کے ساتھ اپنی حویلی میں منتقل ہو چکا تھا اور جوزین نے بھی ان کے ساتھ ہی رہائش رکھ لی تھی، اس موقع پر عسار، اس کا بیٹا باز نیک، بیٹی بریزہ اور بارگن کی بیٹی جوزین دیوان خانے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دستک سن کر باز نیک اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے باپ عسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں دیکھتا ہوں، دروازے پر دستک دینے والا کون ہے۔“

اس موقع پر عسار کی بیوی سیس نے بھی مطبخ سے جھانک کر باہر دیکھا۔ شاید وہ کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ اس کا بیٹا باز نیک حویلی کے صدر دروازے کی طرف گیا ہے، تب وہ دوبارہ مطبخ میں چلی گئی تھی۔

باز نیک نے آگے بڑھ کر جب دروازہ کھولا تو دروازے پر سیف الدین ابوبکر کھڑا تھا۔ باز نیک نے کچھ دیر حیرت کے انداز میں سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھا، پھر شکایت آمیز انداز میں کہنے لگا۔

”بھائی! آپ اجنبیوں کی طرح یوں دستک دے رہے تھے۔ دروازہ تو کھلا تھا۔ اسے دبا کر آپ اندر آ جاتے۔ آپ کی حیثیت اب اس گھر کے ایک فرد کی ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے باز نیک کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ دیوان خانہ کے اندر سے عسار کی آواز آئی اور اس نے باز نیک کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

”بیٹے! دروازے پر کھڑے ہو کر کس سے گفتگو کرنے لگے ہو؟ کس نے دروازے پر دستک دی ہے؟ اسے لے کر اندر آؤ۔“

چنانچہ باز نیک نے دروازہ بند کر دیا۔ سیف الدین کو لے کر وہ دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اس کی آمد پر بریزہ نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔ آگے بڑھ کر سیف الدین ابوبکر، عسار کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر گفتگو کا آغاز سیف الدین ابوبکر نے کیا اور عسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم نے جو جواب دیا ہے، میں سلطان سے کہہ دوں گا۔“
اس موقع پر کسار نے ہاتھ بڑھا کر سیف الدین کا بازو پکڑ لیا۔ سیف الدین جب جانے کے لئے اٹھا، جب بریزہ فکر مند اور پریشان ہو گئی تھی۔ پھر کسار بولا اور کہنے لگا۔
”بیٹے! کھانے کا وقت ہو گیا ہے، کھانا کھا کر جانا۔“
سیف الدین نے پہلے نفی میں گردن ہلائی پھر کسار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”در اصل بات یہ ہے کہ سلطان بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس وقت سارے سالار، سلطان کے پاس جمع ہیں اس لئے کہ اناطولیہ کو فتح کرنے کے بعد اب یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اس کے بعد ہم نے اپنے کس دشمن کو اپنا ہدف بنانا ہے۔ میں ضرور زکنا لیکن سلطان انتظار کر رہے ہوں گے۔ اس بنا پر مجھے جانا ہوگا۔“
سیف الدین کے اس جواب پر کسار نے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ پھر سیف الدین حویلی سے نکل گیا تھا۔



سیف الدین ابوبکر ایک بار پھر سلطان کے خیمہ میں داخل ہوا۔ اس وقت چھوٹے بڑے سارے سالار سلطان کے پاس جمع تھے۔ سیف الدین ابوبکر آگے بڑھ کر سلطان کے قریب بیٹھ گیا اور جو گفتگو اس کی جوزین کے ساتھ ہوئی تھی، اس کی تفصیل اس نے سلطان سے کہہ دی تھی۔

یہ ساری تفصیل جان کر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ وہاں بیٹھے دوسرے سالار بھی لڑائی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی یہاں تک کہ گفتگو کا آغاز پھر سلطان نے کیا اور اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جو مہمات ہمیں پیش ہیں، ان میں سے سمجھ لیں، ہم نے ابھی چوتھا حصہ مکمل کیا ہے۔ ملطیہ کا پورا علاقہ ہماری عملداری میں ہے۔ ہر قلعہ ہمارے سامنے خم ہو چکا ہے اور آج اناطولیہ کو بھی دوبارہ فتح کر کے ہم نے یہاں کے حاکم بارگن کو قبرص بھاگ جانے پر مجبور کر لیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ کچھ عرصہ تک بارگن، اناطولیہ کا رخ نہیں کرے گا۔ میں یہ نہیں کہتا، آنے والے دور میں کبھی وہ اناطولیہ پر حملہ آور نہیں ہوگا۔ بھیڑیے کے منہ کو جب خون لگ جاتا ہے تو پھر وہ چیر پھاڑ کے کام سے باز نہیں آتا۔ اس وقت یہی حالت بارگن کی

”اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک موضوع پر جوزین سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“
اس موقع پر ایک غائر نگاہ کسار نے سیف الدین پر ڈالی پھر کہنے لگا۔
”بیٹے! اگر تم جوزین سے کسی موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہو تو اس سلسلہ میں تمہیں ہم سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“
سیف الدین نے گلا صاف کیا، پھر جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”خاتون! میں اپنے سلطان کی طرف سے آیا ہوں اور تمہارے لئے ایک پیغام ہے۔ تمہیں ہمارے پاس رہتے ہوئے لگ بھگ ایک ماہ ہو چکا ہے۔ تمہارے ماں باپ بھی پریشان ہوں گے۔ لہذا سلطان نے مجھے اس لئے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تم سے یہ پوچھا جائے کہ کیا تم اپنے باپ کے پاس قبرص جانا چاہو گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر تمہارے لئے دو کشتیوں کا اہتمام کیا جائے گا۔ بڑی کشتیاں ہوں گی۔ ایک میں تم اور کچھ محافظ سوار ہوں گے، دوسری کشتی میں بھی تمہاری حفاظت کے لئے کچھ مسلح جوان رکھے جائیں گے۔ اس طرح وہ تمہیں قبرص پہنچا کر واپس آ جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین جب خاموش ہوا تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جوزین کہنے لگی۔

”کیا آپ نے مزید کچھ کہنا ہے یا جو کچھ آپ نے کہنا تھا، کہہ چکے ہیں؟“

اس پر سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔ ”خاتون! میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا، کہہ چکا۔“

اس پر جوزین نے ہلکے سے تبسم میں کہنا شروع کیا۔

”اگر آپ نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکے تو پھر جو میں کہنا چاہتی ہوں، وہ سنیں۔ مجھے یقیناً محترم کسار کے اہل خانہ کے ساتھ رہتے ہوئے ایک ماہ بیت چکا ہے۔ اس دوران میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔ لہذا میں اب قبرص نہیں جاؤں گی۔ یہیں محترم کسار کے ہاں رہوں گی۔ ساتھ ہی سلطان کے لشکر میں رہتے ہوئے جائزہ بھی لیتی رہوں گی اور لشکر میں جو کوئی میری خواہش پر پورا اُترے، اس سے شادی کر کے میں اپنی ازدواجی زندگی کی ابتدا کر دوں گی۔ بس یہی میرا ارادہ ہے۔ اب میں قبرص نہیں جاسکتی۔ اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور یہیں رہوں گی۔“

جوزین کا یہ جواب سن کر سیف الدین خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

ہے۔ اگر وہ دوبارہ ملطیہ ہم سے لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے اسے کچھ عرصہ تیاری کرنا ہو گی۔ اتنی دیر تک ہم اپنی دوسری کافی مہموں کو زیر اور سر کر سکتے ہیں۔ اب جب کہ ہم سمندر کے کنارے اناطالیہ میں ہیں تو یہاں ہمارے سامنے دو بڑی مہمیں ہیں۔ ایک فلاڈلفیا کی قوت اور دوسرا لشکری جو اناطالیہ کے جنوب مغرب کے وسیع علاقوں کا حاکم ہے۔ اور اس کے پیچھے قسطنطنیہ کی سلطنت ہے۔ اس لئے کہ لشکری بذات خود یونانی ہے۔ قسطنطنیہ پر بھی یونانیوں کی حکومت ہے۔ لہذا قسطنطنیہ کی حکومت لشکری کی پشت پناہی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ لشکری کے ساتھ ایک ٹکراؤ میں میراباپ ہلاک ہوا تھا، لہذا لشکری سے انتقام لینا میرافرض بھی بنتا ہے۔

جہاں تک ہمارے مجبوروں کا تعلق ہے، وہ اطلاع دے چکے ہیں، رومنوں کا جو بحری بیڑا اناطالیہ کے حکمران بارگن کی مدد کے لئے آیا تھا، وہ پہلے سیدھا قبرص کا رخ کرے گا۔ وہاں بارگن، اس کے اہل خانہ اور بچے کچھ لشکریوں کو جزیرہ میں اتارے گا، اس کے بعد وہ فلاڈلفیا کا رخ کریں گے۔ فلاڈلفیا پر ان دنوں رومنوں ہی کی حکومت ہے لہذا رومن یہ محسوس کرتے ہیں کہ مسلمان اناطالیہ پر حملہ آور ہونے کے بعد ضرور فلاڈلفیا کا رخ کریں گے۔ اس لئے کہ فلاڈلفیا کا حاکم ماضی اور حال دونوں میں بارگن کی مدد کرتا رہا ہے۔ لہذا فلاڈلفیا پر ہم ضرور ضرب لگائیں گے۔ اسی بنا پر بارگن کو قبرص میں چھوڑنے کے بعد رومنوں کا بحری بیڑا فلاڈلفیا کا رخ کرے گا تاکہ فلاڈلفیا کے لشکر میں شامل ہو کر اس کی طاقت اور قوت کو مضبوط اور مستحکم کیا جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان جب رکا، تب کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ مبارز الدین بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اناطالیہ ہم فتح کر چکے ہیں لیکن اس کی حفاظت کا ہمیں سامان کرنا ہوگا اگر ہم نے یہاں بڑا لشکر نہ رکھا اور یہاں سے گوج کر کے فلاڈلفیا کا رخ کر لیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ بارگن رومنوں، یونانیوں یا کسی اور قوت کا سہارا لے کر دوبارہ اناطالیہ پر حملہ آور ہو اور ہماری غیر موجودگی میں اس پر قبضہ کر لے۔“

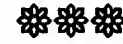
مبارز الدین کے ان الفاظ کے جواب میں ایک گہری نگاہ سلطان نے اس پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”مبارز الدین! اس سلسلہ میں، میں سیف الدین ابوبکر سے بات کر چکا ہوں۔ میں نے اُسے پیش کش کی تھی کہ میں اُسے اناطالیہ کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ وہ اپنی طرف سے جسے چاہے عامل مقرر کر دے لیکن خود لشکر میں رہ کر ذمہ داریاں نبھاتا رہے گا۔ لیکن سیف الدین نے معذرت کر لی ہے۔ اس نے بڑی عاجزی سے التماس کی ہے کہ اسے لشکر میں رہنے دیا جائے، کسی علاقہ کا حاکم نہ بنایا جائے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے وہ حاکمیت میں کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن سالار کی حیثیت سے وہ دشمن کے مقابلے میں اپنا رنگ خوب جھماکتا ہے۔ لہذا مبارز الدین! اناطالیہ کا حاکم میں تمہیں مقرر کرتا ہوں۔ ایک لشکر بھی تمہاری کمانداری میں بھیج رہا ہوں گا اور تمہارے ذمہ یہ کام ہوگا کہ تم ہماری غیر موجودگی میں اناطالیہ کی حفاظت کا سامان کرو گے۔ اس کے علاوہ تیز رفتار قاصد بھی مقرر کئے جائیں گے جو میرے اور تمہارے درمیان خبر رسانی کا کام کریں گے۔ اس طرح تمہاری طرف سے روز کی خبریں بھی میری طرف پہنچتی رہیں گی اور میری طرف سے روزانہ ہدایات تمہیں جاری ہوتی رہیں گی۔ اس سلسلہ میں تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بارگن کو یہ محسوس ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر فلاڈلفیا کا رخ کر گیا ہے اور اناطالیہ میں ایک چھوٹا سا لشکر ہوگا جس پر حملہ آور ہو کر وہ فتح حاصل کر سکتا ہے تو پہلی بات یہ کہ یہ اُس کی بھول ہوگی۔ اور اگر اس نے ایسا کر بھی لیا تو پھر تم فکر مند نہیں ہونا۔ میرے اور تمہارے درمیان مجبوروں کے ذریعے جو رابطہ ہے گا، اس سے پورے حالات کی مجھے خبر رہے گی۔ ایسا اگر حادثہ ہونے والا ہوا تب میں سیف الدین ابوبکر کو ایک لشکر کے ساتھ تمہاری مدد کے لئے روانہ کر دوں گا۔ اور خداوند روس نے چاہا تو پھر بارگن اگر حملہ آور ہوتا ہے تو ناکام اور تاراج ہو جائے گا اور اگر اسے یہ خبر فوج جاتی ہے کہ سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین ارتقش جیسے سالار اناطالیہ میں ایک لشکر کے ساتھ قیام کئے ہوئے ہیں تو میرا اپنا اندازہ ہے وہ اناطالیہ پر حملہ آور ہونے کی حماقت میں کرے گا۔“

سلطان کے ان الفاظ سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ لشکر ایک تہ لگا تار اناطالیہ شہر میں قیام کر کے آرام کرے گا، سستائے گا اور ایک ہفتہ بعد لشکر اناطالیہ سے گوج کرے گا اور فلاڈلفیا کا رخ کرے گا۔ اس موقع پر سلطان نے ایک بار پھر اپنے لااروں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”میں نے ایک ہفتہ کا وقت اس لئے مقرر کیا ہے تاکہ رومنوں کا بحری بیڑا بارگن کو قبرص میں پہنچا کر فلاڈلفیا پہنچ جائے تاکہ آنے والے دور میں رومنوں کو یہ شکوہ، یہ شکایت اور یہ حسرت نہ رہے کہ وہ تو قبرص کی طرف گئے تھے، ان کی غیر موجودگی میں ہم نے فلاڈلفیا پر حملہ آور ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ میں چاہتا ہوں وہ رومنوں کا بحری بیڑا فلاڈلفیا پہنچ جائے، اس کے بعد ہم ان سے ٹکرائیں اور انہیں بتائیں کہ اگر تم مسلمانوں کو اناطولیہ کے میدانوں میں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو پھر ہم بھی تمہیں اناطولیہ کے ان میدانوں میں رہنے نہیں دیں گے، نکال باہر کریں گے۔“

سلطان کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے سارے سالاروں کو جا کر آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس پر سارے سالار اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تھے۔



سارے سالاروں کے جانے کے تھوڑی دیر بعد خیمے کے دروازے پر جوزین نمودار ہوئی اور عاجزی اور انکساری میں سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”سلطان محترم! اگر اجازت ہو تو میں خیمے میں داخل ہو سکتی ہوں؟“

سلطان نے جب جوزین کو اجازت دی تو جوزین آگے بڑھ کر سلطان کے پاس بیٹھ گئی۔ اس موقع پر سلطان نے اسے مخاطب کیا۔

”بیٹی! خیریت تو ہے؟ میں نے سیف الدین ابوبکر کو تمہاری طرف بھیجا تھا تاکہ تمہارا عندیہ لیا جائے کہ تم کب قبرص میں اپنے باپ کے پاس جانا چاہتی ہو۔ واپس آ کر اس نے مجھے بتایا کہ تم واپس نہیں جانا چاہتی۔ اس لئے کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اسلام قبول کرنے پر میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری بیٹی! اگر تمہیں کوئی شکایت ہے تو کہو۔“

اس پر جوزین بولی اور کہنے لگی۔

”سلطان محترم! مجھے کسی سے کوئی شکایت اور شکوہ نہیں۔ بس میں آپ کے پاس ایک التماس اور عرض داشت لے کر آئی ہوں۔“

گہری نگاہ اس موقع پر سلطان نے جوزین پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”کہو۔ رکتی کیوں ہو بیٹی؟“

جوزین کو حوصلہ ہوا لہذا اس نے کہنا شروع کیا۔

”سلطان محترم! ماضی میں مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئیں اور میں اپنی ان غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔ دراصل بات یہ ہے کہ کسار کی بیٹی بریزہ میرے باپ کی سلطنت میں سب سے زیادہ خوب صورت اور حسین تھی۔ لوگ مجھے بھی خوب صورت خیال کرتے تھے لیکن بریزہ کو مجھ سے زیادہ حسین قرار دیتے تھے جس کا مجھے شکوہ اور حسد رہتا تھا۔ لہذا ماضی میں، میں بریزہ کے خلاف رہی۔ ہمیشہ اس سے کھینچی کھینچی رہی۔ جس جگہ وہ بیٹھی ہوتی تھی، وہاں میں نہیں بیٹھتی تھی۔ اگر میں کہیں پہلے سے بیٹھی ہوتی، وہاں بریزہ آ جاتی تو میں اٹھ کر چلی جاتی تھی۔ اسے اچھا خیال نہیں کرتی تھی۔ اس لئے کہ مجھے اس کی خوب صورتی اور اس کے کمالات سے حسد ہو گیا تھا۔ سلطان محترم! میں سمجھتی ہوں، بریزہ کو دو سعادتیں اور دو خوش بختیاں نصیب ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے اور اب مسلمان ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی منگنی آپ کے لشکر کے سب سے اچھے سالار سیف الدین ابوبکر سے دی گئی۔ سیف الدین ابوبکر کو میں دیکھ چکی ہوں۔ ایسے عمدہ شخصیت اور اعلیٰ کارکردگی کے مالدار بہت کم ملتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی بریزہ خوش قسمت ہے کہ اس کی منگنی سیف الدین ابوبکر سے ہو چکی ہے۔“

سلطان محترم! یہ ساری تمہید باندھنے کا مقصد یہ ہے کہ میں آپ کے لشکر میں رہ کر سیف الدین ابوبکر کی حفاظت کا سامان کرنا چاہتی ہوں۔ ماضی میں بریزہ کے سلسلہ میں نہ سے جو اس کے حق میں زیادتیاں ہوئیں، یہاں رہ کر میں ان کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔ سیف الدین ابوبکر، بریزہ کے منگیتر ہیں اور اللہ کرے ان دونوں کی جلد شادی ہو جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کے لشکر میں شامل ہوا کروں۔ جہاں کہیں بھی امیر سیف الدین ابوبکر کو کوئی خطرہ یا خدشہ ہو، وہاں میں پیچھے یا گھات میں رہ کر ان کی حفاظت کا امان کرنا چاہتی ہوں۔ اور سلطان محترم! مجھے امید ہے کہ آپ مجھے ایسا کرنے سے نہ منع کریں گے، نہ روکیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جوزین جب خاموش ہوئی، تب سلطان ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کچھ سوچتا رہا۔ پھر جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میری بیٹی! تُو بھی خوش قسمت ہے۔ تُو اسلام قبول کر چکی ہے۔ تیری اور بریزہ

دونوں کی حیثیت میر بیٹیوں جیسی ہے۔ اگر ٹولشکر میں رہ کر سیف الدین ابوبکر کی حفاظت کر کے بریزہ کے حق میں کی گئی ماضی کی اپنی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتی ہے تو میری بیٹی! تجھے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔ لشکر میں چھوٹے بڑے سالاروں اور لشکریوں کے اہل خانہ بھی ساتھ ہوتے ہیں لہذا تم لشکر میں قیام کر سکتی ہو۔ تمہارے لئے خیمے کا بہترین اہتمام کر دیا جائے گا اور لشکر میں تمہاری حیثیت ایک سالار ہی کی ہوگی۔ میری بچی! اب جاؤ، جا کر آرام کرو۔“

سلطان کے اس فیصلہ پر جوزین خوش ہو گئی تھی۔ پھر سلطان کو سلام کر کے وہ خیمہ سے نکل گئی تھی۔

اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد سلطان نے اپنے چوب دار کو آواز دے کر بلایا۔ چوب دار جب اندر آیا، تب سلطان نے چوب دار سے کہا۔

”ذرا حسام الدین یوسف کو بلا کر لاؤ۔“

چوب دار وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بڑے سالاروں میں سے حسام الدین یوسف سلطان کے خیمے میں داخل ہوا۔ سلطان نے جب ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا، تب حسام الدین فکر مند اور پریشان سا سلطان کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر حسام الدین فوراً بول اٹھا۔

”سلطان محترم! ابھی تھوڑی دیر ہوئی، میں آپ کے پاس سے اٹھ کے گیا ہوں۔ کیا کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے جو آپ نے مجھے دوبارہ طلب کر لیا ہے یا کسی نے میرے خلاف کوئی نالاش و شکایت کی ہے جس کی بنا پر آپ نے مجھے طلب کر لیا ہے۔“

جواب میں سلطان نے مسکراتے ہوئے پہلے نئی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

اس کے بعد سلطان نے تھوڑی دیر پہلے جوزین کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی، اس کی تفصیل حسام الدین یوسف سے کہہ دی۔

یہ ساری تفصیل کہنے کے بعد سلطان لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوا، پھر حسام الدین یوسف کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”حسام الدین! تم جانتے ہو، سیف الدین ابوبکر مجھے کتنا عزیز ہے۔ دیکھو، جوزین

ماضی میں سیف الدین ابوبکر کے سخت خلاف رہی ہے۔ اس لئے کہ سیف الدین نے نہ صرف ان کے بہترین سالار نیا لوق کو ایک معرکہ میں موت کے گھاٹ اتارا تھا بلکہ جوزین کے باپ بارگن کے بھتیجے ارمناک کو بھی کئی بار شکستوں سے دوچار کیا۔ حالانکہ بارگن کی سلطنت میں ارمناک بہت اچھا سالار خیال کیا جاتا تھا۔ اب مجھے خدشہ ہے، میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا لیکن خدشہ ہے کہ جوزین کہیں ایسا کر کے سیف الدین ابوبکر کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ لہذا دو لشکریوں کو مقرر کرو جو ہمہ وقت جنگ کے دوران سیف الدین ابوبکر کے آس پاس رہیں، جوزین پر بھی نگاہ رکھیں تاکہ یہ کوئی غلط قدم نہ اٹھانے پائے۔ میرے خیال میں جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں، تم سمجھ گئے ہو گے۔“

حسام الدین یوسف مسکرایا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سیف الدین ابوبکر میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس کی حفاظت کا ایسا سامان کروں گا کہ کوئی اسے غداری سے خراش تک نہیں لگا سکے گا۔“

حسام الدین کا یہ جواب سن کر سلطان خوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے حسام الدین کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔

ایک ہفتہ بعد سلطان نے اٹالیہ سے فلاڈلفیا کی طرف کوچ کیا تھا اور ایک لشکر کے ساتھ مبارز الدین ارتقش کو اٹالیہ کا حاکم بنا کر وہاں مقرر کیا تاکہ وہ اٹالیہ کی حفاظت کا سامان کرتا رہے۔



لشکر کی بھی تعداد کافی ہے۔ اب ساماق کی منصوبہ بندی یہ ہے کہ پہلے خود آپ سے ٹکرائے گا۔ اس نے یہ سوچ رکھا ہے کہ اگر مسلمانوں کے سلطان کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سلطان کے مرکزی شہر تک اس کا تعاقب کرے گا تاکہ آنے والے دور میں اناطولیہ میں مسلمان کسی نصرانی حکمران کے سامنے سر نہ اٹھا سکیں۔

اور اگر ہمارے ہاتھوں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ پلٹے گا اور اس لشکر سے جا ملے گا جو فلاڈلفیا سے ایک میل کے فاصلہ پر پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ اس طرح وہاں ایک بار ہر ساماق قسمت آزمائی کرے گا اور ہماری راہ روکنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے علاوہ بھی ہنی فتح اور کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے ساماق نے ایک قدم اٹھایا ہے۔ جس وقت آپ اپنے لشکر کے ساتھ اس کے سامنے جا کر پڑاؤ کریں گے تو وہ اپنے لشکر کو آپ کے سامنے کھے گا اور لشکر کا ایک خاصا بڑا حصہ اس نے مقرر کیا ہے جو لشکر کے پیچھے پڑاؤ کے اندر رہے گا۔ جب ساماق کے ساتھ آپ کی جنگ خوب گرم ہو جائے گی، تب پڑاؤ کے اندر جو لشکر فرمایا ہوگا، وہ وہاں سے بڑے رازدارانہ انداز میں نکلے گا اور ہمارے لشکر کے ایک پہلو حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی اور ہماری شکست کا درکھولنے کی کوشش کرے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ منبر رکا، پھر سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ابھی تک ہمارے پاس یہی خبریں ہیں جو ہم نے آپ کی خدمت میں ل کر دی ہیں۔“

وہ منبر جب ساری تفصیل کہہ چکا تب سلطان نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو شاباش اور انہیں انعامات سے بھی نوازا۔ اس کے بعد پھر ان کو اپنے کام لگ جانے کی ہدایت دی تھی۔ ساتھ ہی سلطان نے اپنے لشکر کو وہاں روک دیا اور اپنے سارے سالاروں کو رکے آگے اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔ جب سارے سالار اس کے پاس جمع ہو گئے، تب کچھ مجنوں نے کہا تھا، وہ تفصیل کے ساتھ سلطان نے انہیں بتا دیا۔

ایسا کرنے کے بعد سلطان پھر بولا اور کہنے لگا۔

”فلاڈلفیا کے حکمران جن مقامات پر ہم سے ٹکرانے کا عزم کر چکا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ دونوں ہی مقامات پر ہم اسے پسپا کرنے میں کامیاب رہیں گے اور خداوند قدوس چاہا تو اناطولیہ کے حکمران بارگن کی طرح فلاڈلفیا کا حاکم ساماق بھی ہمارے سامنے گھٹنے

اناطولیہ سے روانہ ہونے سے پہلے سلطان نے اپنے کچھ مجنوں کو فلاڈلفیا کے علاقوں کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ یہ منبر بڑی تیزی اور تندہی سے اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔ لہذا سلطان عزالدین جس وقت فلاڈلفیا سے لگ بھگ پچیس میل کے فاصلہ پر تھا، تب اس کے وہ منبر سامنے کی طرف سے آئے۔ سلطان نے لشکر کو روکا نہیں، پیش قدمی جاری رکھی۔ منبر جب قریب آئے تو سلطان سے سلام کہا اور سلطان کے کہنے پر وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ سلطان کے پوچھنے پر ان میں سے ایک منبر، سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کو آپ کی پیش قدمی کی اطلاع ہو چکی ہے۔ اسے یہ بھی خبر ہو چکی ہے کہ سلطان کے ہاتھوں اناطولیہ کے حکمران بارگن کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے اور بارگن ایک بار پھر قبرص کی طرف بھاگ گیا ہے اور اناطولیہ پر سلطان کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اس بنا پر فلاڈلفیا کے حکمران ساماق نے چاروں طرف اپنے منبر پھیلانے تھے جنہوں نے اسے آپ کی پیش قدمی کی اطلاع کر دی ہے جس کے نتیجے میں آپ کی راہ روکنے کے لئے ساماق نے دو قدم اٹھائے ہیں۔ پہلا یہ کہ ایک جرار لشکر کے ساتھ فلاڈلفیا سے لگ بھگ پانچ میل کے فاصلہ پر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکا ہے اور وہی آپ کی راہ روکے گا۔ اس لشکر میں فلاڈلفیا کا حکمران ساماق بذات خود شامل ہے اور لشکر میں اس کے بہترین سالار اور تربیت یافتہ لشکری بھی ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد پیشہ ور رومنوں کی ہے جو جنگ کے علاوہ حرب و ضرب کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ساماق نے ایک لشکر اپنے مرکزی شہر فلاڈلفیا سے ایک میل کے فاصلے پر متعین کیا ہے۔ اس

ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اب ہمیں ایک منصوبہ بندی پہلے سے ترتیب دے کر طے شدہ طریقہ کے مطابق ساماق سے نمٹنا ہوگا۔ مخبروں نے جو کچھ بتایا ہے، اس کی روشنی میں، میں نے ایک منصوبہ بندی تیار کی ہے جو اس طرح ہے۔

لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کیا جائے گا۔ اس لشکر کی کمانداری سیف الدین ابوبکر کرے گا۔ جبکہ مبارز الدین چاولی اس کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔ باقی لشکر میرے اور باقی سالاروں کے پاس رہے گا۔ ہم یہاں سے کوچ کرنے کے بعد ساماق کے پڑاؤ کے سامنے جا کر قیام کریں گے، اپنا پڑاؤ قائم کر لیں گے۔ لیکن پانچ میل آگے جانے کے بعد سیف الدین ابوبکر اس لشکر کے ساتھ جو اس کی کمانداری میں دیا جائے گا، اپنے ساتھی مبارز الدین کے ساتھ علیحدہ ہو جائے گا اور شمال میں دور رہتے ہوئے ساماق کے لشکر سے اتنے فاصلہ پر رہے گا جہاں فلاڈلفیا کا حکمران، اس کے سالار اور لشکر اسے دیکھ نہ سکیں۔

اس دوران تیز رفتار مخبروں کے ذریعے ہمارے اور سیف الدین ابوبکر کے ساتھ رابطہ رہے گا۔ جب ہم ساماق سے جنگ کی ابتدا کریں گے تو پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اس سے ٹکرائیں گے۔ جس وقت یہ ٹکراؤ اپنے عروج کی طرف جا رہا ہوگا، سیف الدین ابوبکر اپنے لشکر کے ساتھ ساماق کے لشکر کی پشت کی جانب سے نمودار ہوگا اور بڑی تیز رفتار، اور برق کے کوندوں کی طرح ساماق کے پڑاؤ پر حملہ آور ہوگا۔ پڑاؤ کے اندر فلاڈلفیا کے حکمران ساماق نے اپنے لشکر کا ایک حصہ مقرر کیا ہے، سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین اس کا خاتمہ کر دیں گے اور پڑاؤ کے اندر ایک افراتفری اور کھراپا برپا کر کے رکھ دیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی خیمہ کو جلایا جائے گا، نہ ہی کسی عورت، بوڑھے اور بچے پر ہاتھ اٹھایا جائے گا۔ چنانچہ ساماق جس وقت بری طرح ہمارے ساتھ ٹکرا رہا ہوگا، اسے جب ہوگی کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے پشت کی جانب سے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر جس لشکر کو اس نے وہاں گھات میں بٹھایا تھا، اس کا خاتمہ کر دیا ہے، تب ساماق کے پاؤں تلے سے اٹھ کر نکل جائے گی اور وہ پلٹے گا۔ جب پلٹے گا تو ہم زوردار انداز میں اس پر حملہ آور ہوں گے۔ کوشش یہ کی جائے گی کہ وہ اپنے پڑاؤ کی طرف نہ جاسکے۔ ایسا یوں کیا جائے گا جس وقت سامنے کی طرف سے ہم اس پر دباؤ ڈالیں گے، اسی وقت پڑاؤ کے اندر جو لشکر تھے، ان

خاتمہ کرنے کے بعد سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین بھی ساماق کے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس طرح جب دو طرف سے حملہ آور ہوگا، تب ساماق پڑاؤ کی طرف نہیں جائے گا بلکہ فلاڈلفیا شہر کے نواح میں ایک میل کے فاصلہ پر جو اس نے اپنا دوسرا بہت بڑا لشکر ترتیب دے رکھا ہے، اس کی طرف بھاگے گا تاکہ وہاں ایک بار پھر وہ ہماری راہ روکے اور ہم سے ٹکرا کر اپنی قسمت، اپنے بخت کو آزمائے۔

ساماق شکست اٹھا کر بھاگے گا اور اپنے اس بڑے لشکر کی طرف جائے گا اس نے اپنے مرکزی شہر فلاڈلفیا سے لگ بھگ ایک میل کے فاصلہ پر متعین کیا ہوا ہے، تب ہم جس جگہ جنگ ہوگی، وہاں دو چار روز اپنے لشکریوں کو سستانے کا موقع فراہم کریں گے۔ اس کے علاوہ ساماق کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کیا جائے گا۔ جو کچھ یہاں سے ملے گا، اس کو لشکریوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح لشکریوں کے حوصلے بلند ہوں گے اور پہلے کی نسبت بہتر انداز میں اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کریں گے۔

اس دوران ہمارے مخبر فلاڈلفیا کے حکمران کے متعلق کچھ خبریں لے کر آئیں گے۔ اگر وہ خبر لے کر نہ آئے تب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ فلاڈلفیا کے حکمران نے صرف فلاڈلفیا کے ایک میل کے فاصلہ پر ہم سے ٹکرانے کا عزم کیا ہے اور اپنا لشکر اس نے گھات میں نہیں بٹھایا۔ جب ایسا ہوگا تو مجھے امید ہے وہاں بھی ہم فلاڈلفیا کے حکمران ساماق پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ اس کی حالت خداوند قدوس نے چاہا تو اٹھالیہ کے حکمران بارگن سے مختلف نہیں ہوگی۔“

بہر حال سلطان کی طرف سے پیش قدمی جاری رہی اور ایک مناسب موقع اور مقام کو دیکھتے ہوئے سیف الدین ابوبکر لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ سلطان سے علیحدہ ہو کر شمال کی طرف سے لمبا کاوا کاٹتے ہوئے آگے بڑھنے لگا تھا جب کہ سلطان تیزی سے آگے بڑھا پھر وہ اپنے لشکر کے ساتھ فلاڈلفیا شہر سے لگ بھگ ایک میل کے فاصلہ پر فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کے لشکر کے سامنے جا کے پڑاؤ کر گیا تھا۔

جس وقت سلطان وہاں پہنچا، فلاڈلفیا کے حکمران ساماق نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے لشکر کے سامنے جمع ہونے کا حکم دیا۔ ابھی تک اس نے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع نہیں کی تھیں۔ جب سارے سالار ساماق کے پاس جمع ہو گئے تب ساماق گفتگو کا

آغاز کرتا ہی چاہتا تھا کہ اس موقع پر ایک رومن سالار بولا اور ساماق کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس سے پہلے سلطان کے ایک سالار سیف الدین ابوبکر نے ہمارے دو عمدہ اور اچھے قسم کے تیغ زنوں کو انفرادی مقابلہ میں موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا اور ان کا انتقام ہمیں ہر صورت میں لینا چاہئے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اپنے لشکر سے ایک ایسا تیغ زن چنیں جو لا جواب اور بے مثل ہو اور اسے مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر سے انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اُتارا جائے۔ اگر ہمارے تیغ زن نے مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر کا خاتمہ کر دیا تو ایسا ہونے سے مسلمانوں کے لشکر کے اندر دل شکنی اور ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔“

جب تک وہ سالار بولتا رہا، فلاڈلفیا کا حکمران ساماق عجیب سے جستجو اور حیرت کا اظہار کرنے کے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوا تب ساماق بولا اور کہنے لگا۔

”تمہاری پیش کش بہت اچھی اور پُرکشش ہے۔ پر مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر سے انفرادی مقابلہ کون کرے؟ کیا تم اپنے آپ کو اس کے لئے تیار سمجھتے ہو؟“

اس سے اس سالار کا رنگ پیلا ہو گیا اور کہنے لگا۔ ”میرے خیال میں، میں اس مقابلہ کے لئے نامناسب ہوں۔“

اس پر ہلکے سے تبسم میں ساماق بولا اور کہنے لگا۔

”اگر تم اس مقابلہ کے لئے نامناسب ہو تو پھر یوں جانو سارے ہی نامناسب ہیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کا وہ سالار جس کا نام سیف الدین ابوبکر ہے، بلا کا جوشیلا، طاقتور پُر قوت اور تیغ زنی میں لا جواب مہارت رکھتا ہے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ ہم نے اپنے کو بھی تیغ زن کو انفرادی مقابلہ کے لئے اُتارنا تو وہ کامیاب نہیں ہوگا اور مسلمانوں کا سالار، سیف الدین ابوبکر اسے کاٹ کر رکھ دے گا۔ لہذا ہمیں اپنے ذہن سے یہ خواہش نکال دیں چاہئے کہ اجتماعی جنگ سے پہلے ہمیں کسی کو انفرادی مقابلہ کے لئے اُتارنا چاہئے نہ مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر سے مقابلہ کرے۔ یوں جانو یہ موضوع بحث کے قابل ہی نہیں ہے۔ میں نے جس مقصد کے لئے تم لوگوں کو بلایا ہے، اب اس کی طرف

آتا ہوں۔

تھوڑی دیر تک لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی جائیں گی۔ اس کے بعد مسلمانوں سے جنگ کی طرح ڈالی جائے گی۔ مسلمانوں کا سلطان اپنے لشکر کے ساتھ بارے سامنے پڑاؤ کر رہا ہے۔ سفر کے باعث وہ خود اور اس کے لشکری تھکے ہارے ہوں گے۔ لہذا اگر ہم اُن کی اس تھکاوٹ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے جنگ کی ابتدا کر دیں تو میرا سا کہتا ہے، فتح ہماری ہوگی۔

پہلے پوری قوت سے مسلمانوں کے سلطان پر ضرب لگائی جائے گی۔ لشکر کو حسبِ بق تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ لیکن پہلی ضرب پورا لشکر ایک ساتھ لگائے گا تاکہ مسلمانوں کے سلطان اور اس کے لشکریوں کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ کر رکھ دی جائے جس وقت مسلمانوں کے سلطان کا لشکر ہم سے بری طرح اُلجھ جائے گا تب وہ لشکر جسے نے اپنے پڑاؤ میں گھات میں بٹھا رکھا ہے، وہ حرکت میں آئے گا۔ لشکر کے پیچھے رہتے ایک طرف ہوتا ہوا آگے بڑھے گا اور پھر وہ مسلمانوں کے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ ہو جائے گا۔ جب وہ ایسا کرے گا تو مسلمانوں کی شکست و پسپائی اور ہماری فتح اور رانی یقینی ہو جائے گی۔“

اتنا کہنے کے بعد ساماق رکا پھر اپنے ایک بڑے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”لشکر کا ایک حصہ ابھی سے علیحدہ کر دو۔ جب ہم مسلمانوں کے سلطان عز الدین کو بن شکست دیں گے تو رکیں گے نہیں، اس کا تعاقب شروع کر دیں گے اور لشکر کا وہ جو ابھی مقرر کیا جائے گا، وہ ہماری غیر حاضری میں دو کام کرے گا۔ جنگ میں زخمی نہ والوں کی دیکھ بھال کرے گا۔ اپنے پڑاؤ کی حفاظت کا بھی سامان کرے گا اور نوں کا سلطان عز الدین شکست اٹھا کر جو اپنا پڑاؤ چھوڑ کر بھاگے گا، مسلمانوں کے لی ہر چیز پر بھی لشکر کا وہ حصہ قبضہ کر لے گا۔ جب کہ ہم سلطان اور اس کے لشکریوں کا مرکزی شہر تک تعاقب کرتے چلے جائیں گے۔“

تبا کہنے کے بعد ساماق رکا، اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”ہم نے مسلمانوں کے سلطان پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم اناطولیہ کے حکمران بارگن ہیں بے کا حکمران دوگا اور نہ ہی ملطیہ کا حکمران طیارلوس ہیں جنہیں سلطان نے بڑی آسانی

سے شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے بلکہ ہم تو سلطان کو بدترین شکست دے کر اس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد ساماق رکا، دوبارہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ ”جو منصوبہ بندی میں نے تم لوگوں کے سامنے پیش کی ہے، کیا تم سب اس سے متفق ہو؟“ جب سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا، تب جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے ساماق نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کا حکم دیا تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے ساماق اور اس کے سالار اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ دوسری طرف سلطان عزالدین بھی اپنے سالاروں کے ساتھ حرکت میں آیا اور اس نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کر شروع کر دی تھیں۔

پہلے کی طرح سلطان کے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ درمیانی حصہ سلطان نے اپنے پاس رکھا اور ایک بڑے سالار کو اپنے نائب کے طور پر لشکر کے درمیانی حصہ میں مقرر کیا۔ لشکر کے دائیں پہلو کی کمانداری حسام الدین یوسف کو دی گئی جب کہ زین الدین بشارہ اس کے نائب کی حیثیت سے مقرر کیا گیا۔ لشکر کے بائیں پہلو کی کمانداری مبارز الدین چاولی کو دی گئی جب کہ نجم الدین بہرام اس کے نائب کے طور پر مقرر کیا گیا تھا۔ اس طرح سلطان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا اور تینوں حصے فلاؤلفیا کے حکمران ساماق مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور متحد ہو گئے تھے۔

فلاؤلفیا کے حکمران ساماق نے آخر کار اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ پیاسے صحرائے اندیشوں کی اڑتی ریت، درد کے اٹھتے غبار، تندھقارت کے سناٹوں، سماعتیں اور بصارت میں مجروح کرتے تاریک راتوں میں اٹھتے وحشی آتشیں جذبوں اور موسموں کے شہر نگاراں میں دوزخ مزاج دھوپ اور آتش کے بے روک فشار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان نے پہلے ویران حسرتوں کے جزیروں میں شعلوں کے رنگوں میں ڈھلتی صداؤں کی طرح تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد ذہنوں کی سارا یکسوئی، بدبختی کے انگاروں، وقت کے بیزار لمحوں میں تبدیل کر دینے والے جذبوں جسموں کو مجروح اور ہر شے کو لہو لہو کرتے طوفانوں، ماہ و سال کی تقویم میں زندگی کے لحام کو دشوار کرتے کھولتے پھیلتے مسلسل خوف کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان کے ساتھ ہی لشکر کے دائیں بائیں پہلو بھی حسام الدین اور مبارز الدین چاولی کی کمانداری میں حرکت میں آئے۔ وہ بھی دشمن کے پہلو پر قوتِ باطل کی صف آرائیوں میں، شب و روز کے پیمانوں میں ہر شے کو تبدیل کرتے کرب بھرے دکھوں کے کہرام، صف شکن و جری رجال کی طرح زمین کی خاموشیوں کی تہوں میں مجبور یوں کے دائرے بناتے کرب اور بارود بھری ہواؤں کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ اس طرح فلاؤلفیا کے حکمران اور سلطان کے لشکر کے درمیان ہولناک جنگ کی ابتدا ہو گئی تھی۔ فلاؤلفیا کے حکمران کو ایک طرح سے اطمینان تھا، اس نے اپنے پڑاؤ کے اندر جو ایک خاصا بڑا لشکر گھات میں بٹھا رکھا تھا، وہ یقیناً مناسب موقع پر حرکت میں آئے گا اور مسلمانوں کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کی کامیابی کے در کھولتا چلا جائے گا۔ ساماق کی بدقسمتی قبل اس کے وہ لشکر جسے اس نے اپنے پڑاؤ میں گھات میں بٹھا رکھا تھا حرکت میں آتا، اچانک سیف الدین ابو بکر حرکت میں آیا۔ لا حاصل کے ڈولیدہ کر دینے والے ہجر عذاب کے خونی لمحوں، دہم و وحشت بھرے چھلاؤں اور درائے گمان و قیاس کی طرح نمودار ہوا۔ پھر وہ ساماق کے اس لشکر پر جو گھات میں اپنے پڑاؤ کے اندر بیٹھا ہوا تھا، تاریک راتوں کے سناٹوں میں ہر جہت کو بے جہت کر دینے والے وحشی آتشیں جذبوں، خاموشیوں میں گھس کر انقلاب برپا کرتی آگ کے شعلوں، برسوں کی گہری خاموشیوں میں وقت کی پکار پر آفتاب کے لہو رنگ کرتے نفرت کے جال بننے والی کرب کی شدید ضربوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیف الدین ابو بکر نے اپنی کارروائی کی تکمیل کرنے میں کوئی زیادہ وقت نہ لیا۔ پڑاؤ کے اندر ساماق کا جس قدر لشکر بیٹھا ہوا تھا، اس کا ایک طرح سے قتل عام کر دیا تھا۔ اس دوران ساماق کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ اس کی پشت پر بھی کوئی حملہ آور ہوا ہے، اس کے پڑاؤ کے اندر کشمکش جاری ہو گئی ہے لیکن وہ مڑ کر پیچھے تو نہیں آ سکتا تھا اس لئے کہ اسے خطرہ تھا کہ جوں ہی وہ مڑے گا، ان کی طرف سے سلطان عزالدین کے لشکر کی اُس پر ایسی ضرب لگائیں گے کہ اس کے پورے لشکر کو کاٹ کے رکھ دیں گے۔

لہذا ان حالات میں اندر ہی اندر صلاح مشورہ ہوا۔ ساماق اپنے لشکر کے وسطی حصہ میں تھا۔ اسے اطلاع کر دی گئی کہ مسلمانوں کا ایک اور لشکر پڑاؤ پر حملہ آور ہوا اور پڑاؤ کے اندر جس قدر ان کا لشکر تھا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔

میروں سے اُسے چھلنی کر کے رکھ دیتی۔“

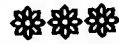
یہاں تک کہنے کے بعد حسام الدین رک کا پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جوزین کی یہ کارروائی دیکھتے ہوئے مجھے پکا اور پختہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ ہمارے ساتھ بالکل پُر خلوص اور جاں نثاری کے جذبات رکھتی ہے۔ میرے خیال میں اب ہمیں اس کی حرکات کو ٹھک کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے۔“

حسام الدین کے یہ الفاظ سن کر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا تھا، پھر کہنے لگا۔

”جو دو آدمی تم نے مقرر کر رکھے ہیں، انہیں کہنا اپنے کام میں لگے رہیں۔ بہر حال جو رقم نے دی ہے، وہ میرے لئے بڑی حوصلہ افزا ہے بلکہ میرے لئے خوشی اور طمانیت کا باعث ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ لڑکی صرف ہمارے لشکر ہی نہیں، سیف الدین ابوبکر کے ساتھ بھی مخلص ہے۔ حسام الدین! اب تم اٹھو، تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ جا کے ام کرو۔“

اس کے ساتھ ہی حسام الدین سلطان کے خیمے سے نکل کر چلا گیا تھا۔



جوزین نے اسی خیمے میں قیام کر رکھا تھا جس خیمے میں بریزہ اور اس کی ماں سمیس کا تھا۔ جس روز فلاؤلفیا کے حکمران ساماق کو بدترین شکست دی گئی، اس روز جوزین خیمے داخل ہوئی۔ خیمے میں اس وقت بریزہ اور اس کی ماں سمیس دونوں موجود نہیں تھیں۔ یں اس وقت مردانہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھی جو اس نے اتار کر اپنے کپڑے پہن لئے۔ پھر وہ خیمہ میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد خیمے میں سمیس اور بریزہ دونوں ماں بیٹی داخل ہوئیں۔ دونوں کچھ دیر تک بڑے غور سے جوزین کو دیکھتی رہیں۔ ان کے اس طرح دیکھنے زین گہرا سی گئی تھی۔ پھر بریزہ، جوزین کے مزید قریب ہوئی اور ہاتھ کے اشارے سے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اپنی جگہ پر کھڑی ہو جاؤ۔“

جوزین اور زیادہ پریشان ہو گئی۔ بیٹھے بیٹھے اس نے بریزہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

”کیا مجھ سے کوئی غلطی، کوئی کوتاہی ہو گئی جو تم دونوں ماں بیٹی اس طرح مجھے گھورنے راز میں دیکھتے جا رہی ہو؟“

یہ خبر سن کر ساماق کے پاؤں تلے زمین کھسکنا شروع ہو گئی تھی۔ اسے یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ پڑاؤ میں اپنی کارروائی کرنے کے بعد مسلمانوں کا وہ لشکر اس کی پشت پر حملہ آور ہو کر ایک دوسرا رخ اختیار کر سکتا ہے۔ اس کے بعد جب سامنے کی طرف سلطان اور اس کے ساتھی اور سالار، پشت کی طرف سے مسلمانوں کا نیا لشکر ضرب لگائے گا تو اس کے لشکر کا ایک حصہ کٹ کر رہ جائے گا۔ لہذا اپنے لشکر کے ایک طرف سے نکل کر ساماق الگ جاکر ہوا اور فلاؤلفیا شہر کے باہر ایک میل کے فاصلے پر جو اس نے ایک خاصا بڑا لشکر بٹھا رکھا تھا اس سے جا ملا تھا۔ سلطان کے حکم پر ساماق کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا گیا تھا۔

ان حالات میں ساماق اور زیادہ فکر مند اور پریشان ہو گیا تھا۔ لہذا فلاؤلفیا شہر کے اندر جو اس کے محفوظ لشکر تھے، ان میں سے بھی کچھ کو اس نے شہر سے باہر اپنی مدد کے لئے طلب کر لیا تھا۔ اس طرح ساماق نے ایک بار پھر اپنی عسکری طاقت کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا تھا۔ دوسری طرف سلطان عز الدین نے چند دن تک وہیں پڑاؤ کئے رکھا۔ ساماق کے پڑاؤ سے جو چیزیں ملی تھیں، لشکریوں کے اندر تقسیم کر دی گئی تھیں۔ اس کے بعد سلطان نے چند روز تک اپنے لشکریوں کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔

جنگ کے دوسرے روز جس وقت سلطان عز الدین اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا حسام الدین یوسف خیمے میں داخل ہوا، سلطان کے اشارہ کرنے پر آگے بڑھ کر وہ سلطان کے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے گفتگو کا آغاز کیا اور سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ نے جو میرے ذمے کام لگایا تھا، اس کام پر میں نے اپنے خاص آدمیوں کو مقرر کیا تھا۔ وہ دونوں میرے بڑے بھروسے اور اعتماد کے آدمی ہیں سلطان محترم! جس وقت ہم دشمن سے ٹکرا رہے تھے، اس ٹکراؤ کے دوران سیف الدین ابوبکر اچانک نمودار ہو کر دشمن کے پڑاؤ پر حملہ آور ہوا تو اس کے لشکر میں اس وقت مردانہ لباس میں جوزین بھی شامل تھی جو اپنے چہرے کو بھی خود کے نقاب سے ڈھانپے ہوئے تھی ان دونوں لشکریوں کا کہنا ہے کہ جوزین، سیف الدین ابوبکر کے ساتھ ساتھ رہی اور ان کے پیچھے رہنے کی کوشش کی۔ جو ہی وہ دیکھتی کہ دشمن کا کوئی لشکری سیف الدین ابوبکر کی طرف بڑھ رہا ہے یا بڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ فوراً اپنی کمان کو حرکت میں لاتی اور اسے

لرح کھلتا ہے۔ اس لئے کہ انفرادی مقابلہ میں وہ ان کے کافی جنگجوؤں کو موت کے گھاٹ ناز چکا ہے۔ بیٹی! جو کام تم نے اپنے ذمے لیا ہے، اس کے لئے ہم تمہارے اس قدر مکر گزار ہیں کہ میں اپنے جذبات کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔ سیف الدین ابوبکر سے اری بیٹی بریزہ کی منگنی ہو چکی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، اس بنا پر تمہارا دل ایک طرح سے ہم پر وہ احسان ہے جسے شاید ہم کبھی نہ اُتار پائیں گے۔“

سیمس جب خاموش ہوئی تب ہلکا سا ہتھہ جوزین نے لگایا اور کہنے لگی۔

”اماں! آپ بھی کس قسم کی گفتگو کرتی ہیں؟ بریزہ مجھے اپنی بہن کہتی ہے۔ آپ بھی کئی مجھے بیٹی کہہ کر مخاطب کر چکی ہیں لہذا میں بریزہ کو اپنی چھوٹی بہن، آپ کو اپنی ماں کہتی ہوں۔ ماضی میں بریزہ کے حق میں مجھ سے کئی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی تھیں، بس میں انہی ازالہ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہوں اور میں جنگ کے دوران سیف الدین ابوبکر کی قلت کر کے یہ سمجھتی ہوں کہ میں اپنی بہن بریزہ کے لئے تھوڑی بہت خدمات انجام دے رہی ہوں۔ اس کے علاوہ.....“

اس دوران بریزہ بول پڑی اور جوزین کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگی۔

”جوزین! جو کام تم نے اپنے ذمہ لیا ہے، یہ دُشوار بھی ہے اور خطرناک بھی۔ میری س سے التماس ہے کہ تم ہمارے ساتھ جنگ کے دوران خیمہ میں رہا کرو۔ اگر جنگ کے ن تم کہیں زخمی ہو گئی تو یاد رکھنا ہم اپنے آپ کو معاف نہیں کر پائیں گے۔ پھر تم جانتی ہو۔ الدین ابوبکر اپنی حفاظت کرنے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔“

جوزین مسکرائی اور کہنے لگی۔

”تم ٹھیک کہتی ہو بریزہ! لیکن میں نے اپنے ماضی کی غلطیوں کا ازالہ بھی تو کرتا ہے۔ اس کام سے منع نہ کرنا۔ اسے میں ایک سعادت اور فرض سمجھ کر ادا کرنا شروع کر چکی ہوں۔“

جوزین کو پھر رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ خیمہ کے دروازہ پر باز نیک نمودار ہوا تھا اور اپنی سس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اماں! تھوڑی دیر تک کھانا آ جائے گا۔ بابا کہتے ہیں آج کھانے میں بھائی سیف بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں گے اور بابا کے کہنے پر میں انہیں بلانے جا رہا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی پریشانی کے عالم میں جوزین کھڑی ہو گئی تھی۔ جوں ہی وہ کھڑی ہوئی، بریزہ آگے بڑھی اور جوزین کو اپنے ساتھ لپٹا کر کئی بار اس کی پیشانی چومی۔ پھر جوں ہی وہ علیحدہ ہوئی، سیمس نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کی پیشانی چومی، پھر بریزہ نے اپنے ساتھ لپٹایا، نشست پر بٹھایا۔ سیمس ان دونوں کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ ان کے اس طرح کے سلوک پر جوزین جستجو میں پڑی ہوئی تھی، عجیب سے انداز میں دونوں ماں بیٹی کی طرف باری باری دیکھ لیتی تھی یہاں تک کہ بریزہ بولی اور جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جوزین! میں جانتی ہوں، تم پریشان اور فکر مند ہو رہی ہو اور یہ جاننے کی کوشش کر دو گی کہ آخر ہم تمہارے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہیں۔ دیکھو! میں، میری ماں، میرے باپ اور بھائی سب ہی تمہارے ممنون اور شکر گزار ہیں۔“

بریزہ جب خاموش ہوئی، تب جوزین بولی اور کہنے لگی۔

”میں نے ایسا کون سا کام کر دیا ہے جو آپ چاروں اس طرح میرے شکر گزار اور ممنون ہو گئے ہیں؟“

اس بار بریزہ کی ماں سیمس بولی اور کہنے لگی۔

”بیٹی! تھوڑی دیر پہلے سلطان نے بریزہ کے باپ عسکر کو بلایا تھا۔ سلطان نے اس کے بابا پر انکشاف کیا کہ جوزین مردانہ جنگی لباس پہن کر لشکر میں شامل ہونے کا عزم کر چکا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ سیف الدین ابوبکر کے ساتھ رہے گی اور جس نے بھی سامنے یا اطراف سے اچانک حملہ کر کے سیف الدین کو اپنا ہدف بنانا چاہا، وہ ان پر تیر اندازی کرے گی اور انہیں سیف الدین کے قریب نہیں آنے دے گی۔“

جوزین میری بیٹی! تمہاری آج کی کارروائی کی خبر بھی سلطان کے پاس پہنچ چکی ہے۔ اس سے بریزہ کے بابا کو بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔ میں اور بریزہ دونوں ماں بیٹی دوسرے خیمے میں اس کے بابا اور بھائی کے ساتھ بیٹھی اسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ اس کے با نے انکشاف کیا کہ جنگ کے دوران جوزین نے سیف الدین کی حفاظت کا بہترین کام سر انجام دیا اور جس کسی نے بھی سیف الدین کے قریب آنے کی کوشش کی، اسے تیر وں سے چھلنی کر دیا گیا۔ اس لئے کہ سیف الدین ابوبکر اب دشمنوں کی نگاہوں میں کانٹے کے

باز نیک کے یہ الفاظ سن کر بریزہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جوزین بھی مسکرا دی تھی۔ پھر تینوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سیس، باز نیک کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”ہم تینوں تم باپ بیٹے کے خیمہ کی طرف جاتی ہیں۔ تم سیف الدین کو بلا کرو میں لاؤ۔ وہ تھوڑی دیر تک آتا ہے تو سب اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی باز نیک وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سیف الدین کے خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا۔ سیف الدین اس وقت اپنے خیمے میں نیم دراز تھا۔ باز نیک کو خیمہ کے دروازے میں دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا۔ باز نیک خیمے میں داخل ہوا اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بھائی! اب انھیں، میرے ساتھ چلیں۔ مجھے بابا نے بھیجا ہے۔ تھوڑی دیر تک کھانا آنے والا ہوگا۔ بابا چاہتے ہیں کہ آج شام کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں۔“

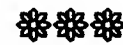
سیف الدین نے غور سے باز نیک کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟“

باز نیک مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

”کوئی خاص وجہ نہیں۔ بس بابا چاہتے ہیں۔ بہن، اماں اور جوزین بھی اس پر متفق ہیں۔ لہذا آپ میرے ساتھ چلیں۔“

سیف الدین اٹھ کھڑا ہوا، باز نیک کے ساتھ ہولیا۔ عسار کے خیمے میں جب داخل ہوا، وہاں عسار، بریزہ اور جوزین بیٹھی ہوئی تھیں۔ سیف الدین اور باز نیک آگے بڑھ کر عسار کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد کھانا آگیا، پھر وہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔



اپنے لشکر کو ستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے بعد سلطان عز الدین کی کاؤس نے پھر اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی شروع کی۔ فلاڈلفیا شہر سے ایک میل باہر ساماق نے ایک اور بڑے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا اور وہ لشکر پہلے لشکر سے بھی بڑا تھا۔ اس لشکر میں زیادہ تر یونانی اور رومن تھے۔ سلطان نے ان کے سامنے جا کر پڑاؤ کر لیا تھا۔ ات دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے خلاف چوکنارہ کرگزاری۔ اگلے روز سلطان نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے کا حکم دیا تھا۔

دوسری طرف ساماق بھی صفیں درست کرنے لگا تھا۔ ساتھ ہی اس کے لشکر کے اندر بے بڑے طبل بج چکے تھے۔ اس موقع پر ایک رومن سالار اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا لشکر لے آگے ساماق کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جنگ کی ابتدا کرنے سے پہلے میرے خیال میں انفرادی مقابلہ ہونا چاہئے۔ اس راج ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ رومن رکا، پھر کہنے لگا۔

”اس کے علاوہ سب سے پہلے ہمارے تین جوان، مسلمانوں کے ایک سالار کے انفرادی مقابلہ ہار چکے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کے اس سالار سے انتقام لینا بھی باقی اس کے علاوہ.....“

یہاں تک کہتے کہتے اس رومن سالار کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ ساماق بولا اور لگا۔

”میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ مسلمانوں کا سالار نام جس کا سیف

الدین ابوبکر ہے، اس سے پہلے ہمارے تین بہترین تیغ زنوں کو انفرادی مقابلے میں موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ اب میں مزید کسی تیغ زن کو اس کے حوالے نہیں کرنا چاہتا۔“

ساماق کے خاموش ہو جانے پر چھاتی تانتے ہوئے وہ رومن سالار کہنے لگا۔

”لیکن اس بار کامیابی ہماری ہوگی۔ سر ہمارے تیغ زنوں کے نہیں، مسلمانوں کے

سالار سیف الدین ابوبکر کا کٹے گا۔ اس لئے کہ جو لشکر اس وقت میرے زیرِ کمان ہے، اس

میں ایک ایسا یونانی ہے جو انفرادی مقابلے کا بہترین تجربہ رکھتا ہے۔ وہ تلوار استعمال نہیں

کرتا، بائیں ہاتھ میں ڈھال رکھتا ہے اور اپنے دائیں ہاتھ میں موٹے لوہے کی کڑیوں کی

زنجیر ہوتی ہے جو عام جوان حرکت میں نہیں لاسکتا۔ بس اسی زنجیر سے وہ اپنے مد مقابل پر

ضرب لگاتا ہے اور اپنے مقابل کا سر تر بوز کی طرح توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں

آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ اب اس جوان کو میدان میں اُترنے دیں۔ میں آپ کو یقین

دلاتا ہوں کہ وہ جوان جس کا نام فاسینوس ہے، انفرادی مقابلے میں کامیاب ہو کر نکلے گا اور

مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر کو دونوں لشکروں کے درمیان مٹی میں ملا کر رکھے گا۔“

اس رومن سالار سے ساماق واقعی متاثر ہوا تھا۔ کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”پہلے فاسینوس نام کے اس یونانی کو میرے پاس لے کر آؤ۔ پھر میں دیکھتا ہوں کہ جو

کچھ تم نے کہا ہے، وہ ہو سکتا ہے کہ نہیں۔“

اس پر رومن سالار پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس یونانی کو اپنے ساتھ لے کر

آیا۔ ساماق نے بغور اس کا جائزہ لیا۔ وہ خوب قد کاٹھ کا، کسے ہوئے کڑے جسم کا جوان

تھا۔ اپنے گھوڑے پر چھاتی تانے اکڑا ہوا بیٹھا تھا۔ بائیں طرف ڈھال تھی۔ گھوڑے کی

زین کے دائیں جانب اس کی وزنی بھاری زنجیر لٹک رہی تھی۔ کچھ دیر تک ساماق اس کا

جائزہ لیتا رہا، پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تمہارے اس سالار کا کہنا ہے کہ تمہیں انفرادی مقابلہ کے لئے اُتارنا چاہئے اور تم

مسلمانوں کے اس سالار کا مقابلہ کرو جو اس سے پہلے انفرادی مقابلہ میں تین رومنوں کو

موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ کیا تم اس سے مقابلہ کے لئے تیار ہو؟“

اس پر فاسینوس کی چھاتی اور تن گئی اور کہنے لگا۔

”میں اس انفرادی مقابلے کے لئے تیار ہوں اور آپ کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں

مسلمانوں کا وہ سالار میرے سامنے چند لمحے بھی نہ نکال پائے گا اور میں اس کا سر پکے ہوئے تر بوز کی طرح توڑ کے رکھ دوں گا۔“

ساماق خوش آئند انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اسے انفرادی مقابلہ کے لئے

میدان میں اُترنے کی اجازت دے دی تھی۔

اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، دونوں لشکروں کے بیچ میں آیا اور پھر اس نے سیف

لدین ابوبکر کا نام لے کر انفرادی مقابلہ کے لئے لاکارا تھا۔

سیف الدین ابوبکر فوراً حرکت میں آیا اور پہلے سلطان کی طرف گیا۔ سلطان کے

ساتھ تھوڑی دیر گفتگو ہوئی، پھر سیف الدین ابوبکر اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا انفرادی

مقابلے کے لئے اُترنے والے یونانی کے پاس آیا جس کا نام فاسینوس تھا۔

سیف الدین ابوبکر جب اس کے سامنے آیا، اپنے گھوڑے کو روکا، تب گہری نگاہوں

سے فاسینوس نے اس کا جائزہ لیا۔ پھر طنزیہ انداز میں وہ سیف الدین کو مخاطب کر کے

کہنے لگا۔

”گلتا ہے اب تک بلکہ آج تک تم اندھوں کی بستیوں میں پھرتے رہے ہو۔ تمہارا

ستہ کسی کسماتے سمندر کے طوفانوں جیسے تیغ زن سے نہیں پڑا جو تمہارے رخ و بصارت

اتازگی اُتار کر رکھ دیتا۔ تم نے انفرادی مقابلہ میں تین رومنوں کو زیر کیا۔ بد قسمت تھے وہ

نہارے سامنے زیر ہو گئے۔ اب میں تمہارے ساتھ انفرادی مقابلہ کے لئے آیا ہوں۔

استنبھل کر میرے ساتھ مقابلے کی ابتدا کرتا۔ یاد رکھنا، میں تلوار استعمال نہیں کروں گا،

ارے خلاف یہ زنجیر استعمال کروں گا۔“

ساتھ ہی اس نے زنجیر کو فضا کے اندر گھمایا، پھر بڑے غور سے سیف الدین ابوبکر کی

نہ دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

”یہ زنجیر جب تیرے خلاف حرکت میں آئے گی تو یاد رکھ! تیرے ہونٹوں کی حلاوت

ماروح کے اضطراب میں بدل جائے گی۔ اس زنجیر سے میں تیرے دل میں سوختہ

ت اس انداز میں بھروں گا کہ تجھ پر موت کا قص اور بحرانی کیفیت طاری ہو جائے گی۔

زنجیر سے میں تیری گرسنہ شریانوں میں تباہی کی لہریں بھر کے رکھ دوں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد فاسینوس جب خاموش ہوا، تب طنزیہ سی ایک مسکراہٹ سیف

پسپائی کا درکھول دیا ہے۔ میری زنجیر ایک بار تھ پر برس کر تیرے خون کا ذائقہ چکھ چکی ہے۔ اب دیکھنا، میں اپنی زنجیر سے تیرے جسم کو کیسے پیتا ہوں۔“

فاسینوس نے پھر زنجیر کا ایک وار سیف الدین پر کیا۔ سیف الدین نے بڑی مہارت سے اس کے وار کو روکا اور زنجیر کے اگلے حصے میں لوہے کا جو کڑا تھا، اسے اس نے پکڑ لیا۔ اب سیف الدین کے دائیں ہاتھ میں اس کی تلوار، بائیں ہاتھ میں ڈھال اور فاسینوس کی زنجیر کا کڑا تھا۔ وہ موٹا کڑا تھا جس کے اندر سیف الدین نے ہاتھ ڈال لیا تھا۔ جب کہ اس کے بائیں ہاتھ میں اُس کی ڈھال تھی۔

اس موقع پر فاسینوس نے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ اپنی زنجیر کو اپنی طرف کھینچا، تب سیف الدین ابوبکر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ذرا اور زور سے اپنی زنجیر کو کھینچ تاکہ اس میدان کے اندر ثابت ہو کہ قطرہ کون ہے، گرداب کون ہے، صحرا کون ہے، گولا کون ہے، اندھیاؤ کون ہے۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ تو مجھ سے اپنی زنجیر کو چھڑا لے گا تو یہ تیری بھول ہے۔ تو اپنی اس زنجیر پر بڑا ناز، بڑا فخر کرتا تھا۔ یاد رکھنا، تیری یہی زنجیر اب تیری موت کا سبب بنے گی۔ تیرے بائیں ہاتھ میں ڈھال ہے اور تیری زنجیر میری گرفت میں ہے۔ تو اگر چھوڑنا بھی چاہے تو نہیں چھوڑ سکتا۔ ذرا ہری تلوار کی طرف دیکھ، اس میں تجھے موت کے ہیولے نظر نہیں آتے؟“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی، ساتھ ہی زنجیر کو بھی خوب پھینچ کر اپنے قریب کیا۔ جب وہ اپنی تلوار گرانے لگا تب فاسینوس نے اپنی ڈھال اپنے پسپانے پر کی لیکن سیف الدین نے اچانک پینتر بدلا اور اپنی ڈھال اس کے دائیں نے پر اس انداز میں گرائی کہ اس کی تلوار نیچے تک فاسینوس کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ فاسینوس کے ہاتھ سے زنجیر چھوٹ گئی۔ ڈھال بھی گر گئی اور اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا۔

وہ ابھی مرا نہیں تھا، سانس لے رہا تھا۔ سیف الدین نیچے اتر آیا، اس کے قریب گیا، اپنا اس کے ہاتھ پر رکھا اور اس سے کہنے لگا۔

”ذرا میری طرف غور سے دیکھ، کیا تیری حالت میں نے سوکھے احساسات، لکوں کی اُداسی اور آگ اور تیزاب کی بارش میں مارے طہور جیسی نہیں کر کے رکھ دی؟“

الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوئی، پھر کہنے لگا۔

”سن تثلیث کے فرزند! ذرا مقابلہ شروع ہونے دے۔ تو مجھے موت کا شب خون مارنے والا اور قیامت کا ہولناک لمحہ بنتے دیکھے گا۔ جب میں تیری خباثت کی گہرائیوں میں گھولتا آتش فشانی بحر ہروں گا، لو کے جھلسا دینے والے تھیڑے اور مرگ و حیات کے کرب مسلسل کی طرح تجھ پر نزول کروں گا تو تو اپنے آپ کو اور اپنی حیات تک کو فراموش کر بیٹھے گا۔ تیرے سامنے ایک ہی راستہ رہ جائے گا کہ تو کس طرح اپنے آپ کو میرے ہاتھوں سے بچائے گا۔“

اتنا کہنے کے بعد سیف الدین رکا، پھر فاسینوس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”مقابلے کی ابتدا کرنے کے بعد تو دیکھے گا، تیرے تخیل کی نگینہ کاری، تیری آبائی روایات کے وقار، تیرے عہد جوانی کی بساط اور تیرے شباب کے رنگوں کو میں کیسے دھوتا ہوں، کھگلاتا ہوں۔“

یہ الفاظ شاید فاسینوس کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ لہذا وہ وحشی بگولوں، گرم سراہوں کے بیولوں اور خود پرستی کے آشوب کی طرح سیف الدین ابوبکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ کئی بار اس نے سیف الدین ابوبکر کو اپنی زنجیر کا نشانہ بنانا چاہا لیکن اس کے ہر وار کو سیف الدین ابوبکر نے ڈھال پر روک لیا تھا۔ اس کے بعد سیف الدین جوانی کا رروائی کرنے کے لئے قوم کی عظمت کے کسی محافظ، فطرت کے کسی رازداں، ملت کے کیا ب کسی جوہر کی طرح حرکت میں آیا۔ سرخ سورج کی سنگینی، کرنوں کے طلسم کھولتے طوفانوں کی طرح وہ فاسینوس پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک دونوں ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ ایک موقع پر فاسینوس نے جب اپنی زنجیر سے سیف الدین ابوبکر کے سر کو نشانہ بنانا چاہا تو اس کی زنجیر کو سیف الدین نے ڈھال پر روکنا چاہا لیکن فاسینوس نے چمکے دیا۔ پوری قوت اور طاقت کے ساتھ اس نے زنجیر سیف الدین کے بازو پر دے ماری تھی اور زنجیر اس زور سے لگی تھی کہ وہاں سے سیف الدین کے جسم کی جلد پھٹ گئی تھی اور خون بہنے لگا تھا۔

اس موقع پر فاسینوس نے ایک وحشی تہقہہ لگایا، پھر کہنے لگا۔

”سن مسلمانوں کے سالار! میں نے تیری شکست، تیری ناکامی، تیری بدنامی اور تیری

کرب خیز ضربوں، قلوب پر انوکھی وحشت طاری کرتے، موت کی دف بجاتے چار سُرِ قاص کرتے نفرت کے کھولتے جہنم اور ہر شے کو زہر آلود کر کے جان کا ہولناک عذاب بنتے صدیوں کے کالے قہر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح فلاؤلفیا شہر سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر زندگی پر مسلسل جبر کرتی کرب کی خوف ناک جہلیں ناچ اٹھی تھیں۔ روجوں کی در ماندگی، ذلت کا فسوں، ذہنوں پر دستک دیتے دکھ کے بے انت سراب، جوش مارتی صدائیں اپنے رنگ جمانے لگی تھیں۔

میدانِ جنگ میں ظلمتوں کی خلیج بن کر رتوں کی بساط اُلٹ دینے والے جنگجو، بحر کی بیجان خیزیوں میں اقوام کی تقدیر بدل دینے والے سورج پر چراغ کو ہنسانے والے غبار کو پرتوں سے نکرانے کا دعویٰ کرنے والے بڑے بڑے تیغ زن موت کے خط فاصل کو عبور کرتے ہوئے نیستی کی تاریکیوں میں ڈوبنے لگے تھے۔ اس موقع پر سلطان عز الدین نے جب دیکھا کہ جنگ طول پکڑتی جا رہی ہے اور یہ کہ عصر کا وقت بھی گزر گیا ہے، سورج غروب ہونے کے بعد دونوں لشکریوں کو پیچھے ہٹا پڑے گا۔ یہ خیال آتے ہی پہلے سلطان نے زوردار انداز میں تکبیریں بلند کیں اور سلطان کی آواز کے جواب میں سارے سالاروں و لشکریوں نے کچھ دیر تک لگاتار جب تکبیریں بلند کیں تب مسلمانوں کے لشکر کے اندر دنیا جذبہ اور جوش پیدا ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے سلطان اور اپنے سالاروں کی سرکردگی میں ساماق کے لشکر پر یاس کے دام بچھاتے بھنور، غیض و غضب کے دھاروں، پابند سلاسل کر سینے والی عداوتوں کی لپٹوں، روجوں کو تاریکیوں میں ڈبوتی خوفناک بے روک قوت، شریر نیز آندھیوں، خس و خاشاک اڑاتے طوفانوں اور خاک کو طوفانوں پر سوار کرتے حادثوں، آندھیوں اور برق کے تلاطم کی طرح حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔ حملے انتہا درجہ کے شدید در سخت اور ناقابلِ برداشت تھے اور ان حملوں کے جواب میں یقیناً ساماق کے لشکر کی مالت بڑی تیزی سے کراہتی بخر پیاس، اُجڑی کھنڈر سی پناہ گاہوں، رات کو تھپیڑے مارتی فانی ہواؤں، بے جہت غموں کے طوفانوں، ظلمت کی شب میں فراق اندھیروں اور لھرتے دڑوں کی خونی کہانیوں جیسی ابتر ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ ساماق نے شکست قبول لی اور اپنے لشکر کو لے کر بھاگا۔ سلطان اور اس کے سالاروں نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی صداؤں کی تکبیروں اور رگوں کو تارتار، جسموں کو لخت لخت کرتی قضا کی خواہشوں کے

اس کے آگے سیف الدین خاموش ہو گیا۔ اس لئے کہ فاسینوس دم توڑ چکا تھا۔ اس کی زنجیر کو سیف الدین نے اس کی لاش کے اوپر ڈال دیا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کے گھوڑے کو اپنے آگے آگے ہانکتا ہوا اپنے لشکر کی طرف چلا گیا تھا۔

جب وہ سلطان کے پاس گیا تو سلطان نے دیکھا، اس کا لباس خون آلود ہو رہا تھا۔ اس سے سلطان پریشان ہو گیا تھا۔ لہذا سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”سیف الدین! تم فوراً پڑاؤ میں چلے جاؤ۔ جنگ میں حصہ نہیں لو گے۔ تمہاری جگہ میں لشکر کی ترتیب میں رد و بدل کرتا ہوں۔“

اس پر سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی، کہنے لگا۔
”سلطان محترم! کیسی باتیں کرتے ہیں؟ اس کی زنجیر کا ایک وار لگا ہے تو کیا ایک وار کھانے کے بعد میں جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں رہا؟ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں ابھی اپنے طبیب سے اپنے زخم پر پٹی بندھواتا ہوں۔ اور میں جنگ میں حصہ لوں گا۔ آپ بالکل پریشان اور فکر مند نہ ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر اپنے حصہ کے لشکر کے آگے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہیں طبیب نے زخم کی مرہم پٹی کر دی تھی۔
تھوڑی دیر بعد فلاؤلفیا کے حکمران ساماق نے جنگ کی ابتدا کی اور اپنے لشکر کو دکھ کے استعاروں، برہنہ ترغیب دیتے آتش پنہاں کے شراروں کی طرح حرکت میں لایا۔ پھر سلطان عز الدین کے لشکر پر زیست کے ساگر میں گرم سانسوں کے بھنور، خون آلود کرنی غموں کی بھیڑ کے نزول، نفرت کے جہنم میں کھولتے لٹو کے تھپیڑوں، کالی راتوں میں اُمیدوں کو خون میں ڈبوتے موت کے کھولتے مناظر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان عز الدین اور اس کے سالاروں نے پہلے اس پورے لشکر کے ساتھ بصارتوں میں اندھیرا، سماعتوں میں بے حسی، جسم کے ہر مسام میں خوف، حوصلوں کے ثبات میں لرزش بھر دینے والی صداؤں میں تکبیریں بلند کیں۔ تکبیروں سے کوہستان گونج اٹھے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے موت کی پکار کی ہولناکی، جراثیموں کے کر کی ابتدا کرنے لگی ہو۔ اس کے بعد سلطان کا پورا لشکر اس کے حکم کے مطابق آگے بڑھا وہ ساماق کے لشکر پر ارادوں کو ستم آلود، خواہشوں کو بریدہ، دلوں کے گلستانوں کو دیران کر

جوش اور انجانے جذبوں کے سرسام کی طرح تعاقب شروع کیا تھا۔ یہاں تک کہ سامان اپنے لشکر کو لے کر شہر میں داخل ہو گیا اور شہر پناہ کا دروازہ اس نے بند کر لیا۔ سلطان شہر پناہ کے قریب رکنے کے بعد پیچھے ہٹا، فوراً اس نے اپنے لشکر کو واپس اپنے پڑاؤ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ جہاں لڑائی ہوئی تھی، وہاں اب موت کے سناٹوں کا انبار، بھستکتی کھولتی روحوں کے مسکن سی خواری اور پرانی دیمک زدہ چپ جیسی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

جس وقت سلطان واپس میدان جنگ میں آیا، سب سے پہلے اس نے طبیب کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ سیف الدین ابوبکر کے بازو کے مرہم کے زخم کو اچھی طرح صاف کر کے وہاں مرہم پٹی کر دے۔ چنانچہ طبیب فوراً حرکت میں آیا، بازو کا زخم دھو کر اس نے سیف الدین ابوبکر کے بازو پر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ جب طبیب اس کام سے فارغ ہوا، تب اس وقت تک سارے سالار، سلطان کے پاس جمع ہو چکے تھے۔ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے پہلے اپنے سالاروں کا جائزہ لیا، بڑے سالاروں میں حسام الدین، مبارز الدین، چاولی، نجم الدین بہرام، حسام الدین یوسف، زین الدین بشارہ سب شامل تھے۔ پھر سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں اپنے دل اور ضمیر کے اطمینان کے لئے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو، اس کا اندازہ میں کر چکا ہوں۔ لیکن ایسا نہ کرنے کا میرے پاس ایک وجہ ہے۔ تم یقیناً یہ کہو گے کہ جس وقت سامان ہمارے ہاتھوں شکست اُڑ کر بھاگا تھا اور اس نے فلاڈلفیا شہر میں داخل ہو کر محصور ہونے کی کوشش کی تھی، ہمیں اس کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو کر اس کی بچی کھچی قوت کا خاتمہ کر کے شہر پر قابض ہو جانا چاہئے تھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا اور اس کے بعد اس نے سوالیہ انداز میں جد سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھا، تب سیف الدین نے اثبات میں گردن ہلائی، ہا کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ آپ کے لشکر کے ساتھ ہمیں فلاڈلفیا شہر کے اندر سامان کے شکست خوردہ لشکر کے پیچھے پیچھے داخل ہ

چاہئے تھا۔ اس طرح فلاڈلفیا کو فتح کرنا ہمارے لئے آسان ہو جاتا۔ اب جب کہ وہ شہر میں محصور ہو چکا ہے تو ہمیں شہر کا محاصرہ کرنا پڑے گا اور ایک طویل جدوجہد کے بعد ہم شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔“

سیف الدین جب خاموش ہوا تب سلطان کہنے لگا۔

”تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ لیکن جنگ کے دوران ایک مخبر آیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ ہمارے لئے دو اطراف سے خطرات اٹھ رہے ہیں۔ پہلا خطرہ یہ کہ یورپ کا ایک بحری بڑا، سامان کی مدد کے لئے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس کے علاوہ اناطولیہ کے جنوب مغربی صوبوں کا یونانی حکمران لشکری بھی ایک لشکر کے ساتھ فلاڈلفیا کے حکمران سامان کی مدد کرنے کے لئے پیش قدمی کر چکا ہے اور وہ ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

میرے عزیز! اگر میں اپنے لشکر کے ساتھ شکست خوردہ سامان کے پیچھے پیچھے شہر میں نل ہو جاتا تو ہمارے لئے اُن گنت مسائل اٹھ کھڑے ہوتے۔ پہلا مسئلہ یہ ہوتا کہ لشکری لشکر بھی یہاں پہنچ جاتا، یورپ کا بحری بیڑا بھی یہاں ہوتا اور ہم ان دونوں قوتوں کے نئے شہر کے اندر محصور ہو جاتے۔ اور دوسری بڑی تکلیف وہ صورت حال یہ سامنے آتی کہ راپڑاؤ شہر سے باہر تھا، اس میں ہماری اُن گنت عورتیں بھی ہیں۔ چنانچہ آنے والے دشمن بے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر ہمارے لئے نقصان کا باعث بن سکتے تھے۔ اس بنا پر میں نے ست خوردہ لشکر کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہونا پسند نہیں کیا۔ مجھے اُمید ہے کہ ان ت میں تم میرے اس فیصلہ سے اتفاق کرو گے۔“

سیف الدین ابوبکر کے علاوہ باقی سالاروں نے بھی اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد ان پھر بولا اور کہنے لگا۔

”میں نے ایک بار پھر مغرب کی طرف اپنے مخبروں کو بھیجا ہے اور وہ یہ اندازہ لگائیں کہ لشکری اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ کہاں ہے، فلاڈلفیا سے کتنے فاصلہ پر ہے اور والوں کا اگر بحری بیڑا آ رہا ہے تو وہ یہاں سے کتنی دُور ہے۔ میرے عزیز ساتھیو! آؤ اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کریں، لشکر کو سستانے کا موقع فراہم کریں۔ لشکر کا ایک دستہ کر دیں تاکہ سامان شہر سے نکل کر شب خون مارنے کی کوشش نہ کرے۔ سیف ابوبکر! میرے بھائی! تم اپنے خیمے میں جاؤ۔ تمہارا بازو زخمی ہے۔ تمہیں آرام کی

ضرورت ہے۔“

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے نفی میں گردن ہلائی، پھر وہ کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ جس لشکر کی میں کمانداری کرتا رہا ہوں، اس حصے کے لشکر کی جو زخمی ہیں، انہیں یقیناً میرا انتظار ہوگا۔ میں ان کے پاس جاؤں گا، دیکھوں گا ان کی مرہم پٹی کا سامان کس طرح ہوا ہے، ان کی دیکھ بھال کروں گا اور ان کی حوصلہ افزائی کروں گا۔ سلطان محترم! جہاں تک میرے زخم کا تعلق ہے، وہاں تو تلوار لگی نہیں، انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے نکلنے والے کی زنجیر لگی تھی، جس سے میری جلد بچتی ہے جو بہت جلد ٹھیک ہو جائے گی۔“

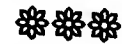
یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگا۔

”سیف الدین ابوبکر! تمہارے اس طرح زخمی ہونے کی خبر پڑاؤ میں پہنچ چکی ہوگی اور کوئی تمہارے لئے پریشان اور فکرمند ہوگا۔“

سیف الدین ابوبکر مسکرایا اور بولا۔

”سلطان محترم! میں جانتا ہوں آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔ لیکن وہ بڑی بہادر لڑکی ہے۔ اور پھر اسے خبر بھی ہو چکی ہوگی۔ انفرادی مقابلہ کے بعد میں نے جنگ میں بھی حصہ لیا ہے۔ اس بنا پر وہ مطمئن ہو چکی ہوگی۔ میرا خیال ہے اب چلیں، اپنے زخموں کی دیکھ بھال کریں۔“

پھر سلطان حرکت میں آیا۔ اس کے سارے سالار بھی اس کے ساتھ ہو لئے۔ سب مل کر اپنے زخموں کی دیکھ بھال کرنے لگے تھے۔



سیمس، بریزہ، جوزین اور باز نیک ایک خیمہ میں چپ چاپ افسردہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس خیمہ میں کسار داخل ہوا۔ کسار کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ وہ پریشان اور فکرمند تھا جب وہ آگے بڑھا، تب اس کی بیوی سیمس بولی اور کہنے لگی۔

”کیا سیف الدین کا کچھ پتہ چلا؟“

کسار آگے بڑھ کر سیمس کے قریب بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

”میں سیف الدین کے خیمہ کے تین چکر لگا چکا ہوں۔ وہ ابھی تک خیمے میں واپس نہیں آیا۔ جب سے پڑاؤ کے اندر یہ خبر پھیلی ہے کہ سیف الدین ابوبکر کو انفرادی مقابلہ میں اترنے والے نے لوہے کی بھاری زنجیر ماری تھی اور اس کے شانے سے کافی خون نکلا تھا، تب سے میری پریشانی میں بڑا اضافہ ہو چکا ہے اور اس کا اپنے خیمے میں زخمی حالت میں نہ آنا بھی میرے لئے مزید پریشانی کا باعث ہے۔“

کسار جب خاموش ہوا تب سیمس نے اپنی بیٹی بریزہ کی طرف دیکھا اور کسار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ سیف الدین کا اپنے خیمے میں نہ آنا ہمارے لئے پریشانی کا باعث ہے لیکن بریزہ کی حالت کو دیکھیں، یہ بری طرح روتی رہی ہے۔ میں نے اور زین نے اسے بڑی مشکل سے چپ کرایا ہے۔“

اس موقع پر باز نیک پہلی بار بولا اور کہنے لگا۔

”میرے خیال میں ہم سب کو اس معاملے میں پریشانی اور فکرمندی کا اظہار نہیں کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بھائی سیف الدین ابوبکر، سلطان کے ساتھ اپنے زخموں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود بھی زخمی ہیں لیکن ایک سالار حیثیت سے وہ ہمیشہ اپنے لشکریوں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ آپ لوگ بیٹھیں، میں ماپہ کر کے آتا ہوں، بھائی کہاں ہے۔“

اس کے ساتھ ہی بھاگنے کے انداز میں باز نیک خیمہ سے نکل گیا تھا۔

ادھر ادھر گھومتے ہوئے باز نیک اس جگہ گیا، جہاں سلطان اور اس کے سالار اپنے بچوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ باز نیک نے دیکھا، ان میں سیف الدین ابوبکر بھی تھا۔ دوسری طرف سیف الدین نے بھی باز نیک کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ لہذا وہ کی طرف متوجہ ہوا، باز نیک قریب آیا اور کہنے لگا۔

”بھائی! آپ کے زخمی ہونے کی خبر جب سے پڑاؤ میں پھیلی ہے، بابا، اماں، بہن اور بن سب پریشان بیٹھے ہیں۔ بابا آپ کے خیمے کے کئی چکر لگا چکے ہیں اور ہر بار آپ کو خیمہ میں نہ دیکھ کر وہ بہت زیادہ پریشان اور فکرمند ہو جاتے ہیں۔“

باز نیک یہیں تک کہنے پایا تھا کہ سیف الدین ابوبکر نے آگے بڑھ کر باز نیک کا ثنا تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

”باز نیک! واپس جاؤ۔ سب کو تسلی دو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں سلطان کے ساتھ اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہا ہوں اور اس کام سے فارغ ہو کر میں آپ لوگوں کی طرف آتا ہوں۔ پریشانی اور فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے۔“

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ سے باز نیک خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ واپس چلا تھا۔ جبکہ سیف الدین ابوبکر پہلے کی طرح سلطان کے ساتھ کام میں لگ گیا تھا۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ سیف الدین ابوبکر، عسکر کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس طرح آتے دیکھ کر بریزہ اور جوزین دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سید اور عسکر بھی اطمینان کا اظہار کر رہے تھے۔ جب وہ خیمے میں داخل ہوا تب سب اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر خیمے میں داخل ہوتے ہوئے سیف الدین رک گیا، پلاٹا اور کہنے لگا۔

”میرے خیال میں مجھے واپس چلے جانا چاہئے۔ میری آمد پر آپ اس طرح کھڑے ہو گئے ہیں جیسے.....“

یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عسکر آگے بڑھا اور کا بازو پکڑ لیا اور اندر لاتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! ایسی بات نہیں ہے۔ تمہاری حیثیت بیٹے کی سی ہے اور تمہارا احترام ہم واجب ہے۔“

پھر عسکر نے سیف الدین ابوبکر کو کھینچ کر اپنے پاس بٹھالیا اور اس کے سامنے بر اور جوزین دونوں بیٹھ گئی تھیں۔ اس کے بعد باز نیک اپنے باپ عسکر کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ اس کے بعد بریزہ اور سیمس کے کہنے پر سیف الدین ابوبکر نے انفرادی مقابلہ سارے واقعات انہیں بتا دیئے تھے۔

سیمس نے بریزہ کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگی۔

”بیٹے! اس بریزہ کو بھی ذرا سمجھاؤ۔ تمہارے نہ آنے کی وجہ سے روتی رہی ہے۔ اس کا چہرہ دیکھو۔ آنکھیں اس کی رو کر سرخ ہو رہی ہیں۔“

بریزہ مسکرا دی۔ آنکھیں اور گال اس نے صاف کئے، پھر اپنی ماں سیمس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

”اماں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ مزید پریشان نہ کریں۔“

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور عسکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان نے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا ہے۔ میں اب جاتا ہوں۔ راہم موضوعات پر گفتگو ہوگی۔“

اس پر عسکر کہنے لگا۔

”بیٹے! تھوڑی دیر تک کھانا آئے گا۔ کھانا ہمارے ساتھ ہی کھانا۔“

سیف الدین نے عسکر کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”بابا! میں کھانا آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا لیکن پہلے سلطان کے پاس سے ہواؤں۔

آپ لوگوں پر انکشاف کروں کہ فلا ڈلفیا کے حکمران ساماق کی مدد کے لئے دو قوتیں اتیزی سے ان علاقوں کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ جنوب مغرب سے انا طولیہ کا حکمران لشکری اور دوسری قوت یورپ کے رضا کاروں اور صلیبی جنگجوؤں کی طرف ہے جو ایک بہت بڑے بحری بیڑے میں فلا ڈلفیا کا رخ کر رہے ہیں۔ سلطان نے ان قوتوں سے نمٹنے کے لئے صلاح مشورہ کی خاطر اپنے سارے سالاروں کو اپنے خیمہ لب کر لیا ہے۔ میں اب جاتا ہوں۔ میری غیر موجودگی میں کھانا آ گیا تو آپ لوگ کھا ا۔ مجھے دیر ہوگئی تو میں بعد میں کھالوں گا۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر خیمے سے نکل گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر جب سلطان کے خیمے میں داخل ہوا تو اس وقت تک سارے بڑے سالار اور لشکر کے اندر جو امراء اور دوسرے معززین تھے، سب خیمے میں پہنچ گئے۔ سلطان کے اشارے پر سیف الدین آگے بڑھا اور سلطان کے پہلو میں جا کر تھا۔ اس کی آمد کے تھوڑی دیر بعد سلطان نے گفتگو کا آغاز کیا اور سب کو مخاطب کر نے لگا۔

یہ بات سب پر واضح ہو چکی ہے کہ دو بہت بڑی قوتیں فلا ڈلفیا کے حکمران ساماق کی

مدد کے لئے پہنچ رہی ہیں۔ ایک جنوب مغربی اناطولیہ کا یونانی حکمران لشکری اور دوسرے قوت یورپ والوں کی ہے جو ایک بہت بڑے بحری بیڑے میں ہے۔ پہلے تم آپس میں صلاح مشورہ کرو۔ جس بات پر تم متفق ہو وہ کہو اور تمہاری ترجمانی سیف الدین ابوبکر کرے گا۔ پھر دیکھتے ہیں ہم کس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔“

چنانچہ چھوٹے بڑے سالار، سیف الدین ابوبکر سمیت اس موضوع پر آپس میں گفتگو کرنے لگے تھے۔ کچھ دیر تک کھسر پھسر جاری رہی، پھر خاموشی ہو گئی۔ ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر، سلطان عز الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم سب نے مل کر ایک راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے اہم ہے اگر ہم نے اس پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا تو ہم اپنے سامنے کسی قوت کو ٹھہر نہیں دیں گے۔ سلطان محترم! لشکر دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ آپ کے پاس یہاں پڑاؤ کے اندر رہے گا، دوسرا حصہ میری کمان داری میں آجائے گا۔ میرے ساتھ اس حصے میں مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام ہوں گے۔ ہم تینوں اس لشکر کو لے جنوب مغربی اناطولیہ کے یونانی حکمران، لشکری کا رخ کریں گے۔“

یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین ابوبکر کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ خدشات کا اظہار کرتے ہوئے سلطان عز الدین بول اٹھا۔

”میرے عزیز! میں جانتا ہوں دشمن کو شکست دینے اور پسپا کرنے کا ہنر تم جانتے ہو لیکن میرے بھائی! جو انکشاف ہمارے تجربوں اور ہر کاروں نے کیا ہے، اس کے مطابق لشکر جنوب مغربی اناطولیہ کا یونانی حکمران، لشکری لے کر آ رہا ہے اس کی تعداد بقول ہمارے پورے لشکر سے بھی زیادہ ہے۔ اس بنا پر میرے بھائی! اتنے بڑے لشکر کے ساتھ اپنے آدھے لشکر کا کیسے سامنا کرو گے؟ اور کیسے اسے پسپا کرنے میں کامیاب ہو گے؟“ سلطان کے ان الفاظ کے جواب میں سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! عنقریب آپ سنیں گے کہ لشکری کو میں، مبارز الدین چاولی اور الدین بہرام نے کھ گال کر رکھ دیا ہے۔ سلطان محترم! جو خبر، لشکری کی پیش قدمی کی خبر۔ کر آئے ہیں، ان میں سے کچھ ہمارے ساتھ جائیں گے، ہماری راہنمائی کریں گے۔“

کے بعد لشکری کے ساتھ میں جب شب خون کا سلسلہ شروع کروں گا تو مجھے امید ہے کہ میں اس کے لشکر کی جڑیں کاٹ کر رکھ دوں گا اور اس کے سامنے واپس جانے اور اپنی جائیں بچانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہے گا۔

سلطان محترم! ہمیں سب سے پہلے فلاڈلفیا کے حکمران ساماق سے نمٹنا ہے۔ اس سے نمٹنے کے بعد پھر ہم نے لشکری پر بھی ضرب لگانی ہے۔ اس لئے کہ ہمارے سلطان غیاث الدین کا قاتل لشکری، اس کا ایک سالار اور اس کے لشکری ہیں۔ سلطان محترم! آپ اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ پڑاؤ میں قیام کریں گے۔ یہاں آپ کو دو قوتوں پر نگاہ رکھنا ہوگی۔ ایک ساماق پر جو اپنے بچے کچے لشکر کو لے کر فلاڈلفیا شہر میں محصور ہو چکا ہے اور دوسرے آپ نے اپنے تجربوں کے ذریعے یورپ سے آنے والے بحری بیڑے پر بھی نظر رکھنی ہے۔ سلطان محترم! میری آپ سے گزارش ہے جب ہمارے تجربہ آپ کے پاس بحری بڑے کے متعلق کچھ خبر لائیں تو ان میں سے ایک خبر ہماری طرف بھی بھیجیے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ لشکری سے نمٹنے کے بعد ہم یہاں واپس اپنے پڑاؤ میں نہ آئیں بلکہ میں، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام اس لشکر کو لے کر یورپ سے آنے والے بحری بڑے کا رخ کریں گے اور ان سے ایسا نمٹیں گے کہ ان کے سامنے بھی بھاگنے کے علاوہ دئی راہ نہ نہیں رہے گا۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا تب سلطان اپنے سارے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”جو منصوبہ بندی سیف الدین ابوبکر نے پیش کی ہے، کیا اس پر تم میں سے کسی کو تراض ہے؟“

اس پر بڑے سالاروں میں سے حسام الدین بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اعتراض کے ہو سکتا ہے کہ لے نہ یہ منصوبہ بندی تو ہم سب نے اس میں مل کے کی ہے اور میرے خیال میں یہ آخری بار ہے۔“

یہ الفاظ سن کر سلطان خوش ہو گیا تھا۔ لہذا سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان نے کہنے لگا۔

”سیف الدین! تمہارا شانہ زخمی ہے۔ میرے عزیز! کیا ایسا ممکن نہیں.....“

اسی رات کے پچھلے حصے میں سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام ایک لشکر کو لے کر مغرب کی سمت کوچ کر گئے تھے۔



سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام نے صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے تک سفر جاری رکھا اور جب روشنی پھیلنے کے آثار نمودار ہوئے، تب انہوں نے ایک کوہستانی سلسلے کے عقب میں قیام کر لیا تھا۔ وہاں فجر کی نماز ادا کی گئی، لشکریوں کے لئے صبح کا کھانا بھی تیار کیا گیا۔ ساتھ ہی سیف الدین نے اپنے مجبوروں کو بھی آگے پھیلادیا تھا۔ دوپہر سے تھوڑی دیر پہلے مجبور واپس آئے اور انہوں نے سیف الدین ابوبکر کو یہ اطلاع دی کہ آنے والی شب میں عشاء کے قریب جنوب مغربی اناطولیہ کے حکمران لشکری اپنے ایک جوار لشکر کے ساتھ اس کوہستانی سلسلے میں کسی دوسری سمت پہنچ جائے گا، جس کوہستانی سلسلہ کی پشت پر سیف الدین ابوبکر نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کر رکھا تھا۔

چنانچہ اس انکشاف پر سیف الدین ابوبکر کو اطمینان ہوا اور اس نے اپنے مجبوروں کو پھر اپنا کام جاری رکھنے کے لئے کہا جب کہ پورا دن سیف الدین ابوبکر نے اپنے لشکریوں کو ستانے اور دشمن سے احسن طریقہ سے نمٹنے کے لئے آرام کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ جس وقت سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام اور کچھ دوسرے سالار عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد ایک کافی بڑی چٹان کے اوپر بیٹھ کر باہم گفتگو کر رہے تھے، ان کے بھیجے ہوئے مجبور وہاں پہنچے۔ ان کی آمد پر سیف الدین، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام نے خوشی کا اظہار کیا۔ مجبوروں کو سیف الدین نے اپنے قریب ہی بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب سیف الدین نے انہیں مخاطب کیا۔

”میرے عزیز بھائیو! اب کہو کیا صورت حال ہے؟“

اس پر ایک مجبور بولا اور کہنے لگا۔

”امیر! لگتا ہے حالات ہمارے حق میں جارہے ہیں اور قدرت اس سلسلے میں ہماری مدد پر آمادہ ہے۔ لشکری جو اناطولیہ کے جنوب مغرب کے حصوں کا حکمران ہے، اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے لگ بھگ پانچ میل کے فاصلہ پر مغرب کی سمت پڑاؤ کر چکا ہے۔ ہمارا

سلطان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ سیف الدین ابوبکر بول اٹھا۔

”سلطان محترم! آپ یہ کہیں گے کہ میں کچھ دن ستالوں اور آرام کر لوں۔ اگر ایسا کیا گیا تو یاد رکھئے گا، لشکری اور یورپ کا بحری بیڑا دونوں قوتیں ہمارے سر پر پہنچ جائیں گی اور پھر ہم کو ایک ساتھ ان ساری قوتوں سے نمٹنا پڑے گا جو ہمارے لئے اگر ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گا۔ میں آج رات کے پچھلے پہر یہاں سے کوچ کروں گا۔ اگلا روز میں کسی گھات میں اپنے لشکر کے ساتھ گزاروں گا اور پھر عشاء کی نماز کے بعد اپنے مجبوروں کی راہنمائی میں لشکری کا رخ کروں گا اور لشکری کو بتاؤں گا کہ کیسے ہم اُس کی راہ روک کر اُسے واپس بھاگنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔“

سلطان نے اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ لہذا سارے سالاروں کو اس نے حکم دیا کہ جا کر آرام کریں۔ اس کے ساتھ ہی سب سالار وہاں سے اُٹھ کر نکل گئے تھے۔ سیف الدین نے سلطان کے خیمے سے نکل کر سیدھا کسار کے خیمے کا رخ کیا۔ وہاں کسار، سیس، باز نیک، بریزہ اور جوزین پہلے کی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ سیف الدین آگے بڑھ کر کسار کے پہلو میں بیٹھ گیا، پھر کہنے لگا۔

”میرے خیال میں آپ لوگوں نے کھانا کھالیا ہوگا۔“

اس موقع پر پہلی بار بریزہ بولی اور براہ راست سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”ہم سب آپ کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ کھانا ہم میں سے کسی نے نہیں کھایا۔ کھا: آچکا ہے اور اب ہم لگاتے ہیں، سب اٹھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔“

سیف الدین ابوبکر نے گہری نگاہ بریزہ پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر کھانا لگائیں۔ اس لئے کہ آج رات کے پچھلے حصے میں، میرے ایک لشکر کے ساتھ مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام کے ساتھ یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔“

سیف الدین ابوبکر کے یہ الفاظ سن کر بریزہ اُلجھی گئی تھی۔ اُداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ تاہم دونوں یعنی بریزہ اور جوزین اُنھیں، کھانے کے برتن لگائے اور سب بیٹھ کر کھانے لگے تھے۔

اس کے بعد مزید تبدیلی اور انقلاب آئے گا۔ لشکری اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔ ایک حصہ میری طرف، دوسرا حصہ مبارز الدین چاولی کی طرف بڑھے گا۔ اس طرح ان حصوں کی پشت جنوب کی طرف ہو جائے گی۔ ایسے ہی موقع پر نجم الدین بہرام حرکت میں آئے گا اور جنوب کی طرف سے دشمن پر حملہ آور ہوگا۔ جب ہم تین مختلف سمتوں سے لشکری کے لشکر پر حملہ آور ہوں گے تو یاد رکھنا لشکری ہی نہیں، اس کے سالار اور لشکری بھی خوف زدہ ہو جائیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ ان علاقوں میں مسلمانوں کے بہت سے لشکر ہیں جنہوں نے ایک طرح سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ اس موقع پر ہم نے پوری طاقت اور قوت کا مظاہرہ کرنا کرنا ہے اور جس قدر دشمن کے لشکریوں کو ہم قتل کر کے ان کی طاقت اور قوت میں کمی لاسکتے ہیں، ہمیں ایسا کرنا ہوگا۔ چنانچہ جب لشکری اور اس کے سالار یہ اندازہ لگائیں کہ شب خون کے نتیجے میں تو ان کے لشکریوں کی لاشوں کی بساط بچھ گئی ہے تو وہ اسے برداشت نہیں کر پائیں گے اور بھاگ کھڑے ہوں گے اور ہر صورت میں وہ یہاں سے اناطولیہ کے مغربی حصوں کی طرف بھاگنا زیادہ پسند کریں گے۔ مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام اور میرے دوسرے بھائیو! غور سے سنو۔ ایک بار آج اگر ہم نے لشکری کو یہ بدترین شکست دے دی تو چند ماہ تک وہ اپنے زخم چاٹتا رہے گا اور ہمارے خلاف حرکت میں آنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اتنی دیر تک اس پر ضرب لگانے کے لئے ہمیں بھی موقع مل جائے گا۔ میں جانتا ہوں، لشکری کی ذہنیت بڑی گھٹیا ہے۔ جب وہ ہمارے ہاتھوں شکست اٹھائے گا تو اپنی طاقت اور قوت میں مزید اضافہ کر کے ہم سے اپنی اس شکست کا نقام ضرور لے گا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس وقت تک ہم یورپ سے آنے والے بحری بڑے سے بھی نمٹ چکے ہوں گے اور فلاڈلفیا پر حملہ آور ہو کر اسے بھی فتح کر کے اپنی ملکیت میں شامل کر چکے ہوں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین رکا، پھر کہنے لگا۔ ”میری اس تجویز سے اگر کسی کو کوئی اختلاف ہو تو بولے۔“

جب سب نے اس سے اتفاق کیا، تب سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد سیف الدین، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام، لشکری کی تقسیم کا کام سرانجام دینے لگے تھے۔ حالات میں آدھی رات تک انہوں نے وہیں قیام کئے رکھا اور پھر آدھی رات کے قریب

اندازہ ہے، اپنے لشکر کے ساتھ وہ وہیں شب بسر کرے گا اور ساتھ ہی اپنے لشکریوں کو آرام کرنے اور سستانے کا موقع بھی فراہم کرے گا اور اگلے روز شاید وہاں سے کوچ کرے اور دوبارہ مشرق کی طرف پیش قدمی شروع کر دے۔“

اس انکشاف پر سیف الدین نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور پھر کہنے لگا۔ ”خداوند قدوس کو منظور ہوا تو اگلے روز لشکری کو اپنے لشکر کے ساتھ مشرق کی طرف پیش قدمی کرنے کا موقع ہی نہیں ملے گا بلکہ وہ اور اس کے لشکری اپنی جانیں بچانے کے لئے مغرب کی طرف بھاگنے کو ترجیح دیں گے۔“

اتنا کہنے کے بعد سیف الدین رکا، پھر اپنے ان مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”تم جا کر کھانا کھا لو، تھک چکی ہو، سستا بھی لو۔ اس کے بعد تمہیں دشمن کے لشکر تک ہماری رہنمائی کرنا ہوگی۔“

اس کے ساتھ ہی وہ مخبر جب وہاں سے ہٹ گئے تو سیف الدین ابوبکر کچھ دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے بعد مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام اور وہاں بیٹھے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز بھائیو! جس قدر لشکر اس وقت ہمارے پاس ہے، اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا مبارز الدین، تیسرا نجم الدین بہرام۔“ پاس رہے گا۔ یہاں سے اپنے مخبروں کی راہنمائی میں ہم اکٹھے ہی پیش قدمی شروع کریں گے۔ دشمن کے لشکر سے لگ بھگ ایک میل کے فاصلے پر اپنے اپنے جیسے کے لشکر کو لے کر ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر پیش قدمی شروع ہوگی۔ سب سے پہلے میں دشمن کے لشکر پر شمال کی طرف سے حملہ آور ہوں گا۔ ظاہر ہے جب میں شب خون ماروں گا، دشمن اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ مجھ پر جوابی کارروائی کرتے ہوئے حملہ آور ہوگا، میں اس وقت مشرق کی طرف سے مبارز الدین چاولی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوگا۔ اس وقت چونکہ دشمن میری طرف اٹھ رہے ہوں گے، لہذا مبارز الدین چاولی کی طرف ان کی پشت ہوگی۔ لہذا مبارز الدین کو پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر دشمن کے ان گنت لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا موقع ملے گا اور خداوند قدوس نے چاہا تو مبارز الدین چاولی ایسا ہی کرے گا۔

تینوں لشکر کو لے کر مغرب کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

رات سنگدل اور ناموافق موسموں کی تیخ بستہ ہواؤں سے لگراتی اُٹتے ویران راستوں پر عمرومیوں کی دلہلیں پھیلا گئی، ہر شے کو نیند کی تھکیاں دیتی ہوئی بھاگتی جا رہی تھی۔ چاروں طرف ایسی خاموشی تھی گویا کرم خوردہ قرطاس کے انبار تھے۔ حکم ناموں، عہد ناموں، قوانین، حکمت، منطق، اقوال اور قصیدوں نے اپنا آپ کھو کر رکھ دیا ہو۔ فضاؤں میں ایسی چپ طاری تھی جیسے تاریخ کے حوادث اور حرفوں کے بھید بالکل منجمد ہو کر رہ گئے ہوں۔ لگتا تھا ہر چیز اس امر کی منتظر تھی کہ خاموشیوں کے نشتروں میں سے کوئی اُٹھے، کوئی بولے اور لہو کے تلاطم اور قلوب کے قوانین جیسا انقلاب برپا کر کے رکھ دے۔

اس کے بعد اچانک شمال کی طرف سے سیف الدین ابوبکر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گریز پانقوش کے متلاشی ساحلوں کو توڑتے طوفانوں کی طرح نمودار ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ لشکری کے لشکر پر قلب سے ہر غم وابستہ کر کے اعصاب شل کر دینے والے منجمد ہاروں کے ریلوں، دلوں کی خشکی اور خشکی کا باعث بننے تاریک قضا کے ہولناک طوفانوں اور زندگی کے صحرا میں دن رات کی سرحدوں پر نوہ گری کی صدائیں پھیلاتے مشیت کے کسی محتسب کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے لشکری بھی اپنے پورے لشکر کے ساتھ جبر کی دھول، سیلِ تند اور نفرت کی پیوند کاری، عذابِ جہاں، سوزِ نہاں اور سوزِ تپش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کچھ دیر تک ہولناک ٹکراؤ جاری رہا۔ رات کی گہری تاریکی ہونے کے باوجود لشکری نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ جس لشکر نے اس پر شب خون مارا ہے، وہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے اور بہت جلد اس پر غالب آجائے گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد تبدیلی رونما ہوئی۔ اس لئے کہ مشرق کی طرف سے روحوں کی گہرائیوں اور دل کے بے چین ساحلوں پر جاگتی بھرتی موجوں کی طرح مبارز الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نمودار ہوا۔ پھر وہ لشکری کے ایک پہلو پر عمروں کے تسلسل میں بے کراں دکھ کی مسافتیں کھڑی کرتے فنا کے آتشیں لمحوں، دشت کے خونی مناظر اور صحرا صحرا بھٹکتے وحشی بگولوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اب لشکری کے لئے مصیبت کھڑی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ جلدی جلدی اس نے لشکر کا

ایک حصہ مشرق کی طرف متعین کیا تاکہ نئے حملہ آوروں کی روک تھام کی جائے جبکہ لشکر کا بڑا حصہ اس نے شمال ہی کی طرف مصروف کار رکھا اور اس دوران اس کے لئے ایک اور بری خبر نمودار ہوئی۔ وہ اس طرح کہ جنوب کی طرف سے نجم الدین بہرام، لشکری کی پشت کی جانب سے خون سے تر دلدلوں میں رقص کرتی حلقہ در حلقہ موت کی آتشیں پکار کے شور، خزاں کی چیرہ دستی میں بگولوں کے وحشی پن اور صحرائی تپتی ہواؤں اور طوفانوں کے خروش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح رات کی گہری تاریکی میں رزم گاہ کے اندر آتشیں نا آسود گیاں، اندوہناک زہریلے لمبے جسموں کی شریانوں میں آگ بھرنے لگے تھے۔ دلوں کے آئینے کرچی کرچی، روحوں کے پیمانے پارہ پارہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سینوں میں سلگتے انگاروں اور سانسوں میں زیر ویم کی کیفیت رقص کنناں ہو گئی تھی۔

کچھ دیر تک ان ویرانوں کے اندر ہولناک ٹکراؤ جاری رہا۔ شروع میں لشکری کا اندازہ یہی تھا کہ ایک چھوٹے سے لشکر نے اس پر شب خون مارا ہے جسے وہ لمحوں کے اندر پیس کر رکھ دے گا۔ لیکن سامنے کی طرف سے جب سیف الدین ابوبکر نے اپنے حملوں میں تیزی اور خوفناکی پیدا کی، تب لشکری کسی قدر فکرمند ہوا تھا۔ اس کے بعد جب مشرق کی طرف سے مبارز الدین چاولی اور جنوب کی طرف سے نجم الدین بہرام بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کے لشکریوں کا قتل عام شروع کر دیا، تب وہ لمحات لشکری کے لئے بڑے جان لیوا تھے۔ اس کے باوجود اس نے اپنے لشکر کو کافی حد تک سنبھالا دینے کی کوشش کی لیکن اسے ناکامی ہوئی اور ساتھ ہی اپنے چھوٹے بڑے سالاروں کے ذریعے اس کے کانوں تک یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ شمال، جنوب اور مشرق میں حملہ آوروں نے تیز اور جان لیوا شب خون مار کر اس کے لشکریوں کی لاشیں بچھا کر رکھ دی ہیں۔ اور اگر جنگ اسی طرح جاری رہی تو ہو سکتا ہے صبح تک اس کے لشکر کی تعداد آدھی سے بھی کم ہو کر رہ جائے گی۔

یہ صورت حال یقیناً لشکری کے لئے بڑی خوفناک تھی۔ لہذا اس نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام نے کچھ دور تک بڑے خوفناک انداز میں اس کا تعاقب کر کے اس کے لشکر کی تعداد کو مزید کم کیا، اس

کے بعد وہ اس جگہ آئے جہاں ٹکراؤ ہوا تھا۔ پہلے زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی۔ اتنی دیر تک مشرق سے سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی شکست قبول کرنے والے لشکری کے پڑاؤ پر بھی قبضہ کر لیا گیا تھا۔



قسطینیہ کی سلطنت کا وہ بحری بیڑا جو اس سے پہلے اٹالیہ کے حکمران بارگن کی مدد کے لئے آیا تھا لیکن شکست کی صورت میں وہ بارگن اور اس کے بچے کچھ لشکریوں کو لے کر قبرص کی طرف چلا گیا تھا، وہ بحری بیڑہ بارگن اور اس کے لشکریوں کو قبرص میں چھوڑنے کے بعد پلٹا۔ اسی دوران انہیں خبر ہوئی کہ یورپ کی طرف سے ایک اور بہت بڑا بحری بیڑہ آیا ہے جس میں صلیبی جنگجوؤں کے علاوہ پیشہ ور جنگجو بھی ہیں جو پہلے فلاڈلفیا کا دفاع کریں گے۔ مسلمانوں کے سلطان کو فلاڈلفیا کے نواح سے بھگانے کے بعد پھر اٹالیہ کا رخ کریں گے اور بارگن کو اٹالیہ واپس لے کر دیں گے۔ یہ خبریں جب اس بحری بیڑے کو پہنچیں تو انہوں نے بڑے اطمینان کا اظہار کیا۔ لہذا وہ تیزی سے حرکت میں آئے اور جو بحری بیڑا یورپ کی طرف سے آیا تھا، وہ اس سے جا ملے۔ اس طرح بحری بیڑے کی طاقت اور قوت ڈگنی ہو گئی تھی۔ اب اس بحری بیڑے نے فلاڈلفیا کی بندرگاہ پر ٹکرا انداز ہو کر قیام کر لیا تھا۔ دوسری طرف سلطان بھی بڑا چوکس اور بیدار تھا۔ وہ حالات پر گہری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کی طرف بہت سی قوتیں آرہی ہیں لہذا فلاڈلفیا کا حکمران ضرور ایک بار پھر شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کے ساتھ قسمت آزمائی کرے گا اور اپنی شکست کو اپنی کامیابیوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے گا۔

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان عزالدین نے بھی اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی۔ ساتھ ہی اس نے تیز رفتار قاصد سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔

دوسری طرف فلاڈلفیا کا حکمران ساماق اپنی جگہ مطمئن اور خوش تھا۔ اس لئے کہ وہ بحری بیڑوں میں ایک زبردست لشکر اس کی مدد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ ایک بحری بیڑا جو قبرص میں بارگن کو چھوڑنے گیا تھا، وہ واپس آیا۔ اس کے اندر بارگن کے جنگجو بھی شامل تھے۔

دوسرا بحری بیڑا یورپ سے آیا تھا جس میں بڑے بڑے ٹائٹ، بڑے بڑے ہاسپلرز، صلیبی رضا کار اور جنگجو شامل تھے۔ اور یہ دونوں بحری بیڑے آپس میں اتحاد اور تعاون کرنے کے بعد فلاڈلفیا کی بندرگاہ پر ٹکرا انداز ہوئے۔

فلاڈلفیا کے حکمران ساماق نے اپنے سالاروں، رؤساء اور امراء کے ساتھ فلاڈلفیا شہر سے نکل کر ان کا بہترین انداز میں استقبال کیا۔ اس طرح بندرگاہ کے سامنے کھلے میدانوں کے اندر دونوں بحری بیڑوں کے لشکریوں نے ایک طرح سے اپنا پڑاؤ جمانا شروع کر دیا تھا۔ سلطان عزالدین نے اپنے مجنوں کے ذریعے ان پر گہری نگاہ رکھنی شروع کر دی تھی۔

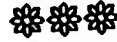


یہ دونوں بحری بیڑے فلاڈلفیا کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو چکے ہیں اور فلاڈلفیا کے حکمران ساماق نے بہترین انداز میں ان کا استقبال کیا ہے اور اب وہ کسی بھی وقت خم ٹھونک کر ہمارے سامنے آسکتے ہیں۔“

یہ خبر سن کر چونکنے کے انداز میں سیف الدین ابوبکر اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، پھر ہارز الدین چادلی اور نجم الدین بہرام کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! پڑاؤ اٹھا لو۔ لشکر کو کھو، تیاری کرے۔ تھوڑی دیر تک ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ اتنی دیر تک یہ آنے والے تینوں مخبر کھانا کھالیں گے۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے ہاتھ کے اشارے سے ایک چھوٹے سالار کو بلایا۔ ان تینوں مخبروں کو اس کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ کھانا کھالیں۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد سیف الدین ابوبکر اپنے لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ مشرق کا رخ کر رہا تھا۔



شام سے پہلے پہلے سیف الدین اپنے لشکر کے ساتھ سلطان عز الدین کے پاس پہنچے۔ عز الدین نے بہترین انداز میں اس کا اور اس کے سالاروں اور لشکریوں کا استقبال کیا۔ اس لئے کہ سلطان کے پاس پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی کہ سیف الدین نے لشکری کے پرشب خون مار کر نہ صرف ان کی تعداد کو کم کیا ہے بلکہ انہیں بدترین شکست دے کر جانے پر مجبور کر دیا ہے۔

چنانچہ جب سیف الدین کے لشکری سلطان کے پڑاؤ میں آکر قیام کر گئے تب سلطان سیف الدین، مبارز الدین، نجم الدین اور کچھ چھوٹے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب وہ خیمے میں داخل ہوئے تو وہاں پہلے سے حسام الدین یوسف، زین الدین اور دوسرے سالار اور امراء بیٹھے ہوئے تھے۔ سیف الدین آگے بڑھ کر سلطان کے سامنے پر سلطان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی، اس کے بعد سلطان رسب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سیف الدین، مبارز الدین اور نجم الدین ابھی تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں۔ بہر حال ان کے ذریعے میں نے ان تینوں کو بھی پوری صورت حال سے آگاہ کیا ہے۔ میرے ساتھیو! دو بڑے بڑے بحری بیڑے فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کی مدد کے لئے یہاں

سیف الدین ابوبکر اپنے دونوں ساتھی سالاروں کے ساتھ وہیں قیام کئے ہوئے تھا جہاں اس نے لشکری کے لشکر پر شب خون مارا تھا اور اسے مار بھگایا تھا۔ وہاں قیام کئے ہوئے اسے دو دن گزر گئے، تب تین مخبر اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ سیدھے اس طرف گئے جہاں فجر کی نماز کے بعد سیف الدین، مبارز الدین اور نجم الدین اپنے کچھ چھوٹے سالاروں کے ساتھ بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ جب وہ تینوں مخبران کے قریب پہنچے تو اپنے گھوڑوں سے اتر کر بلند آواز میں انہوں نے سلام کیا۔

سیف الدین اور اس کے ساتھی سالار جان گئے تھے کہ آنے والے، سلطان کی طرف سے آئے ہیں۔ لہذا ہاتھ کے اشارے سے سیف الدین نے انہیں اپنے پاس آکر بیٹھنے کے لئے کہا۔ اس پر وہ تینوں آگے بڑھے اور سیف الدین کے قریب بیٹھ گئے۔ پھر سیف الدین کے پوچھنے پر ان میں سے ایک بولا اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! ہمیں سلطان نے بھیجا ہے اور فی الفور آپ کو واپس ان کے پاس پہنچنے کے لئے کہا ہے۔ اس لئے کہ دو بحری بیڑے فلاڈلفیا پہنچ چکے ہیں اور ان دو بحری بیڑوں میں بڑے بڑے لشکر ہیں۔ ایک بحری بیڑہ وہ ہے جو شکست خوردہ بارگن اور اس کے بیٹے کے لشکریوں کو لے کر قبرص کی طرف گیا تھا۔ اس میں پہلے سے بحری بیڑے کے لشکری شامل تھے۔ ساتھ ہی وہ کچھ تازہ دم لشکری قبرص سے بھی لے کر آئے ہیں۔ اور دوسرا بحری بیڑہ بہت بڑا ہے، اس کے اندر صلیبی رضا کار، یورپ کے جنگجو، نائٹ، ہاسپٹلرز اور دیگر ٹیمپل شامل ہیں جو مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔

پہنچ چکے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وہ دو یا تین دن سستاں گے، تازہ دم ہوں گے۔ اس کے بعد خم ٹھونک کر ہمارے سامنے آئیں گے۔ ہمیں بھی ان سے ٹکرانے کی کوئی اتنی جلدی نہیں ہے۔ جتنے دن آرام کرنا چاہتے ہیں، کر لیں۔ اس کے بعد ان سے ہم خوب ٹکرائیں گے اور خداوند قدوس کو منظور ہوا تو جو حالت اس سے پہلے ہم نے فلا ڈلفیا کے حاکم ساماق کی ہے، اس بار ان کی حالت اس سے بھی بدتر کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان عزالدین جب خاموش ہوا، تب سیف الدین ابوبکر بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہو سکتا ہے ان نئے متحدہ لشکروں سے نمٹنے کے لئے آپ کے پار کوئی اچھی منصوبہ بندی ہو۔ اس وقت میرے ذہن میں بھی ایک منصوبہ بندی ہے۔ مگر چاہتا ہوں، وہ آپ سے بیان کروں۔ اگر وہ قابل عمل ہو تو ٹھیک ورنہ جو منصوبہ بندی آپ کریں گے، وہی ہمارے لئے حرف آخر جیسی ہوگی۔“

جواب میں مسکراتے ہوئے عزالدین بولا اور کہنے لگا۔

”میرے بھائی! میں نے ابھی تک کوئی بھی منصوبہ بندی نہیں کی۔ مجھے خصوصیت۔ تمہاری واپسی کا انتظار تھا۔ اسی بنا پر میں نے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کرا ہے۔ تم اگر نہ بولتے تو میں تم لوگوں سے یہی کہنے والا تھا کہ آپس میں صلاح مشورہ کر دو! کسی منصوبہ بندی کو آخری شکل دو۔ اب اگر تم خود ہی بولے ہو کہ تمہارے پاس ایک منصوبہ ہے تو پھر میرے بھائی! کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

سلطان کے ان الفاظ کے جواب میں سیف الدین نے گلا صاف کیا، اپنے ہونٹوں زبان پھیری، اس کے بعد وہ سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں چاہتا ہوں، آج رات ہم یہیں قیام کریں اور اپنے اطراف! اپنے لشکر کے کچھ حصوں کو مستعد کر دیں تاکہ دشمن ہم پر شب خون نہ مارے۔ میں ہا ہوں اگلے روز ہم اپنا پڑاؤ یہاں سے اٹھا کر آگے بڑھیں اور فلا ڈلفیا کے قریب ہو کر کچھ طرح اپنے لشکر کی ترتیب رکھیں کہ لشکر کا بایاں پہلو سمندر کے قریب ہو جائے۔

سلطان محترم! کل جب ہم اپنی یہ جگہ تبدیل کریں گے اور آگے بڑھ کر اپنے لشکر ترتیب نئے انداز میں مرتب کریں گے تو دشمن یہی خیال کرے گا کہ ہم ان کے ساتھ ہا

کی ابتدا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے سامنے اپنے لشکر کو لائیں گے اور جنگ کی تیاری شروع کریں گے۔

میرا اپنا اندازہ ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد یقیناً ہم سے زیادہ ہوگی لیکن اس کو ہم نے نظر انداز کر دیتا ہے۔ پہلے ہمارا پورا لشکر دشمن پر ضرب لگائے گا۔ کوشش یہ کی جائے گی کہ سامنے آنے والے دشمن کے ہر لشکری کا قصہ پاک کر دیا جائے۔ اس طرح ان کی تعداد کو ڈی تیزی سے کم کیا جائے۔ جب دشمن کے اندر جنگ کی وجہ سے ایک ہلچل اور ہیجان برپا ہوگا اور دشمن دیکھیں گے کہ دور تک ان کے لشکریوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں، تب ان پر ایک طرح سے ہمارا رعب اور خوف طاری ہوگا۔ اس موقع پر میں ایک کام کی ابتدا کرنا

اہوں گا۔

سلطان محترم! میں چاہتا ہوں کہ جو لشکر میرے تحت کام کرتا رہا ہے، اس لشکر کے ساتھ مابائیں جانب یعنی سمندر کی طرف رہوں۔ جس وقت دشمن کے لشکر کے اندر ہمارے تیز جان لیوا حملوں کے باعث ایک ہیجان اور افراتفری کا عالم برپا ہوگا تو میں اپنے حملوں کا تیزی پیدا کر کے دشمن کا جو لشکر میرے سامنے ہوگا، اسے پسپا ہونے اور پیچھے ہٹنے پر رکر دوں گا۔ ایسی صورت میں آپ اپنے وسطی حصے کے ساتھ اور لشکر کے دوسرے پہلو، ساتھ بائیں جانب اپنے حملوں کو تیز رکھیں گے۔ اس طرح دشمن کے وہ لشکری جنہیں اپنا کر دوں گا، ہمارے لشکری جو آپ کے تحت کام کر رہے ہوں گے، وہ ان سے بھی اُلجھیں گے۔ اس موقع پر میں دشمن کے بحری بیڑے کی طرف بڑھوں گا۔ میرے ساتھ کام کرنے والوں کے پاس ان کے ترکشوں میں تیر ہوں گے اور یہ جلتے پروں والے تیر ہوں جنہیں آگ دکھا کر بحری بیڑے پر پھینکا جائے گا اور کوشش کی جائے گی کہ دشمن کے ایڑے کو آگ لگائی جائے۔ اور جب ایسا ہوگا تو پھر دیکھیں گے کہ کیسا منظر ہمارے سامنے آتا ہے۔ دونوں بحری بیڑوں کے لشکری جب دیکھیں گے کہ ان کے بحری بیڑوں پر تیروں کی بارش کر دی گئی ہے اور بحری بیڑوں کے اندر آگ بھڑک اٹھی ہے تو وہ سامنے سے ہٹ کر اپنے بحری بیڑے کو بچانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے کہ وہ

س گے کہ اگر ہمارا بحری بیڑہ بیکار ہو گیا تو جانیں بچا کر یہاں سے بھاگ کر کہاں گے۔ چنانچہ وہ جب پلٹ کر اپنے بحری بیڑے کی طرف جانا چاہیں گے تو میں ان کی

دوران استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

چنانچہ سارے سالاروں نے پہلے تو ان مجبوروں کی تعریف کی جو یہ خبر مسلمانوں کے لشکر سے لے اڑے تھے، پھر آپس میں صلاح مشورہ شروع ہوا۔ اس کے بعد رومن سالار بولا اور ساماق کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس کا ایک بہترین حل ہمارے پاس ہے۔ اگر مسلمانوں کا سالار سیف الدین ابوبکر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سمندر کے کنارے کے ساتھ رہتا ہے تو پھر اس کے مقابلے پر جو ہمارا لشکر ہوگا، اسے پیچھے دھکیل کر وہ ہمارے بحری بیڑے کے جہازوں پر چلتے ہوئے تیر پھینک کر انہیں آگ لگا کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے تو کم از کم ہم اُسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اگلے روز کا سورج جب طلوع ہو تو جہاں ہم نے اس وقت پڑاؤ کیا ہوا ہے، یہ پڑاؤ ہم دو تین فرلانگ اور آگے لے جائیں گے۔ لشکر کے ایک طاقتور حصے کو سمندر کے کنارے رکھیں گے جو جارحیت اختیار نہیں کرے گا، صرف دفاع تک محدود رہے گا۔ مسلمانوں کے سلطان سیف الدین کو روکے رکھے گا۔ اسے اور اس کے لشکریوں کو بحری بیڑوں کے جہازوں کے قریب نہیں آنے دے گا۔ اس وقت تک شاید ہم تیز، توانا اور فناک حملے کر کے مسلمانوں کے سالار عز الدین کو اپنے سامنے زیر کرنے میں کامیاب ہو آئیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر نے جو تجویز دی ہے کہ ارے بحری بیڑوں کو آگ لگا کر اپنے لئے فوائد حاصل کرے، وہ بیکار ہو جائے گی۔“

ساماق اور دیگر سارے سالاروں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اگلے روز ساماق نے اپنے لشکر کو تین فرلانگ اور آگے کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد سلطان بھی ان کے سامنے آیا۔ سلطان نے اپنا پڑاؤ قائم کیا، اس کے بعد جس وقت سلطان اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا، تب اس کے کچھ مجبور آئے۔ اس وقت سارے سالار سلطان کے پاس کھڑے ہوئے۔ سامنے ساماق کے لشکر میں بھی پوری طرح ہلچل تھی، صفیں بھی درست نہ ہوئی تھیں۔ چنانچہ جو مجبور آئے تھے، وہ سیدھے سلطان کے پاس آئے اور سلطان کو مخاطب کر کے ان میں سے ایک کہنے لگا۔

”سلطان محترم! گزشتہ شب دشمن سے نمٹنے کے لئے جو تجویز اور منصوبہ بندی امیر ابوبکر نے بتائی تھی، اس کی اطلاع ساماق اور اس کے سالاروں تک پہنچ گئی

پشت کی طرف سے حملہ آور ہوں گا، پھر دیکھوں گا کہ ان میں سے کون بچ کر اپنے بحری بیڑے میں جانے میں کامیاب ہوتا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔ ”سلطان محترم! جب میں اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے ان لشکریوں پر حملہ آور ہوں گا جو اپنے بحری بیڑے کو بچانے کے لئے پلٹیں گے تو بحری بیڑے کے دوسرے لشکری بلکہ ساماق کے لشکری بھی اس سمت لپکیں گے جہاں میں بحری بیڑے کی طرف جانے والوں کی پشت پر حملہ آور ہوں گا۔ جب وہ ایسا کریں گے تو آپ اپنے لشکر کے ساتھ سمٹ کر بائیں جانب آئیں گے اور ساماق کا لشکر جب ایک دم سمندر کی طرف پلٹے گا تو اس کے لشکر کی پیٹھ آپ کی طرف ہو جائے گی۔ اس موقع پر ان کا ہدف میں ہوں گا۔ وہ مجھ پر حملہ آور ہو کر کوشش کریں گے کہ ان کے لشکر کا جو حصہ بحری بیڑے کی طرف جا رہا ہے، اسے بچائیں اور بحری بیڑے میں لگنے والی آگ کو بجھائیں۔ اس موقع پر آپ دشمن کے لشکر کی پشت کو جانب سے زوردار حملے شروع کر دیں۔ پھر دیکھیں گے کہ ساماق اور اس کی مدد کے لئے آنے والے دونوں بحری بیڑوں کے لشکری کب تک اور کتنی دیر تک ہمارے سامنے ٹھہر کر جنگ کر سکتے ہیں۔“

سلطان کے علاوہ وہاں بیٹھے سارے سالاروں نے بھی سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا یہ فیصلہ ہوا کہ رات وہیں بسر کی جائے اور اگلے روز فلاڈلہ شہر کے مزید قریب ہو کر دشمن سے ٹکرایا جائے۔

دوسری طرف فلاڈلفیا کے حکمران اور اس کے سالار بھی اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے چکے تھے اور ان کے مخبر بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ لہذا سلطان عز الدین ساتھ مل کر سیف الدین ابوبکر نے جو منصوبہ بندی کی تھی، اس کی خبر جاسوسوں کے ذریعہ ساماق کو بھی ہو چکی تھی۔ لہذا رات کے وقت جب اسے یہ خبر پہنچی تو اس نے شہر سے باہر اپنے خیموں میں موجود اپنے سارے سالاروں کو طلب کر لیا تھا۔

جب سارے سالار اس کے پاس جمع ہو گئے جن میں رومن اور یونانی بحری بیڑے سے آنے والے لشکر کے سالار بھی شامل تھے، تب ساماق نے اپنے سارے سالاروں کو اُٹھانے سے آگاہ کیا جو مسلمانوں کے سلطان عز الدین نے اگلے روز جنگ

ہے اور انہوں نے اس کا حل تلاش کر لیا ہے۔ انہیں یہ تو خبر ہے کہ سلطان کے لشکر کا بایاں پہلو سمندر کے کنارے رہے گا اور اس کی کمانداری امیر سیف الدین ابوبکر کریں گے اور وہ دشمن کو پیچھے دھکیلتے ہوئے دشمن کے بحری بیڑوں کے قریب جا کر ان پر جلتے پروں کے تیر پھینک کر انہیں آگ لگا کر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہذا دشمن نے یہ بندوبست کیا ہے کہ بائیں جانب سمندر کے کنارے وہ ایک بہت بڑا لشکر رکھیں گے جو جارحیت اختیار نہیں کرے گا، صرف امیر سیف الدین ابوبکر کے حملوں کو روکے رکھے گا اور انہیں آگے نہیں بڑھنے دے گا۔ اتنی دیر تک دوسری سمتوں سے وہ حملہ آور ہو کر مسلمانوں کے لشکر پر قابو اور گرفت حاصل کر کے اپنی کامیابی اور فتح مندی کو یقینی بنانے کے درپے ہیں۔“

سلطان نے پہلے اپنے تجربوں کا شکریہ ادا کیا، انہیں جا کر پھر سے اپنے کام میں لگ جانے کے لئے کہا۔ پھر وہ سوالیہ سے انداز میں سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس موقع پر سیف الدین کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، پھر وہ کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جو جنگی منصوبہ بندی ہم نے بنائی ہے، اس کی خبر اگر دشمن کو ہوگئی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم اپنی اس منصوبہ بندی میں تبدیلی کرتے ہیں اور میرے خیال میں یہ تبدیلی ہمارے لئے زیادہ سودمند ہوگی۔“

اس موقع پر سلطان کے علاوہ سارے سالار بھی بڑے غور سے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! لشکر کو تین یا آپ کہہ سکتے ہیں ساڑھے تین حصوں میں تقسیم جائے۔ ایک حصہ پڑاؤ کی حفاظت پر رکھا جائے، باقی تین حصوں میں سے ایک حصہ آپ کے ساتھ قلب کے طور پر رہے گا۔ دوسرا حصہ حسام الدین یوسف کو دے دیجئے گا۔ یہ میرا جگہ سمندر کے کنارے کی طرف رہے گا۔ اگر دشمن اپنے آپ کو دفاع تک رکھنا چاہتا ہے حسام الدین بھی اپنے آپ کو دفاع تک محدود رکھے، جارحیت اختیار نہ کرے۔ حسام الدین کے ساتھ زین الدین بشارہ کو لگا دیا جائے۔ آپ وسطی حصے میں رہیں، نجم الدین بہرام آپ کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔ تیسرا حصہ میرے پاس ہوگا جبکہ میرا عزیز سا مہارز الدین چاولی میرے ساتھ ہوگا۔ جو لشکر پڑاؤ کی حفاظت کے لئے مقرر کیا جائے ۱۱ کی کمانداری کچھ چھوٹے سالاروں کے ذمہ لگائی جائے اور اس سلسلے میں وہ چھوٹے سالار

پڑاؤ کی حفاظت کے لئے عسار کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھیں۔ سلطان محترم! اب میں اس رف آنے لگا ہوں، جو تجویز ہماری کامیابی کا درکھو لے گی۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین نے اپنی آواز بالکل دھیمی کر لی اور سرگوٹی کے انداز میں سلطان عز الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جو لشکر آپ کے پاس ہوگا، وہی دوسرے حصوں سے بڑا رکھا جائے۔ جنگ جب اپنے عروج پر ہوگی تو دو کام کئے جائیں گے۔ پہلا یہ کہ آپ اپنی جگہ پر ل میں مصروف رہیں لیکن لشکر کا ایک حصہ مختص کر کے زین الدین بشارہ کے تحت کیا جائے گا۔ یہ سارا کام جنگ کے دوران کیا جائے گا اور زین الدین بشارہ دائیں طرف پھیلتا جائے گا، دشمن کو روکے رکھے گا۔ جارحیت اختیار نہیں کرے گا۔ گویا زین الدین بشارہ بلا ہوا اس لشکر کے سامنے آجائے گا جو ہم سے ٹکرا رہا ہوگا۔ اس دوران میں اور زالدین تیزی سے ایک طرف ہٹیں گے اور دشمن کے دائیں پہلو پر زوردار حملے کریں گے تاکہ وہ زین الدین بشارہ پر زیادہ دباؤ نہ ڈال سکیں۔ انہیں کافی آگے تک دھکیلتے ہوئے زین الدین بشارہ کا کام آسان کریں گے تاکہ زین الدین بشارہ ہماری غیر موجودگی میں آسانی سے روکے رکھے۔ پھر ہم ایک دم پیچھے ہٹیں گے۔ پیچھے ہٹ کر ہم شہر پناہ کے حصے کی طرف بڑھیں گے۔ وہاں دشمن کے لشکر کی یا تو ہوں گے ہی نہیں اور اگر ہوں تو بہت کم ہوں گی۔ تیروں کی بوچھاڑ مار کر ان کا خاتمہ کر کے ہم فاصلہ پر چڑھنے کی ش کریں گے۔ فاصلہ پر چڑھنے کے ساتھ ہی ہم شہر کے اندر جو لشکر ہوگا، اس کا خاتمہ کر گے اور شہر پناہ کے مشرقی دروازے کے اوپر اپنا پرچم لہرا دیں گے۔ اسی دوران ہمارے فی فاصلہ کے اوپر سے شور کرنا شروع کر دیں گے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر شہر میں داخل ہے۔ ایسا ہمارے لشکر کی برجوں کے اندر چھپ کر کریں گے تاکہ سامان اور اس کے لایہ نہ جان سکیں کہ یہ اطلاع دینے والے مسلمان ہیں یا ان کے لشکر کی۔

چنانچہ سامان اور اس کے سالار جب دیکھیں گے کہ شہر پناہ کے اوپر سلطان کا پرچم لہرا ہے تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے گی۔ ایک دم وہ شہر پناہ کا غربی دروازہ پرچم لہرا کر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ اتنی دیر تک میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شمال کی سمتوں گا، شہر پناہ اور نیچے اترنے والی بیڑھیوں پر اپنے لشکر کی ترتیب درست کر کے

شہر میں داخل ہونے والے دشمن کے لشکر سے نمٹنے کی تیاری کر لوں گا۔ اور جب دشمن کا لشکر شہر میں داخل ہو تو سلطان محترم! آپ اور محترم حسام الدین یوسف بھی اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو جائیں۔

شہر میں داخل ہونے سے پہلے حسام الدین یوسف ایک کام کرے گا۔ اپنے لشکر سے چند دستے علیحدہ کر کے ایک طرف کر دے گا اور وہ دستے جب دشمن کے لشکر کی شہر میں داخل ہو جائیں گے تو جلتے پروں کے تیر دشمن کے بحری بیڑے پر پھینکتے ہوئے جہازوں کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔

سلطان محترم! جب آپ اور حسام الدین دونوں دشمن کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو جائیں گے تو پھر میں اور مبارز الدین بھی سامنے کی طرف سے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ دشمن پر ضرب لگائیں گے۔ جب سامنے کی طرف سے میں اور مبارز الدین اور پشت کی طرف سے آپ اور نجم الدین بہرام، حسام الدین اور زین الدین بشارہ ضرب لگائیں گے تو دشمن سوچ سمجھ کر کسی طرف پیش قدمی کرے گا۔ ایک طرح سے ہم انہیں ایک جگہ روک دیں گے۔ اتنی دیر تک ہمارے وہ لشکر جنہیں حسام الدین یوسف نے علیحدہ کیا، وہ دشمن کے بحری بیڑے پر جلتے پروں کے تیروں کی بارش کر چکے ہوں گے اور جہازوں کو آگ لگ چکی ہوگی۔ چنانچہ رومن اور یونانی جب یہ دیکھیں گے کہ ان کے بحری بیڑوں آگ لگا دی گئی ہے تو وہ جنگ سے منہ موڑ کر شہر پناہ کے جنوبی دروازے سے نکل کر بحری بیڑے کو بچانے کی کوشش کریں گے۔

اس موقع پر میں دشمن کے پیچھے لگ جاؤں گا جبکہ آپ اور حسام الدین یوسف دونوں شہر کے اندر سامان کے لشکر پر تیز حملہ کر کے اس کا صفایا کر دیں گے۔ رومنوں اور یونانیوں تعاقب کرتے ہوئے میں ان پر ایسے تیز حملے کروں گا کہ ان کی تعداد کو بڑی تیزی سے کم دوں گا۔ اسی دوران آپ اور حسام الدین ایک کام کریں گے۔ لشکر کا ایک حصہ زین الدین بشارہ کے حوالے کریں گے اور زین الدین بشارہ شہر پناہ کے مشرقی حصے سے باہر نکل کر ایک دم جنوب کی طرف جائے گا۔ اس وقت رومن اپنے بحری بیڑے کی طرف بھاگ رہے ہوں گے۔ میں ان کے تعاقب میں ہوں گا۔ چنانچہ ایک طرف سے زین الدین بشارہ ان پر حملہ آور ہوگا۔ جب پشت کی جانب سے میں اور ایک سمت سے زین الدین بشارہ یونانیوں

رومنوں پر ضرب لگائیں گے تو میرے خیال میں بہت کم رومنوں اور یونانیوں کو اپنے جہازوں میں جانا نصیب ہوگا۔ شہر اور سمندر کے درمیان جو خشکی کی پٹی ہے، اسے ہم ان یونانیوں اور رومنوں کا قبرستان بنا کر رکھ دیں گے۔“

سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا بلکہ خوشی اور مسرت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد اسی منصوبہ بندی کے تحت لشکر کی صفیں درست کی جانے لگی تھیں۔ جب دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر چکے، تب سامان نے اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ اپنے کام کی ابتدا کی اور وہ سلطان عز الدین کے لشکر پر وقت کے اندھیاد کی منزلوں میں توکھی شرر خیزی اور کرب و خوف کی وادیوں میں رسوائیوں اور نفرت بھری صداؤں، وہم و دہشتوں میں لا حاصلی کے عذاب اور موسموں کے تاریک زندان اٹھائے قضا کے تشنج اور بے دودشعلوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سامان کے ان حملوں کے جواب میں سلطان نے بھی بڑے انوکھے انداز میں اپنے کام کی ابتدا کی۔ سب سے پہلے اس نے زندگی کے شوق میں موت کے خوف، بے سحر اتوں اور پتھر طیلے راستوں پر تاریکی سے نبرد آزما نفوس، ابھرتے شرر کی سسی میں سر بست زکھوتی صداؤں کے سے انداز میں نکلیں۔ اس کے بعد سلطان عز الدین، دشمن کے لشکر پر دھنک کی بے رحم وسعتوں میں شب کی سنائیوں کے اندھے خوف، جسموں کی ریانوں میں آگ کی طوالت بھرے لاوے، کائنات کی گہرائیوں تک میں آتشیں تور بھڑکا سینے والے عناصر اور اندھیرے کی گھٹی پر چھائیوں میں خوف کے لحوں کی طرح حملہ آور ہوا۔

سلطان عز الدین کے ساتھ ہی ساتھ سیف الدین نے بھی اپنے کام کی ابتدا کی اور وہ ناکے لشکر کے ایک پہلو پر گریز پانقوش کے متلاشی گرم استعاروں، مسافرت کے عمیق صحرا، غلامی کے عذاب، صدمات کے سلسلے اور بے پناہ مصائب کے ہجوم کے علاوہ اعصاب کا کر کے قلب کو ہر غم سے وابستہ کر دینے والے غول بیابانی کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سیف الدین ابوبکر کے ساتھ ہی ساتھ حسام الدین یوسف نے بھی اپنے کام کی ابتدا اور وہ دشمن کے لشکر کے دوسرے پہلو پر صدیوں کے پر شور نگر تھٹھتے دل شکنی کے حوں، زندگی کی حقیقتوں میں تھکان بھر دینے والے وحشت اور کرب کے عمل، شہرتوں کو

مارو، تکبیریں بلند کرو ایسے انداز میں کہ زندگی کے صحرا میں دشمن کے صدیوں کے آئینے پاش پاش کر کے رکھ دو۔ نعرہ مارو کہ اس شہر کے نواح میں دونوں جہانوں کا رب فتح مندی اور کامیابی ہمیں ہی عطا کرے گا۔“

سلطان عزالدین کے ان الفاظ نے اس کے لشکریوں کے اندر ایک آگ اور آتش بھڑکا دی تھی۔ چنانچہ سلطان کے یہ الفاظ سن کر وہ پہلے کی نسبت زیادہ بھر گئے تھے۔ جبرکی دھول اڑاتے سیل تندرو، ہنر پر نشان سے خواہشوں کی تپش میں جھلساتے، زیست کے سوگ میں سگاتے طوفان پر آئے بھرے سمندر کی طرح آگے بڑھتے ہوئے دشمنوں پر ناقابل برداشت ضربیں لگانے لگے تھے اور ان کی تلواروں، ان کے نیزوں نے دشمن کے جسم و جان کو لرزاتے ہوئے گونجتی بھڑکتی صداؤں کی طرح ان کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ حملے فلاڈلفیا کے لشکریوں کے علاوہ یونانیوں اور رومنوں کے لئے بھی ناقابل برداشت دکھائی دینے لگے تھے۔

اس صورت حال سے سیف الدین ابوبکر نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے تکبیریں بلند کیں۔ تکبیریں بلند کرنے کا مقصد سلطان کو یہ بتانا تھا کہ وہ اپنے کام کی ابتدا کرنے لگا ہے۔ چنانچہ اس کے اشارے پر سلطان نے لشکر کا وہ حصہ جو اس نے زین الدین بشارہ کے لئے نقص کر رکھا تھا، اس لشکر نے زین الدین بشارہ کی کمانداری میں دائیں طرف پھیلے ہوئے دشمن کا سامنا کرنا شروع کر دیا تھا جس پر تھوڑی دیر پہلے سیف الدین اور مبارز الدین پاؤلی حملہ آور ہو رہے تھے۔

یہ صورت حال جب سامنے آئی، تب سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی ایک ایک طرف ہٹے، پھر انہوں نے اس لشکر کے پہلو پر زوردار انداز میں حملہ کر دیا تھا جس کے سامنے زین الدین بشارہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ چنانچہ اس لشکر کو کافی پیچھے اتے ہوئے سیف الدین ابوبکر نے زین الدین بشارہ کا کام آسان کر دیا تھا اور جس نت وہ لشکر پیچھے ہٹا تھا، سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی کو ساتھ لے کر ایک دم پیچھے ہٹا، شمال کی طرف گیا، آن کی آن میں اُس نے فہیل کے شمالی حصے پر رسوں کی رھیاں پھینکیں۔ وہاں بہت کم لشکر تھا۔ جو سامنے آئے، ان پر تیر اندازی کر کے ان کا تہہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد بڑی تیزی سے سیف الدین اور مبارز الدین چاولی اپنے لشکر

عداوتوں میں بدل دینے والی نفرتوں اور خلا کی اندھی فضاؤں میں طلسم اور وہم کی منزلوں میں پھنسا کر دینے والے سرکش جذبوں کی سرشاریوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اس طرح فلاڈلفیا شہر کے نواح میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے فضاؤں میں مجروح آرزوئیں، سرکشی آہیں، زرد ماحول کی بے بسی، زنگ آلود آوازیں اور نفرت کے لہجے اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ رزم گاہ کے اندر اُداس آنکھوں کی سستیں تبدیل ہونے لگی تھیں۔ چہرے گرد آلود ہونا شروع ہو گئے تھے۔ نارسائی کے قدموں کی دھند، خاک آلود جذبوں، میلا دھواں چارنو پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ موت کی غیر مرنی چکی بڑے بڑے سوراخوں کا پینے لگی تھی۔ حوصلوں کا بدن لہو لہو، لہجوں کا فکر و اعجاز شکن ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ارادوں کی سنگین دیواریں مسمار ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ سلگتے دھاروں کی جوالا، پھیلتے دیو مالادُ طلسم، گونجتے غاروں کی ہولناکیاں میدان جنگ کے اندر رقص کرتے ہوئے بڑے بڑے تیغ زنوں کو پا بھولا کر کے صف بہ صف موت کی وادیوں کی طرف لے جانے لگی تھیں۔ پُر جوش روحوں کے قافلے زندگی کو بے جہت، بخت کو سیاہ کرنے لگے تھے۔ میدان جنگ کے اندر بڑے خوف ناک انداز میں قتل کے اُسلتے بحر کا سماں برپا ہونے لگا تھا۔ جنگ طول پکڑنے لگی تھی۔ اس لئے کہ سامق، رومنوں اور یونانیوں کے لشکر کی تعداد سلطان کے لشکر سے بہت زیادہ تھی۔ اس بنا پر وہ جم کر لڑ رہے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو پہ کر دیں جس کی وجہ سے فلاڈلفیا شہر کے اندر میدان جنگ، زخم خوردہ زبانوں، قتل گاہوں کے مفروضوں، ہواؤں کے نوحوں، فضاؤں کے ماتم اور زیست کے سوگ کا سماں برپا کر لگا تھا۔

اس موقع پر جب سلطان عزالدین نے دیکھا کہ جنگ طول پکڑ رہی ہے، دشمن پیچھے نہیں ہٹ رہا، پسپا نہیں ہو رہا، اپنی شکست قبول نہیں کر رہا، تب سلطان حرکت میں آیا۔ بلنا آواز میں اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! میں تمہارا سلطان عزالدین بول رہا ہوں۔ سنو! مجھے غور سنو! ظالم سے کبھی رعایت نہ کرو۔ فرعون کے مقابل موسیٰ بن جاؤ۔ پیغمبرانہ عزم، صورت گری کے ہنر اور دکھ کا کوسار بن کر اٹھو، اپنی تلواروں کی سحر خیزی، اپنے نیزوں کی مچ نمائی، اپنی ڈھالوں کے ہنر پر نشان کو دشمن پر ثابت کرو۔ کعبہ کے رب کا نام لے کر نعر

جب انہوں نے ایسا کیا، تب سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی ان کے پیچھے لگ گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی زین الدین بشارہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔

شہر کے اندر جو گھمسان کا رن پڑا تھا، اس نے فلاڈلفیا کے حکمران کے لشکر کی کمر توڑ دی تھی اور پھر جب رومن اور یونانی اس کا ساتھ چھوڑ کر باہر نکلے تب سلطان نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کی، ساماق کے لشکر کا قصہ تمام کر دیا اور ساماق کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

دوسری طرف زین الدین بشارہ، رومنوں اور یونانیوں سے پہلے شہر پناہ کے جنوبی دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ اور جنوبی یونانی اور رومن، دروازے سے نکلے اور ارادہ کیا کہ اپنے حری بیڑے کی طرف جائیں، زین الدین بشارہ آگ اُگلتی زرد دو پہر، پُر اسرار سنائوں میں چانک اُٹھتی بے مہابہ سرسراہٹوں، بے وطنی کے شہر میں دل شکنی کے موسموں اور مرگ کی ہنستی کرنوں اور بربادی کے پروں پر سوار قضا کی طرح حملہ آور ہو کر بڑی تیزی سے ان کا تل عام شروع کر چکا تھا۔

رومن اور یونانی یہ اُمید بھی نہیں رکھتے تھے کہ جنوبی وہ شہر پناہ سے نکلیں گے، کوئی لشکر پانک ایک طرف سے ان پر حملہ آور ہو جائے گا۔ وہ چاہتے تھے کہ رک کر زین الدین ارہ کے لشکر پر حملہ آور ہو کر اس کا قصہ تمام کر دیں کہ اچانک ان کی پشت کی جانب سے رکتی برق کی صداؤں، موت کی گونجتی اذانوں، سازِ فطرت کے فسوں کی طرح بکیریں بلند کی تھیں۔ ان بکیروں نے رومنوں اور یونانیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ سمجھ گئے تھے کہ لمہانوں کا ایک لشکر صرف ان کے ایک طرف سے حملہ آور نہیں ہوا بلکہ دوسرا لشکر ان کے قب میں لگ چکا ہے لہذا وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ جنوبی وہ شہر پناہ سے نکلے ان کے پیچھے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سیف الدین اور مبارز الدین چاولی بھی نکلے۔ پھر ف الدین بھاگتے یونانیوں اور رومنوں پر ابر سے نکلتے طوفانوں، بے چین صداؤں کے رک بگولوں، ابھرتے شراروں کی سی سخی قضا کی دائمی تلخیوں، انوکھے جذبے و مستی، وشیوں کے زندان میں بلندی اور پستی کو یکجا کر دینے والے ہسکتے قلمزموں کی طرح حملہ ہو گیا تھا۔

سیف الدین کا پشت کی جانب سے، زین الدین بشارہ کا ایک طرف سے حملہ انتہائی

کے ساتھ فسیل پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے لشکر کو فسیل کے اوپر اور فسیل سے اُترنے والی میڑھیوں پر پھیلا کر بالکل مستعد کر دیا تھا۔ اس کے بعد ایک لشکر اپنی چھاتی اور پیٹھ پر دو ڈھالیں باندھے فسیل پر آگے گیا اور فسیل کے مشرقی دروازے پر اس نے سلطان کا پرچم لہرا دیا تھا۔

فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کے علاوہ یونانیوں اور رومنوں نے جب دیکھا کہ فسیل کے مشرقی دروازے پر مسلمانوں کے سلطان عز الدین کا پرچم لہرا دیا گیا ہے تو وہ کسی رعل کا اظہار کرنا ہی چاہتے تھے کہ اس موقع پر اچانک چاروں طرف یہ آوازیں آنا شروع ہو گئیں کہ مسلمانوں کا ایک لشکر شہر میں داخل ہو چکا ہے اور اس نے فسیل کے مشرقی دروازے پر اپنا علم نصب کر دیا ہے۔

اس خبر کا پھیلنا تھا کہ فلاڈلفیا کے حکمران ساماق کے علاوہ یونانیوں اور رومنوں کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹے اور مشرقی دروازے سے شہر میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ سلطان عز الدین، حسام الدین یوسف اور زین الدین بشارہ کے علاوہ دوسرے سالار بھی اپنے لشکریوں کو لے کر ان کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ لہذا شہر کے اندر گھمسان کا رن پڑا۔ دشمن کے لشکر پر سامنے کی طرف سے سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی جبکہ پشت کی جانب سے سلطان کے علاوہ اس کے بڑے سالاروں میں سے حسام الدین یوسف، زین الدین بشارہ، نجم الدین بہرام اور دوسرے سالار حملہ آور ہو گئے تھے۔ کچھ دیر تک شہر کے اندر گھمسان کا رن پڑا۔ اس دوران لشکر کا وہ حصہ جو پہلے سے مختص کر دیا گیا تھا اور جس کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ بحری بیڑے پر جلتے پروں کے تیر پھینک کر اسے آگ لگائے گا، وہ ایک دم حرکت میں آیا۔ لشکر کے اس حصے نے بحری بیڑے پر جلتے پروں کی تیر اندازی شروع کی جس کے باعث کچھ جہازوں میں آگ لگ گئی۔ اس صورت حال کو سیف الدین نے بھی بھانپ لیا تھا۔ لہذا اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہ بالکل تیار ہو گیا تھا۔ اتنی دیر تک شہر کے اندر یہ شور اُٹھنا شروع ہو گیا کہ مسلمانوں نے بحری بیڑے کے جہازوں کو آگ لگا دی ہے۔ یہ خبر جب یونانیوں اور رومنوں نے سنی تو ان میں سے کچھ نے بلند جگہ پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ واقعی جہازوں کا آگ لگی ہے، تب وہ فکر مند ہوئے اور شہر پناہ کے جنوبی دروازے کی طرف بھاگے۔

خوفناک اور جان لیوا تھا اور ان دونوں نے اپنے حملوں سے رومنوں اور یونانیوں کی کافی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بچے بچے رومن اور یونانی بھاگ کر اپنے بحری بیڑے پر سوار ہوئے، بحری بیڑے کو حرکت میں لائے اور ساتھ ہی ساتھ جن جہازوں کو آگ لگی تھی، ان کی آگ بھی بجھاتے ہوئے مغرب کا رخ کر گئے تھے۔

یورپی بحری بیڑے کے جانے کے بعد حسام الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی اور زین الدین بشارہ پلٹے، اپنے لشکر کو لے کر شہر پناہ کے جنوبی دروازے سے شہر میں داخل ہوئے، اس جگہ پہنچے جہاں سلطان اپنے دوسرے سالاروں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے سلطان نے انہیں اپنے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب آگے بڑھ کر سیف الدین، مبارز الدین اور زین الدین بیٹھ گئے تب سلطان نے فلاؤلفیا کے حکمران ساماق کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سلطان کو سیف الدین کی آمد ہی کا انتظار تھا۔

چنانچہ سلطان کے حکم کے مطابق کچھ چھوٹے سالار حرکت میں آئے اور انہوں نے فلاؤلفیا کے حاکم ساماق کو پکڑ کر سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان کچھ دیر تک بڑی گہری نگاہوں سے ساماق کا جائزہ لیتا رہا، پھر سلطان نے ساماق کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”ساماق! تو کئی مواقع پر ہمارے خلاف حرکت میں آیا۔ اگر کبھی خود نہ آیا تو اپنے لشکر کے ذریعے سے ہی ہمارے دشمنوں کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ ساماق! تو سمجھتا تھا کہ تو بہت دور ہے اور ہم تجھ پر گرفت نہیں کر سکیں گے۔ ایسا سوچتے ہوئے تو اندھے چمکے خوابوں میں ادھر رے گیتوں کی لے پر بے پڑاؤ راستوں پر بھاگتا رہا۔ ازل اور ابد کے درمیان تو نے ہمارے لئے بھرا کالا سمندر بننے کی کوشش کی۔ کیا تو نے کبھی یہ نہ جانا کہ جزر کچھاروں کے اندر تو ہاتھ ڈال رہا ہے، وہ خالی نہیں ہیں۔ تو نے مسلمانوں کی ایسی قوت لکارا جہاں طوفان پلتے ہیں، جہاں لاوے اُلتے ہیں، جہاں وقت کی آہنوں میں انوکھے عکس دکھائی دیتے ہیں، جہاں بھرتی موجیں جاگتی ہیں، جہاں جاگتی آنکھوں میں صد ہوا کی کہانیاں رقص کرتی ہیں، جہاں ارتقاء کے دائروں، ابد کے درپچوں میں لکھی جانے والی داستانوں میں نہ کوئی بے چینی ہوتی ہے، نہ کوئی مجبوری۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، دوبارہ وہ ساماق کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ

تھا۔

”ساماق! تو نے دیکھ لیا کہ بقا کیا ہے، فنا کیا ہے۔ راتیں کیا ہیں، دن کیا ہیں۔ تو نے مارے خلاف آتش شر کی ابتلائیں کھڑی کرنے کی کوشش کی، ہمارے ساتھ فنا کی بازی گری کا کھیل کھیلنا چاہا۔ ہمارے خلاف اندھی خود سری کی دیواریں کھڑی کرنا چاہیں۔ لیکن تو ایسا نہ کر سکا، جیسا تو نے چاہا تھا۔

ساماق! تیری ذات کی مٹی تجھے ہمارے خلاف کھلی سفاک کہانیاں لکھنے پر مجبور کرتی رہی۔ تو نارسائی کی لکیروں پر تلاش رائیگاں کرتے عمر کے صحرا میں ریت چھانتی پاگل ہواؤں کی طرح بھاگتا رہا۔ ساماق! ہمارے لشکری وہ لشکری ہیں جو حروف اندر حروف جذب و جنوں کی داستانیں رقم کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ جو خروش پیہم کے طوفانوں میں بھی حیات کی رجز خوانی کرتے ہیں۔ جو اپنی جرأت مندی، اپنی دلیری، اپنی شجاعت سے اپنے دشمنوں کے خلاف طلسم کے حیرت کدے اور فنا کی گھاٹیاں کھڑی کرنے کی صنایع سے بھی خوب واقف ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، پھر ساماق کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ساماق! کیا تیرے پاس کوئی جواب ہے کہ تو ہمارے خلاف کیوں حرکت میں آتا رہا؟ جبکہ ہم نے تیرے خلاف حرکت میں آنے کی کبھی پہل نہیں کی۔“

سلطان کچھ دیر تک ساماق کی طرف دیکھتا رہا۔ جب اس نے کوئی جواب نہ دیا، تب ہاتھ کے اشارے سے سلطان نے زین الدین بشارہ کو بلایا، اس کے کان میں کچھ کہا۔ جس پر ایک طرف لے جا کر زین الدین بشارہ نے فلاؤلفیا کے حاکم ساماق کا قصہ تمام کر دیا تھا۔ سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز تک فلاؤلفیا ہی میں قیام کیا۔ اس نے شہر سے باہر اپنا پڑاؤ قائم کر لیا تھا اور شہر سے مشرق اور شمال میں خیمے ہی خیمے نصب دکھائی دیتے تھے۔ چند روز سلطان نے وہیں قیام کیا۔ شاید وہ اپنے لشکریوں کو سستہ کرنے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔ ساتھ ہی سلطان نے فلاؤلفیا کے مقامی لوگوں میں سے ایک سرکردہ شخص کو فلاؤلفیا کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

مصل مندی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کے سلطان کی راہ روکنے کی کوشش کی۔ ایک لشکر کو اس نے شہر سے ایک میل باہر خیمہ زن کر دیا، دوسرے لشکر کو لے کر وہ چند میل آگے بڑھا تاکہ مسلمانوں کے سلطان سے ٹکرائے لیکن بد قسمتی سے ساماق کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ شکست اٹھا کر اپنے اس لشکر کے پاس آگیا جو فلاڈلفیا شہر سے ایک میل مشرق کی طرف تھا۔

اتنی دیر تک یورپ سے ایک بحری بیڑا اس کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور جو بحری بیڑا، اٹالیہ کے حاکم بارگن اور اس کے بچے کچے لشکریوں کو لے کر قبرص کی طرف گیا تھا، وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس طرح ایک بار پھر ساماق کے پاس بہت بڑی قوت ہو گئی تھی کہ آخر ایک بار پھر ٹکراؤ ہوا اور اس ٹکراؤ میں پھر مسلمانوں کا سلطان ہی فوز مند رہا۔ آنے والے مخبروں نے بتایا ہے کہ اس ٹکراؤ میں بھی ساماق کو شکست ہوئی۔ یورپ کے بحری بیڑے کے جنگجو اپنے بحری بیڑے کو لے کر مغرب کی طرف بھاگ گئے۔ ٹکراؤ کے دوران ساماق گرفتار ہوا اور مسلمانوں کے سلطان عزالدین کے حکم پر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد لشکری رکا، کچھ سوچا، پھر وہ پہلے کی نسبت زیادہ دکھ بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”میرے عزیز ساتھیو! مسلمانوں کے سلطان نے کافی حد تک اپنے دشمنوں کو لپیٹ کر نا کی تعداد کم کر دی ہے۔ وہ اٹالیہ کے خلاف حرکت میں آیا، اسے شکست دی، اس پر نہ کر لیا۔ وہ ہر قلیہ کے خلاف حرکت میں آیا۔ وہاں کے حاکم دوگا کو بدترین شکست دی۔ قلیہ بھی اس کی گرفت میں چلا گیا۔ اس سے پہلے ملطیہ کے کچھ حصے پر نصرانی حکمران کا نہ تھا، باقی حصہ مسلمانوں کے پاس تھا۔ مسلمانوں کا سلطان ان علاقوں پر بھی حملہ آور ہوا رسارے علاقوں کو اس نے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اب جبکہ مسلمانوں کا سلطان، ڈلفیا شہر کے نواح میں پڑاؤ کئے ہوئے ہے اور فلاڈلفیا ہمارے قریب ترین ہے، لہذا مجھے شہ ہے کہ مسلمانوں کا سلطان عزالدین، فلاڈلفیا سے واپس اپنے مرکزی شہر قونیہ نہیں آئے گا بلکہ اپنے مرنے والے باپ کا ہم سے انتقام لینے کے لئے ہماری طرف پیش قدمی کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لشکری جب خاموش ہوا تب اس کے لشکریوں کا سپہ سالار اعلیٰ

اناطولیہ کے جنوب مغرب کے وسیع علاقوں کا حکمران، تاریخ کے اوراق میں جسے لشکری کے نام سے پکارا گیا ہے، وہ ایک روز اپنے قصر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے حاجب کو بلایا اور اپنے لشکریوں کے سپہ سالار اعلیٰ آرکش اور نائب سپہ سالار کو بلانے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے لشکریوں کا سپہ سالار اور نائب سالار دونوں قصر کے اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں لشکری بیٹھا تھا۔ لشکری نے ان دونوں کا شاندار انداز میں استقبال کیا اور ان دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا۔ کچھ دیر خاموشی رہی، لشکری سوچتا رہا۔ پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”آج ہمارے کچھ خبر پہنچے ہیں اور انہوں نے مسلمانوں سے متعلق ہمیں تفصیل بتائی ہے۔ تم جانتے ہو، اس سے پہلے مسلمانوں کا سلطان عزالدین، اٹالیہ کے حکمران بارگن کو شکست دے کر اٹالیہ پر قبضہ کر چکا ہے اور اٹالیہ پر اس نے اپنے ایک سالار کو حاکم مقرر کر دیا ہے۔ اٹالیہ سے غمٹنے کے بعد وہ مغرب کی طرف بڑھا اور فلاڈلفیا کو اپنا ہدف بنانا چاہا۔ اس موقع پر میں نے اُس کی راہ روکنے کے لئے ایک لشکر بھیجا تھا۔ گو اس لشکر میں نہ تم دونوں تھے نہ میں۔ لیکن اس لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ہمارا وہ لشکر واپس آگیا۔ مجھے اس شکست کا بڑا دکھ اور قلق ہے۔ اور میں نے اسی وقت تہیہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں سے اپنی شکست کا کبھی نہ کبھی انتقام ضرور لوں گا۔

اب جو خبر آئے ہیں، انہوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ مسلمانوں کا سلطان مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے فلاڈلفیا کی طرف پیش قدمی کر چکا تھا۔ فلاڈلفیا کے حکمران نے گو بڑی

آرگش بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر مسلمانوں کا سلطان فلاڈلفیا سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ کرے تو اس میں پریشانی اور فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے پاس اتنی عسکری طاقت اور قوت ہے کہ مسلمانوں کے سلطان پر حملہ آور ہو کر اسے اپنی سرزمینوں سے مار بھگا سکے ہیں۔ اس سے پہلے جو ہم نے موجودہ سلطان عزالدین کے باپ کا حشر کیا تھا، وہ یقیناً مسلمان اپنے سامنے رکھیں گے۔ اور پھر اس کے علاوہ نہ ہم فلاڈلفیا ہیں، نہ ملطیہ، نہ اٹالیہ، نہ ہرقلیہ۔ ہم اناطولیہ کے شمالی اور جنوبی وسیع علاقوں کے حاکم ہیں اور ہمارے پاس ایسے عساکر ہیں جن کو حرکت میں لاتے ہوئے ہم مسلمانوں کے سلطان عزالدین کو شکست دے کر انتقامی کارروائی پر اترتے ہوئے اس کے مرکزی شہر قونیہ تک اس کا تعاقب کر۔ کی ہمت رکھتے ہیں۔“

آرگش جب خاموش ہوا، تب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لشکری کہنے لگا۔
”آرگش! میں تمہاری جرات مندی، دلیری اور تمہاری شجاعت کو سلام پیش کرتا ہوں۔ لیکن ہمیں محتاط رہنا چاہئے۔ تم دونوں کو اپنے پاس بلانے سے پہلے میں نے اس ذہن میں ایک فیصلہ کیا تھا، اس کا اظہار میں تم پر کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے فیصلہ یہ کیا تھا کہ آج ہی تیز رفتار قاصد قسطنطنیہ کی طرف روانہ کئے جائیں اور مسلمانوں کے سالار عزالدین کے خلاف قیصر سے مدد طلب کی جائے۔ جب قیصر کا بھی ایک لشکر اور ایک بحری بیڑہ ہمارے پاس پہنچ جائے گا تو پھر ہماری کامیابی اور فتح مندی یقینی ہو جائے گی۔ آرگش کولاک! میرے دونوں عزیزو! یہ سوچو کہ اس سے پہلے مسلمان ہرقلیہ، فلاڈلفیا، اٹالیہ، ملطیہ وغیرہ کو اپنے سامنے زیر کر چکے ہیں، لہذا ان کے حوصلے بڑے بلند ہیں اور انہی حوصلوں کو کام میں لاتے ہوئے وہ ہمارے لئے مصیبت اور ہمارے لئے کوئی اچھا تبدیلی کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ اسی بنا پر احتیاطاً میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے خلاف قیصر سے مدد طلب کی جائے۔ قیصر کے لشکر اور بحری بیڑے کی آمد کے بعد مجھے کم از کم حوصلہ اور یقین ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں فتح اور کامیابی ہماری ہی ہوگی۔“

لشکری جب خاموش ہوا، تب دوبارہ آرگش بولا اور کہنے لگا۔

”اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو آپ آج ہی تیز رفتار قاصد قیصر کی طرف روانہ کر

اس سے مدد مانگ لیں۔ مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اکیلے بھی مسلمانوں کو مار مگانے کی ہمت رکھتے ہیں اور ہم ایسا کر گزریں گے۔ مسلمانوں کا سلطان اگر فلاڈلفیا سے اترے علاقوں کی طرف پیش قدمی کرتا ہے تو میں آپ سے کہوں، آپ اپنا قیام اپنے مرکزی شہر کے اندر ہی رکھیں بلکہ قیصر روم کی طرف سے ہماری مدد کے لئے جو لشکر آئے گا، ابھی آپ کے پاس ہمارے مرکزی شہر کے باہر قیام رکھے گا۔ ہم پہلے اپنی قوت کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی ہی قوت کو استعمال کرتے ہوئے ہم مسلمانوں کو بدترین شکست دیں گے اور انہیں اپنی سرزمینوں اور حدود سے مار بھگانے میں کامیاب رہیں گے۔“

آرگش جب خاموش ہوا، تب لشکری نے کچھ سوچا اور دوبارہ ان دونوں کی طرف بولتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس موقع پر میں تم دونوں کو ایک مشورہ دوں گا۔“

”کیسا مشورہ؟“ آرگش نے غور سے لشکری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے لشکری بولا اور کہنے لگا۔

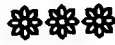
”میں بھی جانتا ہوں اور تم بھی اس سے آگاہ ہو کہ مسلمانوں کے سلطان عزالدین کے پاس اس کا ایک ستون، ایک محور اور ایک نایاب قسم کا سالار ہے نام جس کا سیف الدین ہے۔ یہ وہ سالار ہے جو بڑے بڑے لشکریوں کو شکست دینے کا ہنر جانتا ہے۔ ساتھ اس سے پہلے وہ ان گنت انفرادی مقابلوں میں اپنے مد مقابل کو زیر کر چکا ہے۔ اگر تم کسی بے خبر اور منجھے ہوئے تیغ زن کا چنناؤ کر کے اس کا مقابلہ سیف الدین سے کراؤ اور سیف الدین کو اگر انفرادی مقابلے کے دوران وہ تیغ زن زیر کر دے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں مسلمانوں کے سلطان کے خلاف تمہاری فتح اور کامیابی انتہا درجہ کی آسان ہو جائے گی۔“

لشکری کے ان الفاظ کا جواب اس کا سپہ سالار آرگش دینا ہی چاہتا تھا کہ اس دوران سپہ سالار کولاک بولا اور کہنے لگا۔

”انفرادی مقابلے کے علاوہ ایک اور حربہ بھی تیار رکھنا ہوگا جو یقینی طور پر مسلمانوں کی اور ان کی شکست کا باعث بن جائے گا۔“

کولاک کے ان الفاظ پر لشکری اور آرگش دونوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے

ہ سالار اور نائب سپہ سالار دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”میرے خیال میں اب مستقر کی طرف چلتے ہیں۔ جس لشکر کے ساتھ تم دونوں نے،
 لمانون کے سلطان عزالدین کے ساتھ ٹکراتا ہے، اس کا انتخاب کرتے ہیں۔ ساتھ ہی
 ریوں سے بات کر کے کسی ایسے تنق زن کا بھی انتخاب کرتے ہیں جو مسلمانوں کے سالار
 فالدین ابوبکر کے ساتھ انفرادی مقابلہ کرے۔“
 لشکری کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے دونوں سالار بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور تینوں
 سے نکل کر مستقر کی طرف ہو لئے تھے۔



بریزہ ایک روز اپنے خیمے کے وسطی حصے میں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے جو بستر لگا
 تھا، اس پر جوزین گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ اس موقع پر کچھ سوچتے ہوئے بریزہ اپنی جگہ
 اٹھ کھڑی ہوئی۔ جوزین جو اس کے قریب ہی گہری نیند سوئی ہوئی تھی، اس نے اس پر
 چادر ڈال دی، خیمے سے نکلی، قریب ہی اپنی ماں سمس کے خیمے میں داخل ہوئی۔ اس
 سمس بھی اپنے خیمے میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ بریزہ جب خیمے میں داخل ہوئی تو ہاتھ
 اشارے سے سمس نے اسے اپنے پہلو میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ بریزہ آگے بڑھی،
 اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ پھر بریزہ نے اپنی ماں سمس کو مخاطب کیا، کہنے لگی۔
 ”ماں! بابا اور بھائی کہاں گئے ہیں؟“
 اس پر سمس بولی اور کہنے لگی۔

”میرے خیال میں دونوں باپ بیٹا، سیف الدین کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ بیٹی! تم
 اچھے وقت پر آئی ہو۔ میں ایک انتہائی اہم بلکہ یوں کہہ سکتی ہو، نازک موضوع پر تم
 گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

سمس کے ان الفاظ پر بریزہ نے چونکنے کے انداز میں اپنی ماں کی طرف دیکھا اور
 ا۔

”کون سے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہیں آپ؟ اور کون سا ایسا موضوع ہے جو
 لئے نازک ہو سکتا ہے؟“
 اس پر سمس بولی اور کہنے لگی۔

تھے یہاں تک کہ لشکری نے پوچھ لیا۔
 ”تمہارا اشارہ کون سے حربے کی طرف ہے؟“
 اس پر کولاک کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

”مسلمانوں کا لشکر کس قدر ہے، یہ ہم جانتے ہیں۔ ہمارا اپنا لشکر ان سے کم از کم تین
 گنا ہوگا۔ اس کے علاوہ جب قسطنطنیہ کا لشکر آگیا تو اس سے ہماری تعداد میں کافی اضافہ
 گا۔ میں چاہتا ہوں، جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آئیں کہ جنگ کی ابتدا
 کریں، تب پہلے انفرادی مقابلے کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے
 پر حملہ آور ہو جائیں۔ ہمارا لشکر جب یہ دیکھے کہ اپنے جس لشکر کے ساتھ ہم مسلمانوں کے
 سلطان عزالدین سے ٹکراتے ہیں، وہ لشکر مسلمانوں کے سلطان کو آسانی سے شکست دے
 دو چار کر دے گا، تب تو کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور اگر یہ محسوس کیا جائے کہ
 مسلمانوں کا لشکر ہمارے لشکر پر بھاری ہو رہا ہے، تب پہلے سے ایک لشکر ذرا ہٹ کر گھات
 میں بٹھا دیا جائے اور اس سے دو کاموں میں سے ایک کام لیا جائے۔

پہلا یہ کہ اگر مسلمانوں کے لشکر اور ان کے پڑاؤ کے درمیان کچھ فاصلہ ہو، تب گھات
 میں بیٹھنے والا ہمارا وہ لشکر مسلمانوں کے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر پڑاؤ کو آگ لگا دے۔ وہاں
 لوگ ہوں، انہیں تہس نہس کر دے۔ چنانچہ مسلمان جب دیکھیں گے کہ ان کے پڑاؤ پر ہمارا
 ایک لشکر حملہ آور ہو گیا ہے، وہ پلٹیں گے تاکہ اپنے پڑاؤ کی حفاظت کر سکیں۔ اور جب
 پلٹیں گے تو سامنے کی طرف سے ہمارا پورا لشکر ان پر پوری طاقت اور قوت سے حملہ آور
 جائے اور اپنی فتح اور مسلمانوں کے سلطان کی شکست کو یقینی بنا جائے۔ اور اگر یہ محسوس
 جائے کہ مسلمانوں کے لشکر کا پڑاؤ بالکل ان کے لشکر کے پیچھے ہے، تب مسلمانوں کے پڑاؤ
 پر حملہ آور ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا وہ لشکر جو گھات میں بیٹھا ہوگا، وہ بڑے لشکر
 کے ساتھ رابطے میں رہے۔ جب اسے یہ خبر کی جائے کہ مسلمانوں کا لشکر ہم پر بھاری ٹابرا
 ہو رہا ہے، تب وہ گھات سے نکل کر مسلمانوں کے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو جائے
 اس طرح بھی ہم کامیابی کو اپنے گلے لگا سکتے ہیں اور مسلمانوں کے سلطان کی جھولی
 شکست کے داغ ڈال سکتے ہیں۔“

لشکری نے کولاک کی بھی تجویز کو پسند کیا تھا۔ پھر وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس

”اماں! اس وقت وہ خیمے میں گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔ میں اس کے پاس ہی بیٹھی دوئی تھی۔ پھر میں نے سوچا، جب تک وہ نیند پوری نہیں کر لیتی، میں آپ کے پاس آ کے بٹھ جاتی ہوں۔“

جواب میں سیمس کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ لشکر گاہ کے اندر مغرب کی اذان سنائی دی تھی۔ اں پر بریزہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی ماں سیمس کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”اماں! میں اپنے خیمے کی طرف جاتی ہوں۔ اذان ہو رہی ہے، جوزین کو جگاتی ہوں، برہ میں جا کر مشعل روشن کرتی ہوں، پھر وہیں میں اور جوزین نماز پڑھ لیں گی۔“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیمس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی، کہنے لگی۔ ”تھوڑی دیر زکو میری بیٹی! میں خیمے میں مشعل روشن کر لوں۔ پھر میں تمہارے ساتھ تی ہوں۔ تینوں وہیں نماز پڑھ لیں گی۔“

اس پر سیمس اٹھی، مشعل اس نے روشن کی، پھر بریزہ کے ساتھ وہ خیمے سے نکل گئی۔ جب وہ اس خیمے میں داخل ہوئیں جس میں جوزین تھی، دونوں نے دیکھا، جوزین لی ہوئی تھی۔ خیمے میں اُس نے مشعل بھی روشن کر رکھی تھی۔ جوں ہی بریزہ اور سیمس خیمے داخل ہوئیں، جوزین مسکراتے ہوئے بڑے پیار سے بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ”بریزہ میری بہن! تم کہاں چلی گئی تھی؟ دراصل میں سو گئی تھی۔ جب میں جاگی تو میں، دیکھا تم میرے اوپر چادر ڈال گئی تھی۔ میں نے سوچا، اماں کے علاوہ تم کہاں جا سکتی اتنے میں مغرب کی اذان ہو گئی۔ لہذا میں نے مشعل روشن کر دی۔ میں نے وضو بھی کر ہے۔“

جوزین یہیں تک کہنے پائی تھی کہ بریزہ بولی اور کہنے لگی۔ ”ہم دونوں ماں بیٹی بھی وضو کر لیں۔ پھر تمہارے ساتھ ہی نماز پڑھتی ہیں۔“

اس کے ساتھ ہی بریزہ نے آگے بڑھ کر وضو کیا، پھر تینوں خیمے میں نماز ادا کرنے لگی۔



”میری بیٹی! میں جوزین کے معاملہ میں کچھ فکر مند ہوں۔“

”کیسی فکر مندی؟“ اچکنے کے انداز میں بریزہ نے اپنی ماں سیمس کی طرف دیکھ ہوئے پوچھ لیا تھا۔

جواب میں سیمس نے کچھ سوچا، ایک لمبا سانس لیا، پھر کہنے لگی۔ ”بیٹی! تم جانتی ہو، ماضی میں جوزین تمہاری سخت مخالف رہی ہے اور ایک طرح سے ہمارے سارے خاندان کی مخالفت پر اس نے کمر باندھ رکھی تھی۔ اب جب کہ وہ تمہارے ساتھ خیمے میں رہ رہی ہے، ساتھ ہی جنگ کے دوران اس نے سیف الدین کے ارد گرد کر اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے، میں جانتی ہوں وہ بڑی اچھی تیر انداز ہے۔ پر بیٹی میں ڈرتی ہوں، کہیں یہ سارے کام وہ کسی سازش اور کسی پہلے سے بنائی ہوئی منصوبہ بند کے تحت نہ کر رہی ہو۔ اسے کسی مناسب وقت کا انتظار ہو۔ جب وہ وقت آجائے تو تمہیں سیف الدین کو نقصان پہنچا کر یہاں سے بھاگ جائے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیمس جب خاموش ہوئی تب کچھ دیر تک بریزہ گھورنے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”اماں! یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہی ہیں؟ کسی کے بارے میں ایسا ظن و گمان نہ رکھنا چاہئے۔ آپ نے سنا نہیں، دو دن پہلے لشکر کے قاضی نے جو خطبہ دیا تھا، انہوں نے تھا کہ بہت سے ظن گناہ ہوتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں آپ کا یہ ظن بھی گناہ ہے۔ اس کوئی شک نہیں، ماضی میں جوزین میری مخالف رہی ہے۔ لیکن اب وہ میرے ساتھ بہنوں جیسی ہے۔ جو سلوک میرے اور سیف الدین کے ساتھ کر رہی ہے، ایسا وہ اس کر رہی ہے کہ وہ اپنی ماضی کی غلطیوں، کوتاہیوں کی تلافی کرنا چاہتی ہے۔ اماں! آج بعد جوزین سے متعلق نہ اس قسم کی گفتگو کرنا اور نہ ہی اس کے متعلق ایسے خیالات اور گما کا اظہار کرنا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرا اتنا خیال رکھتی ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہ کر سکتی۔“

بریزہ کی اس گفتگو سے سیمس کسی قدر مطمئن دکھائی دینے لگی تھی، پھر کہنے لگی۔

”اچھا یہ بتاؤ، جوزین اس وقت ہے کہاں؟“

بریزہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

یہاں تک کہنے کے بعد باز نیک جب خاموش ہوا، تب بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جوزین بولی اور کہنے لگی۔

”صرف ایک طرف سے خطرہ ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میرے باپ کے شہر اناطولیہ کا تعلق ہے تو وہاں سے کوئی نہیں اٹھے گا۔ ہاں کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ میرے باپ، جس نے قبرص میں قیام کر رکھا ہے، اسے یونان اور یورپ کے دیگر ممالک سے مدد مل جائے تو وہ پھر ایک لشکر لے کر دوبارہ اناطولیہ پر حملہ آور ہو کر قسمت آزمائی کر سکتا ہے۔ لیکن مجھے امید ہے وہ ایسا نہیں کرے گا۔“

اس کے بعد دوسری قوت فلاڈلفیا کی ہے۔ فلاڈلفیا اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ شہر فتح ہو چکا ہے، سلطان نے فلاڈلفیا کے امراء میں سے ایک کو یہاں کا حاکم مقرر کر دیا ہے لہذا یہاں سے بھی کوئی قوت نہیں اٹھے گی۔ اس بنا پر میں یہ کہہ سکتی ہوں، اس وقت ہمیں اگر کسی سمت سے خطرہ ہے تو وہ صرف لشکری ہے۔ اس کے پاس بڑی طاقت اور قوت ہے۔ اور پھر قسطنطنیہ کی مملکت بھی اس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اس بنا پر میں سمجھتی ہوں، وہی سلطان سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا۔ جب کہ خود سلطان بھی اس پر ضرب لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ لشکری ہمارے موجودہ سلطان کے باپ کے قتل کا ذمہ دار ہے۔“

جوزین کی اس گفتگو سے بریزہ کچھ فکر مند ہو گئی تھی۔ کچھ دیر سوچتی رہی، پھر کہنے لگی۔ ”اس کا مطلب ہے، لشکر یہاں سے کسی سمت کوچ کرے گا اور یہ سمت ایک ہی ہو سکتی ہے، وہ مغرب کی ہے۔ اگر سلطان سارے سالاروں کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں تو میرے خیال میں بابا کے آنے میں دیر ہوگی۔ ہو سکتا ہے خبر کوئی اہم خبریں لے کر آئے ہوں جس پر کوئی منصوبہ بندی بھی ترتیب دی جائے۔“

جواب میں جوزین شاید اس موضوع پر حریص گفتگو نہ کرنا چاہتی تھی لہذا اس نے موضوع بدل دیا پھر چاروں خیمے میں بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے تھے۔

دوسری طرف سلطان سارے سالاروں کو لے کر اپنے اس خیمے میں داخل ہوا جس میں عموماً وہ اپنے سالاروں اور امراء کی مجلس منعقد کیا کرتا تھا۔ جب سب لوگ نشستوں پر بٹھ گئے تب ایک غائر نگاہ سلطان نے سب پر ڈالی، پھر جو خبر آئے تھے، ان کی طرف لطفان نے دیکھا اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دوسری طرف سلطان عزالدین اپنے سالاروں کے ساتھ جب مغرب کی نماز ادا کر کے فارغ ہوا، تب کچھ خبر خیمہ گاہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ سلطان ان خبروں کو لے کر اپنے سارے سالاروں کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف ہولیا۔ عسکار بھی ان کے ساتھ تھا۔ جس وقت سلطان سارے سالاروں کو لے کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا، باز نیک تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے خیمے کی طرف گیا۔ اس نے دیکھا، خیمے میں مشعل جل رہی تھی۔ اندر کوئی بھی نہ تھا۔ لہذا وہ اس خیمے کی طرف گیا، جس میں بریزہ اور جوزین شب بسر کر رہی تھیں۔ اس نے دیکھا، جوزین، بریزہ اور سمس تینوں وہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ باز نیک اس خیمے میں داخل ہوا۔ آگے بڑھ کر وہ اپنی ماں کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ پھر اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بریزہ نے پوچھ لیا۔

”باز نیک میرے بھائی! تم اکیلے آئے ہو۔ بابا کہاں ہیں؟ میں نے تمہارے اور بابا سے متعلق پوچھا تو اماں کہہ رہی تھیں کہ تم دونوں باپ بیٹا سیف الدین کی طرف گئے ہو۔“

باز نیک نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔ ”اماں نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ میں اور بابا پہلے سیف الدین کے خیمے میں گئے تھے۔ وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے، پھر مغرب کی اذان ہوئی تو ہم نے نماز پڑھی۔ میں اور بابا گھر آنا چاہتے تھے کہ اتنی دیر میں خیمہ گاہ میں کچھ خبر داخل ہوئے۔ چنانچہ ان خبروں کو لے کر سلطان اپنے سارے سالاروں کے ساتھ اپنی خیمہ گاہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ بابا بھی ان کے ساتھ ہیں۔ لگتا ہے کوئی سنگین معاملہ نمودار ہونے والا ہے یا کہیں سے کسی خطرے کی بو آنے لگی ہے یا کوئی بڑا دشمن ہم سے ٹکرائے کے درپے ہے۔“

”اب جب کہ اس وقت سارے سالار یہاں موجود ہیں، کہو کیا خبریں لے کر آئے ہو؟“
سلطان کے اس استفسار پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم چند انتہائی اہم خبریں لشکری کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔
لشکری نے ان دنوں ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے اپنی طاقت اور اپنی قوت
کو عروج تک پہنچا دیا ہے۔ قسطنطنیہ سے بھی ایک بہت بڑا بحری بیڑا ایک جرار لشکر لے کر
اس کے پاس پہنچ چکا ہے۔ ہم جو وہاں سے خبریں حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں، وہ
کچھ اس طرح ہیں۔

لشکری کو خدشہ بلکہ یقین ہے، فلاڈلفیا پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کا سلطان لشکری
کے علاقوں کا رخ کرے گا۔ اس لئے کہ لشکری ہمارے سلطان کے باپ کے قتل کا ذمہ دار
ہے۔ اسی بنا پر اس نے چند روز پہلے ہی ہمارے خلاف قسطنطنیہ کے قیصر سے مدد طلب کر لی
تھی۔ اس مدد کے جواب میں ایک بہت بڑا لشکر یونانی سوراووں پر مشتمل اس کے پاس پہنچ
چکا ہے۔ اس طرح لشکری کی عسکری طاقت تین گنا بڑھ گئی ہے جس کے باعث اس کے
ذہن، اس کے دل میں تکبر اور گھمنڈ کے ارادے رقص کرنے لگے ہیں۔

اس نے ہمارے خلاف جو منصوبہ بندی کی ہے، وہ کچھ اس طرح ہے کہ جب اسے خبر
ہوگی کہ سلطان محترم اس کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں تو لشکری خود رومن لشکر
اور کچھ اپنے لشکریوں کے ساتھ اپنے مرکزی شہر ہی میں قیام رکھے گا تاہم ایک بہت بڑا لشکر
اپنے سپہ سالار اعلیٰ آرگش اور نائب سپہ سالار کولاک کے حوالے کرے گا اور انہیں آگے
روانہ کرے گا تا کہ وہ ہمارے لشکر کو اپنے علاقوں کی سرحدوں پر روکے۔ ہم سے ٹکرانے کی
منصوبہ بندی جو لشکری کے سپہ سالار اعلیٰ آرگش نے کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ انہوں
نے ایک بڑے عمدہ، لا جواب اور نایاب تیغ زن کا انتخاب کیا ہے اور جب دونوں لشکر ایک
دوسرے کے سامنے آئیں گے تب وہی تیغ زن انفرادی مقابلہ کے لئے اترے گا اور سیف
الدین ابوبکر کا نام لے کر پکارے گا تا کہ انفرادی مقابلہ کیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ سیف
الدین ابوبکر جس سمت رخ کرتا ہے، مسلمانوں کی فتح یقینی ہو جاتی ہے۔ لہذا ان کا پہلا گمان
اور ارادہ یہ ہے کہ اگر انفرادی مقابلہ میں سیف الدین ابوبکر قتل کر دیا جائے تو سلطان کی
طاقت میں ضعف آجائے گا اور ہم مسلمانوں پر غالب آجائیں گے۔

یہ پہلا قدم ہے جو وہ اٹھائیں گے۔ اس سے پہلے وہ ایک اور قدم اٹھا چکے ہوں گے
اور وہ یہ ہوگا کہ اپنے لشکر کو جو بہت بڑا ہے، تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک حصہ
آرگش کے پاس، دوسرا کولاک کے پاس اور تیسرا حصہ وہ اپنے ایک اور بڑے سالار کی
کمانداری میں دے کر ذرا فاصلے پر شمال میں گھات میں بھیج دیں گے۔ چنانچہ جب انفرادی
مقابلہ ہونے کے بعد دونوں لشکر آپس میں ٹکرائیں گے تو جو لشکر گھات میں ہوگا، وہ اپنے
مخبروں کے ذریعے ہمارے لشکر اور پڑاؤ پر گہری نظر رکھے گا۔

ان کا خیال ہے کہ اگر مسلمانوں کے پڑاؤ اور لشکر کے درمیان زیادہ فاصلہ ہو تو جنگ
کے دوران وہ مسلمانوں کے پڑاؤ پر حملہ آور ہوں گے۔ پڑاؤ میں جو مسلح جوان ہوں گے،
انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ خیمہ گاہ کو آگ لگا دی جائے گی۔ اس طرح جنگ میں حصہ لینے
والے مسلمان جب دیکھیں گے کہ ان کی خیمہ گاہ کو آگ لگ چکی ہے اور ان کی عورتیں
خطرے میں ہیں تو وہ پلٹیں گے تا کہ اپنے پڑاؤ کی حفاظت کریں۔ اور جب پلٹیں گے تو
سامنے کی طرف سے آرگش اور کولاک دونوں ان پر جان لیوا حملہ کرتے ہوئے ان کا
تغائب کرتے ہوئے ان کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر مسلمانوں
کے لشکر اور پڑاؤ میں زیادہ فاصلہ نہ ہو، پڑاؤ بالکل مسلمانوں کے لشکر کے پیچھے ہو تو پھر
جب آرگش اور کولاک بری طرح ہمارے ساتھ جنگ میں مصروف ہوں گے تو گھات میں
جانے والا لشکر نمودار ہوگا اور ہمارے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر ہمارے اندر کمزوری
اور ضعف کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور اس طرح وہ لوگ ایسا کر کے اپنی
کامیابی اور فتح مندی کو یقینی بنانے کی کوشش کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد جب مخبر خاموش ہوا تب سلطان نے غور سے سیف الدین
ابوبکر کی طرف دیکھا۔ جس کے جواب میں سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! مخبروں کو جانے دیں۔ یہ جا کر آرام کریں۔“

اس کے ساتھ ہی سلطان نے مخبروں کو جا کر آرام کرنے کے لئے کہا۔ اس پر وہ وہاں
سے اٹھ کر خیمے سے نکل گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر سیف الدین ابوبکر،
سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میں رہنے والا لشکر نزدیک آئے گا، میں اپنے تحت کام کرنے والے لشکریوں کو چونکا کر دوں گا۔ میں پہلے ہی انہیں ہر معاملے اور جارحیت اور دفاع سے متعلق تفصیل سے ہدایات جاری کر دوں گا۔

دشمن کے لشکری ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے جب شمال کی طرف نمودار ہوں گے، تب سب سے پہلے میرے لشکری ان پر تیز اور موسلا دھار بارش کی طرح تیر اندازی کریں گے۔ میرے لشکریوں نے پہلے ہی اپنی کمائیں کندھوں پر اور پیٹھ پر ترکشوں میں تیر بھرے ہوں گے۔ اس طرح کچھ دیر تک ان پر تیر اندازی ہوگی تو ان کے نہ صرف گھوڑے چھدیں گے بلکہ ان گنت لشکری بھی لقمہ اجل بنیں گے۔ اس وجہ سے ان کے اندر ایک افراتفری کا عالم برپا ہوگا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آؤں گا اور ان پر حملہ آور ہوں گا۔ عین اسی وقت نجم الدین بہرام بھی اپنے پڑاؤ سے نکل کر حملہ آوروں کے ایک پہلو پر ٹوٹ پڑے گا۔ اس طرح میں اور نجم الدین بہرام اس لشکر کا مکمل خاتمہ کر دیں گے۔ جو بچیں گے، یقیناً بھاگ کر اپنے بڑے لشکر کی طرف چلے جائیں گے۔ اس کے بعد نجم الدین بہرام بھی واپس پڑاؤ میں نہیں جائے گا بلکہ میرے ساتھ مل جائے گا۔ آپ، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی پہلے ہی سامنے کی طرف سے دشمن پر ضربیں لگا رہے ہوں گے اور گھات میں رہنے اور نمودار ہونے والے لشکر کا خاتمہ کرنے کے بعد میں، نجم الدین بہرام اور زین الدین بشارہ فوراً حرکت میں آئیں گے اور دشمن کے بڑے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ جب لشکری کے سپہ سالار اعلیٰ آرگش اور ں کے نائب سالار کولاک کے لشکر پر سامنے کی طرف سے آپ، حسام الدین اور مبارز الدین چاولی ضربیں لگائیں گے اور ان کے ایک پہلو کی طرف سے میں، زین الدین بارہ اور نجم الدین بہرام حملہ آور ہوں گے تو سلطان محترم! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، ہم ان کے اس لشکر کو روند اور رگید کر رکھ دیں گے۔ ان کے مقدر میں ایسی بھیانک اور سیاہ ست لکھیں گے جو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہ دیکھی ہو۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین رکا، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں نے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔ اب آخری فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب سلطان عزالدین کے چہرے پر ہلکا سا تبسم

”سلطان محترم! کل صبح اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔ فجر کی نماز کے بعد لشکریوں کو کھانا کھلانے سے فارغ ہو کر کوچ ہوگا اور لشکری کی سرزمینوں کی طرف بڑھیں گے۔ سلطان محترم! اگر لشکری کے سپہ سالار اعلیٰ نے اپنا ایک لشکر گھات میں بٹھانے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ ہمارے پڑاؤ یا ہمارے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر ہمارے اندر انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اس کا سد باب، اس کا بندوبست بھی ہم خوب کریں گے۔ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے لشکریوں کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرتے ہوئے لشکری کے علاقوں کی طرف بڑھیں گے۔ تاکہ ہم اگر وہاں پہنچیں اور وہ ہمارے جانے کے ساتھ ہی جنگ کی ابتدا کریں تو ہمارے لشکری کم از کم تازہ دم ہوں۔ سلطان محترم! لشکر کی ترتیب ایسی رکھیں گے کہ لشکر کا جو لشکر شمال کی طرف سے نمودار ہو کر ہمارے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہوگا، اس کو ہم کاٹ کر رکھ دیں۔

سلطان محترم! دشمن کے سامنے جانے کے بعد ہم لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیں گے۔ ایک حصہ جو قلب ہوگا، آپ کی کمان داری میں ہوگا۔ بائیں پہلو کی کمان داری حسام الدین یوسف کے پاس، دائیں پہلو کی کمان داری مبارز الدین چاولی کے ہاتھ میں، چوتھے لشکر کی کمان داری نجم الدین بہرام کے پاس ہوگی اور یہ پڑاؤ کے اندر رہے گا۔ پانچواں لشکر میرے پاس ہوگا اور میرے ساتھ زین الدین بشارہ کام کرے گا۔ سلطان محترم! اگر وہ انفرادی مقابلے کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ اس سے پہلے ان کے کئی تیغ زن میرے ہاتھوں عالم برزخ کی طرف کوچ کر چکے ہیں۔ اگر وہ ایک اور کا بھی کوچ برزخ کی طرف چاہتے ہیں تو یوں ہی سہی۔ دشمن جب ہم سے ٹکرائے گا تو پہلے چاروں حصے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ دشمن کے ساتھ ٹکرائیں گے۔ چوتھا حصہ نجم الدین بہرام کی کمان داری میں ہوگا۔ وہ اپنے پڑاؤ کے اندر پڑاؤ کی حفاظت کے لئے رہے گا۔

جب کچھ دیر جنگ جاری رہے گی تو پھر میرا اندازہ ہے کہ لشکری کے لشکر کا وہ حصہ جو شمال میں گھات میں بیٹھا ہوگا، وہ نمودار ہوگا اور ہمارے لشکر کے شمالی پہلو پر حملہ آور ہوگا۔ سلطان محترم! اس موقع پر میں ان کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہوں گا۔ اس لئے کہ میرے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سب سے شمال میں رہوں گا۔ باقی تین حصوں کے ساتھ یعنی آپ، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین دشمن سے ٹکراتے رہیں گے۔ جوں ہی گھات

نمودار ہوا۔ کہنے لگا۔

”میرے بھائی! فیصلہ تو ہو چکا۔ جو منصوبہ بندی تم نے کی ہے، یہ حرف آخر ہے۔ اسی پر عمل کیا جائے گا۔“

سلطان کے بعد باقی سالاروں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا سلطان نے وہ مجلس ختم کر دی تھی اور سارے سالار اور امراء اٹھ کر خیمے سے نکلنے لگے تھے۔ سارے سالار ابھی تھوڑی ہی دُور گئے ہوں گے کہ اچانک پشت کی جانب سے عزالدین کا چوہدار بھاگتا ہوا آیا اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! آپ کو سلطان نے واپس بلایا ہے۔ شاید وہ کسی اہم مسئلے پر آپ سے گفتگو کریں گے۔“

سیف الدین رک گیا۔ پھر وہ چپ چاپ واپس چوہدار کے ساتھ ہولیا تھا۔ دوبارہ وہ سلطان کے اسی خیمے میں داخل ہوا، جہاں سلطان نے تھوڑی دیر پہلے مجلس منعقد کی تھی۔ آگے بڑھ کر جب سیف الدین، سلطان کے قریب بیٹھ گیا، تب سلطان عزالدین بولا اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سیف الدین! تم میرے لشکریوں کے سالار اعلیٰ ہی نہیں، میرے بھائی بھی ہو۔ نے جڑ۔ کی جو منصوبہ بندی پیش کی ہے، وہ حرف آخر کی طرح ہے اور اس پر عمل کر کے اپنے دشمنوں کو یقیناً بدترین شکست دے سکتے ہیں۔ پر میرے بھائی! اگر تم پسند کرو تو یہ اس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا پسند کروں گا۔“

سلطان جب خاموش ہوا، تب عجیب سے انداز میں سلطان کی طرف دیکھتے ہو۔ سیف الدین بول پڑا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں؟ اگر آپ اس منصوبہ بندی کوئی تبدیلی کرنا چاہتے ہیں تو اس تبدیلی کے لئے آپ حکم جاری کر سکتے ہیں۔ آپ کو صلا مشورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“

جواب میں سلطان نے پہلے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی پھر سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”نہیں سیف الدین! ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم لشکریوں کے سالار اعلیٰ ہو۔ تمہاری اہ

پنی جگہ قائم و دائم ہے۔ میں ایک چھوٹی سی تبدیلی چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ تبدیلی ہمارے لئے سودمند نہ ہو۔ اس بنا پر میں تم سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔“

سیف الدین جب پوری طرح سلطان کی طرف متوجہ ہوا، تب سلطان بولا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین! تم نے جو منصوبہ بندی کی تھی کہ لشکر کے پانچ حصے کریں تو لشکر کے پانچ ہی رہیں گے۔ دشمن سے نمٹنے کے لئے تم نے یہ تجویز دی تھی کہ حسب سابق لڑی حصے میں ملیں، بائیں پہلو پر حسام الدین یوسف جبکہ دائیں پہلو کی کمانداری ارزالدین چاولی کے پاس ہوگی اور تم مبارزالدین چاولی کے ساتھ دائیں جانب ہی دو گے۔“ یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ بہرہا تھا۔

”سیف الدین! میرے بھائی! دشمن ہم سے دو طرح سے جنگی فریب کھیلنے کی کوشش کرے گا۔ پہلا یہ کہ جو لشکر انہوں نے گھات میں بٹھایا ہوگا، وہ ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر و میں قتل عام کرے گا اور ہمارے پورے لشکر کی توجہ پڑاؤ کی طرف کر کے اپنی کامیابی، درکھولنے کی کوشش کرے گا۔ سیف الدین میرے بھائی! ہم نے اپنے لشکر کا پڑاؤ بالکل بے لشکر کے پیچھے رکھا ہے۔ خداوند قدوس کو منظور ہوا تو ہم نے پسپا نہیں ہونا، دشمن کو پسپا نا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ ہمارا پڑاؤ بالکل ہمارے لشکر کے پیچھے ہوگا تو جو دشمن کا لشکر ت سے نکل کر حملہ آور ہوگا وہ ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہیں کرے گا۔ رے گا بھی تو میرے عزیز بھائی! تم اور نجم الدین بہرام اپنے لشکر کے دائیں طرف ہو۔ تم حملہ آوروں کے خلاف جوابی کارروائی کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ ان کے ان مد کو ناکام بنا سکتے ہو بلکہ ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ بھی کر سکتے ہو۔ اگر دشمن سے پڑاؤ پر حملہ آور نہ ہوا اور اس نے ہمارے لشکر کے اس پہلو پر حملہ آور ہونا چاہا، جس میں میرے بھائی! تم ہو گے تو میں جانتا ہوں کہ تم گھات سے نکلنے والے دشمن کے لشکر و ب نہو گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان دوبارہ رکا، کچھ سوچا، پھر سیف الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”سیف الدین! ان دونوں نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں

سیس کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم نکسار کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ کہنے لگا۔
 ”سیس! تمہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ سلطان نے واقعی ہی سارے
 الاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا تھا۔ دراصل سلطان کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکری نے
 طغنیہ کی حکومت سے مدد مانگی تھی اور قسطنطینہ سے ایک بہت بڑا لشکر اناطولیہ کے
 بدانوں لشکری کی مدد کے لئے پہنچ چکا ہے۔ جس کی وجہ سے لشکری کے حوصلے بلند ہیں۔
 روہ سلطان سے ٹکرانے کا عزم کر چکا ہے۔ پہلے وہ اپنے سپہ سالار اور نائب سپہ سالار کو
 لشکر دے کر اس وقت اپنی سرحدوں کی طرف روانہ کرے گا، جس وقت سلطان اپنے
 لڑکے ساتھ اس کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ ساتھ ہی ایک لشکر گھات میں
 پایا ہوا ہوگا جو اچانک گھات سے نکل کر ہمارے لشکر پر حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچانے
 اپنی فتح کو یقینی بنانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن سلطان نے اپنے سالاروں کے ساتھ مل
 ان سب امور کا سدباب کر لیا ہے۔ خود لشکری اپنے لشکر کے کچھ حصوں کے علاوہ
 طغنیہ سے آنے والے لشکر کے ساتھ اپنے مرکزی شہر ہی میں مقیم رہے گا۔ اگر اس کے
 لار اور نائب سالار کو کامیابی ہوئی تو پھر وہ اپنے مرکزی شہر ہی میں رہے گا۔ اگر ان
 دن کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو پھر یونانیوں کے لشکر کے ساتھ لشکری نکلے گا اور سلطان
 ہٹانے کی کوشش کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نکسار مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ان کا کھانا آگیا تھا۔ کھانے کے
 سب کے درمیان رکھ دیئے گئے۔ اس موقع پر باز نیک کی طرف دیکھتے ہوئے سیس
 اٹھی۔

”بیٹے! کھانا شروع کرنے سے پہلے جاؤ، بھائی کو بلا کر لاؤ۔“

اس پر باز نیک اٹھا، بھاگتا ہوا وہ سیف الدین ابو بکر کے خیمے میں گیا۔ جب وہ وہاں
 اتواں نے دیکھا، سیف الدین ابو بکر اپنے خیمے میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس پر
 نیک، سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں کھانا کھانے کے لئے ہی آپ کو بلانے کے لئے آیا تھا۔ بہر حال اگر آپ کا کھانا
 یا ہے تو آرام سے کھائیں۔ میں واپس جاتا ہوں۔“

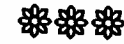
اس کے ساتھ ہی باز نیک واپس ہوا۔ جب وہ اپنے خیمے میں داخل ہوا تو سب سوالیہ

کہ نجم الدین بہرام کو لشکر کا ایک حصہ دے کر پڑاؤ میں نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ میں چاہوں
 ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہے، تمہارے نائب کی حیثیت سے کام کرے۔ اور دشمن کا وہ لنگہ
 جو گھات سے نکلے گا، اگر پڑاؤ پر حملہ آور ہو، تب بھی تم اس سے نمٹو۔ اگر وہ دائیں پہلو
 ہدف بنانا چاہے تب بھی ان پر حملہ آور ہو کر تم ان کا خاتمہ کر دو۔ میرے عزیز بھائی! اب!
 تمہارا کیا خیال ہے؟“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سیف الدین کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر سلطان کو مخاطب
 کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! یہ بہت اچھی بلکہ بہت ہی اچھی تجویز ہے۔ جو کچھ آپ نے کہا۔
 میرے خیال میں یہی آخری ہے۔ میں نجم الدین کو اپنے ساتھ رکھوں گا۔ اس طرح ہمارے
 طاقت میں بھی اضافہ ہوگا اور نجم الدین میرے ساتھ بہتر انداز میں کام کر سکے گا۔ بہرہ
 آپ دیکھتے رہیں، جب ہم دشمن کے سامنے جا کر صف آرا ہوں گے تو خداوند قدور
 منظور ہوا تو جس طرح اس سے پہلے ہم اپنے بہت سے دشمنوں کو بھگانے میں کامیاب
 ہوئے ہیں، اسی طرح ہمارا رب پہلے کی طرح ہماری رہنمائی، ہماری مدد کرے گا اور ہم
 دشمن پر غالب رہیں گے۔“

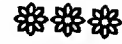
سیف الدین کا جواب سن کر سلطان عز الدین خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد سلطان
 کہنے پر سیف الدین، سلطان کے خیمے سے نکل گیا تھا۔



نکسار جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے میں اس کی بیوی سیس
 باز نیک، بریزہ اور جوزین چاروں بیٹھنے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔
 نکسار آگے بڑھ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ گفتگو کا آغاز کرنا ہی چاہتا تھا کہ اس
 بیوی سیس بولی اور کہنے لگی۔

”باز نیک بتا رہا تھا کہ سارے سالاروں کو سلطان نے اپنے خیمے میں طلب کر
 اور کسی اہم مسئلے پر صلاح مشورہ ہوتا ہے۔ پہلے یہ بتائیں کہ معاملہ کیا ہے؟ دوسری بات
 کہ آپ آتی دفعہ سیف الدین کو بھی اپنے ساتھ لے آتے تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ
 کھانا کھا لیتا۔“

انداز سے دیکھنے لگے تھے۔ اس پر مسکراتے ہوئے باز نیک کہنے لگا۔
 ”ہم سے پہلے بھائی کا کھانا اُن کے خیمے میں پہنچ چکا ہے۔ لہذا وہ کھانا کھا رہے ہیں۔
 اس کے ساتھ ہی باز نیک آگے بڑھ کر اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ سب کو
 کھانے لگے تھے۔
 اگلے روز فجر کی نماز کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ مغرب کی طرف کوچ
 تھا۔



سلطان عز الدین اپنے لشکر کے ساتھ جب اناطولیہ کے مغربی اور جنوبی علاقوں کے
 وثنانی حکمران لشکری کے دو بڑے سالاروں آرگش اور لولاک کے لشکر کے سامنے گیا تو
 سلطان ہی نہیں، اس کے سالار بھی دنگ رہ گئے تھے۔ اس لئے کہ آرگش اور لولاک کے
 اس جو لشکر تھا، اس کی حیثیت عجیب تھی۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، آرگش اور لولاک
 کے لشکر کے خیمے نصب تھے۔ اس سے سلطان اور اس کے سالاروں نے اندازہ لگایا کہ دشمن
 کے لشکر کی تعداد کم از کم ان سے پانچ گنا زیادہ ہوگی۔ بہر حال سلطان نے وہاں پڑاؤ
 لرنے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اس موقع پر سارے سالار، سلطان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔
 لشکر کا آغاز سیف الدین ابوبکر نے کیا۔ سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! دشمن کے پڑاؤ کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی تعداد کا اندازہ آپ نے
 ی لگالیا ہوگا اور ہم بھی لگا چکے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں، اتنا بڑا لشکر اس سے پہلے کبھی ہمارے
 ابلہ میں اناطولیہ کے میدانوں میں نہیں آیا اور ہمیں اس لشکر سے کسی طریقے، کسی جتن،
 سیلے اور نئی منصوبہ بندی کے تحت نمٹنا ہوگا۔“

سیف الدین جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے عز الدین بول
 ا۔

”سیف الدین میرے بھائی! دشمن کے لشکر کو دیکھتے ہوئے میں اب اپنی منصوبہ بندی
 تبدیل کرنا چاہوں گا۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنے لشکر کے دائیں پہلو سے بھی
 اں جانب نجم الدین بہرام کے ساتھ رہو اور دشمن کا جو لشکر گھات سے نکل کر ہم پر حملہ آور
 ا، اس سے نمٹو۔ میرے بھائی! اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارے لشکر کے اندر ضعف اور

یاب قسم کا تیغ زن تیار کر رکھا ہے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے میدان میں اترے گا اور پ کو انفرادی مقابلہ کی دعوت دے گا۔ ہمارے دشمن یہ خیال کرتے ہیں کہ سلطان کے الار سیف الدین ابوبکر نے انہیں بہت نقصان پہنچایا ہے اور انفرادی مقابلہ میں چونکہ ت سے تیغ زنون کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، لہذا سیف الدین کا خاتمہ کرنا اب ان کی رہن گیا ہے۔

اس کے علاوہ میں یہ بھی کہوں کہ دشمن کے لشکر میں اس وقت ان کا حاکم، لشکری خود جو نہیں ہے۔ وہ اپنے مرکزی شہر میں ہے۔ اس کے مرکز میں بھی ایک بہت بڑا لشکر۔ اس لشکر میں لشکری کے مسلح جوانوں کی تعداد کم اور قسطنطنیہ اور یورپ سے آنے والے دؤں کی تعداد زیادہ ہے۔ اسے وہ محفوظ لشکر کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ لشکری کا خیال کہ اس کے دونوں سالار آرگش اور کولاک، سلطان کو شکست دیں گے۔ پھر سلطان کا اکر کے اس کے مرکزی شہر قونیہ تک اس کا تعاقب کریں گے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی اط برتی ہے کہ اگر اس کے دونوں سالاروں آرگش اور کولاک کو شکست ہوگئی تو وہ پیچھے جائیں گے۔ لہذا وہ بڑا اور جراتور لشکر جو اس وقت لشکری کے پاس ہے، اس کے ساتھ وہ ت میں آئے گا اور ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب خاموش ہوا، تب کچھ دیر تک سیف الدین ابوبکر غور اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر آنے والے اس مخبر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”میرے عزیز! کیا تو بتا سکتا ہے کہ دشمن کا وہ لشکر جسے دشمن ہم پر اچانک حملہ آور کے لئے گھات میں بٹھانے کا ارادہ کر چکا ہے، کیا وہ اپنی گھات کی طرف جا چکا ہے؟“ اس پر مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”یقیناً وہ گھات کی طرف جا چکا ہے اور اس کی گھات یہاں سے پانچ میل شمال کی ہے۔ میرے علاوہ اور بہت سے مخبر بھی ان کے ارد گرد سرگرداں ہیں۔ میرے خیال بڑی دیر تک وہ بھی یہاں آئیں گے اور اس لشکر کے متعلق بھی اطلاع دیں گے۔“

خبر کے اس انکشاف پر سیف الدین ابوبکر نے سلطان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔ ”سلطان محترم! آپ کا کہنا درست ہے۔ ہمارا مخبر بتا چکا ہے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد زیادہ ہے۔ لہذا ہم بھی اپنے لشکر کے اندر تبدیلی پیدا کریں گے۔ سلطان محترم! دشمن

کمزوری کے آثار پیدا ہوں گے اور دشمن کے لشکری ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور ہماری کم تعداد کو دیکھتے ہوئے ان کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ وہ پھرے ریچھوں کی طرح ہم پر حاوی ہونے کی کوشش کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان جب خاموش ہوا، تب سیف الدین ابوبکر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اگر آپ برانہ مانیں تو ایک کام کرتے ہیں۔ پہلی منصوبہ بندی کے اندر یقیناً تبدیلی کرنا ہوگی۔“

یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ایک مخبر ان کے پاس آیا، بلند آواز سے اس نے سلام کیا۔ سلطان اور سالار پہچان گئے کہ وہ ان کا خبر ہے لہذا وہ سیدھا سلطان کے پاس آیا اور دھیمے لہجے اور ایک طرح کی رازداری میں کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں دشمن کے لشکر کی تعداد کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ میں دشمن کے لشکر کے ارد گرد اس وقت تھا، جب یہ اپنے مرکزی شہر سے روانہ ہوا تھا۔ اس کی تعداد کم از کم ہمارے لشکر سے چھ گنا سے کم نہیں ہے اور پھر انہوں نے ایک منصوبہ بندی بنائی ہے۔ لشکر کا ایک حصہ وہ اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کریں گے اور ساتھ میں یہ بھی بتاتا جاؤں کہ لشکر کو وہ چھ حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک حصہ جب پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر ہو جائے گا تو باقی پانچ رہیں گے۔ پانچوں کے پانچوں ہم سے ٹکرائیں گے اور تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد تین حصے سامنے رہ کر جنگ میں مصروف رہیں گے۔ اتنی دیر تک ان کا وہ لشکر جو گھات میں ہوگا، وہ نکلے گا اور ہمارے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہوگا۔ چنانچہ تین کے بعد جو دو حصے ان کے لشکریوں کے رہ جائیں گے، وہ دائیں بائیں سے بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھیں گے، ہم پر حملہ آور ہوتے ہوئے ہمارے لشکر کا گھیراؤ کریں گے۔ ایک طرح سے وہ ہمیں گھیرنے اور ہمارے گرد حصار قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایسا کر کے شاید وہ یہ چاہتے ہیں، جب وہ ہمارا گھیراؤ کریں گے تو اپنی فتح کو یقینی بنالیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب رکا، تب اسے مخاطب کر کے سیف الدین کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے مخبر پھر بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین ابوبکر! میں خصوصیت کے ساتھ یہ کہوں گا کہ انہوں نے ایک عمدہ اور

گی۔“

اس موقع پر سلطان عزالدین کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی، غور سے سیف رین ابو بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے بھائی! تیرا اشارہ کس منصوبہ بندی کی طرف ہے؟“

جواب میں سیف الدین ابو بکر نے پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، کچھ سوچا، دوبارہ سلطان عزالدین کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! کل جب جنگ کی ابتدا کی جائے تو ہمارے لشکر کی جو اگلی تین صفیں، ان کی پیٹھوں پر تیروں سے بھرے ہوئے ترشش ہونے چاہئیں اور ان کے کندھوں پر ایک کے پاس کمان ہونی چاہئے۔ چنانچہ دشمن جب ہمارے خلاف جنگ کی ابتدا کرے گا ہم اسے پہلے حملہ آور ہونے کا موقع دیں گے۔ جب وہ ہماری طرف بڑھے گا تو ہماری ناصف زمین پر بیٹھ جائے گی۔ اس سے پچھلی صف گھٹنوں کے بل بیٹھے گی تاکہ وہ اپنی پہلی صف سے اونچے رہیں۔ اور تیسری صف کے لشکر کی کھڑے رہیں گے، اپنی کمانوں میں تیر کل تیار رکھیں گے۔“

جب دشمن ہمارے تیروں کی زد میں آجائے تو سلطان محترم! آپ تکبیریں بلند کریں گے۔ یہ تکبیریں ہمارے لشکریوں کے لئے اشارہ ہوگا کہ دشمن پر موسلا دھار بارش کی طرح راندازی کرنی ہے۔ جب ایسا ہوگا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، دشمن کے سینکڑوں نہیں، اربوں لشکری تیروں سے چھد کر اپنے گھوڑوں سے نیچے گر جائیں گے۔ مرنے والوں کے موڑے، لشکر کے اندر جب ابتری پھیلائیں گے، تب ہماری تینوں اگلی صفیں کمانیں وہیں لہ دیں گی، اپنی پیٹھوں پر ترشش رہنے دیں گی، وہ ان کی پیٹھ کی حفاظت کریں گے۔ اس کے بعد ہم ایسے زوردار انداز میں دشمن پر حملہ کریں گے کہ انہیں بتائیں گے کہ ہم سے ٹکرانا سان نہیں، ہمارا گھیراؤ کر کے ہم پر حاوی ہونا بہل نہیں۔ اور یہ کہ ہمارا گھیراؤ کرنا بھی اس رآسان نہیں جس قدر انہوں نے سمجھ لیا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابو بکر جب خاموش ہوا، تب سارے سالار ہی میں، سلطان عزالدین بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کی تقسیم کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم بھی اپنے لشکر کو پانچ چھ حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک حصہ آپ کے پاس، دوسرا حصہ میرے پاس، تیسرا حصہ الدین کی کمانداری میں، چوتھا زین الدین بشارہ، پانچواں مبارز الدین چاولی اور چھٹا نجم الدین بہرام کی کمانداری میں ہوگا۔ دشمن کا جو لشکر گھات میں چلا گیا ہے، اس سے پہلے نمٹنا ہوگا۔ سلطان محترم! دشمن نے اپنے لشکر کے چھ حصے کئے ہیں۔ چھٹا حصہ انہوں نے اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر مقرر کیا ہے۔ ہم اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر کوئی لشکر مقرر نہیں کریں گے بلکہ لشکر کے اندر جو عورتیں ہیں، وہ مسلح رہیں گی اور خداوند قدوس کو منظور ہوا تو ان میں ایسی عورتیں ہیں جو جنگ کا بہترین تجربہ رکھتی ہیں اور ضرورت کے وقت دفاع بھی کر سکتی ہیں۔ ویسے دشمن کا کوئی لشکر ہمارے پڑاؤ کی طرف بڑھنے کی جرأت اور جسارت نہیں کرے گا اور نہ ہی ہم ان کے لشکر کو پڑاؤ کی طرف بڑھنے دیں گے۔

سلطان محترم! میں آپ کے ساتھ لشکر میں موجود رہوں گا۔ جب دوسرے منجر ہمارے پاس پہنچ جاتے ہیں، تب ان میں سے کچھ کو مقرر کیا جائے گا جو ہمارے لشکر کے ایک حصہ اس لشکر کی طرف لے کر جائیں گے جو گھات میں جا چکا ہے اور آدھی رات کے وقت اُس شب خون مارا جائے گا۔ یہ شب خون میں اور مبارز الدین چاولی ماریں گے۔ سلطان محترم! میں اور مبارز الدین کوشش کریں گے کہ گھات میں جانے والے دشمن کے لشکر کا صبح پہلے پہلے کام تمام کر کے واپس اپنے لشکر میں پہنچ جائیں اور کل صبح ہم دشمن سے ٹکرانے اور اس کے خلاف جنگ کرنے کا اعلان کریں گے۔ اس موقع پر میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ دشمن کے لشکر میں جب ان کے گھات میں جانے والے لشکر کے زخمی یا بچے کچھے جنگجو پہنچ گئے اور جب وہ یہ انکشاف کریں گے کہ ان کا جو لشکر گھات میں گیا تھا، مسلمانوں کے کسی لشکر نے اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیا ہے، تب دشمن کے لشکریوں کے حوصلے پست جائیں گے اور ان میں ایک طرح بے دلی پھیلے گی۔ اس سے ہم نے فائدہ اٹھانا ہے۔“

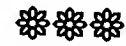
یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابو بکر زکا، دوبارہ وہ سلطان کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! اس کے علاوہ ہمیں ایک اور کام کرنا ہوگا اور اگر وہ کام ہم نے اس طریقے سے انجام دے دیا تو سلطان محترم! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں فتح اور کامیابی ہمارا

”سیف الدین میرے بھائی! یہ منصوبہ بندی پیش کر کے تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ اس پر عمل کر کے یقیناً ہم اپنے دشمن کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“ اتنی دیر تک کچھ اور مجرب بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے سلطان اور سارے سالاروں کو دشمن کے گھات میں جانے والے لشکر سے متعلق تفصیل بتائی۔ جس کے جواب میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے سیف الدین کہنے لگا۔

”اب تم پڑاؤ میں جا کر آرام کرو، کھانا کھاؤ۔ آدھی رات کے وقت تم میں سے کچھ میرے اور مبارز الدین کے ساتھ جاؤ گے۔ دشمن کے اس لشکر تک ہماری راہنمائی کرو۔ جو گھات میں ہے۔ پھر میں جانوں، مبارز الدین جانے اور دشمن کا لشکر۔ ہم ان پر ایسا ضرب لگائیں گے کہ خداوند قدوس کو منظور ہو تو بہت کم کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنا نصیب ہوگا۔“

سلطان اس ساری تجویز سے متفق ہو گیا تھا۔ پھر سارے سالار، سلطان کے ساتھ حرکت میں آئے اور اپنے پڑاؤ کی دیکھ بھال کے علاوہ لشکر کی تقسیم کے کام کو بھی آخری شکل دینے لگے تھے۔



رات وقت اور لمحوں سے سب حالات میں من کے کورے کاغذ پر پیار کی خوشبو، پرے کی حرمت، چاہتوں کی غنائیت، اپنائیت کی حدت پھیلاتی بھگتی چلی جا رہی تھی۔ چارو سمت خاموشیوں اور سکوت کے بحر میں نہ کوئی کلام، نہ کوئی الہام، نہ کوئی سرسام تھا۔ چہ اور سکوت ہی سکوت تھا۔

سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام دونوں اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی۔ دشمن کے اس لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے جو گھات میں تھا۔ خبر ان کی راہنمائی کر رہے تھے۔ جب خبروں نے رات کی گہری تاریکی میں سیف الدین ابوبکر کو اشارہ دیا کہ دُٹ اب نزدیک ہی رہ گیا ہے، تب رات کے اندھیرے میں سیف الدین کا سراپے گھوڑے کے ہنر پر جھک گیا تھا۔ پھر وہ بڑی عاجزی میں دعا مانگتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”اے اللہ! تُو ہی میرا سچا، تُو ہی چارہ گر ہے۔ حرص و ہوس کے شہروں میں دن۔ دُھندلائے آئینوں، وقت کی ترچھی ان گنت پرچھائیوں میں تُو ہی مدد کرنے والا۔“

اے اللہ! راستہ بھولے مسافروں اور دھول سے اٹے چہروں والے مظلوموں کی تُو ہی مدد کرتا ہے۔ اے اللہ! ہست و نیست کے ان ریگزاروں میں بھی میں تجھ سے مدد اور حمایت کی التماس کرتا ہوں۔ اے اللہ! بے لباس شاہراہوں پر پھول پھولوں سے لدے پیڑ تیری ہی حمد کرتے ہیں۔ کہکشاؤں میں گم ستاروں کو تُو ہی روشنی کے محور عطا کرتا ہے۔ اے اللہ! میں دشمن کے خلاف حرکت میں آنے لگا ہوں، میرے اللہ! میری مدد فرماتا۔ میرے اللہ! ہمیں کامیابی اور نصرت سے ہمکنار کرنا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر کا سر سیدھا ہو گیا تھا۔ پھر نجم الدین بہرام کے ساتھ اپنے لشکر کو اس نے جبر کے موسموں کی گرد میں آسمان سے زمین پر اترتے سربستہ رازوں کی طرح آگے بڑھایا۔ تنہائی کے زندانوں میں بلندی اور پستی کو یکجا کرتے بحر کی طرح اس نے فاصلوں کو سمیٹا، اس کے بعد دشمن کے لشکر کے قریب جا کر اچانک وہ ان پر ہموں کے سایوں میں قبرستانوں کی تاریکیوں کی طرف بھگتی کڑکتی برق کی صداؤں، نزاں کی چہرہ دستیوں، زمانے کے حلق کو سوختہ کر دینے والے بیگانہ ترین خونی لمحوں، وقت کی بہتی لو، آتش پکار کے شور میں صحراؤں کی تپتی ہواؤں، طوفانوں کے خروش اور وحشی بگولوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام نے تیز، اچانک اور جان لیوا حملہ کرتے ہوئے دشمن کے لشکر کو جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا، سنبھلنے ہی نہیں دیا اور لمحوں کے اندر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

کچھ دیر تک ہولناک رن پڑا۔ چونکہ سیف الدین اور نجم الدین نے شروع ہی میں اپنے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا کر لی تھی، لہذا دشمن کا وہ لشکر سنبھل نہ پایا، نہ دفاع کر سکا، نہ جارحیت پر اتر سکا اور پھر تھوڑی دیر کے ٹکراؤ کے بعد اس کی حالت بے سحر راتوں ل پھیلے موت کے خوف، قضا کی دائمی تلخیوں میں آہیں بھرتی تنہائیوں، دکھ اٹھاتے رقت نیز مناظر، لا حاصلی کے عذابوں اور رسوائیوں اور نفرتوں کی تعبیروں کی سی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام نے جب اندازہ لگا لیا کہ وہ پوری طرح دشمن چھانچکے ہیں، لہذا انہوں نے ایک طرح سے ان کا گھیراؤ کر لیا اور ان کا قتل عام شروع کر

دیا تھا۔ لشکر کی اکثریت کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتارا۔ بہت کم لشکریوں کو اپنی جانیں بچا کر واپس جانا نصیب ہوا تھا اور اس لشکر کے پاس خوراک کے جو ذخائر تھے، رات کی تاریکی میں انہیں سمیٹے ہوئے سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام کامیاب شب خون مار کر اپنے لشکر کی طرف چلے گئے تھے۔

اس شاندار فتح اور کامیاب شب خون کے بعد سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام اپنے لشکر کے ساتھ فجر کی نماز سے بہت پہلے اپنے پڑاؤ میں پہنچ گئے تھے۔ سلطان کے علاوہ سارے سالار جاگ کر شاید انہی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب سلطان کو نجم الدین اور سیف الدین کے آنے کی اطلاع ہوئی، تب سلطان نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا، باہر نکل کر اس نے اپنے سالاروں کے ساتھ لشکر کا استقبال کیا۔ سلطان کے قریب آ کر سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ سلطان باری باری ان سے گلے ملا۔ پھر سلطان کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ سیف الدین خود ہی بول پڑا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں اور نجم الدین بہرام نے اس لشکر کا جو دشمن نے گھات میں بٹھایا تھا، تقریباً صفایا کر دیا ہے۔ بہت کم لشکریوں کو بھاگ کر واپس بڑے لشکر کی جانب جانا نصیب ہوا ہوگا۔ اس طرح دشمن کی اس سازش کو تو ہم نے ناکام بنادیا ہے کہ وہ اچانک اپنی گھات سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔“

اس پر سلطان فوراً بولا اور کہنے لگا۔

”میرے بھائی!! میں تم لوگوں کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ ابھی فجر کی نماز میں کچھ وقت ہے۔ تم جاؤ، اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین ابوبکر، نجم الدین بہرام اور ان کے لشکری وہاں سے ہٹ گئے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد کسار اور باز نیک دونوں جب اپنے خیمے میں داخل ہوئے تو ان کے خیمے میں پہلے سے وہاں سیکس، بریزہ اور جوزین بیٹھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ جب وہ دونوں باپ بیٹا خیمے میں داخل ہوئے، تب ایک طرح کی بے تابی، بے چینی میں سسر اپنے شوہر کسار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”رات کے پہلے جھے میں ہمیں پتہ ہی نہیں چلا کہ سیف الدین ابوبکر، دشمن کے اس لشکر پر جو دشمن نے گھات میں بٹھایا تھا، شب خون مارنے کے لئے گیا ہوا ہے اور نجم الدین بہرام بھی اس کے ساتھ تھا۔ کیا ان کا کچھ پتہ چلا؟“

کسار مسکراتے ہوئے آگے بڑھا، ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ جبکہ باز نیک اپنی ماں کے قریب ہو بیٹھا تھا۔ پھر کسار بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”سیف الدین ابوبکر اور نجم الدین بہرام کامیاب شب خون مارنے کے بعد فجر کی نماز سے بہت پہلے اپنے لشکر میں واپس آ گئے تھے۔ انہوں نے کچھ دیر سستا کر آرام بھی کر لیا ہے اور فجر کی نماز ان دونوں نے میرے ساتھ ادا کی ہے۔ میں نے سیف الدین سے کہا ہے کہ سب لوگ تمہاری آمد کے منتظر ہوں گے لہذا صبح کا کھانا میرے خیمے میں آ کر کھانا۔ اس نے حامی تو بھری ہے۔ دیکھیں کس وقت آتا ہے۔“

یہاں تک کہتے کہتے کسار کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ اسی وقت خیمے میں سیف الدین ابوبکر داخل ہوا تھا اور اسے دیکھتے ہی بریزہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور اس کی حالت بارش میں تبسم نکھرنے والی کلیوں کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ آگے بڑھ کر سیف الدین ابوبکر، کسار کے قریب بیٹھ گیا۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز سیکس نے کیا اور شکوؤں لری آواز میں سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹے! ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ رات کے وقت تم نے دشمن کے کسی لشکر پر شب خون مارنے کے لئے نکلنا ہے۔ بیٹے! تمہاری حیثیت اب میرے بیٹے کی سی ہے۔ تمہیں کچھ ہوتا ہے تو فکر مندیاں ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ بیٹے! جب تم گئے تھے تو کم از کم میں اطلاع ہی کر دیتے۔ یہ بریزہ سامنے بیٹھی ہے، تم سے منسوب ہو چکی ہے۔ یہ تمہارے اکو اپنا غم، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ، تمہاری خوشی کو اپنی خوشی، تمہاری شادمانی کو اپنی شادمانی ل کرتی ہے۔ جب تمہارے متعلق یہ خبریں پھیلیں کہ رات کی تاریکی میں تم اور نجم الدین ام دشمن کے کسی لشکر پر شب خون مارنے کے لئے چلے گئے ہو تو بچے! خدا جھوٹ نہ دے، ہم سب پریشان ہو گئے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم بخیر وعافیت لوٹ آئے ہو۔ اب وہ جس لشکر کو ہدف بنانے کے لئے تم گئے تھے، اس کا کیا ہوا؟“

سیف الدین نے اس موقع پر مسکراتی ہوئی گہری نگاہ بریزہ پر ڈالی جو خود بھی اس کی

طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ پھر سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”اماں! بات یہ ہے کہ دشمن کا لشکر کافی بڑا تھا۔ میں اور نجم الدین بہرام نے انہیں اچانک جالیا۔ شروع سے ہی ہم نے شدید اور جان لیوا حملے کئے، انہیں سنبھلنے ہی نہیں دیا۔ نہ انہیں دفاع کرنے اور نہ جارحیت پر اُترنے دیا۔ ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت کم کو اپنے لشکر میں واپس جانا نصیب ہوا ہوگا۔“

سیف الدین ابو بکر جب خاموش ہوا تب سیکس پھر بولی اور کہنے لگی۔

”بیٹے! تم، نجم الدین بہرام، تمہارے ساتھ کام کرنے والے لشکری رات کے وقت حملہ آور ہونے کی وجہ سے تھک چکے ہوں گے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آج جنگ کی ابتدا ہوگی اور پھر اس تھکاوٹ کی وجہ سے تم لوگ کیسے عمدہ اور اچھی کارگزاری کا مظاہرہ کر سکا گے؟ اس کے علاوہ ہمارے لئے ایک اور فکر مندی کی بات بھی ہے۔ یہ خبر بھی پڑاؤ میں پھیل رہے ہے کہ دشمن نے اپنا ایک بہترین اور نایاب قسم کا تیغ زن چنا ہوا ہے جو جنگ سے پہلے تمہارا نام لے کر تمہیں انفرادی مقابلہ کے لئے دعوت دے گا۔ بیٹے! رات کو کام کرتے ہوئے یقیناً تھکے ہوئے ہو گے، ان حالات میں.....“

یہاں تک کہتے کہتے سیکس کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ بیچ میں بریزہ بول اٹھی اور سیف الدین ابو بکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”جنگ شروع ہونے سے پہلے کوئی آپ کو انفرادی مقابلے کے لئے لکارتا اور پکارا ہے تو آپ مقابلے پر جانے سے انکار کر دیں۔ اجتماعی جنگ کی ابتدا کر دینی چاہئے۔“

جواب میں لمحہ بھر کے لئے گھورنے کے انداز میں سیف الدین نے حسین اور خوبصورت بریزہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

”بریزہ! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ گویا تم مجھے یہ سبق دینا چاہتی ہو کہ مجھے مقابلہ سے پہلو تہی کر لینی چاہئے۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو دشمن کو پتہ ہے، میں لشکر میں موجو ہوں۔ میرے میدان میں نہ اُترنے کے باعث وہ مجھے بزدلی کا طعنہ دیں گے اور ایسا طعنہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی سنا، نہ کبھی میں نے برداشت کیا ہے۔ میں انفرادی مقابلہ کے لئے نکلوں گا، اپنے رب کو پکارتے ہوئے انفرادی مقابلہ کرنے والے کے سامنے جاؤں اور پھر وقت کی آندھی ہی نہیں، دونوں طرف کے لشکری دیکھیں گے کہ میں کیسے اپنے

مقابلہ کو زیر کرتا ہوں۔ آپ لوگوں کو پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی رومنوں اور یونانیوں میں سے بہت سوں نے مجھے انفرادی مقابلے کی دعوت دیا اور آپ لوگ جانتے ہیں، اپنے خداوند قدوس کو مدد کے لئے پکارنے کے بعد میں نے اس کو اپنے سامنے زیر کر کے رکھ دیا اور آج کے مقابلے میں بھی حالات ویسے ہی ہوں، جیسے اس سے پہلے انفرادی مقابلوں میں ہوئے تھے۔“

سیف الدین ابو بکر شاید مزید کچھ کہتا، کھانا آ گیا۔ سب کھانا کھانے لگے تھے۔ دوسری طرف کچھ زخمی لشکری آرگش اور کولاک کے لشکر میں پہنچے۔ اس وقت آرگش دلاک اپنے لشکریوں کے کھانے کی نگہداشت کر رہے تھے۔ جب زخمی ان کے پاس آئے، تب دونوں بڑے پریشان اور فکر مند ہوئے۔ ان کے ساتھ اس وقت ان کے کچھ اور بے اور چھوٹے سالار بھی موجود تھے۔

آنے والوں کا آرگش اور کولاک نے پہلے گہری نگاہوں سے جائزہ لیا، پھر آرگش مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم کہاں سے آئے ہو؟ تمہاری یہ حالت کیسے اور کس نے کی ہے؟“

اس پر آنے والوں میں سے ایک زخمی بولا اور کہنے لگا۔

”ہمارا تعلق اس لشکر سے ہے جسے آپ نے مسلمانوں پر اچانک حملہ آور ہونے اور لگانے کے لئے گھات میں بٹھایا تھا۔ ہماری بد قسمتی، آدھی رات کے قریب مسلمانوں لشکر ہم پر حملہ آور ہوا اور اس نے ایسی شدت، ایسی سختی سے ہم پر حملہ کیا کہ ہمارے ہوں نے سنبھلنے نہ دیا، دفاع کرنے دیا نہ ہی جارحیت پر اُترنے دیا۔ آتے ہی انہوں نے قتل عام شروع کر دیا تھا۔ جو لشکر آپ نے گھات میں بٹھایا تھا، اس کی اکثریت کو لے گھاٹ اتار دیا گیا اور بہت کم لشکریوں کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنا نصیب ہوا ہے۔“

اس کے یہ الفاظ سن کر آرگش اور کولاک دونوں حیرت زدہ سے رہ گئے تھے۔ پریشانی ی میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اس موقع پر آرگش بولا اور کولاک وہاں جمع ہونے والے دوسرے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کیسے ہو گیا؟ ہم نے تو بڑے خفیہ اور رازدارانہ انداز میں اپنا لشکر گھات میں بٹھایا مسلمانوں کا وہ لشکر جو سلطان لے کر آیا ہے، اس کے لشکر کے علاوہ بھی ارد گرد

مسلمانوں کا کوئی لشکر ہے جو گھات میں بیٹھے ہمارے لشکر پر حملہ آور ہوا اور ان کا قتل عام کر کے رکھ دیا؟ ہمارے اس لشکر کے قتل عام کا ہمارے لشکریوں پر بڑا منفی اثر پڑے گا۔ یہ خبر آنا فانا اب لشکر میں پھیل جائے گی کہ ہمارا وہ لشکر جو کافی بڑا تھا، جسے ہم نے گھات میں بٹھایا تھا، اس پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے تو لشکری ایک طرح سے ہر حال دل اور بدحوصلہ ہو جائیں گے اور یہ معاملہ یقیناً ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ بہر حال فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب سے اچھی بات جو اس وقت ہمارے حق میں جاتی ہے، وہ یہ کہ ہمارے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے لشکر سے کافی زیادہ ہے۔ لہذا اپنی اکثریت کی بنا پر غالب ہم ہی رہیں گے۔ میرے خیال میں اب جنگ کی ابتدا کرنے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھات میں بٹھائے جانے والے لشکر کے قتل عام کا سن کر لشکری بد دل ہو جائیں۔“

کولاک کے علاوہ باقی سالاروں نے بھی اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد آرگش کے حکم پر لشکر کے اندر بڑے بڑے ٹبل پیٹے جانے لگے تھے۔ یہ اس بات کی نشاندہی تھی کہ تھوڑی دیر تک جنگ کی ابتدا کی جائے گی۔ سارے لشکری اپنی تیاریوں کو آخری شکل دیے لگے تھے۔ اس موقع پر لشکری کے سپہ سالار اعلیٰ آرگش نے اپنے نائب کولاک کی طرف دیکھ کر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”کولاک! سمسون سے کہو، انفرادی مقابلہ کے لئے میدان میں اترے اور مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابو بکر کو پکارے۔ اور اسے یہ بھی بتاؤ، اگر اس نے سیف الدین ابو بکر کا سر آج بھرے میدان میں کاٹ دیا تو اسے ایسا نوازا جائے گا جس کی وہ توقع اُمید تک نہیں رکھ سکتا۔“

آرگش کے ان الفاظ کے جواب میں کولاک کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اس کے بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک جوان جو سیاہ رنگ کے گھوڑے سوار تھا، اپنے ہاتھ میں تلوار اور بھاری ڈھال لئے اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا دونوں لشکروں کے بیچ میں آیا، پھر اس نے بلند آواز میں سیف الدین ابو بکر کا نام لے کر انفرادی مقابلہ کے لئے پکارا تھا۔

خود سیف الدین اور سلطان اور دوسرے سارے سالار بھی اسی کی توقع رکھتے تھے

لئے کہ وہ جانتے تھے کہ سیف الدین سے انفرادی مقابلہ کرنے کے لئے دشمن نے ایک تیغ زن کو تیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب سیف الدین ابو بکر کا نام پکارا گیا تو سیف الدین اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آگے بڑھا اور سمسون نام کے اُس جوان کے سامنے جا کر اس نے اپنے گھوڑے کو روکا۔

اس موقع پر سمسون نے کچھ دیر تک بڑی گہری اور طنز آمیز نگاہوں سے سیف الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”کیا تمہارا ہی نام سیف الدین ہے؟“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سیف الدین ابو بکر کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم اپنا نام کہو۔ میرا نام سیف الدین ہے۔ تم نے میرا نام لے کر پکارا ہے۔ اور جب تم نے سیف الدین کا نام پکارا ہے تو تمہارے مقابلے میں سیف الدین ہی اترے گا۔ کوئی اور نہیں۔“

اس پر سمسون بولا اور سخت لہجے میں کہنے لگا۔

”میرا نام سمسون ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس سے پہلے انفرادی مقابلہ میں ٹوٹی سو رماؤں کو اپنے سامنے زیر کر چکا ہے۔ پر یاد رکھنا، ہر بار کامیابی اور کامرانی ایک ہی شخص کے قدم نہیں چومتی۔ آج کا دن تمہاری ناکامی، تمہاری کمزوری اور تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

سمسون کے ان الفاظ کے جواب میں سیف الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”کس کی زندگی کا آخری دن کب ہے، یہ تو میرا اللہ جانتا ہے۔ تو کیا جانے، آج کے میدان میں موت کس کو لپٹتی ہے اور اس کے جڑے کس کو نکلتے ہیں۔“

سمسون پھر طنز یہ انداز میں مسکرایا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین! میں بھونچال اور طوفانوں کی طرح تیری زندگی کے ضمیر کو خون آلود کروں گا۔ تجھے غم و الم کا مجسمہ بناؤں گا۔ یاد رکھ، تو موسموں کے تاریک زندان میں ستاروں کے عکس، نقوش کی گونجتی افشاں، سرفرازی کے خواب دیکھنا بھول جائے گا۔ تو اپنے آپ کو اجرات مند، بڑا دلیر اور شجاع سمجھتا ہے لیکن آج کے اس میدان میں تیری جرأت کو

یادوں کے غبار، ناکامیوں کے دھوئیں اور غم حیات کی تلخی میں اڑا کر رکھ دوں گا۔“
یہاں تک کہنے کے بعد سمسون زکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہتا چلا گیا تھا۔

”سیف الدین! ڈر اس وقت سے جب میں موت کے جھکڑوں کی یورش، خوف بھرے پھن پھیلائے ناگ، طوفانی موجوں کے جوش، آندھیوں کے خروش اور بے روک جنون میں تجھ پر حملہ آور ہوں گا اور تیری زندگی کے لہو کا نقطہ جوش بن کر تیرا قصہ پاک کرنا چلا جاؤں گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سمسون جب خاموش ہوا، تب کھولتے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین بول اٹھا تھا۔

”سن سانپ کی اولاد! باتیں کرنا بڑا آسان ہے۔ سستی تنہائیوں میں جب کھولتے لاوے کی بے روک یورش اور سراب سوچوں کے دشت میں بھٹکتے ستم گر ہواؤں کے گولوں کی طرح جب میں تجھ پر وارد ہوں گا تو تو اپنی یادوں کو بھول جائے گا۔“
یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ احتجاجی انداز میں سمسون بول اٹھا۔

”کیا تو نے میرے خلاف بدکلامی کی گفتگو نہیں کی؟ تو نے مجھے سانپ کا بیٹا کہہ کر پکارا ہے۔“

سیف الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”تو نے خود ہی مجھے دھمکی آمیز انداز میں کہا تھا، جب تو خوف بھرے پھن پھیلا۔ ناگ کی طرح مجھ پر وارد ہوگا، جب تو خود اپنے آپ کو ناگ کہتا ہے تو پھر میں تجھے سانپ کی اولاد تو کہوں گا۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ جب تک تجھ جیسے اندھے سوراؤں، گھمنڈا، تکبر کرنے والوں کو کتے کی طرح دھتکار نہ دیا جائے، اس وقت تک یہ بری علتوں سے نہیں آتے۔ سمسون! غور سے سن، صرف باتیں کرنے سے نہیں کام نہیں بنتا۔ یاد رکھنا! جد آگ کی فصیلیں کھڑی کرتے جذبوں کی طرح میری تلوار حرکت میں آئے گی تو تیرے۔ میں فنا کے پیچ و تاب کچھ اس انداز میں کھڑے کرے گی کہ خاموشیوں کے کرب میں تیرے زندگی کو فنا سے بغلیں کر دے گی۔ ابھی تو تو بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا ہے، جب تلواریں آؤ

رائیں گی، ڈھالیں ایک دوسرے سے بجیں گی تو یاد رکھنا، تیری حالت پتھروں کے شہر، ندی کی مندر صدائوں اور خون سے تر دلوں سے زیادہ ابتر ہوگی اور تو اس رزم گاہ سان گھمسان، نرم و گرم، سیدھے ٹیڑھے، وحشی اور بزدل، اُلجھتے اور بھڑکیلے، رعب رنجیلے سارے ہی جذبوں کو بھول جائے گا۔ سمسون! ڈر اس وقت سے جب میری نفا میں بلند ہوتے ہوئے تیری آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرے گی کہ ٹونگ دستی اور، اپناج جذبوں، بے بسی و شکستگی اور بے سحر راستوں میں پتھر لیے راستوں، تلخ اور شور زگشت سے بھی زیادہ اپنے آپ کو برا اور ابتر محسوس کرے گا۔“

سیف الدین ابوبکر کی اس گفتگو سے سمسون کی حالت بھوکے پھرے ہوئے رہنے کی لٹی تھی۔ چنانچہ آؤ دیکھنا نہ تاؤ، فوراً حرکت میں آیا اور سیف الدین ابوبکر پر وہ فنا کی ل میں تخیل کی ہر شے سے گریزاں درد کے نشتر، زہر آلود فضاؤں میں خون میں آتش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف سیف الدین اس سے بھی زیادہ ہولناک انداز میں اپنے کام کی ابتدا کر۔ وہ بھی دہکتی فکر، سلگتے خیالات، گزرتے وقت کے لمحوں میں نفرت کے طوفانوں، امتازات بڑھاتے آگ کی طوالت پھیلاتے لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ دونوں تک سلگتی پیاس کی زرخیزیوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتے رہے، ضرب ہے۔ سمسون کا خیال تھا کہ وہ سیف الدین ابوبکر کو لمحوں کے اندر اپنے سامنے زیر کر۔ اس لئے کہ اسے اپنی تیغ زنی، شمشیر بازی پر بڑا فخر اور گھمنڈ تھا۔ چنانچہ جب یہ بل پکڑنے لگا، تب آہستہ آہستہ سمسون ایک ہیجانی کیفیت کا شکار ہونے لگا تھا۔ ماتمی زنی کی ہنرمندی پر شک محسوس ہونے لگا تھا۔ اور پھر اس نے یہ بھی دیکھا کہ بمت سیف الدین ابوبکر کے حملوں میں تیزی، بھیاں پن اور شدت آتی جا رہی ہے۔ بلکہ اس کے لئے زیادہ خطرناک صورت اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔

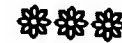
ہدیر تک جب مزید نگر آؤ ہوا، تب سیف الدین کے سامنے خود سمسون اپنے آپ کو نا کے خوابوں، تیرگی کے غبار، سوگوار لمحوں، وحشت اور کرب بھری ویرانیوں کا سا رہا تھا۔ اس میں اب پہلے سادہ خم نہیں رہا تھا۔ کبھی دائیں طرف ہٹتا، کبھی سیف ابوبکر کے حملوں سے بچنے کے لئے بائیں جانب ہو جاتا اور کبھی اپنی بے بسی پر قابو

پانے کے لئے اُلٹے قدموں پیچھے ہٹتا۔ کبھی گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اسے آگے بڑھانے کی کوشش کرتا، کبھی دائیں، کبھی بائیں، کبھی پیچھے۔ اس طرح وہ ایک طرح سے سیف الدین ابوبکر کے حملوں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ایک موقع پر سیف الدین نے جب سمسون پر ایک ہولناک وار کیا تو سمسون نے اسے اپنی ڈھال پر روکا۔ یہ حملہ ایسا زوردار تھا کہ گھوڑے کی پیٹھ پر سمسون لرز سا گیا تھا، توازن کھونے لگا تھا کہ عین اسی وقت سیف الدین ابوبکر نے اپنے پاؤں کی ٹھوک اس زین پر ماری جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سمسون چکراتا ہوا اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔ اسی سیف الدین ابوبکر بھی اپنے گھوڑے سے اتر گیا تھا اور پھر وہ پہلے کی نسبت زیادہ ہولنا اختیار کرتے ہوئے سمسون پر حملہ آور ہونے لگا تھا۔

سمسون میں اب تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا، اس کی ٹانگیں جواب دینے لگی ہوں، بازو شل ہو گئے ہوں۔ اور جارحیت تو وہ بھول چکا تھا۔ اپنا دھڑکتے ہوئے بھی وہ سستی کا شکار تھا۔ اس سے سیف الدین نے فائدہ اٹھایا، ہوا میں جست لی، پھر زوردار انداز میں تلوار گرائی۔ اس کی تلوار سمسون کی ڈھال کو کاٹی، سمسون کو بھی کاٹ گئی تھی۔

سمسون زمین پر گر کر دم توڑ گیا تھا۔ جبکہ سیف الدین نے اپنی تلوار صاف کر کے میں ڈالی۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور سمسون کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اپنے لشکر کی طرف جارہا تھا۔



انفرادی مقابلے میں سمسون کے ہار جانے کی وجہ سے آرگش اور کولاک دونوں کی حالت بڑی عجیب و غریب تھی۔ وہ پہلے ہی گھات میں جانے والے اپنے لشکر کے خاتمے پر برا فروختہ تھے۔ اور جب انفرادی مقابلے میں سیف الدین ابوبکر نے ان کے لاجواب اور نایاب تیغ زن کا کام تمام کر دیا، تب آرگش اور کولاک کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس موقع پر کولاک بولا اور آرگش کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اس سے پہلے گھات میں جانے والے ہمارے لشکر کی تباہی اور اب سمسون کے مقابلے میں ہارنے کی وجہ سے ہمارے لشکر کے حوصلے یقیناً مزید پست ہوں گے۔ لہذا ہمیں فوراً مسلمانوں پر حملہ کر دینا چاہئے۔“

آرگش نے اس سے اتفاق کیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان کے لشکر پر حملہ آور ہونے کے لئے اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا تھا۔

دوسری طرف سلطان کے علاوہ سارے لشکریوں نے بھی اپنی منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ جونہی آرگش اور کولاک کا لشکر، سلطان کے لشکر کے تیروں کی زد میں آ گیا، تب سلطان کے لشکر کی اگلی صف بالکل بیٹھ گئی۔ اس کی پیچھے والی صف گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور تیسری صف کھڑی رہی۔ اس کے بعد تینوں صفیں ایک دم حرکت میں آئیں اور انہوں نے موسلا دھار بارش کی طرح آرگش اور کولاک کے لشکر پر تیر اندازی شروع کر دی تھی۔ یہ تیر اندازی ایسی ہولناک اور تیز تھی کہ ہزاروں کی تعداد میں دشمن کے لشکر کی جھد گئے تھے اور مرنے والوں کے گھوڑے ادھر ادھر بھاگتے ہوئے مزید افراتفری کا عالم برپا کرنے لگے تھے۔

سلطان عز الدین اور سیف الدین یہی چاہتے تھے۔ لہذا اصلاح مشورہ کرنے کے بعد

ہینے والے طوفانوں، تاریک ادھوے صفحات پر شکست کی تلخیاں بڑھاتی آندھیوں کی لرح کیا تھا جبکہ اس کے آگے آگے بھاگنے والے آرگش اور کولاک اور ان کے لشکریوں کی مالت لہو لہو شام میں شہر کے مسافروں کی سی تھی۔ کوئی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا، بس بھاگ مارا جا رہی تھی۔ ہر کوئی اپنی جان بچا کر تعاقب کرنے والے مسلمانوں کے لشکر سے بہت دور چلا جانا چاہتا تھا۔

یہ تعاقب لگ بھگ دس میل تک جاری رہا۔ اس دوران سلطان عزالدین، سیف الدین اور دوسرے سالاروں نے دشمن کے لشکر کی تعداد مزید کم کر دی تھی۔ دس میل کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ اب وہ ایک جگہ قیام کر کے زین الدین بشارہ اور نجم الدین ہرام کا انتظار کرنے لگے تھے۔

جب زین الدین بشارہ اور نجم الدین ہرام اپنے اور دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ تب سلطان نے اپنے سالاروں کے ساتھ ساری چیزوں کا جائزہ لیا۔ ان کے پڑاؤ سے جو چیزیں ملی تھیں، وہ زیادہ تر لشکریوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ بیت المال کا حصہ محفوظ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے وہاں پڑاؤ کر لیا تاکہ اپنے لشکریوں کو وہاں سنانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔

دوسری طرف جنوبی اور مغربی اناطولیہ کے علاقوں کا حکمران لشکری ایک روز یونانی سالاروں کے ساتھ برصہ شہر کے مستقر میں نئے بھرتی ہونے والے لشکریوں کی تربیت کا اجازہ لے رہا تھا کہ کچھ مجبور وہاں پہنچے۔ ان مجبور کو دیکھ کر لشکری چونکا بلکہ ٹھٹکا تھا۔ ان کی طرف متوجہ ہوا۔ یونانی سالار بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب وہ مجبور کے قریب گیا تو بڑی سنجیدگی اور حیرت کے انداز میں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر تم میرے لئے کوئی خبر لے کر آئے ہو تو یہ خبر کس سمت کی ہے؟“

اس پر آنے والے ان مجبوروں میں سے ایک بولا اور لشکری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہم اپنے سپہ سالار آرگش کی طرف سے آئے ہیں اور اچھی نہیں، بری خبر لے کر آئے ہیں۔“

یہ الفاظ سن کر لشکری ہی نہیں، یونانی سپہ سالار بھی چونکے تھے۔ چنانچہ اپنے آپ کو منہالتے ہوئے لشکری انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سلطان نے اپنے لشکر کو کسی جنگل کی رات کی سی خاموشی، صحرا کی شام، کھوکھلے تن کے چپ کے کھرام میں ایک انوکھے عجوبے سے ایک قیامت خیزی کھڑی کر دینے والے انداز میں اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ پھر سلطان دشمن کے لشکر پر دکھ کے زاپٹوں میں موت کے پیچھے دوڑنے والے نقیبوں، فکر کے سفینوں، درہم برہم کرتی دہکتی موجوں کے تندرلیوں، رگ رگ میں تلاطم برپا کرتی جذبوں کی یلغار اور مٹی کے لمس، پانی کے ذائقے، ستوں اور رفتار میں فرق ڈال دینے والی نفرتوں کے سلگتے سپنوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح ازلی اور ابد کے درمیان دونوں طرف کے لشکر پھرے کالے سمندر، بے انت کڑوی داستانوں کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔ ہر ایک کے بت خانہ تخیل میں دہکتے دوزخ، لہو کی نغسگی کے رجز بھرنا شروع ہو گئے تھے۔ میدان جنگ کے اندر دہکتے دوزخ، لہو کی نغسگی، بد نصیبی کی راکھ اور تقدیر کے دکھ کے کانٹے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ رزم گاہ میں بدست قہر مائیاں غضب ناک ہو کر ریگستان، دوڑتے نالاں اور ماتم کرتی بیجان آفرینیوں اور زمین کی زرخیزی تمام کرتی تخریب کی توتیں ناچ اٹھی تھیں۔ آرگش اور اس کے نائب نے یہ منصوبہ بندی کر رکھی تھی کہ وہ اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے مسلمانوں کا گھیراؤ شروع کریں گے۔ لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ جونہی آرگش کے لشکر کے دائیں بائیں پہلوؤں کے حصوں نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کے گرد حصار قائم کرنے کی کوشش کی، سلطان عزالدین کے لشکر کے بائیں اور دائیں کناروں کے لشکری دشمن پر اس انداز میں حملہ آور ہوئے کہ انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ آخر آرگش اور اس کے نائب نے شکست قبول کی اور دونوں اپنے بچے کچھ لشکریوں کی جانیں بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس موقع پر سلطان نے زین الدین بشارہ اور نجم الدین ہرام کو لشکر کے ایک حصے کے ساتھ یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دشمن کے پڑاؤ کی ہر چیز کو سمیٹ کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں جبکہ سلطان نے سیف الدین اور دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کر آرگش اور کولاک اور ان کے لشکریوں کا تعاقب شروع کیا۔ سلطان اور اس کے سالاروں نے یہ تعاقب صحرائی پیاس کی طرح باگل کر دینے والی شدتوں ہاتیل کے خون سے لتھری زمین پر ہر اس صدیوں کی نفسیات، بکھرے خوابوں کے طمانچوں، ہولناک یادوں کے بادبانوں کے چیتھرے اڑا

بنائے یا مسلمانوں کے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی اور فتح مندی کو بتائے۔ لیکن ہماری بد قسمتی کہ جس روز مسلمانوں کے سلطان نے ہم سے ٹکرا تھا۔ اس پہلی رات جبکہ ہمارا وہ لشکر گھات میں جا چکا تھا، آدھی رات کے قریب مسلمانوں کا کوئی گھات پر بیٹھے ہمارے لشکر پر حملہ آور ہوا، ہمارے لشکر کی اکثریت کو اس نے موت کے ٹاٹا تار دیا اور بہت کم لشکری اپنی جانیں بچا کر آرگش کے پاس پہنچنے میں کامیاب نئے تھے۔ اس طرح جو لشکر گھات میں بٹھایا گیا تھا، نہ وہ کسی کارروائی میں حصہ لے سکا، ہمارے لئے سودمند ثابت ہوا۔ مسلمانوں نے آدھی رات کے وقت اس پر حملہ آور ہو کر یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا، تب لشکری اور یونانی سالار کچھ دیر تک دکھ بھرے انداز میں خاموش اور چپ رہے۔ یہاں تک کہ لشکری نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آنے والے ان مخبروں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

”یہ شب خون کس نے مارا تھا کیا تم جان پائے ہو؟“
اس پر مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”یہ شب خون مسلمانوں کے سلطان کے بڑے سالار سیف الدین ابوبکر اور اس کے نائب نجم الدین بہرام نے مارا تھا اور انہوں نے رات کے وقت ایسی شدت کے حملہ کیا کہ ہمارے لشکری اپنا دفاع نہ کر سکے۔ اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور ہمارے لشکر کے اندر گھس کر انہوں نے ہمارے لشکریوں کا قتل عام کیا۔“

ایک بار پھر لشکری دکھ بھرے انداز میں خاموش رہا، پھر تیز نگاہوں سے مخبروں کی دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”کیا مسلمانوں کا سالار سیف الدین ابوبکر ابھی تک زندہ ہے؟“

اس پر مخبر بولا اور کہنے لگا۔ ”جی وہ بالکل زندہ ہے۔“

اس پر حیرت زدہ سے انداز میں لشکری نے مخبر کو مخاطب کیا۔

”اور وہ جو انفرادی مقابلے کا اہتمام کیا گیا تھا، جس کے لئے سمسون نام کے تیغ زن کا کیا گیا تھا، اس کا کیا ہوا؟“

لہ بھرے انداز میں جواب دیتے ہوئے مخبر کہہ رہا تھا۔

وہ مقابلہ بھی ہم ہار گئے۔ سمسون بڑے تکبر، بڑے غرور اور تفاخر کے ساتھ انفرادی نے کے لئے میدان میں اُتر تھا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا نایاب اور لا جواب تیغ زن تھا اور ہمارے لشکری بھی کہتے تھے کہ اس جیسا تیغ زن ہمارے لشکر میں کوئی ہے ہی

”جو خبر بھی تم لے کر آئے ہو، کہو۔ میں اسے سننے کے لئے تیار ہوں۔“

اس پر ایک مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”اپنی سرحدوں پر جا کر آرگش اور کولاک نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ مسلمانوں کا سلطان بھی وہاں پہنچ گیا۔ آرگش نے اپنے لشکر کے پانچ حصے کئے تھے تاکہ مسلمانوں کے لشکر کو گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن ہماری بد قسمتی کہ مسلمانوں کے سلطان کے ہاتھوں ہمیں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اب آرگش اور کولاک دونوں شکست خوردہ لشکر کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ برصہ شہر کا رخ کئے ہوئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا، تب لشکری اور یونانی سالار کچھ دیر تک دکھ بھرے انداز میں خاموش اور چپ رہے۔ یہاں تک کہ لشکری نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آنے والے ان مخبروں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

”یہ شکست کیسے اور کیونکر ہوئی؟ جبکہ ہمارے لشکر کی تعداد مسلمانوں کے سلطان کے لشکر سے بہت زیادہ تھی۔“

مخبر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، کچھ سوچا، اس کے بعد وہ لشکری کی طرف دیکھ ہوئے کہہ رہا تھا۔

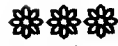
”آپ کا اندازہ درست ہے۔ جہاں تک ہم اندازہ لگا پائے ہیں، ہمارے لشکر تعداد مسلمانوں کے لشکر سے چھ گنا زیادہ تھی۔ اور حیرت انگیز بات یہ کہ اس کے باوجود ہم شکست کا سامنا کرنا پڑا اور مسلمانوں نے ہمارے لشکر کو بے پناہ نقصان پہنچایا اور پڑاؤ میں کئی ماہ کی کھانے پینے کی چیزیں اور تھیں تھیں، وہ بھی سارے مسلمانوں کے ہاتھ گئے ہیں۔“

اس موقع پر لشکری نے کچھ سوچا، پھر ان مخبروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”میں نے آرگش سے ایک لشکر گھات میں بٹھانے کے لئے کہا تھا۔ کیا آرگش ایسا کیا تھا؟“

مخبر نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

”یقیناً آرگش نے ایک خاصا بڑا لشکر گھات میں بٹھایا تھا تاکہ جب مسلمانوں ساتھ ٹکراؤ شروع ہو تو گھات میں بیٹھا لشکر اچانک نکل کر یا تو مسلمانوں کے پڑاؤ

ضرب لگانے کے لئے مشرق کی طرف بڑھا تھا۔



بریزہ اور جوزین دونوں اپنے خیمے میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک غور سے بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے جوزین بولی اور کہنے لگی۔

”بریزہ! تم خوش قسمت ہو کہ تمہاری منگنی سیف الدین ابوبکر کے ساتھ ہوئی اور آنے والے دور میں وہ تمہاری زندگی کا ساتھی بننے والا ہے۔ بریزہ! سیف الدین ابوبکر وہ طوفان ہے جس کے سامنے بڑے بڑے سالار، بڑے بڑے سورما، بڑے بڑے جنگجو ریت کی دیوار کی طرح گرتے چلے گئے ہیں۔ دشمن کے اُن گنت سو رماؤں اور تیغ زنوں نے انفرادی مقابلے میں اُسے پکارا، اُسے لاکھ لاکھ لیکن ہر مقابلے میں فتح مند اور کامیاب وہی رہا۔ ہر ایک کو اس نے اپنے سامنے زیر کیا، رگید اور اپنی فتح مندی کا اعلان کیا۔ اس طرح بریزہ میری بہن! سیف الدین ابوبکر صرف تمہاری ہی نہیں بلکہ پورے لشکریوں کی پسندیدہ شخصیت ہے۔ اور سلطان نے اسے نہ صرف اپنا بھائی بنا رکھا ہے بلکہ سلطان ہر معاملہ میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور اس کی کارروائیوں اور اس کی کارگزاریوں پر فخر کرتے ہیں۔“

جوزین جب خاموش ہوئی، تب مسکراتے ہوئے بریزہ کہنے لگی۔

”جوزین میری بہن! تمہارا کہنا درست ہے۔ میں اپنے آپ کو انتہا درجہ کی خوش قسمت اور خوش بخت خیال کرتی ہوں کہ مجھے سیف الدین ابوبکر سے منسوب کیا گیا۔ ایسے سورما، ایسے مجاہد، ایسے مخلص جوان کم ملتے ہیں۔ جوزین میری بہن! اگر تم برانہ مانو تو میں ایک بات کہوں؟“

اس موقع پر جوزین نے جب تو بھرے انداز میں بریزہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

”تم میری چھوٹی بہن ہو۔ مجھ سے کچھ کہنے کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“

بریزہ مسکرائی اور کہنے لگی۔

”جوزین میری بہن! تم اسلام قبول کر چکی ہو۔ اب تمہارا رہنا سہنا، مرنا جینا قونیہ شہر میں ہی ہے۔ لہذا میں چاہوں گی، تم بھی کسی کو اپنی زندگی کے ساتھی کے طور پر چن لو۔ کسی کو اپنا ہم سفر بنا لو تاکہ اس کے ساتھ رہتے ہوئے تم اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکو اور اس کے

نہیں۔ اس نے مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر کا نام لے کر انفرادی مقابلے دعوت دی۔ جواب میں سیف الدین مقابلے پر اتر تھوڑی دیر دونوں میں مذبذب ہوئی۔ جم کے دوران مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر نے مسون کا قصہ پاک کر کے رکھ دیا۔ مخبر جب خاموش ہوا تب دوبارہ دکھ بھرے انداز میں لشکری ان کی طرف دیکھ ہوئے کہنے لگا۔

”اس وقت آرگش اور کولاک شکست خوردہ لشکر کے ساتھ کہاں ہیں؟ اور مسلمانوں سلطان کس جگہ ہے؟“

جواب میں مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”آرگش اور کولاک دونوں آج شام تک بچے کچھ لشکر کو لے کر برصہ پہنچ جائیں گے جبکہ ہمارے شکست خوردہ لشکر کا تعاقب کرنے کے بعد مسلمانوں کے سلطان نے ایک پڑاؤ کر رکھا ہے۔ شاید وہاں قیام کر کے وہ اپنے لشکریوں کو سستانے، آرام کرنے کے عزم و غم کی دیکھ بھال کرنا چاہتا ہے۔“

اس موقع پر لشکری جواب دیتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ یونانی سالار بول اٹھا کہنے لگا۔

”میرے خیال میں آرگش اور کولاک کو برصہ شہر میں داخل نہیں ہونا چاہئے تاکہ کے لوگ اپنی شکست کی خبر نہ سنیں۔ ہمیں تھوڑی دیر تک پورے لشکر کو لے کر برصہ سے کرنا چاہئے اور اس سمت بڑھنا چاہئے جہاں مسلمانوں کے سلطان نے قیام کر رکھا۔ راستے میں آرگش اور کولاک بھی ہم سے مل جائیں گے اور انہیں اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کے سلطان کی طرف بڑھیں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ ہمیں کیسے شکست دے دیں۔ اور وقت کی آنکھ یہ بھی دیکھے گی کہ ہم مسلمانوں کو کس طرح بدترین شکست دے کر کا تعاقب کر کے ان کے لشکر کی تعداد کو کم کرتے ہیں۔“

لشکری نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا شام سے پہلے پہلے ایک بہت بڑا لشکر۔ یونانی سالاروں کے ساتھ لشکری نکلا۔ وہ لشکر اس لشکر سے بھی کافی بڑا تھا جو آرگش کولاک لے کر گئے تھے۔ راستے میں ان کی ملاقات آرگش اور کولاک سے بھی ہو گئی انہیں اپنے ساتھ ملا کر لشکری ایک بہت بڑے اور جرار لشکر کے ساتھ سلطان عزالدین

ساتھ بیوی کی حیثیت سے کامیاب زندگی بسر کر سکو۔“

بریزہ کے ان الفاظ پر جوزین کے چہرے پر ہلکا سا مگر خوشگوار تبسم نمودار ہوا، اس کے بعد کہنے لگی۔

”بریزہ میری بہن! تمہارے کہنے سے پہلے ہی میں اس کام میں لگی ہوں۔ میں سارے سالاروں کا جائزہ لے رہی ہوں اور جو سالار خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مجھے پسند آیا، میں کسی روز چپکے سے اس پر اپنی محبت کا اظہار کر دوں گی اور پھر تمہاری طرح میں بھی ایک خوشگوار زندگی کی ابتدا کروں گی۔“

جوزین کے ان الفاظ پر بریزہ نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے جوزین کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”اس کا مطلب ہے تمہاری نگاہوں میں کوئی ایسا جوان ہے جسے تم اپنی محبت اور اپنی چاہت کا ہدف بنانا چاہتی ہو۔ اگر کوئی ایسا معاملہ ہے تو مجھ پر اس کے نام کا انکشاف کر دو۔ میں خود بھی اس سے بات کروں گی۔ اور پھر دیکھنا میں تم دونوں کو ملانے کے لئے کیا کچھ کرتی ہوں۔“

جوزین نے مسکراتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگی۔

”بریزہ میری بہن! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جس وقت میں کسی کی طرف مائل ہوئی، تم سے چھپاؤں گی نہیں۔ اس کا نام سب سے پہلے تم سے کہوں گی۔ اور اس وقت کہوں گی جب تمہیں بیچ میں آکر ہمیں ملانے کی زحمت نہیں کرنی پڑے گی۔ اس لئے کہ اس زحمت سے پہلے ہی ہم ایک دوسرے کی طرف مائل ہو چکے ہوں گے۔ اور وہ دن بریزہ! میری زندگی کا سب سے بڑی خوشی کا دن ہوگا۔“

جوزین جب خاموش ہوئی تو بریزہ اُس کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ خیمے کے دروازے میں سے اس نے دیکھا، اس کا باپ نکسار اور بھائی باز نیک عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے خیمے کی طرف جا رہے تھے۔ اس پر جوزین کو مخاطب کرتے ہوئے بریزہ کہنے لگی۔

”جوزین میری بہن! بابا اور بھائی، عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے خیمے کی طرف آ

ہیں۔ آؤ! بابا کی طرف چلتے ہیں۔ بابا ضرور ہمارے پاس بیٹھ کر سیف الدین ابو بکر

سے متعلق گفتگو کریں گے۔ اس لئے کہ بابا، سیف الدین کی کارگزاری سے اس بار بڑے خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ جوزین میری بہن! جس وقت امیر سیف الدین نے انفرادی مقابلہ جیتا تو بابا کی خوشی کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ اس لئے کہ سمسون نام کا وہ نوجوان جسے لشکری کے سالاروں نے انفرادی مقابلہ کے لئے اتارا تھا، اس کے متعلق لشکری کے دونوں سپہ سالاروں کے علاوہ سارے لشکریوں کا یہ خیال تھا کہ سمسون جیسا کوئی نایاب اور عمدہ تیغ زن ہے ہی نہیں۔ لہذا اس مقابلہ سے پہلے بابا بڑے فکرمند تھے کہ اس انفرادی مقابلے کا نہ جانے کیا انجام ہو۔ لیکن جب امیر سیف الدین نے یہ مقابلہ بھی بڑی آسانی سے جیت لیا تب بابا اور بھائی دونوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس کے بعد چونکہ امیر سیف الدین جنگ میں بری طرح مصروف رہے تھے۔ لہذا ہماری ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں نے انہیں دو مبارکبادیں دینی ہیں۔ ایک رات کے وقت دشمن کے لشکر پر شب خون مار کر کامیابی حاصل کرنے کی اور دوسری انفرادی مقابلہ جیتنے کی۔“

جوزین نے بریزہ کی اس گفتگو سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں اٹھ کر باہر نکلیں اور نکسار کے خیمے کی طرف ہوئی تھیں۔

نکسار اور باز نیک کے پیچھے ہی پیچھے بریزہ اور جوزین بھی خیمے میں داخل ہوئیں۔ بریزہ اور جوزین، سمس کے دائیں بائیں بیٹھ گئی تھیں۔ جب کہ ان تینوں کے سامنے نکسار و باز نیک بیٹھے تھے۔ گفتگو کا آغاز بریزہ کی ماں سمس نے کیا اور اپنے شوہر نکسار کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”کیا آپ کی ملاقات سیف الدین ابو بکر سے ہوئی؟ اگر ہوئی ہے تو اسے اپنے ساتھ لے کر آتے تاکہ انفرادی مقابلہ جیتنے پر ہم اسے مبارکباد دیے۔ جنگ کے بعد ہماری اس سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ میرے خیال میں نماز کے دوران آپ کی ملاقات تو ضرور ہوئی وگی۔“

سمس جب خاموش ہوئی، تب نکسار بولا اور کہنے لگا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے سمس! سیف الدین سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ نماز

عصر کے بعد میں اسے ملا بھی تھا۔ میں چاہتا تھا اسے اپنے ساتھ خیمے میں لے کر آؤں لیکن اُن دوران سلطان نے سیف الدین کو پکار کر اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ اس پر سیف

ہے۔ دیکھو میں چاہتا ہوں تمہاری اور بریزہ کی شادی کا اہتمام کیا جائے۔ اب اس شادی کے میرے سامنے دو پہلو ہیں۔ یا تو شادی پورے تزک و احتشام اور شان و شوکت کے ساتھ کی جائے یا پھر سادگی کے ساتھ اب تم یہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟“

بنغیر کی توقف کے سیف الدین ابوبکر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! بریزہ کے ساتھ میری منگنی ہو چکی ہے۔ منگنی بھی بالکل سادہ طریقہ سے ہوئی تھی۔ سلطان محترم! میں چاہوں گا، کسی شان و شوکت کا اہتمام نہ کیا جائے، بالکل سادگی کے ساتھ ہماری شادی کا اہتمام کیا جائے۔ اس میں میری خوشی اور میرا اطمینان ہوگا۔“

سیف الدین ابوبکر کا یہ جواب سن کر ہلکا سا تبسم سلطان کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔

”سیف الدین! میں تمہارے مزاج کو سمجھ چکا ہوں۔ مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی امید اور توقع تھی۔ اب میں نکسار اور اہل خانہ کو بلاتا ہوں۔ اس کے سامنے تمہاری موجودگی مایہ معاملہ پیش کرتا ہوں اور پھر جو وہ کہیں گے، اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔“

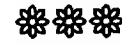
جواب میں سیف الدین کچھ کہنا چاہتا تھا کہ سلطان نے آواز دے کر اپنے چوب دار کو بلا، پھر اسے حکم دیا، نکسار اور اس کے اہل خانہ کو بلا کر لاؤ۔

چوب دار وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سلطان کے خیمے میں بریزہ، نکسار، سیمس، ابن اور باز نیک داخل ہوئے۔ سلطان نے جن نشستوں کی طرف اشارہ کیا، وہاں وہ گئے۔ آخر گفتگو کا آغاز سلطان نے کیا اور باری باری نکسار اور سیمس کی طرف دیکھتے گئے کہنے لگا۔

”نماز کے بعد میں سیف الدین ابوبکر کو اپنے ساتھ لے کر آ گیا تھا۔ میں نے اس دو موضوعات پر گفتگو کرنا تھی۔ ایک موضوع لشکر کے متعلق تھا جس کے متعلق فیصلہ ہو دوسرا موضوع سیف الدین کا ذاتی تھا۔ نکسار اور سیمس! تم دونوں میاں بیوی میرے بڑے محترم اور صاحب وقار ہو۔ اس موقع پر میں یہ بھی کہوں گا کہ تم دونوں نے اپنی ایٹنی بریزہ کی منگنی سیف الدین ابوبکر کے ساتھ کر کے ایک بڑا احسان کیا ہے۔“

سلطان کو یہاں تک کہتے کہتے رک جانا پڑا اس لئے کہ نکسار بول پڑا اور کہنے لگا۔

الدین، سلطان کے ساتھ ہولیا اور میں اور باز نیک دونوں باپ بیٹا خیمے میں آ گئے ہیں۔ میرے خیال میں کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔ اس لئے کہ سلطان نے بڑی رازداری میں صرف سیف الدین کو اپنے ساتھ لیا اور دھیمے لہجے میں اس نے کہا کہ سیف الدین! میرے ساتھ آؤ۔ اس پر سیف الدین چپ چاپ سلطان کے ساتھ ہولیا۔ اب دیکھیں سلطان کے ساتھ سیف الدین کی کس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے۔ میرے خیال میں سلطان سے ملنے کے بعد وہ ضرور ہمارے خیمے کا رخ کرے گا۔“



دوسری طرف سلطان عز الدین کی کاؤس، سیف الدین ابوبکر کے ساتھ اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ دونوں جب آمنے سامنے بیٹھ گئے تب گفتگو کا آغاز سلطان عز الدین نے کیا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین! میں نے بڑی رازداری سے تمہیں علیحدگی میں بلایا ہے اس لئے کہ میں دو موضوعات پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ایک موضوع تمہارا ذاتی ہے اور دوسرا عام ہے۔ پہلی بات یہ ہے، ہمارے مجبوروں کے سربراہ میخانیلو کے ساتھ حادثہ پیش آ گیا ہے۔“

میخانیلو کا نام سن کر سیف الدین چونکا تھا۔ فوراً بولا اور کہنے لگا۔

”میخانیلو کو کیا ہوا؟“

جواب میں دکھ بھرے انداز میں سلطان عز الدین بولا اور کہنے لگا۔

”تم جانتے ہو وہ ایک راہب کے بھیس میں دشمن کے علاقوں میں سرگرداں رہتا تھا۔ ایک راہب کے بھیس میں وہ بھیک مانگا کرتا تھا۔ جو کچھ ملتا تھا، مقامی لوگوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اس طرح لوگوں کے اندر اس نے اپنا ایک مجرورہ اور یقین جمایا ہوا تھا اور اسی مجرورہ کی بنیاد پر وہ دشمن کے علاقوں میں آسانی سے جاسوسی کر لیا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کچھ مجبر آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاڈلفیا شہر کے باہر میخانیلو کا حادثہ پیش آیا۔ فلاڈلفیا کے نواح میں ایک بستی ہے۔ وہاں کے جنگجوؤں کو خبر ہو گئی کہ یہ میخانیلو نہ عیسائی ہے نہ راہب ہے۔ یہ مسلمانوں کا جاسوس ہے۔ اس کی بنا پر انہوں نے میخانیلو کو قتل کر دیا۔ ہمیں جو جنگ درپیش ہے، اس کے بعد میخانیلو کے قاتلوں سے انتقام ضرور لیا جائے گا۔“

دوسرا موضوع جو تمہارے متعلق ہے، میرے بھائی! یہ موضوع میرے لئے بڑا اہم

میرے لئے آخری ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔“

بریزہ نے جب یہ الفاظ ادا کئے، جب مسکراتی آواز میں نکسار بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جب بریزہ سے آپ نے پوچھ ہی لیا اور اس نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا ہے تو میرے خیال میں ہمیں اب کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شادی انتہائی سادگی سے ہونی چاہئے۔“

اس پر سلطان بولا اور کہنے لگا۔

”تم سب لوگ یہیں بیٹھو۔ میں سارے سالاروں اور سرکردہ لوگوں کو بلاتا ہوں۔ قاضی کو بھی بلاتے ہیں۔ ان کے نکاح کا اہتمام کیا جائے گا، اس کے بعد لشکر کے اندر اعلان کر دیا جائے گا کہ سیف الدین ابوبکر اور بریزہ کی شادی کا اہتمام کر دیا گیا ہے اور بریزہ تم لوگوں کے خیمے سے سیف الدین ابوبکر کے خیمے میں اس کی بیوی کی حیثیت سے منتقل ہو جائے گی۔“

نکسار، سیمس، جوزین، باز نیک سب نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر سلطان نے اپنے چوب دار کو بھیج کر سب کو بلایا۔ جب سب لوگ وہاں جمع ہو گئے، لشکر کا قاضی بھی آ گیا، تب سیف الدین ابوبکر اور بریزہ کے نکاح کا اہتمام کر دیا گیا۔ ہنسی خوشی سب نے کھانا کھایا۔ اس کے بعد سلطان نے سب کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔

سلطان کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے کی طرف جاتے ہوئے سیمس، سیف الدین ابوبکر کے قریب ہوئی، پھر کہنے لگی۔

”بیٹے! پہلے ہمارے ساتھ ہمارے خیمے میں چلو۔ بریزہ کی شادی کے سلسلہ میں ہم نے اس کے کچھ کپڑوں کے ساتھ ساتھ تمہارے لباس بھی تیار کر کے رکھے ہیں۔ وہ ساری چیزیں پہلے تمہارے خیمے میں منتقل ہوں گی، اس کے بعد.....“

یہاں تک کہتے کہتے سیمس کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ مسکراتے ہوئے سیف الدین ابوبکر بول اٹھا تھا۔

”اماں! فلاڈلفیا شہر سے میں نے خود بھی بریزہ کے لئے کچھ قیمتی لباس خریدے تھے۔ میں نے کسی سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ دراصل یہ ساری چیزیں میں شادی کے موقع پر بریزہ کو دکھانا چاہتا تھا۔“

”سلطان محترم! یہ احسان ہماری طرف سے نہیں بلکہ یہ احسان تو سیف الدین ابوبکر کی طرف سے ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ اس رشتے کو قبول کیا۔ سلطان محترم! سیف الدین یقیناً ان جوانوں میں سے ہے جو غم کے منشور میں زندگی کی خوشبو، دل کے آنکھوں کی نوہ گری میں خوشیوں کی ردا پھیلا دیتے ہیں۔ ایسے ہی نو جوان وقت کے ہزار بن کر سربستہ لذت پرواز سے ہمکنار ہو جاتے ہیں۔ زمانے کی دُوریاں سمیٹ کر اپنے دشمنوں کی حریم ذات میں ایک ہلچل برپا کر دیتے ہیں۔ سلطان محترم! سیف الدین ابوبکر کی میں تعریف اس لئے نہیں کر رہا کہ یہ اب میری بیٹی کا شوہر اور میرا بیٹا ہے بلکہ ہمہ صفت ہے۔ اور اب یہ وقت کی تمنائوں میں ہمارے لئے درد کا درماں اور دل کا قرار بھی ہے۔“

جس وقت نکسار یہ الفاظ ادا کر رہا تھا، سیف الدین ابوبکر کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ جبکہ حسین اور خوبصورت بریزہ بڑے فخریہ انداز میں اپنے باپ نکسار کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ سلطان نے پھر گفتگو کا آغاز کیا اور کہنے لگا۔

”میں چاہتا ہوں، سیف الدین اور بریزہ کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔ تم سب کی آمد سے پہلے میں نے اسی مقصد کے لئے سیف الدین ابوبکر کو اپنے خیمے میں بلایا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہاری شادی شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ ہونی چاہئے یا سادگی سے؟ اس نے بڑے انکسار اور عاجزی سے کہا کہ میری شادی بالکل سادگی سے ہونی چاہئے۔ اب یہ معاملہ میں تم لوگوں پر چھوڑتا ہوں۔ جہاں تک جوزین کا تعلق ہے، اب بھی اب ہمارے ہاں کی ایک فرد ہے۔ لہذا اس گفتگو میں اسے بھی حصہ لینا چاہئے۔ اب تم چاروں صلاح مشورہ کر کے بتاؤ کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ اور تم چاروں میں زیادہ اہمیت بریزہ کی تجویز کو دی جائے گی۔“

پھر سلطان کو کوئی خیال گزرا، ایک گہری نگاہ بریزہ پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”بریزہ میری بیٹی! جب تک تمہارے ماں باپ، بھائی اور جوزین آپس میں صلاح مشورہ کرتے ہیں، تم اپنی مرضی کا اظہار کرو، تم کیا چاہتی ہو۔ میری نگاہوں میں تمہارا حیثیت بیٹی کی سی ہے۔ میری بیٹی! شرمنا نہیں، کھل کر کہو تم کیا چاہتی ہو؟“

جواب میں بریزہ کی نگاہیں جھک گئیں۔ پھر وہ دھیمے سے لہجے میں کہنے لگی۔

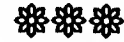
”سلطان محترم! میں نے کچھ نہیں کہنا۔ امیر سیف الدین ابوبکر نے جو کچھ کہا ہے.....“

سیف الدین کے ان الفاظ پر بریزہ چونکی تھی اور بڑے خوش کن انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

پھر سب نکسار کے خیمے میں داخل ہوئے۔ سیس اور بریزہ نے مل کر کپڑے نکالے جس میں بریزہ کے علاوہ سیف الدین ابوبکر کے کپڑے بھی تھے۔ پھر وہ سارا سامان لے کر سیف الدین ابوبکر کے خیمے میں آئے، وہاں سب بیٹھ گئے اور سیس، بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”بیٹی! تم ہماری موجودگی میں اپنے اور سیف الدین کے کپڑے سنبھالو۔ پھر ہم اپنے خیمے کی طرف جائیں گے۔“

بریزہ اٹھی، اپنے اور سیف الدین کے لباس اس نے سنبھال لئے۔ اس کے بعد نکسار، سیس، جوزین اور باز نیک چاروں سیف الدین ابوبکر کے خیمہ سے نکل گئے تھے۔



لشکری کو بڑا دکھ، غصہ اور غضب تھا کہ اس کے سپہ سالار آرگش اور نائب سپہ سالار کولاک کو اتنے بڑے لشکر کے ساتھ بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ وہ یونانی لشکر کے ہمراہ سلطان کی طرف بڑھا۔ راستے میں بچے کھچے فکر کے ساتھ آرگش اور کولاک بھی ان سے آن ملے تھے۔

سلطان عزالدین کو اس کے خیر، لشکری کی نقل و حرکت کے متعلق پوری طرح آگاہ کر رہے تھے۔ لہذا لشکری سے ٹکرانے کے لئے سلطان اور اس کے سالار بھی پوری طرح تیار و مستعد ہو چکے تھے۔

لشکری نے ایک ایسے لشکر کے ساتھ جس کی گنتی نہ کی جاسکتی تھی، سلطان کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کیا تھا۔ سلطان نے اس کے آتے ہی اس پر حملہ نہیں کیا بلکہ سلطان نے اپنے لشکر کو چوکس کر دیا تھا اور لشکری کو مہلت دی تھی کہ وہ جب چاہے جنگ کی ابتدا کرے تاکہ نلست کی صورت میں کل کو وہ یہ نہ کہے کہ مسلمانوں کے سلطان نے اس کی تھکاوٹ سے مدد اٹھاتے ہوئے آتے ہی اس پر حملہ کر کے شکست سے دوچار کیا تھا۔

جس روز لشکری نے اپنے جہاز لشکر کے ساتھ سلطان کے لشکر کے سامنے پڑاؤ کیا تھا، ی روز سیف الدین ابوبکر اور اس کے ساتھی سالار، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان نے سب کو اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا تھا، پھر گفتگو کا آغاز سلطان ہی نے کیا۔

یہ الدین کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم سب کا یوں میرے پاس آنا کسی وجہ اور علت کے بغیر نہیں ہے۔ کہو، کیا معاملہ ہے؟“

اس پر سیف الدین، سلطان عز الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جنگ کے متعلق ہم نے ایک منصوبہ بندی تیار کی ہے۔ اسے ہم آپ کے سامنے پیش کر کے اس کی منظوری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ دشمن کے لشکر کا جائزہ آپ بھی لے چکے ہیں اور ہم سب بھی دشمن کے لشکر کو دیکھ چکے ہیں۔ اس سے پہلے ہر لشکر آرکس اور اس کا نائب سالار کولاک لے کر آئے تھے، موجودہ لشکر سے بھی کہیں بڑا ہے۔ لہذا لشکری کے اس جراتور لشکر کے ساتھ ہمیں کسی طریقہ اور کسی جتن، کسی منصوبہ بندی کے ساتھ ٹکرانا ہوگا اور اسے ہر صورت میں شکست دینا ہوگی۔“

سلطان عز الدین خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”تم سب نے مل کر اگر کوئی جنگ کی منصوبہ بندی بنائی ہے تو کہو۔ اور مجھے امید ہے کہ جو بھی تجویز تم نے مرتب کی ہوگی، وہ ہماری کامیابی اور فتح مندی کا باعث بنے گی۔ اب کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

سلطان کے اس استفسار پر سیف الدین ابو بکر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری، پھر وہ سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”سلطان محترم! دشمن کو اپنے سامنے نچا دکھانے اور اپنی کامیابی اور فتح مندی کو یقینی بنانے کے لئے ہم دو کام کریں گے۔ پہلا یہ کہ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرانے کے لئے مستعد ہو جائیں گے، میں میدان میں اُتر دوں گا اور لشکری کا نام لے کر اسے انفرادی مقابلے کے لئے لٹکاروں گا۔ اگر لشکری مقابلے کے لئے نکلتا ہے تو مجھے اُمید ہے کہ میں اسے کاٹ کے رکھ دوں گا۔ اور جب لشکری کا خاتمہ ہو جائے گا تو دشمن کے لشکر کے اندر ایک بددلی اور شکستگی کے آثار نمودار ہوں گے اور ان پر قابو پانا اور ان پر فتح حاصل کرنا ہمارے لئے آسان ہو جائے گا۔

اور اگر لشکری انفرادی مقابلے کے لئے نہیں نکلتا تو یونانیوں کا جو لشکر اس کی مدد کے لئے آیا ہوا ہے، اس کے سپہ سالار کا نام ہم نے جان لیا ہے۔ اس کا نام ہرمان ہے۔ لشکری کے انفرادی مقابلے پر نہ نکلنے کے بعد میں ہرمان کا نام لے کر اس سے انفرادی مقابلے کے لئے لٹکاروں گا۔ اگر وہ بھی نکل آیا تو مجھے امید ہے، اس پر بھی میں حاوی ہوں گا۔ جب اس کا خاتمہ میدان جنگ میں ہو جائے گا، تب بھی یونانی جی چھوڑ بیٹھیں گے۔ اس طرح لشکری

کے لشکر کے اندر ہمارا خوف اور رعب پیدا ہوگا۔ جس کا فائدہ ہمیں ہوگا۔ اور اگر لشکری اور ہرمان دونوں ہی انفرادی مقابلے کے لئے نہیں نکلتے، تب بھی سلطان محترم! ان کے نہ نکلنے سے ان کے لشکر پر منفی اثرات مرتب ہوں گے اور لشکری یہ سوچیں گے کہ یہ حکمران اور سالار صرف انہیں ہی میدان جنگ میں جھونک کر رزم گاہ کا ایندھن بنانا چاہتے ہیں۔ اور جب انفرادی مقابلے کے لئے کوئی نہیں نکلے گا تو میں واپس آ جاؤں گا۔

سلطان محترم! ہماری طرف سے یہ ایک کامیابی حاصل کرنے کی پہلی کوشش ہے دوسری کوشش اپنے لشکر کی تقسیم ہوگی۔ سلطان محترم! لشکر چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ وسطی حصے میں حسب سابق آپ رہیں گے۔ نجم الدین بہرام آپ کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔ دائیں پہلو کی کمان داری حسام الدین یوسف کے پاس اور بائیں پہلو کی کمان داری مبارز الدین چاولی کے پاس ہوگی۔ یہ دونوں دشمن سے نمٹنے، اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ ہر جارحیت پر اُترنے کا فن جانتے ہیں۔

چوتھا لشکر سلطان محترم! میرے پاس ہوگا اور میرے ساتھ زین الدین بشارہ کام کرے گا۔ میں اور زین الدین بشارہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ پڑاؤ میں قیام کریں گے۔ دشمن جب آپ سے ٹکرائے گا تو اس وقت جو لشکر میری کمان داری میں ہوگا، وہ دو حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا حصہ زین الدین بشارہ کے پاس ہوگا۔ اپنے لشکر کے پیچھے رہتے ہوئے ہم دائیں بائیں سے ہو کر دشمن کے پہلو پر جائیں گے اور ان کے پہلو پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ جب ہم یہ کارروائی کر رہے ہوں گے، سامنے کی طرف سے آپ، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی بھی اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دیں گے۔ اور اس طرح مجھے امید ہے کہ لشکری کے ساتھ ہم یونانی جنگجوؤں کو بھی بدترین شکست دے کر اپنی کامیابی اور اپنی کامرانی کا درکھولنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

سلطان عز الدین کی کاؤس نے اس جنگی تدبیر اور منصوبہ بندی کو پسند کیا تھا۔ لہذا اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ عین اسی موقع پر سلطان عز الدین کا چوہدرار آیا اور سلطان کو اطہب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! قبرص سے دو قاصد آئے ہیں۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اپنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ ہم ان سے جان سکے ہیں، اس کے مطابق وہ اناطولیہ کے سابق

قاصد جب خاموش ہوا، تب سلطان بولا اور کہنے لگا۔
 ”جس وقت تم دونوں کے آنے کی اطلاع دی گئی تھی، اس وقت ہی میں چونکا تھا اور
 جان گیا تھا کہ تم ضرور بارگن کی طرف سے جوزین کی واپسی کا مطالبہ لے کر آئے ہو گے۔
 دیکھو میرے عزیزو! جوزین ہماری بیٹی کی طرح ہے۔ ہم نے اسے زبردستی اپنے پاس نہیں
 روک رکھا۔ اس لئے میں نے تمہاری آمد سے پہلے اسے اپنے خیمے میں بلا لیا ہے۔ ابھی یہ
 تمہارے سامنے بیٹھی ہے۔ میری طرف سے اسے اجازت ہے کہ تم لوگوں کے سوالوں کا
 جو چاہے جواب دے۔ جو یہ جواب دے گی، وہی آخری ہو گا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں
 ہوگی۔“

اس موقع پر جوزین نے ایک گہری نگاہ سلطان پر ڈالی، پھر اس کی نگاہیں آنے والے
 دونوں قاصدوں پر جم گئیں۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی۔

”میں وہی جوزین ہوں جس نے اناطولیہ میں پرورش پائی اور جس کے باپ کا نام
 بارگن ہے۔ قبرص سے آنے والو! میں اب وہ جوزین نہیں رہی۔ میں بارگن کی بیٹی ضرور
 ہوں، باپ کے رشتے سے انکار نہیں کرتی۔ لیکن میری اور ان کی راہیں جدا ہیں۔ میں اسلام
 قبول کر چکی ہوں، مسلمان ہوں۔ لہذا میری اصل جائے پناہ، میری اصل رہائش اور میری
 مل سکونت وہی ہے، جہاں میں اس وقت رہ رہی ہوں۔ قبرص میں رشتے ضرور ہیں لیکن
 ن رشتوں کے ساتھ میرا اب کوئی رابطہ اور تعلق نہیں۔ اس لئے کہ ان کے اور میرے
 رمیان مذہب کی کڑی دیوار حائل ہے، جسے میں پار نہیں کر سکتی۔ لہذا میں تم دونوں کے
 ساتھ واپس قبرص نہیں جاسکتی۔ میں مسلمان ہوں۔ میرا مرنا جینا مسلمانوں کے ساتھ
 ہے۔ واپس جا کر میرے باپ بارگن سے کہنا، اس کا شکریہ اس نے تم دونوں کو مجھے لانے
 کے لئے بھیجا۔ لیکن میں جاؤں گی نہیں۔ اس لئے کہ اب قبرص سے میرا کوئی تعلق اور واسطہ
 بس ہے۔“

جوزین سے وہ دونوں قاصد ایسے جواب کی اُمید نہیں رکھتے تھے لہذا وہ مایوس اور
 ردہ ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ جوزین پھر بولی اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
 ”میں نے تم دونوں سے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکی۔ اب میرے پاس مزید کہنے کے لئے
 نہیں ہے۔“

حکمران بارگن کی طرف سے آئے ہیں۔“
 سلطان نے کچھ سوچا، پھر سارے سالاروں کو جا کر اس نے آرام کرنے کا کہا۔ جس
 وقت سارے سالار اٹھ رہے تھے، سلطان نے غور سے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھا،
 پھر کہنے لگا۔
 ”سیف الدین میرے بھائی! تم بیٹھو۔ میں سمجھتا ہوں، بارگن نے جو قاصد بھیجے ہیں،
 یقیناً اپنی بیٹی جوزین کے لئے بھیجے ہیں۔ اس گفتگو کے دوران تمہارا موجود رہنا ضروری
 ہے۔“ اس کے ساتھ ہی سلطان نے اپنے چوب دار کی طرف دیکھا، اسے مخاطب کر کے
 کہنے لگا۔

”کسار، اس کی بیوی سمس، جوزین، کسار کے بیٹے، کسار کی بیٹی اور سیف الدین کی
 بیوی بریزہ سب کو بلا کر یہاں لاؤ۔“

چوب دار وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ قاصد جن کی تعداد دو تھی، وہ مسلح جوانوں کی نگرانی
 میں باہر ہی کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ خیمے میں کسار، سمس، بریزہ، جوزین اور باز نیک
 داخل ہوئے۔ بریزہ آگے بڑھ کر سیف الدین ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی جب کہ باقی
 سب لوگ سامنے ہو بیٹھے تھے۔ اس کے بعد سلطان نے اپنے چوب دار کو حکم دیا کہ قبرص
 سے آنے والے قاصدوں کو پیش کیا جائے۔

چنانچہ دونوں قاصد خیمے میں داخل ہوئے۔ مسلح جوان ان کے ساتھ تھے۔ ہاتھ کے
 اشارے سے سلطان نے انہیں اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ بیٹھ گئے، تب
 سلطان نے انہیں مخاطب کیا۔

”کہو، بارگن نے تمہیں کس سلسلے میں ہماری طرف بھیجا ہے؟“
 ان دونوں قاصدوں نے اس موقع پر ایک گہری نگاہ سامنے بیٹھی حسین اور خوبصورت
 جوزین پر ڈالی، پھر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے سلطان! ہمارے حکمران بارگن نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ
 اُن کی بیٹی جوزین کو واپس کر دیں۔ بارگن کو پتہ چلا تھا کہ اس کی بیٹی آپ کی حفاظت میں
 ہے اور آپ لوگوں نے اس کی حفاظت خوب کی ہے۔ بارگن کی التماس ہے کہ اس کی بیٹی
 واپس کر دیا جائے۔“

بڑے بڑے جوش انداز میں ان کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھے۔
 دونوں لشکروں نے جب اپنی صفیں درست کر لیں، تب سیف الدین ابوبکر اپنے لشکر کے اندر سے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا باہر نکلا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کبھی دشمن کے سورا اور تیغ زن، میدان میں نکل کر اسے انفرادی مقابلہ کے لئے للکارا کرتے تھے۔ اور اس روز سیف الدین ابوبکر نکلا تھا تا کہ دشمن کو انفرادی مقابلہ کی دعوت دے۔ چنانچہ دونوں لشکروں کے بیچ میں پہنچ کر سیف الدین ابوبکر نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ گھوڑا چونکہ سر پٹ دوڑتا ہوا آیا تھا، لہذا جب اس کی باگیں کھینچی گئیں تو وہ اپنی دونوں اگلی ٹانگیں فضا میں بلند کرتا ہوا فضا میں لف ہوا اور زور زور سے ہنہانے لگا تھا۔ پھر جب گھوڑے نے اپنی ٹانگیں زمین پر لگائیں تب لشکری کا نام لے کر سیف الدین ابوبکر نے انفرادی مقابلہ کی دعوت دی تھی۔
 جب لشکری نہ نکلا، تب سیف الدین ابوبکر پھر بولا اور بلند آواز میں دشمن کے لشکریوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
 ”میں سلطان عز الدین کی کاؤس کے لشکر کا سپہ سالار سیف الدین ابوبکر ہوں۔ اس سے پہلے تمہارے سورا مجھے انفرادی مقابلہ کی دعوت دیتے رہے، آج میں ایسا کر رہا ہوں۔ ٹکری اگر بزدل ہے، میرا مقابلہ نہیں کر سکتا تو پھر میں یونانی سالار ہرمان کو انفرادی مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ لشکری کی طرح ہرمان بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔“
 سیف الدین کے اس طرح پکارنے کے باوجود نہ لشکری میدان میں اُترا اور نہ ہی انی سپہ سالار ہرمان انفرادی مقابلہ کے لئے اپنے لشکر سے باہر آیا۔ سیف الدین ابوبکر کچھ دیر تک وہیں کھڑا ہو کر انتظار کرتا رہا کہ شاید کوئی نکلے۔ جب انفرادی مقابلہ کے لئے آئی بھی نہ نکلا، تب وہ مڑا، اپنے لشکر میں آیا اور صفوں کے پچھوں بیچ ہوتا ہوا وہ اپنے لشکر کے پیچھے جس لشکر کی وہ کمان داری کر رہا تھا، اس میں چلا گیا تھا۔
 سیف الدین ابوبکر نے جب باری باری لشکری اور ہرمان کو انفرادی مقابلہ کے لئے رار اور اس للکار کے جواب میں نہ لشکری نکلا اور نہ ہی ہرمان، تب کچھ دیر کے لئے لشکری، متحدہ لشکر میں ایک کاٹ کھانے والی خاموشی اور ایک بیزار سا سکوت طاری رہا۔ چنانچہ سکوت کو توڑنے کے لئے لشکری اور ہرمان دونوں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ

جوزین جب خاموش ہوئی، تب سلطان ان دونوں قاصدوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
 ”کیا تم دونوں، جوزین کے اس جواب سے مطمئن ہو؟ ہم نے اسے زبردستی نہیں روکا ہوا۔ میری موجودگی میں تم اس سے پوچھ سکتے ہو نہ ہم نے اسے لوبھ دیا ہے، نہ کوئی لالچ دیا ہے۔ اپنی مرضی سے اس نے اسلام قبول کیا اور اپنی ہی رضامندی سے اس نے ہمارے اندر ہماری بیٹی کی حیثیت سے رہنا پسند کیا۔“
 دونوں قاصدوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے گردنیں ہلائیں پھر سلطان کہنے لگا۔
 ”آج کی رات ہمارے ہاں مہمان کی حیثیت سے رہو اور کل واپس چلے جانا۔ اور جو پیغام جوزین نے دیا ہے، وہی جا کے بارگن سے کہہ دینا۔“ اس کے ساتھ ہی سلطان کے حکم پر اس کا چوب دار ان دونوں قاصدوں کو مسلح جوانوں کے ساتھ وہاں سے لے گیا تھا۔
 سلطان سے سب اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیف الدین ابوبکر اور بریزہ دونوں میاں بیوی جب اپنے خیمہ کے پاس گئے تو مغرب کی اذان پڑاؤ میں سنائی دی تھی۔ اس پر بریزہ بولی اور سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
 ”آپ نماز پڑھ کر آئیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔ دیر نہ لگائیے گا۔“
 پھر بریزہ نے اپنی ماں سمس اور جوزین کی طرف دیکھا اور ان دونوں سے کہنے لگی۔
 ”آپ دونوں بھی میرے خیمے میں آجائیں۔ جب بابا اور بھائی آجائیں گے تو امیر کے ساتھ سب مل کر، اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔“
 جوزین اور سمس نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہذا جوزین اور سمس کو لے کر بریزہ اپنے خیمے میں داخل ہوئی جبکہ سیف الدین، کھسار اور باز نیک مغرب کی نماز ادا کرنے کے لئے چل دیئے تھے۔



تین دن بعد دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے۔ دونوں طرف کے لشکری اپنی جرات مندی، دلیری اور شجاعت کا اظہار کرنے کے لئے زور زور سے نعرے بلند کر رہے تھے۔ گو لشکری کے متحدہ لشکر کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس کے باوجود مسلمان مجاہد

رفقاری کے ساتھ سیف الدین ابوبکر نکلا اور وہ دشمن کے ایک پہلو پر انا کا ہر جادو، خود فریبی کا ہر نشہ، ضبط کی ہر حد کو توڑ دینے والے قدرت کے قہری جذبات کی آشفتگی، احساسات کی ہر مہک، اسرار و رموز کے ہر کشف کو اپنے پاؤں تلے روند کر روجوں کی توانائی تک کو وقت کی غضب ناک انگڑائی میں ڈبو دینے والے قضا کے جھرنوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

سیف الدین ابوبکر کا یہ حملہ بڑا ہولناک، جان لیوا اور شدید تھا اور اپنے پہلے ہی حملے میں اس نے دشمن کے لشکر کی کمی صغوں کو چھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور اب وہ دشمن کے لشکر کے ایک طرف سے اندر گھسنا شروع ہو گیا تھا۔ عین اسی وقت دوسری سمت بھی ایسا ہی سماں برپا ہوا۔ اس لئے کہ دشمن کے دوسرے پہلو پر زین الدین بشارہ بصارتوں میں دکھ، سماعتوں میں زہر، احساسات میں وحشتیں، خیالات میں اندیشوں کی ہولناکیاں، ارادوں کے حاصل میں پیاسے صحرا اور کاسہ دل میں اندیشوں کی ریت بھر دینے والے قہر مانیوں کے خوفناک دائروں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

اس طرح دونوں لشکروں کے ٹکرانے کے باعث چاروں طرف دوزخ مزاج لمحات، مجروح کرتی آہٹیں، لاچارگی کی لہریں، ٹھکرات کی سنسنائی اذیت بھری ساعتیں، زندگی کے کواڑوں کو شکستہ کرتے برہم مزاج شرار برق اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ میدان جنگ اور رزم گاہ کے اندر مایوسی کی گھٹائیں، جگر دوز چھینیں، نوحہ کرتا وقت، بین کرتی داستانیں، روتی حکایتیں، خون آلود روایتیں، قدیم مجروح کھائیں اور موت کی خبر دیتے پرانے قصے کہانیاں نص کرنے لگے تھے۔

جنگ طول پکڑنے لگی تھی، اس کا احساس سلطان عزالدین کیا کاس کو بھی ہونے لگا۔ چنانچہ اس حالت کو دیکھتے ہوئے سلطان نے اپنے مخصوص انداز میں چند بار تکبیریں ندکیں۔ ان تکبیروں کے جواب میں لشکر کے مختلف حصوں کے سالاروں نے بھی تکبیریں ندکیں۔ اس کے بعد پورے لشکر کے اندر تکبیروں کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور پھر ان تکبیروں کا ایک رد عمل ہوا۔ شاید سلطان کی طرف سے تکبیریں بلند کرنے کا خاص مقصد اور اس کا اپنے لشکریوں کے نام یہ پیغام تھا کہ اپنے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا کرنا چاہئے۔ چنانچہ ان تکبیروں کی صداؤں کے بعد مسلمان مجاہد اور لشکری، دشمن پر دکھ بھرے مت نادیدہ، راتوں کی قربتوں تک کا نشہ اتار دینے والے زہر بھرے قلمزموں، دھرتی کو

سلطان عزالدین کے لشکر پر کڑے سفر کی لکیروں پر زہریلی ہواؤں کے قافلوں، قضاے پُر آشوب میں فنا کی تختیاں لکھتی کرب کی نئی وارواتوں، صدیوں میں ٹھہرے سفر میں خیالات کی سرحدوں سے بھی آگے تک ہر شے کو کھنڈروں کی دلیلیز پر سجا کر جبر کو تشکیل دیتی مجروح آرزوؤں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سب سے پہلے سلطان عزالدین کیا کاس اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔ اس نے سب سے پہلے سوگاری کے ہجوم، گرہن کی سی کیفیت، تلخ اور دشوار انگیز بازگشت کے ساتھ گونجتے آبشاروں کے انداز میں تکبیریں بلند کیں، اس کے بعد سلطان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دشمن پر زندگی کی دائمی تلخیوں سے دوچار کرتی وقت کی رداں زہریلی لہروں، بدن کے لاشعوری خیالات تک کو ہلا مارنے والے تاریک فضاؤں کے قضا بھرے طوفانوں، گناہ کے پروردہ دلوں، کینہ، غصے اور انتقام کے جذبات تک کو روند دینے والے عناصر اور عمر کے جام بقا کو توڑ دینے والے گرم ہواؤں کے خونی بگولوں اور کشف حقائق کر دینے والی ہولناک صحرائی وحشت کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان عزالدین کے ساتھ ہی ساتھ حسام الدین یوسف بھی حرکت میں آیا اور دشمن کے لشکر پر تخیل کی ہر شے سے گریزاں کر دینے والی فنا کی طویل ساعتوں، گہری سیاہ راتوں میں زندگی کو خون میں نہلا دینے والے ہولناک بارودی سایوں اور سراپوں کو موجوں اور ساحلوں کو تلاطم میں تبدیل کر دینے والے جس کے قہر مان موسموں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

حسام الدین یوسف کے بعد بائیں جانب سے مبارز الدین چاولی نے بھی حرکت کی اور وہ بھی اپنے سامنے دشمن پر سیاہ راتوں کے طول میں بھوکی صحرائی وحشتوں، اندھیرے کی گھٹی پر چھائیوں میں وقت کے اکڑے اعصاب پر برق بن کر گرنے والے چیخنے چنگھاڑتے طوفانوں اور زندگی کے مدوجزر میں پیمان برپا کر دینے والے بے پناہ مصائب کے ہجوم لئے عناصر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

جونہی دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے، اپنے لشکر کی پشت پر سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ حرکت میں آئے۔ دونوں دائیں بائیں جانب بڑھتے ہوئے اپنے لشکر کی آخری حدود تک گئے۔ پھر سب سے پہلے اپنے لشکر کے ایک پہلو سے ہوتا ہوا بڑی تیزی اور برق

خلاف بھی حرکت میں آنا پڑے گا اور انہیں ہم اناطولیہ کے میدانوں میں سکون کے ساتھ حکومت نہیں کرنے دیں گے۔ اگر وہ ہمارے خلاف ہمارے دشمنوں سے ملتے ہیں، ہمارے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں تو پھر ہم بھی اناطولیہ کے میدانوں کے پاسان بن کر انہیں گے اور ان میدانوں میں ان کا جینا حرام کر دیں گے۔“

سلطان مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ کچھ چھوٹے سالار، جنگ کے دوران گرفتار ہونے والے دشمن کے سالاروں کو لے کر آئے۔ ان میں سرکردہ قسطنطنیہ کے لشکریوں کا سردار رہا تھا۔ جب ان سارے سالاروں کو سلطان کے سامنے کھڑا کر دیا گیا، تب سلطان کچھ یہ تک انہیں غور سے دیکھتا رہا، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم میں سے جس کا نام ہرمان ہے اور جو قسطنطنیہ کے لشکریوں کا سالار ہے، دو قدم گے آجائے۔“

اس پر ہرمان فوراً حرکت میں آیا اور دو قدم آگے بڑھ گیا۔ سلطان نے اسے مخاطب کیا۔ ”تم ایک بحری بیڑے میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر لشکری کی مدد کے لئے آئے۔ تم نے اپنا اور لشکر کا انجام دیکھ لیا۔ لشکری تو میدان جنگ میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ لیکن بھاگ کر جائے گا کہاں؟ ہم یہاں سے فارغ ہونے کے بعد برصہ کا رخ کریں گے اور دیکھیں گے کہ برصہ میں محصور ہو کر وہ کتنے دن ہماری راہ روکتا ہے اور جب ہمارے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا۔“

ہرمان نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا سلطان غصے کی حالت میں ہے تو وہ بولا اور کہنے

”مسلمانوں کے سلطان! میں آپ کے سامنے ایک معاملہ پیش کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں آپ کو یہ پیشکش کرتا ہوں کہ آپ اپنے سپہ رسیف الدین ابوبکر سے میرا بیٹے زنی کا مقابلہ کرا دیں۔ اگر تو میں سیف الدین سے ہا تو آپ میری گردن کٹوا دیں۔ اگر میں جیت گیا تو پھر آپ وعدہ کیجئے کہ آپ مجھے رہا کر دیں گے۔“

ہرمان کے ان الفاظ پر سلطان کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے تھے جبکہ ابھی کھڑے سیف الدین ابوبکر کا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر جا چکا تھا۔

جھلساتے انگاروں کے کھیل، بے منزل اور بے ہدف کرتی پرانی دھمکتی چوٹوں، تعاقب کرتے نا اُمید یوں کے سراپوں اور نفس میں شورش، ذہن میں سوزش بھر دینے والے قضا کے گرداب کی طرح ضربیں لگانے لگے تھے۔

مسلمان مجاہدوں کے ان تیز حملوں کو لشکری اور اس کے اتحادی برداشت نہ کر سکے، شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطان اور اس کے سالاروں نے پوری شدت اور سختی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا تھا۔ اس تعاقب کے دوران یونانی سپہ سالار ہرمان اور اس کے ساتھ کچھ دوسرے سالاروں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ آخر تعاقب ترک کر کے سلطان عز الدین لوٹا، پہلے دشمن کے پڑاؤ پر قبضہ کر کے ملنے والی اشیاء کی اکثریت لشکریوں میں تقسیم کر دی گئی۔ باقی سامان جو بیت المال کے لئے رکھا گیا تھا، ایک طرف کر دیا گیا۔

جب سلطان اس کام سے فارغ ہوا، تب سلطان نے حکم دیا کہ تعاقب کے دوران دشمن کے جو سالار گرفتار کئے گئے ہیں، انہیں پیش کیا جائے۔

جس وقت سلطان نے گرفتار ہونے والے سالاروں کو طلب کیا، اسی وقت سیف الدین ابوبکر، سلطان کے قریب ہوا اور سرگوشی کے انداز میں سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! تعاقب کے دوران ہم نے جن لوگوں کو گرفتار کیا، انہوں نے کچھ نئے انکشافات کا اظہار کیا ہے۔ لشکری کی مدد کے لئے صرف قسطنطنیہ کا لشکر ہی ان کا سالار ہرمان لے کر نہیں آیا تھا بلکہ اناطولیہ کے میدانوں میں لہرائیوں کی جو بڑی سلطنتیں ہیں، جن میں سے ایک کا نام سینوب اور دوسری کا نام طرابزون ہے، ان کے کچھ سالار بھی اپنے کچھ لشکریوں کے ساتھ ہمارے خلاف لشکری کے حق میں لڑنے کے لئے آئے تھے اور ان کے سالاروں کو بھی جنگ کے دوران گرفتار کیا گیا ہے۔ وہ بھی آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب سلطان عز الدین نے خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا۔

”اس کا مطلب ہے ہم نے ایک ساتھ کئی قوتوں کو بدترین شکست دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی کہوں سیف الدین میرے بھائی! کہ لشکری کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد ہمیں اناطولیہ کے میدانوں میں عیسائیوں کی دوسری حکومتوں یعنی سینوب اور طرابزون کے

جب ایسا ہو چکا تب سلطان نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے قریب بلایا۔ جب سب سلطان کے گرد زمین پر بیٹھ گئے، تب سلطان نے انہیں مخاطب کیا اور بولا۔

”ہم چند روز یہیں قیام کریں گے تاکہ زخیوں کی دیکھ بھال کی جائے۔ زخمی، سواری کے قابل ہو جائیں۔ ساتھ ہی سارے لشکریوں کو سستانے اور آرام کرنے کا موقع مل جائے۔ اس کے بعد لشکری سے نمٹنے کے لئے برصہ کا رخ کیا جائے گا اور لشکری کا خاتمہ کئے بغیر ہم لوٹیں گے نہیں۔ اس جنگ میں سینوب کے حکمران نکور کے لشکری بھی شامل تھے۔ بہر حال طرابزون کا کوئی لشکری اور سالار نہیں تھا۔ نکور نے اپنے مرکزی شہر سینوب سے اپنے لشکر کو بھیج کر ہمارے خلاف لشکری کی مدد کی ہے تو اب وہ بھی ہمارے حملوں سے بچ نہ پائے گا۔ لشکری سے نمٹنے کے بعد ہم اس کا بھی رخ کریں گے اور اسے انا طولیہ سے نکال باہر کریں گے یا اسے اپنے سامنے سرنگوں ہو کر اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کر دیں گے۔“

سلطان کی اس تجویز سے سارے سالاروں نے اتفاق کیا تھا۔ پھر سلطان کے ساتھ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے زخیوں کی دیکھ بھال کرنے لگے تھے۔



کافی دیر بعد سیف الدین ابوبکر اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ خیمے میں شاید بریزہ بڑی بے چینی اور بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی سیف الدین ابوبکر خیمے میں داخل ہوا، بریزہ نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے، اسے کھینچنے ہوئے یک نشست پر بٹھایا، پھر کہنے لگی۔

”آپ اتنی دیر سے آئے ہیں اور ابھی تک آپ ان خون آلود کپڑوں میں ہی گھومتے رہ رہے ہیں۔ جنگ کے بعد آپ کو پتہ تھا، آپ کی بیوی بڑی بے چینی سے آپ کی منتظر ہو لی۔ آپ کو ایک بار خیمے سے تو ہو کر جانا چاہئے تھا۔“

بریزہ کے ان الفاظ کے جواب میں سیف الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بریزہ! تمہارا کہنا درست ہے۔ لیکن جنگ کے بعد ہم سلطان کے ساتھ معروف ہی ہے۔ جنگ کے دوران دشمن کے جو سالار گرفتار ہوئے تھے، انہیں سلطان کے سامنے پیش کیا گیا، انہیں سزا دی گئی۔ اس کے بعد سلطان کے ساتھ مل کر ہم سب زخیوں کی دیکھ بھال

اس موقع پر سلطان نے ایک گہری نگاہ اپنے قریب کھڑے سیف الدین ابوبکر پر ڈالی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا ہاتھ، اپنی تلوار کے دستے پر لے جا چکا ہے، تب سلطان مسکرایا پھر اچانک اس کی کیفیت تبدیل ہو گئی تھی۔ چہرے پر غضب ناکیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ اس کے بعد وہ ہرمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تجھے اپنے سالار سیف الدین ابوبکر کے قدموں کی دھول کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ جس وقت سیف الدین انفرادی مقابلے کے لئے میدان میں اُترا تھا اور جنگ شروع ہونے سے پہلے اس نے باری باری لشکری کو اور تمہیں، تم دونوں کے نام لے کر انفرادی مقابلے کے لئے لکاراتھا، اس وقت نہ تم نکلے لشکری نے نکل کر انفرادی مقابلہ کرنا چاہا۔ اگر تم تیغ زنی کے اتنے ہی سورا، بہادر اور نایاب ہنرمند ہوتے تو جس وقت سیف الدین ابوبکر نے تمہارا نام لے کر تمہیں انفرادی مقابلے کے لئے لکاراتھا، اس وقت تم میدان میں کیوں نہ نکلے؟ اب یہ حربہ تم صرف اپنی جان بچانے کے لئے جوئے کے طور پر کھیلنا چاہتے ہو۔ لیکن مجھے یہ پیشکش منظور نہیں ہے۔ اب تم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔“

ہرمان چپ چاپ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے پھر کچھ سوچا، اس کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

”جو لوگ سینوب اور طرابزون کے حکمرانوں کی طرف سے لشکری کی مدد کے لئے آئے تھے، ان کے سالار دو قدم آگے نکل آئیں۔“

اس پر دو جوان، دو قدم آگے نکل آئے۔ سلطان نے ان کی طرف بھی غور سے دیکھا پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”لشکری کی مدد کے لئے تم لوگوں کو کس نے بھیجا تھا؟“

اس پر ان میں سے ایک بولا اور کہنے لگا۔

”ہم دونوں کو ہمارے حکمران نکور نے لشکری کی مدد کے لئے لشکر دے کر بھیجا تھا ہماری بد قسمتی کہ لشکری کا ساتھ دیتے ہوئے ہم سب شکست کھا گئے۔“

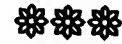
یہ الفاظ سن کر سلطان کچھ دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا، اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ گرفتار ہونے والے سارے سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ چنانچہ سب خاتمہ کر دیا گیا۔

کرتے رہے۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں سیدھا تمہارے پاس چلا آیا ہوں۔“
جواب میں بریزہ مسکرائی، اپنی جگہ سے اٹھی، سیف الدین ابوبکر کا بازو پکڑ کر اسے اٹھایا، پھر کہنے لگی۔

”آپ طہارت خانے میں جاییے۔ میں نے وہاں آپ کا نیا لباس نکال کر رکھا ہوا ہے۔ انگو چھا بھی ہے۔ نہالیں۔ یہ لباس جو آپ نے پہن رکھا ہے، اس کو اتار کر باہر پھینکیں۔ میں اسے دھو کر لٹکا دوں گی۔“

سیف الدین ابوبکر ایک فرمانبردار بچے کی طرح حرکت میں آیا، طہارت خانے میں چلا گیا۔

وہ کپڑے تبدیل کر کے باہر نکلا تو بریزہ اس کا اتار جانے والا لباس دھو کر خیمے سے باہر رستی پر لٹکا چکی تھی۔ اس موقع پر بریزہ، سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر کے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ لشکر میں مغرب کی اذان ہوئی تھی۔ اس پر سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔
”بریزہ! تم بیٹھو۔ میں نماز پڑھ آؤں۔ اس کے بعد واپس آ کر اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔“
بریزہ نے مسکراتے ہوئے اس سے اتفاق کیا۔ پھر سیف الدین ابوبکر اپنے خیمے سے نکل آیا تھا۔



اپنے لشکر کو چند دن سستانے اور آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے بعد سلطان عز الدین گیاؤس نے پھر پیش قدمی شروع کی۔ یہاں تک کہ وہ لشکری کے شہر برصہ جا پہنچا۔ لشکری کو بھی سلطان کی آمد کا علم ہو چکا تھا، لہذا وہ شہر کے اندر محصور ہو گیا تھا۔ سلطان نے شہر کے مشرقی حصے میں پڑاؤ کیا۔ ایک دن آرام کرنے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ فسیل کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا فسیل کے اوپر گھڑ سوار اپنے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے دیکھ بھال اور نگہبانی کا فرض ادا کر رہے تھے۔ اس سے سلطان نے اندازہ لگایا کہ شہر کی فسیل کافی چوڑی، مضبوط اور مستحکم ہے لہذا اسے توڑ کر شہر میں داخل ہونا جان جو کموں کا کام ہوگا۔

ان سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سلطان نے اپنے پڑاؤ میں اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ چنانچہ سارے سالار جب سلطان کے خیمے میں جمع ہو گئے، تب سلطان نے ان کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”فسیل کا جائزہ میں بھی لے چکا ہوں اور تم بھی فسیل کی مضبوطی اور اس کی چوڑائی کا اندازہ لگا چکے ہو۔ ہمارے پاس تحقیقیں نہیں ہیں۔ نہ ہی دوسرا قلعہ ممکن سامان ہے۔ اس بنا پر اب تم یہ سوچو کہ برصہ کی فسیل توڑ کر کس طرح شہر کے اندر داخل ہو جائے؟

سلطان عز الدین کے اس استفسار پر سارے سالار آپس میں صلاح مشورہ کرتے رہے۔ کھسر پھسر ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ سیف الدین ابوبکر، سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! برصہ کو فتح کرنے کے لئے ہم سب نے مل کر ایک تجویز بنائی ہے اور

لشکریوں کو اوپر چڑھایا جائے تو یقیناً شہر کو فتح کیا جاسکتا ہے۔ پر میرے بھائی! یہ بتاؤ کہ ان برجوں کے لئے لکڑی کہاں سے آئے گی؟“

سیف الدین نے اس موقع پر غور سے سلطان کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔
”سلطان محترم! اس سلسلے میں فکر مندی کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے دیکھا، رومنوں کا وہ بحری بیڑہ جو لشکری کی مدد کے لئے آیا ہے، وہ ابھی تک ساحل پر کھڑا ہے۔ قسطنطنیہ کے اس بحری بیڑے میں جو رومن اور یونانی لشکری سوار ہو کر آئے تھے، ان کی اکثریت کو ام نے میدان جنگ میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ان کا سالار اعلیٰ ہرمان بھی ختم ہو چکا ہے۔ باقی بچنے والے یونانی اور رومن لشکریوں نے شاید لشکری کے ساتھ برصہ شہر کے درہی محصور ہو کر ہمارا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ ہم سب سے پہلے یہ کام کرتے ہیں کہ اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اسے تیروں سے لیس کرتے ہیں جبکہ لشکر کا ایک دوسرا حصہ ساحل پر کھڑے جہازوں کو کھینچ کر اور پھر ریت اور زمین پر گھسیٹتے ہوئے اپنے پڑاؤ کے پاس لے آئے گا۔ ان جہازوں کے بڑے بڑے تختے ہیں۔ ان کی لکڑی بڑی کارآمد اور مضبوط ہے اور اسی سے ہم برج بنا کر دشمن کے خلاف حرکت میں آئیں گے اور اپنی فتح مری کو یقینی بنائیں گے۔“

سیف الدین ابوبکر کے یہ الفاظ سن کر سلطان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر سلطان ہنسنے لگا۔

”سیف الدین میرے بھائی! دشمن کے بحری بیڑے کے بڑے بڑے جہازوں کا تو خیال ہی نہیں گزرا تھا۔ تم نے ایسی گفتگو کر کے میرے بھائی! میرا دل خوش کر دیا ہے۔“
تھوڑی دیر تک لشکر کے دو حصے مختص کرتے ہیں۔ ایک حصہ بحری بیڑے کے جہازوں کو پیٹ کر پڑاؤ کی طرف لائے گا، دوسرا حصہ ذرا پیچھے ہٹ کر ذرا مستعد رہے گا۔ اگر فیصلہ اوپر سے بحری جہازوں کو گھسیٹ کر لانے والے ہمارے لشکریوں پر تیر اندازی کی گئی تو سے تیر انداز جوانی کارروائی کرتے ہوئے جب تیز اور موسلا دھار تیر اندازی کریں گے سیل پر لشکری کے تیر انداز اپنا آپ بچانے کے لئے برجوں میں چھپنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور جب وہ ایسا کریں گے تو ہم عافیت کے ساتھ ان جہازوں کو گھسیٹ کر اپنے پڑاؤ لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لشکر کا باقی حصہ پڑاؤ کے اندر بالکل تیار اور مستعد

مجھے اُمید ہے کہ اگر ہم نے اس پر عمل کیا تو بڑی آسانی کے ساتھ ہم شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

اس موقع پر سلطان عز الدین کی آنکھوں میں اُمیدوں بھری ایک چمک پیدا ہوئی۔ اس کے بعد وہ بڑے غور سے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سیف الدین! میرے بھائی! وہ کیسے؟ ہمارے پاس نہ کوئی منجیق ہے، نہ کوئی دوسرا سامان۔ یہاں چھوٹے موٹے درخت ہیں جو منجیق بنانے کے کام نہیں آسکتے۔ اور منجیق بنانے کے لئے ہمیں یہاں کے اطراف سے درخت کاٹ کر ان سے منجیق بنانا ہوں گی۔ اس کے علاوہ شہر کو فتح کرنے کا کوئی چارہ اور حیلہ نہیں ہے۔“

سلطان جب خاموش ہوا، تب سیف الدین ابوبکر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔
”سلطان محترم! برصہ شہر کو فتح کرنے کے لئے ہمیں منجیق بنانے کی خاطر دور دور نزدیک کہیں بھی درختوں کی ضرورت نہیں ہے۔ لکڑی ہمارے پاس ایسی ہے کہ جس سے ہم جو چاہے، بنا لیں۔“

سوالیہ سے انداز میں سلطان نے سیف الدین کی طرف دیکھا پھر پوچھ لیا۔

”کہاں ہے لکڑی؟“

سیف الدین پھر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہمیں منجیق بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانچ یا چھ متحرک برج بناتے ہیں جن کی بلندی شہر کی فصیل کے برابر ہو۔ جس کے اندر سیڑھیاں ہوں، اوپر چھوٹا سا کمرہ نما ایک احاطہ ہو جس کا دروازہ صرف فصیل کی طرف کھلتا ہو۔ وہ برج شہر پناہ کے ساتھ کھڑے کر دیئے جائیں گے اور ان برجوں کے اندر سے ہوتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر لشکری اوپر جائیں گے اور برج کا جو دروازہ سیڑھیوں کی طرف کھلتا ہے اسے فصیل پر گر دیں گے۔ اس کے بعد فصیل پر چڑھ کر محافظوں سے ٹکرائیں گے۔ اور ایسا کرنے سے خداوند قدوس نے چاہا تو ہم بہت جلد برصہ شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب سلطان حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”پانچ یا چھ برج بنا کر اگر شہر کی فصیل کے ساتھ کھڑے کر کے ان کے ذریعے سے

رہے گا۔ اس لئے کہ اگر اس موقع پر لشکری نے شہر سے باہر نکل کر اچانک حملہ آور ہو کر فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس کے خلاف جوابی کارروائی کرتے ہوئے اسے ناکام اور نامراد بنا دیا جائے گا۔“

سلطان نے اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ باقی سالار بھی اس پر عمل کے لئے آمادہ تھے۔ چنانچہ لشکر کے تین حصے کئے گئے۔ دو حصے چھوٹے اور ایک حصہ بڑا۔ بڑے حصے میں خود سلطان، سیف الدین ابوبکر، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی رہے۔ اپنے حصے کے لشکر کو سلطان نے اپنے سالاروں کے ساتھ مل کر بالکل چوکس اور تیار کر دیا تھا دو چھوٹے حصوں میں سے ایک کی کمانداری زین الدین بشارہ کے ذمے لگائی گئی اور دوسرا حصہ نجم الدین بہرام کے تحت دیا گیا۔ نجم الدین بہرام کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دشمن کے جہازوں کو ریت اور زمین پر گھسیٹ کر پڑاؤ کے قریب لائے گا۔ جبکہ زین الدین بشارہ کو یہ کام سونپا گیا کہ جس وقت نجم الدین بہرام دشمن کے بحر کی بیڑے کے جہازوں کو پڑاؤ کی طرف لائے گا اور فصیل کے اوپر سے اس پر اور اس کے ساتھیوں پر تیراندازی ہوتی ہے تو زین الدین اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ فصیل پر ایک تیز تیراندازی کرے گا کہ لشکری کے ان تیراندازوں کو برجوں کے پیچھے چھپنے پر مجبور کر دے گا۔

چنانچہ جب لشکر کی تقسیم مکمل کر لی گئی، تب نجم الدین بہرام اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بحری بیڑے کی طرف بڑھا۔ جبکہ زین الدین بشارہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نجم الدین بہرام سے تھوڑے فاصلے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چوکس ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اپنے سینوں پر اپنی ڈھالیں باندھ لی تھیں، سر پر خود رکھ لئے تھے، پیٹھ پر اس کے ترکش تیروں سے بھرے ہوئے تھے اور کندھوں سے کمانیں لٹک رہی تھیں۔ چنانچہ دشمن کی تیراندازی اور ان پر جوابی تیراندازی کرنے کے لئے وہ بالکل تیار ہو گئے تھے۔

جبکہ لشکر کا تیسرا حصہ جو بڑا تھا اور جو سلطان کے علاوہ سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف کی کمانداری میں تھا، اسے سلطان نے تیار کر دیا تھا۔ اس لشکر نے صفیں باند لی تھیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ جنگ کی ابتدا کرنے لگے ہوں۔

جس وقت نجم الدین بہرام اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ یونانیوں اور رومنوں کے بحر

بیڑے کی طرف بڑھا، اس وقت لشکری برصہ شہر کی فصیل کے اوپر اپنے سالاروں اور بیچ لٹکے والے رومنوں اور یونانی سالاروں کے ساتھ موجود تھا۔ اس وقت جبکہ نجم الدین بحری بیڑے کی طرف بڑھ رہا تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ مسلمان کیا کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا بڑا حصہ شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ جس سمت سلطان نے اپنے لشکر کو استوار کیا تھا، لشکری کے علاوہ یونانی اور رومن سالاروں نے اس سمت برجوں کے اندر اور برجوں کے باہر فصیل کو اپنے جنگجوؤں پر تیراندازوں سے بھر دیا تھا تاکہ اگر مسلمانوں کا سلطان پیش قدمی کرتے ہوئے اس سمت سے حملہ آور ہو تو اسے روکا جاسکے۔

بہر حال لشکری، یونانی اور رومن سالاروں کے ساتھ یہ سارا منظر ایک برج کے اندر لٹھا ہو کر دیکھ رہا تھا۔ یہ کافی بڑا برج تھا اور اس کے اندر سے ہی میڑھیاں نیچے شہر کے اندر جاتی تھیں۔

اس موقع پر یونانی سالار جو لشکری کے پہلو میں برج کے اندر کھڑا تھا، لشکری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یہ مسلمان کیا کرنے والے ہیں۔ جہاں تک برصہ شہر فصیل کا تعلق ہے تو یہ فصیل کی مضبوطی اور اس کا استحکام مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا باہر ہے۔ ان مسلمانوں کے پاس نہ فصیل کو توڑنے کے لئے اوزار ہیں، نہ ہی نقب نے کا سامان ہے۔ اگر یہ شہر پناہ پر رستی کی میڑھیاں پھینک کر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں تو یقیناً ناکامی اور بدبختی کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

اتنا کہنے کے بعد جب یونانی سالار رکا، تب رومن سالار بولا اور کہنے لگا۔

”مسلمانوں نے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں، لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور کا بڑا حصہ مشرق میں ہے، جس کی کمانداری میرے خیال میں ان کا سلطان کر رہا ہے، کہ دو حصے جنوب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جہاں تک میں ان کی چال اور منصوبہ بندی نہ پایا ہوں، وہ یہ کریں گے کہ پہلے جنوب کی طرف حملہ آور ہوں گے۔ جنوب کی طرف لشکر بڑھ رہے ہیں، ان میں سے ایک شاید فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر گا اور دوسرے واپس دیکھیں، ان کے پاس کمانیں اور تیر ہیں۔ اور جب ان کا لشکر فصیل پر چڑھنے کی

لہزی کے ساتھ کئی جہازوں کو خشکی پر گھسیٹتے ہوئے اپنے پڑاؤ کی طرف لے جانا شروع کیا، ب لشکری چونکا۔ ایک گہری نگاہ اس نے اپنے دائیں بائیں یونانی اور رومن سالاروں پر اٹی اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ تو اور ہی کام کرنے لگے ہیں۔ ان کی طرف غور سے دیکھو، یہ تو بحری بیڑے کے ازوں کو خشکی پر گھسیٹتے ہوئے اپنے پڑاؤ کی طرف لے جا رہے ہیں۔“

لشکری کے ان الفاظ کے جواب میں رومن سالار مسکراتے ہوئے اور ایک طرح طنزیہ از میں کہنے لگا۔

”یہ ان جہازوں کا کیا کریں گے؟ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں، انہیں توڑ کر ان لکڑیوں سے اپنے لشکر، اپنے پڑاؤ کو آگ سے روشن کریں گے۔ چونکہ سردی کا موسم رع ہو چکا ہے، ہو سکتا ہے اس لکڑی سے اپنے خیموں کو گرم رکھنے کا کام لیں۔ بہر حال یہ عرصہ چاہیں، برصہ شہر کے نواح میں پڑے رہیں۔ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا اور شہر کی مضبوط اور مستحکم فصیلوں سے سرنگرا ٹکرا کر آخر ایک روز انہیں ناکام اور نامراد لوٹنا۔“

لشکری اور دونوں یونانی اور رومن سالار کافی دیر تک برج کے اندر کھڑے ہو کر انوں کی کارروائیاں دیکھتے رہے۔ مسلمانوں نے کافی جہازوں کو گھسیٹ کر اپنے پڑاؤ رف منتقل کر دیا تھا۔ اس کے بعد نجم الدین بہرام اور زین الدین بشارہ اپنے حصے کے یوں کے ساتھ واپس اپنے پڑاؤ کی طرف چلے گئے تھے۔

اس موقع پر یونانی سالار جواب تک خاموش رہ کر کچھ سوچ رہا تھا، فکر مندی کا اظہار تے ہوئے کہنے لگا۔

”جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں، مسلمانوں کے پاس شہر کی فصیل کے اندر نقب لگانے کے میں ہیں۔ نہ فصیل پر چڑھنے کا سامان ہے۔ رتی کی میڑھیاں ضرور ان کے پاس ہوں ن یہاں رسیوں کی میڑھیاں کام نہیں دیں گی۔ فصیل بہت چوڑی ہے اور برج ایسے دئے ہیں کہ ان کے اندر لشکری محفوظ رہ کر فصیل کے تحفظ کا کام انجام دے سکتے ہیر اپنا اندازہ ہے کہ مسلمان بحری بیڑے کے جہازوں کو یونانی گھسیٹ کر اپنے پڑاؤ لے کر گئے۔ اسے برصہ شہر کو فتح کرنے کا سامان تیار کریں گے۔“

کوشش کرے گا اور فصیل کے اوپر سے اگر ان پر تیر اندازی کی جائے گی تو وہ حصہ جوابی تیر اندازی کرنے کے لئے شاید اپنے ساتھیوں کے لئے فصیل پر چڑھنے کی آسانیاں پ کرے۔ لیکن ہم انہیں ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ مسلمانوں کو تو ہم فصیل کے قریب تک نہیں آنے دیں گے۔ اور میں یہ بھی اندازہ لگاتا ہوں کہ یہ جو چھوٹے لشکر ہیں، یہ ہم جنوب کی طرف مصروف رکھ کر اپنے سلطان کو یہ موقع فراہم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مشرق طرف سے حملہ آور ہو کر کسی نہ کسی طرح شہر میں داخل ہو جائے اور شہر کو فتح کیا جاسکے۔ لیک ان کی اس کوشش کو ہم ہر صورت ناکام بنا کر رہیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رومن سالار جب رکا، تب اس کی طرف توصیفی انداز میں دیکھتے ہوئے لشکری کہنے لگا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ مسلمانوں کے جو دونوں جنوب کی طرف بڑھ رہے ہیں، یہ جنوب کی طرف حملہ آور ہو کر ہماری توجہ، ہمارا دھیما جنوب کی طرف کریں گے اور وہ یہ چاہ رہے ہیں کہ ہم عسکری طاقت کو مکمل طور پر جنوب طرف منتقل کر دیں گے جس سے فائدہ اٹھا کر ان کا سلطان مشرق کی طرف حملہ آور ہو کر فتح کرنے کا درکھول لے گا۔ لیکن اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ہم جنوب ہی نہیں، مشرق کی طرف بھی اپنا دفاع خوب کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد رومن سالار جب خاموش ہوا، تب یونانی سالار چونکا تھا۔ پہلے ہی بڑے غور سے مسلمانوں کے دونوں چھوٹے لشکروں کی نقل و حرکت کا جائزہ لے تھا۔ چنانچہ ایک دم لشکری کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”یہ لوگ کیا کرنے لگے ہیں؟ ان کے لشکر کا ایک حصہ تو پہلے ہی جہازوں کی طرا بڑھ گیا ہے اور دوسرا حصہ ایک جگہ رک گیا ہے۔ میرے خیال میں ہمارے اندازے درست نہیں۔ وہ شہر پر جنوب کی طرف سے حملہ آور نہیں ہوں گے۔ ان کی طرف غور سے دیکھا ایک حصہ بحری بیڑے کی طرف بڑھ رہا ہے، دوسرا ذرا فاصلہ پر کھڑا ہو گیا ہے۔ دونوں اپنے کسی کام کی ابتدا کرنے لگے ہیں۔“

چنانچہ لشکری اور دونوں یونانی اور رومن سالار بڑے غور سے مسلمانوں کی نقل و حرکت دیکھنے لگے تھے۔ اور جب نجم الدین بہرام کے تحت کام کرنے والے لشکریوں نے

شروع کیا تھا۔

پانچویں دن لشکری اور اس کے سالار جب صبح سویرے فصیل پر چڑھے تو دمگ رہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے اپنے پڑاؤ کے سامنے جو بادبان کھلے جہاز کھڑے کئے، وہ رات کے وقت ہٹا دیئے گئے تھے اور اب سامنے آٹھ بڑے بڑے برج کھڑے۔ یہ برج بالکل شہر کی فصیل کی بلندی کے برابر تھے۔ برجوں کے اندر سیڑھیاں تھیں اور کمرہ نما چھوٹی سی جگہ بنی ہوئی تھی جو چاروں طرف سے بند تھی۔ تاہم اس کے دائیں بائیں چھوٹے چھوٹے کھڑکی نما سوراخ رکھے ہوئے تھے۔ اوپر والے حصے میں دروازہ نما۔ بوطختہ تھا جو لوہے کی زنجیروں سے بندھا ہوا تھا اور یہی کیفیت سارے برجوں کی تھی۔ ان برجوں کے پیچھے پیچھے لشکری جانا شروع ہوئے جنہوں نے اپنے سامنے ڈھالیں لے لی تھیں۔ برج جب شہر کے قریب ہوئے تو لشکری اور اس کے دونوں ساتھی سالار بٹان ہو گئے تھے اور لشکری نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے لشکر کے بہت سے حصوں کو بل کے اوپر طلب کر لیا تھا۔

وہ برج جب قریب گئے، تب لشکری کے علاوہ یونانی اور رومن سالار حیرت میں ڈوب گئے۔ اس لئے کہ ان برجوں کے اوپر والے حصے اور بالکل سامنے سارے حصوں پر دروں کی کھالیں چڑھا دی گئی تھیں تاکہ اگر ان پر روغنِ نفت پھینکا جائے تو برج آگ نہ لگیں۔ یہ صورت حال لشکری اور اس کے سالاروں کے لئے بڑی مایوس کن تھی۔ اس موقع پر لشکری کے کہنے پر اس کے جنگجوؤں نے روغنِ نفت کی بھری ہوئی کئی ہانڈیاں جو بنے کی ہوا کرتی تھیں، برجوں پر پھینکیں لیکن برجوں کے اوپر اور سامنے والے حصہ پر مالیں چڑھی ہونے کی وجہ سے روغنِ نفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا اور ان کو آگ نہ لگی۔

اتنی دیر تک برج ان کے قریب آن کھڑے ہوئے تھے۔ ان برجوں کے پیچھے سیف رین البوکر اور حسام الدین یوسف تھے۔ چار برج سیف الدین کی کمانداری میں اور چار برج حسام الدین یوسف کے تحت تھے۔ برج جب قریب گئے، تب لشکری نے اپنے لہجوں کو حکم دیا کہ تیز تیر اندازی کی جائے۔

جو لشکری ان برجوں کو دھکیل کر آگے لارہے تھے، وہ محفوظ رہے۔ اس لئے کہ ان کے گے آڑ کے طور پر لکڑی کے تختے لگا دیئے گئے تھے۔ فصیل سے چلنے والے تیرتختوں میں آ

یونانی سالار کے ان الفاظ پر رومن سالار کے علاوہ لشکری بھی چونکا تھا۔ یہاں تک کہ لشکری نے غور اور فکر مندی سے یونانی سالار کی طرف دیکھا اور پھر پوچھ لیا۔

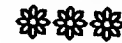
”تمہارے خیال میں مسلمان جو بحری بیڑے کے جہازوں کو اپنے پڑاؤ میں لے گئے اس سے وہ کیا تیار کریں گے؟“

یونانی سالار مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اس سے وہ محققین بھی بنا سکتے ہیں۔ محققین نہیں بنائیں گے تو بڑے بڑے پہیہ والے برج بنا کر شہر پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھنا ہم پاگلوں کی طرح اس برج کے ا کھڑے ہو کر تختہ اور اندازے لگاتے رہے ہیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں ایک لشکر بہت سے جہازوں کو گھسیٹ کر اپنے پڑاؤ میں لے گئے ہیں۔ اب دیکھنا، دو روز کے اندر ہم پر عیاں ہو جائے گا کہ مسلمان ان جہازوں سے شہر کو فتح کرنے کے کام لیتے ہیں۔“

یونانی سالار جب خاموش ہوا، تب لشکری ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگا۔

”مسلمان جو کرنا چاہتے ہیں، کر لیں۔ اگر تو یہ محققین بناتے ہیں تو یہ فصیل منجھنا کے بس کی بات نہیں ہے۔ لگاتار کئی روز بھی اگر اس پر پتھروں کی بارش کی جائے تو ف ایسی چوڑی ہے کہ شس سے مس نہیں ہوگی۔ ہاں اگر بحری جہازوں کو توڑ کر انہوں نے سے پہیوں والے برج بنائے تو بھی ہمیں فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔ جب ان برجوں کو ف پر چڑھنے کے لئے مسلمان قریب لائیں گے تو ان پر ہم روغنِ نفت پھینکیں گے اور آ کر خاکستر کر دیں گے۔ اس طرح نہ برج رہیں گے اور نہ ان برجوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی لشکری اس برج سے نکل کر نیچے جانے لڑ رومن اور یونانی سالار بھی اس کے پیچھے پیچھے جارہے تھے۔



تین دن اسی حالت میں گزر گئے۔ لشکری اور اس کے دونوں ساتھی یعنی یون رومن سالار ہر روز فصیل کے اوپر برج میں کھڑے ہو کر دیکھتے کہ مسلمان بحری جہا کیا کریں گے۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے لشکر کے آگے چند بڑے جہاز کھڑے کر کے بادبان کھول دیئے تھے اور ان بحری جہازوں کے بادبانوں کی اوٹ میں انہوں

کر لگے تھے۔

اتنی دیر تک برج، فصیل کے قریب آنے لگے اور پھر ان آٹھوں برجوں میں سے چار برجوں کے اندر سیف الدین ابوبکر اور چار برجوں کے اندر حسام الدین یوسف کے لشکری گھسنے لگے تھے اور بڑی تیزی کے ساتھ میڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر جانے لگے تھے۔

برجوں کے اوپر جو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے، ان کے دائیں بائیں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں۔ کچھ لشکری جن کے پاس کمائیں تھیں، ان کی بیٹیوں پر تیروں بھرے ترکش تھے اور وہ ان کھڑکیوں کے پاس جا کے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد فصیل پر پہرا دینے والوں نے جب ان برجوں کے سامنے آنا چاہا، کھڑکیوں میں بیٹھے ہوئے لشکریوں نے ان پر تیر اندازی کی۔ اس کے ساتھ ہی ایک لشکر جو مبارز الدین چاولی کی کمانداری میں کام کر رہا تھا، اس نے بھی پیچھے سے بارش کی طرح تیر اندازی کی۔ اس کی وجہ سے فصیل جو لشکری کے تیر انداز اور جنگجو تھے، وہ برجوں کے اندر چھپ گئے۔ اُن کا ایسا کرنا تھا کہ

آٹھوں برجوں کے دروازے جو زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے، ایک دم برصہ شہر کا فصیلوں پر گرے اور ان کے اندر سے لشکری بڑی تیزی سے نکل کر فصیل پر پھیلنے لگے تھے۔ سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف بھی فصیل پر چڑھ گئے تھے۔ لشکری اور ان کے سالار نیچے اتر چکے تھے۔ فصیل پر پہرہ دینے والے محافظوں نے جب دیکھا کہ مسلمان تو فصیل پر چڑھ آئے ہیں، تب انہوں نے دائیں بائیں سے حملہ آور ہونا شروع کیا۔ ان موقع پر بائیں جانب سے جو لشکری آئے تھے، ان پر حسام الدین یوسف نئے دنوں بشارت دینے والے طوفانوں کے شناساؤں، اپنے عہد کے شعور تک کو بدل کر اعصاب عذاب بن جانے والے طوفانوں کی ہیبت ناک رتھ، ذہنوں میں تصورات کی دھنک سوچوں کے حقائق کے زیر اثر کر دینے والی آمدھیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف سیف الدین ابوبکر زرد چہروں پر تھکن کے آثار، آنکھوں میں بے حادیت، سماعتوں میں صدیوں کی خراشیں، سینوں میں غموں کے طوفان اور بدن کی ہر ہڈی چٹا کر لہو کی حرارت کو بھاپ بنا دینے والی برسات کی شام کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ سیف الدین ابوبکر کے جان لیوا حملوں سے یوں لگتا تھا، جیسے وہ ظلم کے ہر شہر، زیست کے عنوان، زندگی کی پستیوں، فضاؤں کے جمود تک کو بدل دینے والے سمندر کی وحشت نا

انگڑائی کی صورت اختیار کر گیا ہو۔

ایک طرف حسام الدین یوسف دشمن کے لشکریوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا لے گیا تھا، دوسری طرف سے سیف الدین ابوبکر نے بھی دشمن کے لشکریوں کو کافی دور تک دھکیل دیا تھا۔ اس طرح شہر پناہ کے مشرقی اور جنوبی دروازوں کے درمیان زیادہ حصوں پر وہ قابض ہو گئے تھے۔ اسی دوران ایک لشکر کے ساتھ نجم الدین بھی فصیل پر چڑھ آیا۔ اس لئے کہ فصیل پر اب کافی جگہ بن گئی تھی۔ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے اپنے لشکریوں کو لاکار۔ اُس کی اس لاکار کے جواب میں زوردار تکبیریں بلند ہوئیں پھر بہت سے لشکری راہ روکنے والوں پر مار دھاڑ کرتے، انہیں ہٹاتے ہوئے نیچے اترنا شروع ہوئے اور شہر پناہ کا مشرقی دروازہ انہوں نے کھول دیا تھا۔ دروازہ کھولنا تھا کہ سلطان اور مبارز الدین چاولی، لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ جب کہ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ زین الدین بشارہ کو پڑاؤ کی حفاظت پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

جنوبی سلطان اور مبارز الدین چاولی شہر میں داخل ہوئے، لشکری کے علاوہ یونانی اور رومن سالار، سلطان پر آنا فانا وحشتوں کے سیل بے اماں، بے آباد صحراؤں میں شفق رنگوں کو لگتے آگ و خون کے سماؤں، زیست کی ایک ایک ساعت کو بے ربط، سوچوں کے بدن تک لولہ لہو کرتی ازلی وابدی بدی کی خواہشوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

سلطان عز الدین کی کاؤس اور مبارز الدین چاولی نے بھی ساعتوں کو اپنے سامنے نجد، نت کی طنائیں کھینچ کر نکلنے اڑاتے صدیوں کے اُلتے طوفانوں، اڑتے بگولوں کے رقص کی روح اپنے کام کی ابتدا کی تھی اور وہ بھی نس نس میں آگ بھرتی طلسماتی سنائیوں، تن من کو لٹا لٹا کر دینے والی مستی پر آئی باغی لہروں، زمین کی تیرہ شمی میں ہواؤں کی سانسوں، ناؤں کی نبض تک پر قدغن لگا دینے والے وحشتوں کے اڑتے بگولوں کی طرح حملہ آور ہوئے تھے۔

اسی لمحہ جب کہ سلطان اور دشمن کے درمیان گھمسان کارن پڑ گیا تھا، سیف الدین نے اس کے حصہ کا لشکر پورا فصیل پر چڑھ آیا تھا اور فصیل کے اوپر جو دشمن کے لشکری تھے، انہیں ہف الدین اور حسام الدین یوسف نے ختم کر دیا تھا۔ تب پہلے سیف الدین ابوبکر زیست اگم گشتہ منزلوں سے سلطنتی دو پہر کی طرح نمودار ہو کر جذبوں کو منہدم کر دینے والی زیست

کی جنوں خیزیوں کی طرح حرکت میں آیا۔ پھر وہ فصیل سے نیچے اتر اور دشمن کے لشکر کے ایک پہلو پر وہ سورج کے جلال میں رقص کرتی سیال آتش، گرما کے موسم میں اُبلتے خوفناک قلعہوں، دروازوں پر موت کی دستک دیتی گرتی برق کی لہروں کے شور اور سلگتی ہواؤں میں سرگرداں بھسوکا سی چنگاریوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر کے ساتھ ساتھ حسام الدین یوسف بھی اپنے حصہ کے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور وہ دشمن کے لشکر کے دوسرے پہلو پر بیکراں ریزہ زاروں میں نفس کو بے کل کرتی ہر نظر کو غبار کر دینے والے آندھیوں کے غبار، جسموں کی تزمین کو لطف اندوزی اور تن کی سرور انگیزی کو شکستہ و بے معنی کر دینے والی لہروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں برصہ شہر کے اندر دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے رفاقتوں کا نشہ اترنے لگا تھا۔ رگوں میں زہر گھلنے لگا تھا۔ آنکھوں میں موت کے نوکیلے کانٹے اپنا رنگ جمانے لگے تھے۔ نظر نظر میں سراب کھڑے ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سلگتے جسموں کی روچیں کوچ کرنے لگی تھیں۔ طغیانوں کے تلاطم، گرداب کی شورش اور موجوں کے خروش کا سماں شہر کے اندر رقص کرنے لگا تھا۔

کچھ دیر تک گھمسان کا رن پڑا۔ چونکہ دشمن کے لشکر پر پہلے سامنے کی طرف سے سلطان حملہ آور ہوا تھا، اس کے بعد ایک پہلو پر سیف الدین ابوبکر، دوسرے پہلو پر حسام الدین یوسف حملہ آور ہوا تھا۔ اتنے میں نجم الدین بہرام اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ فصیل سے نیچے اتر آیا اور وہ سلطان کے لشکر کے ساتھ مل کر دشمن پر ضرب لگانے لگا تھا۔

اب ایک طرح سے سلطان کے لشکر نے دشمن کے لشکر کو چاروں طرف سے گھیر کر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا اور لشکری کے علاوہ یونانی اور رومنوں کے لشکریوں کی حالت بڑی حیزی سے بد نصیبی کے سایوں، تلخ راہوں کی خونی منزلوں، ذلت و پستی کے کفن اور بوسیدہ ہڈیوں کے قبرستانوں جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ جو لشکر مسلمانوں سے ٹکرانے کے لئے شہر میں جمع ہوا تھا، اس کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا تھا اور برصہ شہر، سلطان عز الدین کی کاؤس کے سامنے زیر ہو گیا تھا۔

تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ لشکری کے علاوہ یونانی اور رومن سپہ سالار، جنگ کے دوران مارے گئے تھے۔ جب سلطان نے شہر کے محافظ لشکر کا خاتمہ کر دیا اور شہر کو لاشوں سے پاک

کر دیا گیا، تب سلطان نے اپنے پڑاؤ کو بھی اس شہر کے پاس بالکل شہر کی فصیل کے ساتھ منتقل کر دیا تھا۔ اس دوران شہر کے امراء اور رؤساء اور سرکردہ لوگ جوق در جوق، گروہ در گروہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور امان طلب کرنے لگے۔

سلطان نے سب کو امان دے دی اور شہر کے اندر منادی کرا دی کہ صرف اس پر حملہ کیا جائے گا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا۔ یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ شہر کے اندر کوئی ہتھیار باندھ کر نہیں گھومے گا۔ جو ایسا کرے گا، اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس کے ساتھ ہی شہر کے اندر یہ بھی منادی کرا دی گئی کہ سب کو امان دی جاتی ہے۔

اس کے بعد اپنے سالاروں کے ساتھ سلطان شہر کے نظم و نسق میں لگ گیا تھا۔

سلطان کے پاس سے فارغ ہونے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب اپنے خیمہ میں داخل ہوا تب اس نے دیکھا، خیمہ کے اندر بریزہ اور جوزین دونوں کسی موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں۔ جب سیف الدین ابوبکر کمرے میں داخل ہوا، تب جوزین خاموش ہو گئی۔

سیف الدین آگے بڑھ کر بریزہ کے قریب ہو بیٹھا۔ پھر وہ جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے خیال میں، میں غلط وقت پر آیا ہوں۔ آپ دونوں شاید کسی نجی اور عام موضوع پر گفتگو کر رہی تھیں اور میں بیچ میں ٹپک پڑا۔“

اس موقع پر بریزہ نے گھورنے کے انداز میں سیف الدین کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگی۔

”آپ سے پردہ رکھ کر ہم کون سی گفتگو کر سکتے ہیں؟ ایسا ناممکن ہے۔ دراصل آپ کی آمد سے پہلے جوزین آپ ہی سے متعلق گفتگو کر رہی تھی۔ یہ افسوس اور دکھ کا اظہار کر رہی تھی کہ آج کے ٹکراؤ میں اسے آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔“

اس موقع پر تیز نگاہوں سے سیف الدین ابوبکر نے جوزین کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”جوزین! جو کام تم نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ لیکن اس موقع پر تم سے یہ کہوں گا کہ اب تم اس کو ترک کر دو۔ جنگ کے دوران تمہیں میرے آس پاس رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پچھلی جنگ میں تم بہت قریب آ گئی تھی۔ میں

نے تمہیں سمجھانا چاہا تھا، پر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ شاید تم برا نہ مان جاؤ۔ دیکھو جوزین! میں جانتا ہوں، تم یہ کام بریزہ کو خوش کرنے کے لئے کر رہی ہو۔ ماضی میں چونکہ تم دونوں کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ تم یہ خیال کرتی ہو، اس دور میں تمہاری طرف سے بریزہ کے ساتھ زیادتیاں ہوئیں اور تم ان زیادتیوں کی تلافی اس طرح کرنا چاہتی رہی ہو کہ بریزہ کے شوہر کے آس پاس رہ کر اس کی حفاظت کا سامان کرو۔ دیکھو جوزین! اب تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین رکا، پھر دوبارہ جوزین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”اس میں کوئی شک نہیں کہ بریزہ کی امی اور بابا دونوں ہی تمہیں اپنی بیٹی خیال کرتے ہیں اور بیٹی ہی کی طرح تمہیں چاہتے اور پسند کرتے ہیں۔ اس کے باوجود میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ کسی اچھے نوجوان کا انتخاب کر کے اس سے شادی کر لو۔ اس طرح تم سکون سے اپنا گھر آباد کر کے پرسکون زندگی کی ابتدا کر سکو گی۔“

سیف الدین ابو بکر جب خاموش ہوا، جب ہلکا سا تبسم اس موقع پر جوزین کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”آپ کا کہنا درست ہے۔ اس سے پہلے اس موضوع پر میری اور بریزہ کی بھی آپس میں گفتگو ہو چکی ہے اور میں نے یہ تہیہ کیا تھا کہ میں کچھ نوجوانوں کا جائزہ لوں گی، جس نوجوان کے ساتھ میری طبیعت ملے گی، اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنالوں گی۔ پر یہ معاملہ میں جلد بازی میں طے نہیں کروں گی۔ جسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہوں گی، بڑے غور سے اس کی شخصیت کا جائزہ لوں گی، اس کے مزاج اور اس کے سلوک کو بھی نگاہ میں رکھوں گا، اس کے بعد آخری فیصلہ کروں گی۔“

جوزین کی اس گفتگو کا جواب سیف الدین دینا ہی چاہتا تھا کہ خیمے کے دروازے پر نیک نمودار ہوا اور تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بابا نے آپ تینوں کو بلایا ہے۔ اس لئے کہ کھانا آنے والا ہے۔ سب وہیں کھائیں“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین، بریزہ اور جوزین تینوں خیمے سے نکل کر باز نیک کے

ساتھ ہو لئے تھے۔

سلطان عز الدین کی کاؤس نے چند روز تک برصہ شہر کے نواح میں قیام کئے رکھا۔ اس قیام کے دوران نجم الدین کی کمانداری میں چند دستے سلطان نے فلاؤلفیا کے اس قصبے کی طرف روانہ کئے جہاں مینا نیلو کو قتل کیا گیا تھا۔ چنانچہ جو لوگ مینا نیلو کے قتل میں ملوث تھے، نجم الدین بہرام ان کا خاتمہ کر کے سلطان کے پاس واپس چلا گیا تھا۔ اس طرح اس کام سے فارغ ہونے کے تین دن بعد سلطان نے برصہ شہر کے نواح میں اپنے مرکزی شہر قونیہ کا رخ کر لیا تھا۔



ہم دھو کر رکھ دیں گے۔ تمہارا قلعہ اتنا قابلِ تسخیر نہیں ہوگا کہ ہم اس پر ضرب نہ لگا سکیں۔ لہذا نکور اور لیفون پر ضرب لگا کر انہیں ان کے کئے کی سزا دینا اب ہم پر لازم ہو گیا ہے۔ اسی مقصد کے لئے میں نے تم لوگوں کو بلایا تھا۔ لہذا میری اس گفتگو پر کسی کو کوئی اعتراض ہو سینوب اور ججن کے حکمران نکور سے تم میں سے کوئی کسی دوسرے طریقہ سے نمٹنا چاہے، تب بھی اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ جو بہتر راستہ ہوگا، اس کو اپنایا جائے گا۔“

سلطان کی اس منصوبہ بندی کے جواب میں سارے سالاروں نے جب اس سے اتفاق کیا تب سلطان عزالدین کی کاؤس نے اس پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے لشکریوں کے سالار اعلیٰ سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابوبکر کے بیٹے! اب بولو لشکر کو ہمیں کس کس چیز سے آراستہ اور مسلح کرنا چاہئے؟“

جواب میں سیف الدین ابوبکر نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں نے نکور کے قلعے دیکھے ہوئے نہیں ہیں۔ کم از کم میرے لئے تو اجنبی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے خود انکشاف کیا ہے، وہ اپنے قلعوں کو بڑا ناقابلِ تسخیر خیال کرتا ہے، لہذا جس وقت ہم یہاں سے کوچ کریں تو ہمارے لشکر کے اندر مجتہقین بنانے کے کاریگر اور صنائع ضرور ہونے چاہئیں۔ اگر ان قلعوں کو فتح کرنے کے لئے ہمیں مجتہقوں کی ضرورت ہوئی تو میں نے سن رکھا ہے، ان علاقوں میں درخت بڑے ہیں۔ انہی درختوں کو کاٹ کر مجتہقین تیار کر کے ان سے قلعہ شکنی کا کام لیا جائے گا۔“

سیف الدین کی اس تجویز پر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد سلطان پھر بولا

”جس طرح فلاڈلفیا، اناطولیہ اور برصہ کی مہموں کے دوران سالاروں اور لشکریوں نے اپنے اہل خانہ کو ساتھ رکھا، اسی طرح اس مہم میں بھی سالاروں اور لشکریوں کو اجازت دی کہ جو چاہے اپنے اہل خانہ کو اپنے ساتھ رکھے اور ان کی حفاظت کا خوب انتظام کیا جائے گا۔“

سلطان تھوڑی دیر کا سوچا، پھر دوبارہ وہ اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے یہ بھی سن رکھا ہے کہ سینوب کے حاکم نکور، جس کا پورا نام کیرکس نکور ہے، جو نکور کے نام سے زیادہ پکارا جاتا ہے اور اس کے قلعہ ججن کا عامل لیفون دونوں ہی یہ

قونیہ میں جوزین نے نکسار اور سیس کے ساتھ قیام کر لیا تھا۔ وہ دونوں بھی اسے بیٹی کی طرح چاہتے تھے۔ جب کہ سیف الدین ابوبکر اور بریزہ دونوں میاں بیوی نے ساتھ والی حویلی میں قیام کیا تھا جو ان کی اپنی تھی۔ سلطان نے اپنے لشکر کو لگا تار دو ماہ تک آرام کرنے کا موقع فراہم کیا، اس کے بعد ایک روز سلطان نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے قصر میں طلب کر لیا تھا۔

سارے سالار جب قصر میں جمع ہو گئے، تب سلطان نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”برصہ سے یہاں آنے کے بعد ہمیں سینوب کے حاکم نکور کے متعلق کچھ شکایات ملی ہیں۔ اس سے پہلے ہم پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ نکور نے سینوب اور ججن دونوں علاقوں سے ہمارے خلاف اپنے لشکر یونانی حکمران لشکری کی مدد کے لئے بھیجے تھے۔ خداوند قدوس! شکر ہے کہ ہم سارے اتحادی دشمنوں کو شکست دینے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں آنے کے بعد بھی سینوب کے حکمران نکور اور ججن کے حکمران لیفون کے متعلق ہمیں شکایات ملی ہیں کہ ان کا رویہ اپنے ہمسایہ مسلمان علاقوں سے اچھا نہیں ہے۔ لہذا میں نے تمہیہ کیا ہے کہ تیر دن بعد ایک لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ میں بذاتِ خود لشکر میں شامل ہوں گا اور سینور کے حاکم نکور اور ججن کے عامل لیفون سے نمٹا جائے گا۔ سنا ہے ان کے قلعے بڑے مضبوط اور مستحکم ہیں اور ان کے پاس بڑے بڑے عساکر بھی ہیں۔ جن کی بنا پر وہ اس گھمنڈ اور تکبر میں ہیں کہ نہ کوئی ان کے قلعوں کو فتح کر سکتا ہے اور نہ انہیں اپنے سامنے زیر اور بے وجہ مجبور کر سکتا ہے۔ جبکہ ہم نے نکور اور لیفون پر یہ ثابت کرنا ہے کہ تمہارا ہر گھمنڈ، تمہارا ہر

کے کہنے لگی۔

”آپ کو سلطان نے طلب کیا تھا۔ خیریت تو ہے؟ کیا معاملہ طے ہوا ہے؟ میرے خیال میں سلطان سے ملنے کے بعد آپ مسجد چلے گئے اور عصر کی نماز ادا کر کے آئے ہیں۔“

سیف الدین نے پہلے اثبات میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں عصر کی نماز ادا کر کے آ رہا ہوں۔ دراصل سلطان نے مجھ اکیلے کو نہیں بلکہ سارے سالاروں کو طلب کیا تھا۔ اس لئے کہ کچھ ہمیں نکل آئی ہیں جن کی طرف کوچ کرنا ہے۔“

اس موقع پر بڑے شوق سے سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ بول پڑی۔

”کون سے علاقے کی مہم؟ اور روانگی کب تک ہوگی؟“

جواب میں سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”فی الحال ہمارے سامنے جو علاقہ ہے، وہ سینوب کہلاتا ہے جس کا حکمران کیرکس نکور ہے۔ فی الوقت اسی نکور کے خلاف ہم نے ضرب لگائی ہے۔ اس لئے کہ اس نے اور اس کے عامل دونوں نے اپنے سالار اور اپنے لشکر ہمارے خلاف لشکری کی مدد کے لئے بھیجے ہیں۔ اس کے علاوہ سلطان کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہاں آنے کے بعد انہیں یہ اطلاع دی گئی کہ سینوب کے حکمران نکور کا رد یہ ہماری مملکت کے سرحدی مسلمانوں کے ساتھ اچھا نہیں ہے جس کی بنا پر سلطان اس کے خلاف حرکت میں آتے ہوئے اس پر ضرب لگانا چاہتے ہیں۔ نین دن بعد لشکر یہاں سے روانہ ہوگا۔ آج مغرب کی نماز کے بعد میں دیر سے آؤں گا۔ اس لئے کہ سارے سالار اور سلطان خود بھی مستقر کی طرف جائیں گے۔ جس لشکر نے تین دن بعد کوچ کرنا ہے، اسے تیار اور مستعد کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ لشکر جو سامان لے کر ہائے گا، اس کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب بڑے شوق اور ایک ہتجو میں سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے بریزہ بول اٹھی۔

”کیا بابا اور اماں بھی لشکر میں شامل ہوں گے، بالکل ایسے جیسے پہلے وہ شریک رہے ہیں؟“

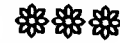
اس موقع پر سیف الدین نے عجیب سے انداز میں بریزہ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگا۔

خیال کرتے ہیں کہ ان کے علاقے اور ان کے قلعے صدیوں سے ان کے آباء و اجداد کے تسلط میں رہے ہیں۔ کوئی انہیں فتح نہیں کر سکا۔ وہ بھی اپنے طور پر صحیح ہیں۔ اس لئے کہ ان علاقوں میں اس سے پہلے مسلمانوں کی کوئی حکومت ہی نہ تھی۔ اناطولیہ میں چھوٹی چھوٹی عیسائیوں کی حکومتیں تھیں جو آپس میں برسر پیکار ضرور رہتی تھیں۔ لیکن جو حکمران طاقت اور قوت رکھتے تھے، ان کے خلاف کوئی حرکت میں نہیں آتا تھا، جس کی بنا پر ان کے علاقے صدیوں سے ایک وارث سے دوسرے وارث کی طرف منتقل ہوتے رہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان عز الدین کیکاؤس رکا، پھر اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اب عصر کی نماز کا وقت بھی ہو چکا ہے۔ سارے اٹھ کر عصر کی نماز ادا کریں۔ مغرب کی نماز کے بعد مستقر میں پہنچیں۔ میں بھی وہاں موجود ہوں گا۔ اور جس لشکر نے جانا ہے، اسے تیار اور مستعد کر دیں گے۔ اور لشکر کے سامان کو بھی آخری شکل دینا شروع کر دیں گے۔“

سلطان عز الدین کیکاؤس کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور سب مسجد کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔



عصر کی نماز کے بعد سیف الدین ابوبکر نے اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے کے پیچھے کھسر پھسر ہوئی۔ سیف الدین ابوبکر نے جان لیا کہ دروازے کے پیچھے بریزہ پہنچ چکی ہے۔ دروازے کے پٹ کے اندر ایک چھوٹا سا گول سوراخ تھا۔ سیف الدین ابوبکر نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس سوراخ میں سے بریزہ باہر دیکھنے لگی تھی۔ پھر ایک دم اس نے دروازہ کھول دیا تھا اور مسکرا رہی تھی۔

اندر داخل ہونے کے بعد سیف الدین ابوبکر نے دروازہ بند کیا، پھر بڑے خوش کن انداز میں بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”تم دروازے کے پٹ کے اندر جو چھوٹا سا سوراخ ہے، اس میں سے دیکھ رہے تھیں۔ میں بھی تمہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔“

اس پر بریزہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ پھر دونوں میاں بیوی آگے بڑھ کر دیوان خانہ میں بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز بریزہ نے کیا اور سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر

”اس موضوع پر سلطان نے میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ ہو سکتا ہے، اس بار سلطان عورتوں کو لشکر میں شامل کرنا پسند نہ کریں۔“

جس وقت سیف الدین ابوبکر نے یہ الفاظ ادا کئے تھے، اس کے بعد بریزہ بڑے غور سے سیف الدین کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ کچھ دیر ایسی ہی حالت رہی، اس کے بعد ہلکا تبسم بریزہ کے چہرے پر نمودار ہوا۔ پھر سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ کے حراج کو سمجھتی ہوں۔ آپ کے طرز گفتگو سے بھی اب میں معنی نکالنے کے قابل ہو چکی ہوں۔ آپ کا چہرہ بتاتا ہے کہ سالاروں اور لشکریوں کو اپنی بیویاں ساتھ رکھنے کی اجازت ہوگی۔ ہاں، میں آپ کی اس بات کو ضرور تسلیم کرتی ہوں کہ بابا اور اماں کے لشکر میں رہنے کے متعلق گفتگو نہیں ہوئی ہوگی لیکن.....“

یہاں تک کہتے کہتے بریزہ کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔

”تمہارا اندازہ درست ہے۔ وہ سالار اور لشکری جو اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیں، سلطان نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ لہذا تم میرے ساتھ لشکر میں شامل ہوگی۔ اس سلسلہ میں تمہیں پریشان اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

سیف الدین کے یہ الفاظ سن کر بریزہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”آپ بیٹھے، میں ذرا مطبخ کے کام نمٹا لوں۔“

اس کے ساتھ ہی بریزہ دیوان خانے سے اٹھ کر مطبخ کی طرف ہوئی تھی۔
مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان عز الدین کیاؤس نے اپنے مرکزی شہر قونیہ سے نکل کر سینوب کے حکمران کا رخ کرتے ہوئے راستے میں اپنے شہر سیواس میں قیام کیا تھا۔ یہاں قیام کے دوران سلطان چاہتا تھا، اس کے لشکری آرام کر کے تازہ دم ہو جائیں، اس کے بعد سینوب کے حاکم تگور کے خلاف حرکت میں آیا جائے۔ چنانچہ جن دونوں سلطان عز الدین نے اپنے لشکر کے ساتھ سیواس شہر کے باہر پڑاؤ کر کے قیام کیا ہوا تھا، سیواس کے دور دراز کے علاقوں سے مسلمانوں کا ایک وفد سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سلطان کے سامنے ایک عرضداشت پیش کی جس میں اس نے سلطان پر انکشاف کیا کہ سینوب

حاکم تگور انتہا درجہ کا ظالم، نا انصاف اور متعصب انسان ہے۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے علاقوں سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے، مسلمانوں کا قتل عام کرتا ہے اور مسلمانوں کی بستیوں اور قصوبوں کو لوٹنے سے دریغ نہیں کرتا۔“

آنے والے وفد سے یہ باتیں سن کر مؤرخین لکھتے ہیں، سلطان عز الدین کیاؤس کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ آنے والے اس وفد کے لئے سلطان نے کھانے پینے اور ان کی رہائش کا بہترین اہتمام کیا۔ ساتھ ہی اسی روز شام کے وقت سلطان نے اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔

چنانچہ جب سارے سالار، سلطان کے پاس جمع ہو گئے، تب جس وفد نے آ کر تگور کے خلاف شکایت پیش کی تھی، اس کی تفصیل سلطان نے سب سے کہہ دی تھی۔ جواب میں سالاروں اور امراء نے بھی انتہائی غصے کا اظہار کیا اور اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ تگور کے خلاف جس قدر جلد ممکن ہو سکے، کارروائی کرنی چاہئے۔

سلطان نے جب دیکھا کہ تگور کے خلاف کارروائی کرنے میں اس کے سارے امراء اور سالار متفق ہیں تو اس نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر سلطان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کا چوب دار، سلطان کے خیمے کے سامنے آیا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہمارے وہ مجر جنہیں آپ نے قونیہ سے کوچ کرتے وقت دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے روانہ کیا تھا، ان میں سے کچھ حاضر ہو کر آپ کی خدمت میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“

ان الفاظ پر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا اور چوب دار کو حکم دیا کہ آنے والے مجرروں کو پیش کیا جائے۔

چنانچہ مجر جب سلطان کے سامنے آئے، سلطان نے ان سے پوچھا۔

”کیا تم کوئی اہم خبر لے کر آئے ہو؟“

اس پر ایک مجر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم ایک اچھی خبر لے کر آئے ہیں۔ جہاں تک تگور کے قلعے سینوب کا تعلق ہے، جس میں وہ قیام کرتا ہے تو یہ قلعہ کوستانی سلسلوں کے اندر ہے۔ فصیل بڑی اونچی اور کافی چوڑی ہے۔ قلعہ بلندی پر ہے۔ لہذا اگر ہم اس کا محاصرہ کر لیں تو اس کو فتح

ہے اور ساتھ اس کے خاصا بڑا لشکر ہوتا ہے۔ گھڑ دوڑ کے فوراً بعد وہ اپنے قلعہ کے اندر چلا جاتا ہے۔

سلطان محترم! دوسرا کام جو وہ باقاعدگی سے کرتا ہے، وہ شکار ہے۔ اس کے شہر اور قلعے سینوب سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گھٹا جنگل ہے۔ اس میں ہر قسم کے جانور پائے جاتے ہیں۔ سینوب کا حکمران ہفتہ میں ایک بار اس جنگل کی طرف جاتا ہے اور شکار کرتا ہے۔ اس موقع پر بھی اس کے ساتھ ایک خاصا بڑا لشکر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ شکار کے لئے وہ جب دن تھوڑا سا چڑھ جاتا ہے تو جنگل میں داخل ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے لوٹتا ہے۔ ان دونوں مواقع پر حملہ آور ہو کر، اس کے لشکر کا خاتمہ کر کے اسے گرفتار کر لیا جائے تو سلطان محترم! ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کام بڑا آسان ہو جائے گا۔ اور ساتھ ہی سلطان محترم! ہم آپ پر یہ بھی انکشاف کریں کہ اب ہنگو پر سوسو شکار کے لئے نکلے گا اور اگر اس موقع پر گرفت کی جائے تو بڑی آسانی سے اسے گرفتار کیا جاسکتا ہے۔“

اپنے مخبروں کے ان الفاظ پر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر انہیں جا کر آرام کرنے اور دوبارہ اپنے کام پر لگ جانے کے لئے کہا۔

ان کے جانے کے بعد سلطان نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔
”جو کچھ مخبر نے کہا، تم بھی غور سے سن چکے ہو۔ اگر ہم پورا لشکر لے کر ہنگو کے مرکزی شہر سینوب کی طرف بڑھتے ہیں تو سینوب کے مخبر بھی آخر کام کر رہے ہوں گے اور ان کو پتہ چل جائے گا کہ اس پر حملہ آور ہونے کے لئے ہم پیش قدمی کر رہے ہیں۔ لہذا ہنگو مستعد ہو جائے گا۔ اپنے شہر اور قلعہ سے نہیں نکلے گا اور اپنے دفاع کے معاملات کو مزید مستحکم اور مضبوط کرنے میں لگ جائے گا۔ لہذا میں نے جو کچھ سوچا ہے، وہ یہ ہے کہ لشکر کے دو برابر لے کر تے ہیں۔ ایک حصہ یہاں میرے پاس رہے گا۔ میں فی الحال یہیں قیام کروں گا۔ دوسرے ساتھ حسام الدین یوسف، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام رہیں گے۔ دوسرے لشکر کا کمانڈر اعلیٰ سیف الدین ابو بکر ہوگا۔ اس کے ساتھ مبارز الدین چاولی ہوگا۔ کل شام کے بعد جب اندھیرا اگرا ہو جائے گا، یہاں سے کوچ کریں گے اور گمنام استوں سے ہوتے ہوئے اس جنگل کا رخ کریں گے جس کے اندر ہنگو شکار کرتا ہے۔ اس کل تک ہمارے مخبر سیف الدین ابو بکر اور مبارز الدین چاولی کی رہبری اور رہنمائی کریں

کرنے میں اگر کئی ماہ نہیں تو کئی ہفتے ضرور لگ سکتے ہیں۔ ہنگو کے اس شہر کو فتح کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ سینوب شہر اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔ کوئی باہر سے چیز نہ آنے دی جائے اور نہ ہی قلعہ سے کوئی چیز نکلنے دی جائے۔ اگر ایسا محاصرہ سختی سے کیا جائے تو پھر سینوب والوں کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہم ایک ایسا نسخہ لے کر آئے ہیں سلطان محترم! کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ہنگو کو بڑی آسانی سے گرفتار کر کے ہم اپنا مطلب نکال سکتے ہیں۔“

آنے والے ان مخبروں کے الفاظ سن کر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا، پھر کہنے لگا۔
”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ ہنگو کو کیسے اور کس طرح حملہ کئے بغیر گرفتار کیا جاسکتا ہے جبکہ ساتھ تم یہ بھی کہتے ہو کہ اس کا قلعہ ایک طرح سے ناقابل تسخیر ہے۔ دوسری طرف یہ بھی کہتے ہو، بڑی آسانی سے اسے گرفتار کر کے ہم اپنا مقصد نکال سکتے ہیں۔“

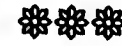
جواب میں وہی مخبر بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں، درست ہے۔ ہم چونکہ قونیہ سے آپ کی روانگی سے چند روز پہلے ہنگو کے علاقوں میں جا پہنچے تھے، ہم نے ہنگو کے روزمرہ کاموں کا جائزہ لیا۔ وہ دو کام بڑی باقاعدگی سے کرتا ہے۔ پہلا یہ کہ روزانہ صبح سویرے گھڑ دوڑ کے لئے نکلتا ہے اور اس موقع پر خاصا بڑا لشکر اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب سے سینوب اور ججن کے علاقوں کا حکمران یعنی ہنگو نے اپنے لشکر ہمارے خلاف لشکری کی مدد کے لئے روانہ کئے تھے، تب سے وہ بڑے محتاط ہو چکے ہیں۔ اگر لشکری کو ہمارے مقابلہ میں کامیابی نصیب ہوتی تو یہ ہنگو اور اس کا عامل لیفون دونوں بڑے خوش ہوتے اور اطمینان محسوس کرتے۔ اب جب کہ لشکری کو ہمارے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا، لشکری کا خاتمہ کر دیا گیا اور شہر برصہ پر ہمارا قبضہ ہو گیا، تب ہنگو اور لیفون دونوں فکر مند ہو چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے اگر مسلمانوں کے سلطان کو یہ خبر ہو چکی ہے کہ ان دونوں نے اپنے لشکر ہمارے خلاف لشکری کی مدد کے لئے روانہ کئے تھے تو پھر مسلمانوں کا سلطان ان کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ اس بنا پر وہ کافی محتاط ہو چکے ہیں۔“

سلطان محترم! بہر حال میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ روزانہ صبح سویرے گھڑ دوڑ کے لئے نکلتا

گے۔ اس جنگل میں پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سیف الدین اور مبارز الدین اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیں گے۔ ایک حصہ سیف الدین کے پاس، دوسرا مبارز الدین کے پاس رہے گا۔ مبارز الدین، سینوب شہر کی طرف رہے گا جب کہ سیف الدین براہ راست نکور پر حملہ آور ہوگا۔ ممکن ہے، سینوب شہر کے اندر جو نکور کا لشکر ہے، اسے پتہ چل جائے کہ نکور پر حملہ کیا گیا ہے۔ اور جب وہ شہر سے نکلے تو مبارز الدین چاولی اسے روکے اور سیف الدین ابوبکر کی طرف نہ جانے دے۔ اس وقت تک سیف الدین ابوبکر شاید دشمن سے نمٹ چکا ہو۔ پھر وہ بھی مبارز الدین چاولی سے آن ملے گا اور دونوں مل کر سینوب سے نکلنے والے نکور کے لشکر سے بھڑ جائیں گے اور اسے اس قابل نہیں رہنے دیں گے کہ نکور کو وہ ان سے چھین سکے۔“

جب سارے سالاروں نے سلطان عز الدین کی کاؤس کی اس تجویز سے اتفاق کیا، تب کچھ دیر تک سلطان نے مزید صلاح مشورہ کیا، اس کے بعد سلطان نے سارے سالاروں کو اپنے خیموں میں جانے کی اجازت دے دی تھی۔



سیف الدین ابوبکر جب اپنے خیمے میں داخل ہوا، تب خیمے میں کھانے کے برتن ڈھانپ کر بریزہ شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ سیف الدین جب خیمے میں داخل ہوا اور آگے بڑھ کر بریزہ کے پاس بیٹھ گیا، تب بریزہ نے خوش کن انداز میں سیف الدین کو مخاطب کر کے پوچھا۔

”سلطان نے سارے سالاروں کو بلایا تھا۔ کیا کوئی خاص بات ہے؟“

جواب میں سلطان کے خیمے میں ہونے والی ساری گفتگو کی تفصیل سیف الدین نے بریزہ سے کہہ دی تھی۔

بریزہ ساری گفتگو سن کر خوش ہو گئی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

”اس کا مطلب ہے کل شام کے بعد آپ اپنی اس مہم پر نکلیں گے۔“

اس پر سیف الدین ابوبکر نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب بریزہ بولی اور کہنے لگی۔

”اچھا اب آئیں کھانا کھائیں۔ کل دن کے وقت میں آپ کی تیاری مکمل کر دوں گی۔“

مانے سنا ہے، سینوب کا حاکم نکور بڑا عیار اور فریبی ہے۔ اس کے خلاف محتاط اور چوکنا بیٹے گا۔“

سیف الدین ابوبکر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”بریزہ! تم فکر نہ کرو۔ میں جانتا ہوں، تم میری بیوی ہو اور میری رواںگی تمہیں فکر مند کرتی ہے۔ بہر حال میری اس مہم کا ذکر جوزین سے مت کرنا۔ وہ خواخواہ لشکر میں شامل.....“

یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ جوزین خیمے کے زے پر نمودار ہوئی تھی اور مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

”امیر سیف الدین! آپ فکر مند نہ ہوں۔ مجھے اس مہم کی خبر ہو چکی ہے اور میں اس مہم نامل ہوں گی۔ اگر آپ دونوں میاں بیوی برانہ مائیں تو کیا میں آپ کے ساتھ کھانا کھا دوں؟“

سیف الدین ابوبکر جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جوزین کے پیچھے پیچھے خیمے میں بیٹس اور بازیگ داخل ہوئے۔ وہ کھانے کے برتن اٹھائے ہوئے تھے۔ کھانے ان انہوں نے وہاں رکھے جہاں بریزہ اور سیف الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے سب لڑکھانا کھایا، اس کے بعد سب بیٹھ کر نکور کی مہم کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ کلے روز شام کے بعد جب اندھیرا گہرا ہو گیا، تب آدھا لشکر لے کر سیف الدین مبارز الدین اپنی مہم کی طرف کوچ کر گئے تھے۔



سے تگور شکار کرنے کے لئے جنگل میں داخل ہوا ہوگا۔ وہاں جانے سے پہلے لشکر دو حصوں میں تقسیم ہوگا۔ میں جنگل کے اُن راستوں کے قریب اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رہوں گا جن راستوں کے ذریعے تگور شکار کرنے کے لئے اپنے لشکر کے ساتھ جنگل میں داخل ہوا ہو گا۔ مبارز الدین! تم وہاں لشکر کے ساتھ مجھ سے کافی ہٹ کے کھڑے رہو گے تاکہ سینوب شہر اور قلعہ سے اگر کوئی لشکر نکل کر ہمیں اپنا ہدف بنانا چاہے تو اسے روکا جاسکے۔“

مبارز الدین چاولی اور دوسرے سالاروں نے سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ وہ وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ جب خبروں نے یہ اطلاع دی کہ تگور ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ سینوب سے نکل کر شکار کرنے کے لئے جنگل میں داخل ہوا ہے، تب سیف الدین اور مبارز الدین اپنے لشکر کو لے کر جنگل کی مخالف سمت سے نکلے، تیزی سے اس سمت گئے، جہاں تگور جنگل میں داخل ہوا تھا۔ داخلے کے مقام کے قریب ہی سیف الدین ابوبکر اپنے لشکر کے ساتھ بالکل تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔ جب کہ مبارز الدین چاولی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اس سے ذرا ہٹ کے سینوب شہر کی طرف بالکل تیار ہو چکا تھا۔

دوسری طرف تگور کے لوگوں نے اسے بتا دیا کہ کوئی لشکر جنگل سے باہر نمودار ہوا ہے اور جنگل میں داخل ہو کر شاید اس پر حملہ آور ہونے کے درپے ہے۔

یہ خبر سن کر تگور بڑا فکر مند ہوا۔ بڑی تیزی سے اس سمت آیا، جس سمت سے وہ جنگل میں داخل ہوا تھا۔ اس نے دیکھا، سامنے اپنے لشکر کے ساتھ سیف الدین ابوبکر بالکل تیار اور مستعد کھڑا تھا۔

تگور نے جب جائزہ لیا کہ اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آنے والے لشکر کی تعداد بہت کم ہے، لہذا اس نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی۔ اپنے اس لشکر کے ساتھ، جس کے ساتھ وہ شکار کرنے کے لئے آیا تھا، جنگل سے نکلا۔ پھر وہ سیف الدین ابوبکر کے لشکر کے حصے پر جبر کے حالات میں لہو رنگ مناظر کھڑے کرتے پیچ در پیچ قہر و جفا کے سلسلوں، سزا و سزا کے دائروں میں ظلم کے طوفانوں میں خواب راستوں پر تپتی بھری تعبیریں سجاتی سلگتی آہوں کی طرح سیف الدین ابوبکر کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیف الدین نے بھی دیر نہیں لگائی۔ وہ دفاع کی طرف نہیں گیا۔ فوراً اس نے

رات کے پچھلے حصے میں سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی اپنے لشکر کو۔
کر سینوب شہر کے نواح میں جو جنگل تھا، اس کے اندر جا کر ایک محفوظ جگہ قیام کر لیا تھا۔ اس سمت کی مخالف طرف رہے تھے جس سمت سے سینوب شہر کی طرف سے آکر جنگل میں داخل ہوا جاتا تھا۔ چونکہ لشکریوں نے اپنے پانس اپنے کھانے پینے کے لئے خشک خوراک اور پھل تین دن کے لئے جمع کر رکھا تھا اور ہر لشکری کے پاس تین دن کی خوراک کے ساتھ پانی بھی موجود تھا، لہذا لشکریوں کی خوراک کی طرف سے سیف الدین اور مبارز الدین دونوں مطمئن تھے۔ چنانچہ سورج جب چڑھ آیا، تب سیف الدین اور مبارز الدین اپنے لشکر کے ساتھ جنگل کے اس حصے میں چھپے رہے جہاں سرکنڈوں کے جو تھے۔ تاہم انہوں نے اپنے اکاؤنڈ کا خبر جنگل کے اس سمت پھیلا دیئے تھے جس سمت سینوب کے حاکم تگور نے شکار کے لئے داخل ہونا تھا۔

جب سورج کافی چڑھ آیا اور یہ اُمید ہوئی کہ اب تھوڑی دیر تک تگور شکار کے جنگل میں داخل ہوگا، تب سیف الدین ابوبکر نے مبارز الدین چاولی کو اپنے پاس بیٹھ اس کے ساتھ چھوٹے سالار بھی سیف الدین کے کہنے پر وہاں بیٹھ گئے تھے۔ پھر سب الدین، مبارز الدین اور دوسرے چھوٹے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہم نے جو اپنے خبر دشمن پر نگاہ رکھنے کے لئے مقرر کئے ہیں، وہ اپنے کام میں ہوئے ہیں۔ جوں ہی وہ ہمیں اطلاع دیں گے کہ تگور اپنے شہر اور قلعہ سینوب سے نکل کر شکار کرنے کے لئے جنگل میں داخل ہوا ہے، ہم مخالف سمت سے جنگل سے باہر نکلیں۔ جنگل کے اطراف میں بڑی تیزی سے گھومتے ہوئے ہم اس سمت جائیں گے، جس

کے احوال کی طرح چھاتی بے نام وحشتوں، زندگی کی سانسوں، زیست کے ہنگاموں کو زندگی آلود سوچوں میں ڈبوئی طغیانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یہ ٹکراؤ زیادہ دیر نہ رہا۔ سینوب شہر سے نکلنے والے اس لشکر کو سیف الدین اور مبارز الدین چاولی نے بدترین شکست دی اور وہ واپس شہر کی طرف بھاگ گیا۔ اسی وقت تیز رفتار قاصد سیف الدین ابوبکر نے سلطان کی طرف روانہ کر دیئے تھے تاکہ سلطان کو نکور کی گرفتاری کے متعلق اطلاع دی جاسکے۔

سلطان عز الدین کی کاؤس، مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد فارغ ہوا ہی تھا کہ اسے خبروں کے آنے کی اطلاع دی گئی۔ لہذا خبروں کو اس نے اپنے خیمے میں طلب کر لیا تھا۔ چنانچہ تین خبر سلطان کے اس خیمے میں داخل ہوئے جس میں سلطان اپنے سالاروں کی مجلس طلب کیا کرتا تھا۔ جب وہ خبر، سلطان کے سامنے گئے، تب سلطان نے انہیں مخاطب کیا۔ ”اگر تم کوئی خبر لے کر آئے ہو تو کیا یہ خبر سیف الدین ابوبکر کی طرف سے ہے؟“ اس پر ایک خبر بولا اور مسکرایا۔

”سلطان محترم! آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم سیف الدین ابوبکر کی طرف سے آئے ہیں۔ وہ دشمن پر بڑے جارحانہ اور دانش مندانہ انداز میں حملہ آور ہوا اور نکور اور اس کے کئی امراء کو اس نے زندہ گرفتار کر کے رسیوں میں جکڑ لیا ہے اس نے ہمیں آپ کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ آپ کو نکور کی گرفتاری کی اطلاع دی جائے۔“

نکور کی گرفتاری کا سن کر سلطان عز الدین کی کاؤس کی خوشی کی کوئی انتہاء تھی۔ اس نے اپنے خبروں کو کھانا کھا کر تھوڑی دیر تک آرام کرنے کے لئے کہا تھا۔ ان پر یہ بھی انکشاف کیا گیا کہ رات کے پچھلے حصے میں ہم یہاں سے سینوب کی طرف کوچ کریں گے۔

دوسری طرف سیف الدین اور مبارز الدین دونوں نے اپنے لشکر کے ساتھ جنگل کے اندر قیام کر لیا تھا۔ قیدیوں کو بھی اپنے ساتھ رکھا تھا۔ تاہم انہوں نے جنگل سے باہر اپنے ٹکر کے ایک حصے کو مستعد کر رکھا تھا تاکہ سینوب شہر اور قلعہ سے نکل کر اگر کوئی اور لشکر انہیں ف بنانا چاہے تو بروقت اس کی اطلاع انہیں مل جائے اور وہ نکلنے والوں پر حملہ آور ہو کر بس واپس مار بھگائیں۔

جارحیت اختیار کی اور وہ بھی نکور کے اس لشکر پر خوابوں کو لبو میں تبدیل کرتے موج در موج کھولتے بھنور، عروج کو زوال کے معرکوں میں تبدیل کرتے زہر آلود جھکڑوں، وجود کی نیلگوں تہوں میں شعلہ فشاں آگ بھرتے نفرتوں کے بھڑکتے شرر، حیوانی جبتوں کے کھولتے تقاضوں اور سلگتی خواہشات کی تپش کو روندتی مستور و متحرک آتش کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک جنگل کے باہر ہولناک ٹکراؤ جاری رہا۔ اس ٹکراؤ کے دوران سیف الدین ابوبکر نے اپنی ہنرمندی اور اپنا کام خوب دکھایا۔ نکور کے لشکر کی اکثریت کو اس نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نکور کے علاوہ اس کے جو امراء ساتھی شکار کرنے کے لئے اس کے ساتھ آئے تھے، ان سب کو سیف الدین ابوبکر نے گرفتار کر لیا تھا۔

دوسری طرف جنگل کے اندر ہی اندر ہوتے ہوئے وہ لشکر جو بچ نکلے تھے، انہوں نے جا کے ساری داستان اور حادثہ کی اطلاع سینوب شہر میں کر دی۔ چنانچہ وہاں سے نکور کا ایک لشکر نمودار ہوا۔ اس وقت سیف الدین ابوبکر جنگ کے دوران گرفتار ہونے والے نکور اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لشکر کے ذریعے رسیوں میں باندھ رہا تھا۔ تاہم مبارز الدین چاولی نے شہر سے نکلنے والے لشکر کو دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ لشکر آتے ہی مبارز الدین چاولی کے لشکر پر جان کے آزار، سفر میں رسوائی کے موسم، ذلت کے زہر کھڑے کرتے، انا روندتے جبر، بربادی کی آواسیاں، تباہی کی رسوائیاں پھیلاتے موت کے اُلجھتے کرب اور بے نام وحشتوں کی طرح مبارز الدین پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے مبارز الدین چاولی بھی ان پر ہر شے کو پیشتی سرکش، بے زنجیر آندھیوں، پامال راستوں پر روندی ہوئی شاہراہوں پر نفرت کی آگ کے کھولتے بھنور، رنج و غم کے کلیان کھڑے کرتی درد کی ہجر کہانیوں اور بربادی کی علامتوں اور وحشتوں کے فسون کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

ابھی مبارز الدین اس لشکر سے تھوڑی دیر ہی ٹکرایا تھا کہ سیف الدین اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا، انہیں رسیوں سے باندھ کر اپنے چند دستوں کے حوالے کیا تاکہ ان کی نگرانی کریں اور اپنے لشکر کے ساتھ پلٹا اور نکور کا وہ لشکر جو شہر سے نکل کر مبارز الدین چاولی پر حملہ آور ہوا تھا، اس لشکر پر سیف الدین ابوبکر وقت کی تقویم میں جسموں کی ہڈیاں توڑتے بھرے جذبوں کی حدوتوں، وقت کے قافلوں پر سرگرداں نیستی

چاہتا ہوں۔“

سیف الدین ابوبکر نے کچھ سوچا، پھر غور سے نکور کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھ لیا۔

”اگر میں تمہیں رہا نہ کروں تو پھر کیا رہ عمل ہوگا؟“

جواب میں نکور بولا اور کہنے لگا۔

”تم لوگوں نے ابھی تک میری طاقت کا صحیح جائزہ لیا ہی نہیں ہے۔ کسی کو شکار کے دوران حملہ آور ہو کر گرفتار کر لینا مردوں کا شیوہ نہیں ہے۔ ایسا کام تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ مجھے رہا کر دو۔ رہا نہیں کرو گے تو میرے ساتھی ساری زندگی تمہارے تعاقب میں رہیں گے۔ جہاں کبھی موقع ملا، تمہارا سر پکھل کے رکھ دیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد نکور کا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

”سنو مسلمانوں کے سالار سیف الدین ابوبکر! تمہارا بڑا نام ہے۔ تمہارے متعلق اکثر دُک جانتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ تم ناقابلِ تسخیر ہو۔ اس لئے کہ تم نے کئی بار انفرادی مقابلوں میں اپنے مد مقابل کو اُدھڑ کر رکھ دیا۔ اس بنا پر تمہارے لشکر میں بھی تمہاری تعریف و صیغ کی جاتی ہے۔ رہی بات مجھے رہا کرنے کی تو مجھے رہا کر دو گے تو فلاح پاؤ گے۔ رتم مجھے رہا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا، نہ تم زندگی کی سانسوں سے لطف اندوز ہو سکو گے اور نہ لون سے جی سکو گے۔ جگہ جگہ میرے ساتھی تم پر حملہ آور ہو کر تمہارے لئے کھولتے عذاب و ہر چیز کو جھلسا دینے والے الاؤ کھڑے کرتے رہیں گے۔ اس بنا پر میں تم سے کہوں گا۔ تمہاری بہتری اور تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھ سے کوئی تعرض نہ کرو۔ مجھے رہا کر دو۔ جہاں میں جانا چاہتا ہوں، مجھے جانے دو۔“

جواب میں سیف الدین بولا اور کہنے لگا۔

”میں تمہیں رہا نہیں کروں گا۔ پہلے یہ دیکھتا ہوں کہ تم کون سا جوار بھانا کھڑا کرتے۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ شہر پناہ کے اندر سے تمہارا بہت بڑا لشکر نمودار ہوگا، ہم پر حملہ آور اور تمہیں چھڑا کر سینوب کی طرف لے بھاگے گا تو تمہاری یہ سوچیں بیکار جائیں گی۔ لئے کہ تمہیں گرفتار کرنے کے بعد تمہارے شہر سے نکلنے والے ایک لشکر کو ہم بدترین ت دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر چکے ہیں۔ لہذا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری

ایک روز سردی سے بچنے کے لئے سیف الدین، مبارز الدین اور اس کے سالار جنگل کے اندر نکڑیاں جمع کر کے آگ جلا کر اس کے پاس بیٹھے تھے اور ان کے ارد گرد لشکریوں نے بھی جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کر رکھے تھے تاکہ سردی سے بچ سکیں۔ دوسری طرف ایک بار نکست اٹھانے کے بعد سینوب کے کسی لشکر کو شہر سے نکل کر جنگل میں سیف الدین ابوبکر سے ٹکرانے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

اس موقع پر جب کہ سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین اپنے کچھ سالاروں کے ساتھ آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک لشکری سیف الدین ابوبکر کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر! ان سرزمینوں کا حکمران نکور آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہے۔“

اس موقع پر ایک غائر نگاہ سیف الدین نے مبارز الدین پر ڈالی۔ مبارز الدین نے جب اثبات میں گردن ہلائی تب آنے والے اُس لشکری کو مخاطب کر کے سیف الدین کہنے لگا۔

”نکور کو لے کر میرے پاس آؤ۔“

وہ لشکری وہاں سے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد نکور کو سیف الدین کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے ہاتھ اس کی پشت پر بندھے ہوئے تھے اور سیف الدین کی طرف لانے کے لئے اس کے پاؤں کھول دیئے گئے تھے۔

سیف الدین کچھ دیر تک غور سے نکور کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”کیا تم نے مجھ سے کچھ کہنا ہے؟“

اس پر نکور بولا اور کہنے لگا۔ ”کیا تمہارا نام سیف الدین ابوبکر ہے؟“

جواب میں سیف الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ہاں، میرا ہی نام سیف الدین ابوبکر ہے۔ کیا تم کو مجھ سے کوئی گلہ شکوہ ہے؟“

اس پر نکور بولا اور کہنے لگا۔

”میں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے رہا کر دو۔ رہا کر دو گے تو مالا مال ہو جاؤ گے۔ زندگی کے دن عیش سے گزارو گے اور وہ سارا سامان جو ساری زندگی تمہارے کام آئے گا، میں تمہیں مہیا کروں گا۔ اس کے بدلے میں صرف اپنی آزادی

نکور! یاد رکھنا، جس طرح روح اور جسم کا رابطہ ہے، ایسے ہی ماحول اور جسم میں بھی رابطہ ہے۔ یہ رابطہ فانی ہے، دائمی نہیں ہے۔ اور جس روز ہم سینوب شہر پر تھپڑے مارتی برفانی ہواؤں کی طرح حملہ آور ہوں گے، یاد رکھنا تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی حالت ابو میں دوڑتی آوازوں، اجڑی بستیوں، برہنہ مٹی کی بنجر پیاس سے بھی بدتر ہوگی۔ نکور! تمہیں گرفتار کرنے کے بعد ہمارے پاس شہر کو فتح کرنے کا ایک آسان اور مختصر ترین راستہ بھی ہو گا۔ وہ تمہارے ذریعے ہو گا۔ جب ہم وہ راستہ بنا لیں گے تو یاد رکھنا، تم متحیر و مبہوت کر دینے والے انداز میں اپنے شہر سینوب کو سوزش و اضطراب کا شکار ہوتے دیکھو گے۔ اور تم خود بے چارگی و کسمپرسی کے عالم میں شہر والوں سے کہتے پھرو گے کہ شہر مسلمانوں کے سلطان عز الدین کیا کوس کے حوالے کر دو۔ جس روز ایسا ہو گا، اس روز تمہارے حیوانی مقاصد، تمہاری خواہشوں کی گندگی عناصر کے نالہ و ماتم اور روح کی ذلت و تنگ میں تبدیل ہو جائے گی۔“

نکور نے سیف الدین ابوبکر کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا تھا، خاموش ہو رہا۔ سیف الدین ابوبکر بھی مطمئن تھا اس لئے کہ اس نے پہلے ہی تیز رفتار قاصد سلطان کی طرف بھجوا دیئے تھے اور ساری صورت حال سے اسے آگاہ کر کے سینوب شہر کے نواح میں آنے کے لئے کہا تھا۔

جس روز سیف الدین کے مخبر، سلطان کے پاس پہنچے تو سلطان نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا تھا۔ ان میں کسار بھی تھا۔ جب سلطان نے سب سالاروں اور امراء کو اپنے خیموں میں جا کر آرام کرنے کے لئے کہا تھا، اس وقت تاریکی ہو چکی تھی۔ اس لئے یہ کارروائی عشاء کی نماز کے بعد عمل میں آئی تھی۔

کسار جب اپنے خیمے میں گیا تو خیمے میں اس کی بیوی سیکس، بیٹا باز نیک، بریزہ اور وزین چاروں بیٹھے شاید اسی کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ خیمہ میں داخل ہونے کے بعد بڑھ کر اس نشست پر بیٹھ گیا، جس نشست سے اٹھ کر وہ سلطان کے خیمے کی طرف لیا تھا، تب کچھ دیر تک بریزہ بڑے غور سے اپنے باپ کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

”بابا! آپ کا چہرہ بتاتا ہے، خطرے اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بابا! سلطان نے کس مقصد کے تحت سارے سالاروں کو بلایا تھا؟ کیا سیف الدین سے متعلق کوئی اچھی

گرفتاری کی خبر سینوب شہر کے سالاروں کو ہو چکی ہے۔ وہ ایک بار تمہاری رہائی پر اپنے رد عمل کا اظہار کر چکے ہیں۔ ایک لشکر باہر نکلا، ہم پر حملہ آور ہوا جس کے مقدر کے کشکول میں ہم نے ناکامی کے سکے ڈال دیئے ہیں اب دوبارہ کوئی لشکر سینوب شہر سے نہیں نکلے گا۔ اگر نکلے گا تو مارا جائے گا۔ لہذا تمہیں اس وقت تک ہماری اسیری میں ہی رہنا ہو گا، جب تک ہمارے سلطان عز الدین کیا کوس یہاں نہیں پہنچ جاتے اور تمہاری قسمت کا فیصلہ نہیں کر دیتے۔ یہ مت خیال کرنا، ہم تم سے خوف زدہ ہو کر تمہیں رہا کر دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ مجھے اُمید ہے، کل تک ہمارا سلطان یہاں پہنچ جائے گا۔ تمہارا معاملہ سلطان کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ پھر تمہارے ساتھ جو وہ سلوک کرے، ہمارے لئے آخری اور قابل قبول ہو گا۔“

سیف الدین ابوبکر جب رکا، تب بڑے تکبر اور گھمنڈ میں نکور بولا اور کہنے لگا۔

”دیکھو یہ تم لوگوں کا فریب نظر اور غلط فہمی ہے کہ تم سینوب کو اپنے سامنے جھکانے اور فتح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہرگز نہیں تم نے مجھے تو چالاکی سے کام لے کر گرفتار کر لیا ہے لیکن تمہاری کوئی بھی چالاکی، تمہارا کوئی بھی حربہ، تمہارا کوئی بھی جتن سینوب کو فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ میرا یہ شہر اور قلعہ ایسا ہے جس پر صدیوں ہماری حکومت چلی آ رہی ہے اور کسی کو اسے فتح کرنا نصیب نہیں ہوا۔“

نکور جب خاموش ہوا، تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔

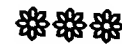
”تجھ جیسے لوگ جو پھنس جانے کے بعد مکاری کو ذہانت، کواس کو علم، کمزوری کو زدی، بزدلی کو بے نیازی خیال کرنے لگتے ہیں، وہ خود دھوکے اور فریب کا شکار ہوتے ہیں نکور! تمہیں اور سینوب کے سالاروں اور شہر کے باسیوں کو جب ہم اپنے تیز حملوں سے اُتار قدر تنگ کر دیں گے کہ وہ اپنے آپ سے نفرت کرنے لگیں گے، اس روز وہ اطاعت پڑ غلاموں، پابہ زنجیر قیدیوں، ذلت و پستی کے کفن پہنے خود ہی ہمارے سامنے دوزانو ہو کر اپ گردنیں جھکائیں گے۔ اُس روز تمہیں بھی زندگی کے اُجالے، اندھیرے دکھائی دینے لگیں گے۔ یاد رکھنا، ہماری ضرب بڑی کڑی اور سخت ہوگی اور اس ضرب سے تمہیں روح پر مترنم صدائیں اور خزاں کے اُداس نغمے محسوس ہونے لگیں گے۔

خبر آئی ہے؟“

جواب میں کسار مسکرایا اور کہنے لگا۔

”میری بیٹی! تیرا کہنا درست ہے۔ سلطان نے اپنے خیمے میں بلا کر سارے امراء اور سالاروں کو وہ تفصیل بتا دی ہے جو سیف الدین ابوبکر کے بھیجے ہوئے قاصد لے کر آئے تھے۔ دراصل سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی دونوں سینوب پہنچے اور انہوں نے جنگل کے اندر گھات لگائی تھی۔ چنانچہ نکور جب شکار کرنے کے لئے نکلا، تب سیف الدین ابوبکر اس سے ٹکرایا۔ جب کہ مبارز الدین چاولی جنگل سے ذرا ہٹ کے کھڑا ہوا کہ کوئی اور لشکر اگر شہر سے نکل کر نکور کی مدد کرے تو اس سے نمٹا جاسکے۔ چنانچہ سیف الدین نے نکور پر حملہ آور ہو کر اس کے ساتھیوں کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ نکور اور اس کے بہت سے سالاروں اور رؤساء کو اس نے گرفتار کر لیا۔ ان کے ہاتھ پشت پر باندھ کر قابو کر لیا تھا۔ اسی وقت سینوب شہر سے لشکر نکل کر مبارز الدین پر حملہ آور ہوا۔ اس موقع پر سیف الدین بھی اس کی مدد کے لئے پہنچ گیا۔ چنانچہ دونوں نے مل کر سینوب سے نکلنے والے لشکر کو بدترین شکست دی اور وہ لشکر شکست اٹھا کر واپس سینوب کی طرف بھاگ گیا۔ اب سیف الدین نے سلطان کی طرف پیغام بھیجا ہے کہ اس نے نکور کو گرفتار کر کے اپنے پاس رکھا ہوا ہے، لہذا سلطان وقت ضائع کئے بغیر سینوب پہنچے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا ہے کہ آج رات کے پچھلے حصے میں لشکر یہاں سے سینوب کی طرف کوچ کرے گا۔“

یہ ساری تفصیل جان کر بریزہ، سیمس اور باز نیک کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ اور پھر اسی روز رات کے پچھلے حصے میں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ سینوب شہر کا طرف کوچ کر گیا تھا۔



سینوب کی مملکت کے سالاروں نے اپنے حکمران نکور کو چھڑانے میں کچھ تاخیر کر دی تھی۔ وہ لگاتار دو دن تک اپنی تیاریوں میں مصروف رہے۔ اتنی دیر تک سلطان عز الدین کی کاؤس اپنے لشکر کے ساتھ سینوب کے نواحی جنگل کے باہر پہنچ گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی نے اپنے دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کر شاندار انداز میں سلطان کا استقبال کیا۔ سلطان نے پہلے جنگل کے سامنے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ گھوڑے سے اتر کر باری باری وہ سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی سے گلے ملا۔ سارے سالار بھی اسی انداز میں ملے۔ پھر سلطان نے باری باری سیف الدین اور مبارز الدین چاولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا شروع کیا۔

”میں تم دونوں کی کارگزاری سے انتہا درجہ کا مطمئن اور خوش ہوں۔ ذرا سینوب کے حکمران نکور کو تو میرے سامنے لاؤ۔ میں دیکھوں وہ کیسا انسان ہے اور کیونکر اس نے مارے بدترین دشمن، لشکری کی ہمارے خلاف مدد کی۔“

اس پر اپنے قریب کھڑے ایک سالار سے سیف الدین نے کچھ کہا جس پر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد لشکر کا ایک دستہ نکور کے ساتھ گرفتار ہونے والے اس کے امراء اور سالاروں کو لایا اور سلطان کے سامنے انہیں کھڑا کر دیا۔ انہیں جب بتایا گیا کہ مسلمانوں کا لطان باقی ماندہ لشکر کو لے کر یہاں پہنچ چکا ہے، تب وہ اپنی گردنیں جھکائے سلطان کے سامنے کھڑے رہے۔ وہ بے بس تھے۔ اس لئے کہ ان دونوں کے ہاتھ پشت پر بندھے گئے تھے۔

اس موقع پر سیف الدین اور مبارز الدین کو سلطان نے اپنے ساتھ لیا، پھر کہنے لگا۔

”ان میں نکور کون ہے؟“

سیف الدین نے نکور کی طرف اشارہ کیا۔ سلطان اس کے سامنے رک گیا۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے اسے دیکھتا رہا، پھر کسی قدر خفگی اور غصے کا اظہار کرتے ہوئے اس نے نکور کو مخاطب کیا۔

”تم نے ہمارے خلاف اپنے لشکر کے ذریعے ہمارے بدترین دشمن لشکری کی مدد کی۔

کیا تمہارے پاس اس کی کوئی توجیہ ہے؟“

جواب میں نکور کچھ نہ بولا۔ اس کی گردن جھکی رہی۔ سلطان مسکرایا اور کہنے لگا۔

”اس طرح خاموش رہنے سے کام نہیں بنے گا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ تیرا دعویٰ ہے کہ تیرا شہر اور قلعہ سینوب ناقابل تسخیر ہے اور یہ قلعہ صدیوں سے تیرے خاندان میں چلا آتا ہے اور کوئی اسے فتح کرنے نہیں پایا۔ میں جانتا ہوں یہ قلعہ انتہائی مضبوط ہے، مستحکم ہے۔ کوہستانوں جیسی اس کی فصیلیں ہیں، کافی بلندی پر ہے۔ اس بنا پر حملہ آوروں کے لئے مشکلات ہوتی ہیں۔ لیکن ہم نے عہد کیا ہے، جب تک سینوب کو فتح نہیں کریں گے، کسی اور سمت نہیں جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان عزالدین کیاؤس جب رکا، تب نکور نے اپنی گردن سیدھی کی اور کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے سلطان! آپ کے لشکر کے ایک حصے نے غفلت کی حالت میں مجھ پر گرفت کی۔ اگر یہ اعلانیہ میرے سامنے آتے تو میں انہیں پیس کر رکھ دیتا۔“

سلطان کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور کہنے لگا۔

”اپنے دشمن کو کسی جتن اور کسی ترکیب سے زیر کرنا بھی ایک بہترین جنگی چال ہے۔ اور ایسا اچھا سالار ہی کر سکتا ہے۔ اگر تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم بہت بڑے جنگجو بڑے عمدہ نایاب تیغ زن ہو تو تمہارا یہ دعویٰ بھی ہم ختم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ میرے جس سالار نے تم پر قابو پایا، اس کا نام سیف الدین ابوبکر ہے۔ اس کے نائب کا نام مبارز الدین چاولی ہے۔ اگر تمہیں اپنی جرات مندی، اپنی طاقت و قوت پر کوئی گھمنڈ ہے، تم کسی فریب میں مبتلا ہو کہ کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا تو تمہارے مقابلے کا بھی کوئی اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ میں تمہارے مقابلے میں اپنے سالار سیف الدین کو پیش کرتا ہوں۔ بوا

کیا تم اُس سے انفرادی مقابلہ کرنے کو تیار ہو؟“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان عزالدین کیاؤس جب رکا، تب کچھ دیر بعد گہری لگا ہوں سے نکور اپنے قریب کھڑے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتا رہا، اس کے بعد کہنے لگا۔

”مسلمانوں کے سلطان! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے اس سالار نے مجھ پر گرفت کر لی ہے۔ مجھے اپنے سامنے بے بس اور مجبور کر دیا ہے۔ لیکن آپ سب لوگ مل کر بھی میرے شہر اور قلعہ سینوب کو فتح نہیں کر سکتے۔ آپ لوگ جتنے ماہ چاہیں اس کا محاصرہ جاری رکھیں، قلعے کے لوگ بس سے مس نہیں ہوں گے اور آپ لوگوں کو قلعہ کی فصیل کے زریب تک نہیں پھٹکنے دیں گے۔ یہ میرے لشکریوں کی صفت ہے۔ لہذا میں ایک بار پھر کہوں گا، مجھے تو تم لوگوں نے ایک جال میں پھنسا کر گرفتار کر لیا ہے، لیکن میرا شہر سینوب تم نہیں ہوگا۔ میں اگر شہر کے اندر موجود نہیں تو کیا ہوا، میرے پیچھے میرے بیٹے ہیں جو ملطنت کا کام بہترین انداز میں چلانے کے عادی ہیں۔“

سلطان نے نکور کو لے جانے کا حکم دے دیا۔



جب سلطان کا پڑاؤ قائم ہو گیا، تب سلطان نے لشکر کا ایک حصہ مستعد کر دیا تاکہ شہر سے نکل کر کوئی لشکر شب خون نہ مارے۔ باقی لشکر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس کے تھ لشکریوں کے لئے کھانے کی تیاری کا کام شروع ہو گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا، خیمے میں اس کی نابریزہ بڑی بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ جوں ہی سیف الدین ابوبکر اپنے خیمے کے ازے پر نمودار ہوا، بریزہ نے بھاگ کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے، آگے بڑھ کر ایک ست پر بٹھایا، پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”میں آپ کو سینوب میں شاندار کامیابی پر مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ لشکر میں جس قدر فیس ہیں، باری باری میرے پاس آتی رہی ہیں، آپ کی اس کارگزاری پر مجھے مبارکباد رہی ہیں کہ امیر سیف الدین ابوبکر نے سینوب کے حکمران نکور کو گرفتار کر لیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی مسکراتے ہوئے بریزہ نے اپنے خوب صورت اور سرخ گال پر ایک

کے لشکر کے ساتھ نظر نظر کو غبار کر دینے والے آندھیوں کے غبار، موسموں کی کسی بھی کیفیت کو غبار میں نہ لانے والی جانبازی و فداکاری، سورج کے جلال میں سیال آتش کی مستی پر آئی اغنی لہروں، آگ اور موت کے خونی کھیل اور دکھ و ساگر کی پھرتی لہروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر کے بعد حسام الدین یوسف بھی اسی کے انداز میں حرکت میں آیا اور وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دشمن پر موت کے لفظوں کی گرہیں کھولتی دل آزار واہشوں، سوچوں کے پیانوں کو داس، لمحوں کی کہانیوں اور خواہشوں کے عذاب میں بدلتی ندھیوں کی یورش، تخریب کی تند آندھیوں اور زخموں سے چھلنی اور پارہ پارہ کرتی عذاب ری ٹھوکروں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح سینوب شہر کے باہر گھسان کارن پڑا تھا۔ سینوب کے سالاروں نے اپنے لڑکوتین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ جواب میں سلطان نے بھی اپنے لشکر کو تین ہی حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ جسے قلب کہا جاتا تھا، سلطان نے اپنے پاس رکھا۔ دائیں لشکر کی ان داری سیف الدین ابوبکر کے پاس تھی۔ مبارز الدین چاولی اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ بائیں حصے کی کمانداری حسام الدین یوسف کے پاس تھی۔ زین الدین وہ اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ جب کہ سلطان کے ساتھ نجم الدین م نیابت کا کام انجام دے رہا تھا۔

سینوب کے نواح میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے بڑے بڑے سورا مسکتے تھل کی مٹی کی طرح ہونے لگے تھے۔ دھرتی کی مردہ شریانوں میں لہو اترنے لگا تھا۔ انتقام کی آگ، اٹھتے کالے دھوئیں کی طرح پھیلنے لگی تھی۔ خدا کی خدائی میں زمین کا حسن ب ہونے لگا تھا۔ اڑتی ریت لشکریوں کے قدموں کو اور زیادہ غڈ حال کرتی جا رہی تھی۔ میدان جنگ اور رزم گاہ کے اندر کرب کے لمحات، شوریدہ ریاضت، ٹوٹتی سانسیں، ملتی کے جذبے اور نسلوں کی نفرت، ہلکورے لیتی موت، روح کی پیاس، وحشتوں کے ب رقص کرنے لگے تھے۔

کچھ دیر تک مزید جنگ جاری رہی تو سینوب کے لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا تو ب لے سالار اپنی شکست قبول کرتے ہوئے اپنے لشکر کو لے کر شہر میں داخل

چپت لگائی اور کہنے لگی۔

”میں بھی کتنی بے وقوف ہوں، آتے ہی دوسری باتیں شروع کر دی ہیں۔ میں لے آپ کا نیا لباس نکال کر طہارت خانے میں رکھا ہوا ہے۔ آپ پہلے نہ لیں۔ اتنی دیر تک کھانا بھی آ جائے گا۔ پھر اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔“

بریزہ کے کہنے پر سیف الدین ابوبکر اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے ملحقہ طہارت خانے کی طرف چلا گیا تھا۔

لشکر نے ایک دن اور ایک رات وہیں قیام کیا۔ یہاں تک کہ سینوب شہر سے ٹکڑا لشکر نکلا۔ وہ ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ لشکر کے اندر اور آگے بڑے بڑے طبل بج رہے تھے۔ وہ لشکر آگے بڑھتے ہوئے سلطان عز الدین کے لشکر سے ذرا فاصلہ پر پڑاؤ کرنے لگا تھا۔ سلطان عز الدین اور اس کے سالار بڑے غور سے سینوب کے اس لشکر کو پڑاؤ کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

پڑاؤ کرنے کے بعد سینوب کے سالاروں نے جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ ساتھ ہی ان کے لشکر کے اندر پہلے کی نسبت زیادہ گونج دار اور تیز آوازوں میں طبل بجنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر کی اپنی تیاری کے بعد سینوب کے لشکر کے سالاروں نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ ظلم کی داستان دراز کرتے ہو لٹاک اعصابی ہيجان، دکھوں کی میعاد بڑھا۔ مضطرب اور تشنگی کے نوحوں اور ستم کی برسات کرتی خونی لمحوں کی کہانیوں کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سب سے پہلے سلطان عز الدین کی کاؤس نے خود اپنے لشکر کو بادبانوں تک میں گرہ ڈالتی بے روک صحرائی آندھیوں کی طرح حرکت میں لایا۔ ہوئے آگے بڑھایا۔ پھر سلطان، سینوب کے لشکر پر ساعتوں میں قہر بن کر اترتی کہرباؤ طغیانوں، وقت کے فاصلوں میں سانوں کے تسلسل کے اندر بے نام وحشتیں بھر دیے والی سنگسار کرتی عداوتوں اور سرگرداں نیستی کے احوال اور پھرتے جذبوں کے طوفانوں کا طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سلطان عز الدین کے ساتھ ساتھ سیف الدین ابوبکر بھی حرکت میں آیا۔ وہ اپنے

کے سالار شہر حوالے کر دیں اور مسلمانوں کا سلطان اسے موت کے گھاٹ اتار دے۔ چنانچہ اس نے شہر کی تفصیل پر کھڑے سالاروں اور امراء کو خود مخاطب کر کے کہا۔
”تم اگر شہر کے اندر محصور ہو گئے ہو، مسلمانوں کے خلاف جدوجہد کر رہے ہو تو کس لئے کرتے ہو؟ جب مسلمان مجھے جان سے مار ڈالیں گے، میرا خاتمہ کر دیں گے اور میرے بعد بڑی طاقت اور قوت شہر کو فتح کر کے تمہارا بھی قتل عام کر دیں گے تو ایسی مدافعت سے کیا فائدہ؟“

اس کے بعد نکور نے منت کرنے کے انداز میں ان سے کہا کہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دو۔ مگر اس کے کہنے کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ وہ دن بھی بیکار گزر گیا۔
مؤرخین لکھتے ہیں، اس واقعہ کے بعد دوسرے دن سلطان کے حکم پر اس کے کچھ سالاروں نے شہر کی تفصیل کے بالکل قریب نکور کو سلطان کے حکم اور اس کی ہدایت کے مطابق اوندھالٹا کر اس قدر شدت سے دبایا کہ وہ مر گئی کے مریض کی طرح بے ہوش ہو گیا۔
یہ سارا معاملہ شہر والے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جب یہ اندازہ لگایا کہ اب ہمارے بادشاہ کی حالت حد سے زیادہ بری ہے تو انہوں نے تفصیل کے اوپر سے پکارنا شروع کر دیا اور کہنے لگے۔

”نکور کے قاصد کو پھر شہر میں بھیج دیا جائے۔ ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں۔“
چنانچہ نکور نے پھر اپنے قاصد کو شہر والوں کے پاس بھیجا تو شہر والوں نے اس قاصد کے ہاتھ کھلا بھیجا۔

”اگر مسلمانوں کا سلطان یہ قسم کھائے کہ نکور کو زندہ رکھا جائے گا اور اسے موت کے گھاٹ نہیں اُتارا جائے گا اور اسے حج اور سلامت اپنے شہر میں جانے دیا جائے گا اور میں، ہمارے جان و مال اور ہمارے اہل و عیال کو امان دے دی جائے گی، اس کے علاوہ م جہاں جانا چاہیں، جانے دیا جائے گا تو ہم شہر سپرد کر دیں گے۔“

چنانچہ جب یہ پیغام مسلمان کے پاس آیا تو سلطان نے اہل شہر کی خواہش کے مطابق نکور اور اس کے قاصد کے سامنے جس طرح اہل شہر نے کہا تھا، اسی طرح عہد نامہ دے دیا۔

جب شہر کے لوگوں نے سلطان کی طرف سے امان کا عہد نامہ دیکھا تو انہیں یقین آ گیا

ہوئے۔ شہر پناہ کے دروازے انہوں نے بند کر دیئے اور ایک طرح سے وہ محصور ہو گئے تھے۔ سلطان نے لشکر کو ایک دن آرام کرنے کا مشورہ دیا اور اگلے روز سلطان اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور سینوب شہر کے مزید قریب ہوا۔ شہر اور قلعہ بلندی پر تھا، انتہائی مضبوط اور مستحکم تھا۔ شہر کے نزدیک ہونے کے بعد سلطان نے ان علاقوں کے حکمران نکور کو پھر طلب کیا اور نکور کو حکم دیا کہ تم اپنے کسی آدمی کو شہر میں بھیج کر محصور ہونے والوں کو سمجھاؤ کہ وہ شہر اور قلعہ ہمارے حوالے کر دیں ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔

نکور پہلے ہی قید اور اسیری کی بے عزتی اٹھا چکا تھا۔ چنانچہ اس کے بڑے سالاروں میں سے ایک جو اس کے ساتھ گرفتار ہوا تھا، اسے اس نے اس کام کے لئے پسند کیا۔ چنانچہ جب اس کا انتخاب کیا گیا تو سلطان نے اس کی رہائی کا حکم دیا اور اسے نکور کے پاس لایا گیا۔ چنانچہ نکور نے اپنے اس سالار کے ہاتھ شہر والوں کو پیغام بھیجا کہ شہر مسلمانوں کے سپرد کر دو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

لیکن نکور کے سمجھانے اور اس کے سالار کے جا کر اس کا پیغام دینے کے باوجود شہر کے اندر جو نکور کے سالار اور امراء تھے، ان پر اس پیغام کا کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے کہلا بھیجا۔
”اگر ہمارے علاقوں کا حکمران کیرکس نکور گرفتار ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمارے پاس اس کے بیٹے موجود ہیں۔ ہم ان میں سے کسی کو اپنا حکمران بنا کر مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہیں گے اور شہر اور قلعہ کو فتح نہیں ہونے دیں گے۔“
انہوں نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ ہم کسی بھی صورت شہر اور قلعہ حوالے نہیں کریں گے۔

اس کے بعد نکور کے ذریعے دوبارہ پیغام بھیجا گیا لیکن شہر والوں پر نکور کے اس پیغام کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ اگلے روز سلطان کے حکم سے نکور کو قید سے نکالا گیا۔ اس لئے کہ اسے خیمے میں بند کر کے چاروں طرف پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ چنانچہ خیمے سے نکال کر سلطان کے حکم پر نکور کو شہر کی تفصیل کے قریب لایا گیا اور شہر کی تفصیل کے اوپر جو نکور کے سالار اور امراء تھے انہیں مخاطب کر کے کہا گیا کہ اگر شہر حوالے نہ کیا گیا تو نکور کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

اس موقع پر جب نکور کو خبر ہوئی کہ جان کے لالے پڑ گئے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس

اور ان لوگوں سے مشورہ کیا جو اس سے پہلے سینوب شہر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ سلطان کے استفسار پر ان لوگوں نے جواب دیا کہ سینوب کو جنگ کر کے قبضہ میں لینا انتہا درجہ مشکل ہے۔ وہ بڑا مضبوط، مستحکم اور بلند قلعہ ہے۔ مگر اس صورت میں کامیابی ہو سکتی ہے کہ مدت دراز تک محاصرہ کر کے وہاں کے باشندوں کو رسد کی قلت اور غلہ کے قحط سے عاجز کر دیا جائے اور اس کا انتظام رکھا جائے کہ ان کو بخور و بر، کہیں سے بھی مدد نہ پہنچ سکے۔ اس لئے رائے یہ ہے کہ اب اس سال لشکر وہاں پیش قدمی کرے۔ ان کے افراد کو گرفتار کر کے لونڈیاں اور غلام بنائے، اس علاقے کے اطراف و نواح کو بالکل ویران کر دے۔ اور اس طرح کئی سال تک لوٹ مار میں مصروف رہا جائے۔“

مورخین مزید لکھتے ہیں کہ اسی اثناء میں سلطان کے جاسوسوں نے خبر دی کہ کیرکس نکور، سینوب کے نواحی جنگل میں شکار کھیلتا ہے۔ چنانچہ سلطان کو جب یہ خبر پہنچی تو سلطان نے اپنے سالاروں کو مقرر کیا۔ وہ نہایت تجلّت کے ساتھ روانہ ہوئے اور دفعۃً شکار گاہ میں اُس پر ٹوٹ پڑے۔ اس حملے کے جواب میں اگرچہ اس نے چند حملے کئے مگر آخر وہ قید ہو گیا۔ اسے سلطانی لشکر کے خیموں میں لایا گیا۔ اس کے لشکر کے بعض لوگ قتل ہوئے، باقی گرفتار کر کے اسیر بنائے گئے۔ اس کے بعد سلطان کے سالاروں نے فوراً سلطان کو اس فتح اور نکور کے گرفتار ہونے کی اطلاع بھیج دی۔

سلطان کو اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی۔ کیرکس نکور کی حفاظت کے احکامات بھیجے اور ہدایت کی کہ تم لوگ وہیں ٹھہرو، ہم بھی اس طرف آتے ہیں۔ پھر جیسی رائے ہوگی، ویسے ہی عمل کیا جائے گا۔

چنانچہ دوسرے دن سلطان نے سیواس شہر سے نکور کے مرکزی شہر سینوب کی راہ لی۔ تب وہ سینوب کی حدود میں پہنچا تو تمام لشکریوں نے سلطان کا استقبال کیا۔

چنانچہ معاملہ کو اپنے الفاظ میں آگے بڑھاتے ہوئے مورخین لکھتے ہیں کہ سینوب کے اہل میں پہنچنے کے بعد سلطان نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ کیرکس نکور کو اس کے سامنے اصر کیا جائے۔ چنانچہ سلطان کے حکم کی تعمیل کی گئی اور نکور کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس موقع پر مورخین مزید لکھتے ہیں کہ ذلت کے انداز میں نکور کی گردن زمین کی طرف ٹکی ہوئی تھی۔ سلطان نے ازراہ مردّت اسے تسلی بخشی دی، اس سے اچھے اور نرم لہجے میں

کہ مسلمانوں کے سلطان نے واقعی ہی نکور کو زندہ رکھنے اور اہل شہر پر ظلم نہ کرنے اور ان کا قتل عام نہ کرنے کا عہد دیا ہے تو انہوں نے تفصیل کے اوپر سے سلطان عز الدین کی کاؤس کا جھنڈا طلب کیا۔ چنانچہ اس موقع پر سلطان عز الدین کی کاؤس کے لشکر کا ایک دستہ جھنڈا لے کر گیا۔ یہ دستہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ سینوب شہر میں داخل ہوا اور شہر کی تفصیل کے اوپر سلطان عز الدین کا جھنڈا نصب کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ سارے معاملات طے ہونے کے بعد شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے گئے۔ شہر کے معززین، امراء اور سالار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے سر اطاعت کے لئے خم کر دیئے۔ چنانچہ اس موقع پر نکور بھی سلطان کے پاس موجود تھا اور نکور کی موجودگی ہی میں شہر کے لوگوں نے سینوب شہر کی کنجیاں سلطان کے حوالے کر دی تھیں۔

چنانچہ سلطان اُن کے اس ردیہ سے بڑا خوش ہوا اور سینوب کے امراء کو اس نے خلعتوں سے نوازا۔ اس طرح سلطان نے سینوب کو فتح کیا اور شہر والوں کو امان دے دی اور نکور کو حسب سابق اپنے علاقوں کا حکمران رہنے دیا۔

سینوب شہر کی فتح اور جو معاملہ سینوب کے حاکم، نکور کے ساتھ پیش آیا، اسے مورخین اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”جب بہار کا موسم شباب پر آیا تو سلطان نے اپنے مرکزی شہر قونیہ سے سیواس کے راستہ سے کوچ کیا۔ وہاں ایک دن وہ جلوہ افروز ہوا کہ اتنے میں سینوب کے محافظوں کے بھیجے ہوئے قاصد حاضر ہوئے اور ایک سر بمبر عریضہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سینوب کا حکمران کیرکس نکور نہ صرف یہ کہ سلطان کے خلاف سرکشی پر اُترا ہوا ہے بلکہ وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کے علاقوں میں داخل ہو کر لوٹ مار مچاتا رہتا ہے۔“

مورخین مزید لکھتے ہیں، اگرچہ اس خبر سے سلطان بہت برہم ہوا، اس پر بڑا برا اثر ہوا۔ تاہم اس خیال سے کہ ایک دم کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، اس نے دوسرے دن اپنے سارے امراء اور سالاروں کو طلب کر کے یہ واقعہ بیان کیا۔

سب نے نہایت برہم ہو کر کہا کہ اگر سلطان کا فرمان ہو تو ان بدخواہوں پر حملہ آور ہو کر ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھائی جاسکتی ہے اور اس ملک کے کھیت وغیرہ سلطانی لشکر کے ذریعے پامال اور برباد کئے جاسکتے ہیں۔ مگر سلطان نے جلد بازی سے کام نہیں لیا

گفتگو کی اور پھر اسے واپس پہرہ میں اس خیمے میں بھجوا دیا جس کے اندر اسے قیدی کی حیثیت سے اسیر رکھا گیا تھا۔

چنانچہ دوسرے دن سلطان نے حکم دیا کہ تمام لشکری پوشیدہ طور پر سوار ہوں اور شہر کے حصار کے پاس جمع ہو جائیں۔ اور بقول مؤرخین کیرکس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ جب ہماری سواری شہر کے نواح میں آجائے تو پھر کامیابی کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ تمہیں چاہئے اپنے کسی آدمی کو شہر میں بھیج کر محصوروں کو سمجھاؤ کہ وہ شہر ہمارے حوالے کر دیں۔

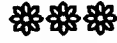
مؤرخین لکھتے ہیں کہ کیرکس نگور نے اپنے ایک بڑے امیر کو جو دوسرے امراء کے ساتھ قید تھا، اس کام کے لئے پسند کیا۔ سلطان کے حکم پر اسے نگور کے پاس لے جایا گیا۔ نگور نے اپنے اس امیر کی زبانی اہل شہر کے پاس کہلا بھیجا کہ شہر، سلطان کے سپرد کر دو۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد نگور اور دیگر قیدیوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس موقع پر سب کے سامنے نصرانی حکمران نگور نے عہد نامے کے مطابق حلفیہ اقرار کیا کہ اگر سلطان مجھے جان کی امان دیں گے اور میرا سارا علاقہ میرے مرکزی شہر سینوب کے ساتھ میرے حوالے کر دیں گے اور یہاں میری حکمرانی کو تسلیم کر لیں گے تو میں ہر سال دس ہزار دینار اور پانچ سو اس گھوڑے، دو ہزار اس تیل، دس ہزار اس بھیڑیں اور پچاس بوجہ تحائف کے بھیجا کروں گا اور ضرورت کے وقت جس حد تک ممکن ہو، سلطان کی مدد کے لئے اپنے لشکر بھیجا کروں گا۔

چنانچہ اس عہد نامے پر اطراف کے ارکان دولت نے گواہی کے طور پر دستخط کئے۔ چونکہ نگور نے سلطان کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی تھی، لہذا سلطان نے نگور کو ایک نفیس خلعت عطا کر کے حکم دیا کہ تمہارا علاقہ تمہارے سپرد کیا جاتا ہے اور یہاں تم میرے مطیع اور فرمان بردار کی حیثیت سے حکمرانی کرو گے۔

اس کے بعد اپنے سالاروں اور امراء کو لے کر سلطان نے وہاں سے کوچ کیا اور اپنے مرکزی شہر قونیہ کے بجائے دوسرے بڑے شہر قیصریہ کا رخ کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں، سلطان نے قونیہ کے بجائے قیصریہ میں قیام کیا۔ دراصل نگور ایک ناقابل اعتبار شخص تھا۔ سلطان کو بہت سے لوگوں نے بتایا تھا کہ نگور کے کسی عہد نامے اور کسی وعدے پر اعتبار اور اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ وہ جلد ہی اس عہد نامے سے پھر جائے گا۔ اس بنا پر سلطان بھی شکوک میں پڑ

گیا تھا۔ لہذا اپنے مرکزی شہر قونیہ جانے کے بجائے اس نے اپنے دوسرے بڑے شہر قیصریہ کے نواح میں لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ اور یہاں سلطان نے اپنے لشکریوں کو آرام کرنے اور ان کی دعوتوں کے سامان کا اہتمام شروع کر دیا۔



سیف الدین ابوبکر اور بریزہ دونوں میاں بیوی ایک روز اپنے خیمے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک سیف الدین کو کچھ یاد آیا، بریزہ کے مزید قریب ہوا، بڑی رازداری میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بریزہ! تم اپنی ساتھی اور سہیلی جوزین سے کہو، اب وہ جنگ کے دوران میرے ارد گرد رہنے کے اپنے وعدے کو ترک کر دے۔ اگر ماضی میں اس نے تمہاری حق تلفی کی تھی تو میرے خیال میں کافی ہو چکا ہے۔ اس کی سزا بھی بے چاری کو کافی مل چکی ہے۔ پھر چونکہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے، ہمارے معاشرے کی ایک اکائی ہے۔ لہذا اسے سمجھاؤ، وہ لشکر میں شامل نہ ہوا کرے۔ اپنے خیمے میں بالکل سکون کے ساتھ آرام کیا کرے۔ اور ہو سکے تو کسی سے شادی کر کے اپنا گھر آباد کر لے۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب بریزہ بولی اور کہنے لگی۔

”میں آپ کے کہنے سے پہلے ہی جوزین کو کافی سمجھا چکی ہوں۔ لیکن وہ اپنے وعدہ سے پھرنے والی نہیں۔ وہ ہر صورت میں جنگ میں حصہ لینے پر تلی ہے اور اس سے باز رہنے سے انکار کرتی ہے۔ میں بھی اب اس پر زیادہ زور نہیں دیتا چاہتی۔ وہ مجھے اپنی چھوٹی بہن سمجھتی ہے، اس بنا پر میں اس کی عزت اور اس کا احترام بھی کرتی ہوں۔ جہاں تک شادی کر کے اپنا گھر آباد کرنے والی بات ہے تو اس کے متعلق بھی اس کے ساتھ تفصیل سے میری بات ہو چکی ہے۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ لشکر میں قیام کے دوران جائزہ لیتی رہے گی اور جب اس نے محسوس کیا کہ کسی کے ساتھ اس کا نباہ ہو سکتا ہے تو اس کی نشاندہی کرے گی۔ اور اگر وہ شادی پر آمادہ ہو گیا تو وہ اس کے ساتھ شادی کر کے اپنی نئی زندگی کی ابتدا کرے گی۔“

بریزہ کی اس گفتگو کے جواب میں سیف الدین ابوبکر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا لیکن خاموش رہا۔ اس لئے کہ ایک شخص خیمے کے سامنے آیا اور سیف الدین ابوبکر کو مخاطب کر

کے کہنے لگا۔

”امیر! سلطان نے آپ کو بلایا ہے۔“

اس پر سیف الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
”تم یہیں بیٹھو۔ اگر اکیلا پن محسوس کرو تو اماں کے خیمے میں چلی جاؤ۔ میں سلطان کی طرف جاتا ہوں۔ دیکھتا ہوں سلطان کیا کہتے ہیں۔“

چنانچہ سیف الدین ابو بکر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد بریزہ بھی اپنے خیمے سے نکل کر اپنی ماں کے خیمے کی طرف ہوئی تھی۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ سیف الدین ابو بکر لوٹ کے بریزہ کے ماں باپ کے خیمے میں آیا۔ اس وقت وہاں نکسار کے علاوہ سمس، باز نیک، جوزین اور بریزہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ آگے بڑھ کر سیف الدین، نکسار کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ گفتگو کا آغاز نکسار ہی نے کیا اور سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے! سلطان نے کیوں بلایا تھا؟ خیریت تو ہے؟ کیا کوئی نئی مہم شروع ہونے والی ہے اور لشکر یہاں سے کوچ کرے گا؟“

جواب میں سیف الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”لشکر یہیں قیام کرے گا۔ دراصل سلطان کے کان میں لوگوں نے یہ بات ڈال دی ہے کہ تگور اپنے وعدے کا پکا نہیں ہے۔ ہر صورت میں اپنے وعدہ سے پھرے گا۔ اس بنا پر سلطان اس وقت تک یہاں قیام کرے گا، جب تک سال پورا نہیں ہو جاتا اور تگور وعدہ کے مطابق سالانہ خراج کی ادائیگی نہیں کر لیتا۔ اس کے علاوہ سلطان نے سارے سالاروں اور امراء کو اس لئے جمع کیا تھا کہ سلطان ایک وفد خلیفہ بغداد کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہے اور سینوب کی فتح کی خوشی میں تحائف روانہ کرنا چاہتا ہے۔ سلطان کی اس تجویز سے سارے سالاروں نے اتفاق کیا ہے۔ لہذا سلطان کی طرف سے جو وفد خلیفہ بغداد کی طرف بھیجا جانا ہے، اس وفد کا سربراہ مجد الدین اسحاق کو بنایا گیا ہے جو تحائف لے کر خلیفہ بغداد کی طرف روانہ ہو جائے گا۔“

بقول مؤرخین سلطان عز الدین کیاؤس نے سینوب کے حکمران کو اپنے سامنے زیر کرنے کی خوشی میں خلیفہ بغداد کے لئے بے شمار تحائف بھیجے جن میں زربفت واطلس کے

تھان، مرصع طلائی چھڑیاں، چاندی کے برتن اور قیمتی ہدیئے شامل تھے۔ اور ساتھ ہی اس عظیم فتح کی اطلاع کے لئے ایک خط بھی خلیفہ کے نام لکھ کر بھیجا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب سلطان عز الدین کیاؤس کا بھیجا ہوا نمائندہ مجد الدین، خلیفہ بغداد کی خدمت میں حاضر ہوا تو خلیفہ نے بے حد خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ کچھ عرصہ سلطان کے وفد کو اپنے ہاں ٹھہرا کر اس کی خوب تواضع کی اور پھر سلطان کے لئے تحائف دے کر اسے رخصت کر دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں جو تحائف خلیفہ بغداد نے سلطان عز الدین کیاؤس کے لئے بھجوائے تھے، ان میں سیاہ عمامہ، ایک جوڑا زره، کوڑا اور سلطنت کا فرمان جس میں شریعت کو قائم رکھنے کی نصیحت تھی، پانچ تیز رو خنجر جن کے سونے کے نعل مع طوق تھے، پانچ راس تازی گھوڑے جن پر اطلس کی زرد دوزی کی جھول پڑی ہوئی تھیں اور دس ججازی اونٹ۔ یہ سب تحائف اور دوسرے بہت سے انعامات کے ساتھ خلیفہ بغداد نے مجد الدین کو سلطان کی طرف واپس کیا تھا۔

بہر حال یہ سارے واقعات نکسار، بریزہ، جوزین، سمس اور باز نیک کو سنانے کے بعد سیف الدین رکا، پھر بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میرے خیال میں اپنے خیمے کی طرف چلیں۔ اس لئے کہ ہمارا کھانا آنے والا ہو گا۔“
بریزہ نے اس سے اتفاق کیا۔ پھر دونوں میاں بیوی وہاں سے نکل کر اپنے خیمے کی طرف ہو لئے تھے۔



چنانچہ جب سارے سالار اور امراء، سلطان عز الدین کے پاس جمع ہو گئے تو جو صورت حال سامنے آئی تھی، اس کی تفصیل سلطان نے سب سے کہہ دی تھی۔

تفصیل کہنے کے بعد سلطان رکا، پھر اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ”جو کچھ میں نے کہا ہے، اس پر غور کرو۔ اگر تم کسی رائے، کسی نقطہ پر متفق ہوتے ہو تو اس کی تفصیل سیف الدین ابوبکر سے کہو۔ پھر میں سیف الدین سے یہ جاننا پسند کروں گا کہ تم لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔“

سلطان کے ان الفاظ کے جواب میں سارے سالار آپس میں صلاح مشورہ کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد سیف الدین، سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ ایسا ہے کہ جس پر عمل کر کے نیکور کو ہم اپنے سامنے بے بس کر سکتے ہیں۔ نیکور کو طرابزون کے علاوہ قسطنطنیہ اور شمال اور مغرب کی دیگر عیسائی ریاستوں سے مال و زر کے علاوہ لشکریوں کی صورت میں بہت کچھ مل چکا ہے۔ جتنا لشکر اس کے پاس پہلے ہوا کرتا تھا، اب اس کے پاس اس سے چار گنا بڑا لشکر ہو چکا ہے اور اسی لشکر اور اسی طاقت کے گھمنڈ میں اس نے ہمیں خراج دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کھلم کھلا ہم سے بغاوت اور سرکشی اختیار کر رہا ہے اور اس کی سزا بہر حال اُسے دینا ہوگی۔

سلطان محترم! ہم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ کہ یہاں سے کوچ کرنے کے بعد براہ راست ہمیں نیکور کے مرکزی شہر سینوب کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ جو خبریں خراج وصول کرنے والا وفد لے کر آیا ہے، اس کے علاوہ گاہے بگاہے ہمارے مخبر بھی بتاتے رہے ہیں، ان کے مطابق نیکور کے پاس تین اہم شہر اور قلعے ہیں جنہیں وہ ناقابل تسخیر خیال کرتا ہے۔ ایک اس کا مرکزی شہر اور قلعہ سینوب، دوسرا قلعہ جنجن اور تیسرا قلعہ کانجین ہے۔ ہم سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ سینوب کا رخ نہ کیا جائے۔ پہلے یہاں سے روانہ ہونے کے بعد جنجن کا رخ کیا جائے۔ اس لئے کہ جنجن، قیصریہ کے قریب ہے۔ پہلے اس سے نمٹ کر اُس پر قبضہ کیا جائے۔ اس کے بعد دوسرے قلعے کانجین کا رخ کیا جائے۔ اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھئے گا کہ ایک طرح سے ہم نیکور کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ہم براہ راست یہاں سے روانہ ہو کر سینوب شہر پر حملہ آور ہوتے ہیں تو یاد

سلطان عز الدین نے سینوب کے حکمران نیکور کے علاقوں کو فتح کر کے اسے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لیا تھا اور اس کا نیکور کو بڑا دکھ اور صدمہ تھا۔ چنانچہ وہ اندر ہی اندر تیاری کرتا رہا۔ اس نے انا طولیہ کے شمال کی عیسائی حکومت طرابزون سے مدد کی درخواست کی۔ قسطنطنیہ کے قیصر بے بھی مدد مانگی۔ اس کے علاوہ شمال اور جنوب میں جو چھوٹی چھوٹی عیسائی ریاستیں تھیں، ان سے بھی اس نے مسلمانوں کے سلطان کے خلاف مدد طلب کر لی تھی۔ اس طرح مختلف سمتوں سے اس کے پاس جنگجو اور رضا کار جمع ہونا شروع ہو گئے تھے اور اس کے لشکر کی تعداد دن بہ دن بڑھتی چلی گئی تھی۔

ان حالات میں نیکور کو یہ غلط فہمی اور شبہ ہو گیا تھا کہ اب وہ مسلمانوں کے سلطان عز الدین کے مقابلے میں ناقابل تسخیر ہو گیا ہے۔ اور اس بار اگر کسی موقع پر مسلمانوں کے سلطان نے اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو وہ بدترین شکست دے کر اس کے علاقوں میں داخل ہو کر ترسناز کرنے کی کوشش کرے گا۔

چنانچہ اپنے انہی ارادوں کی تکمیل کے لئے نیکور بڑی تیزی سے اپنے لشکر کی تعداد بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت کا کام بھی سرانجام دینے لگا تھا۔

دوسری طرف جب سال پورا ہو گیا اور قیصریہ سے سلطان عز الدین نے ایک وفد نیکور کی طرف روانہ کیا تاکہ اس سے سالانہ خراج وصول کیا جائے تو نیکور نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ جس وفد کو سلطان نے نیکور کی طرف خراج کی رقم وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، جب وہ وفد نا کام واپس آ گیا، تب مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان کے غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی اور کوئی قدم اٹھانے کے لئے سلطان نے سارے سالاروں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔

رکھے گا: ججن اور کانجین کے شہروں اور قلعوں میں تگور کے بڑے بڑے لشکر ہیں۔ اگر ہم سینوب کا محاصرہ کرتے ہیں یا اس پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان دونوں شہروں کے اندر جو تگور کے لشکر ہیں، وہ وہاں سے نکل کر پشت کی جانب سے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح جنگ کے دوران ہمارے لئے ان گنت مسائل اٹھ سکتے ہیں۔ لہذا اگر ہم باری باری ججن اور کانجین پر حملہ آور ہو کر پہلے انہیں زیر اور اپنا مطیع کریں، اس کے بعد تگور کے مرکزی شہر کا رخ کریں تو پھر تگور کے پاس کتنا ہی بڑا لشکر کیوں نہ ہو، جس پر وہ گھمنڈ کر رہا ہے، اسے ہم اپنے سامنے رگید کر رکھ دیں گے۔“

سلطان نے اپنے سالاروں کے اس فیصلے سے مکمل طور پر اتفاق کیا تھا۔ اور چونکہ سلطان کو تگور پر بڑا غضب اور غصہ تھا، لہذا اگلے ہی روز سلطان نے تگور کے قلعے ججن پر حملہ آور ہونے کے لئے اپنے شہر قیصریہ سے کوچ کیا تھا۔

سلطان اپنے لشکر کے ساتھ ابھی ججن سے کافی دور تھا کہ سامنے کی طرف سے اس کے منجر آئے۔ ان کی آمد پر سلطان نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر منجر قریب آئے، تب سلطان انہیں مخاطب کر کے پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ پہلے ہی ایک منجر بول اٹھا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ججن کا قلعہ یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر ہے۔ جب کہ دس میل کے فاصلے پر تگور ایک بہت بڑا لشکر لے کر آپ کی آمد کا منتظر ہے۔ اس کے خبروں اور طلائیہ گروں نے اسے خبر دی ہے کہ آپ ایک لشکر لے کر اس پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی امید بھی رکھتا تھا۔ اس لئے کہ اس نے جان بوجھ کر خراج کی ادائیگی نہیں کی تھی۔ لہذا وہ آپ کے حملے کی توقع رکھتا تھا۔“

اب جس جگہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہے، وہ ایک کھلا میدان ہے جس کی پشت پر قدرے کم بلندی کا ایک کوہستانی سلسلہ ہے۔ تگور چاہتا ہے کہ اپنی پشت کو محفوظ رکھ کر آپ سے ٹکرائے اور آپ کی شکست کا باعث بنے۔ اس بار اس کے پاس جو لشکر ہے، اس کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس نے شمال اور مغرب کی عیسائی ریاستوں سے بھانت بھانت کے جنگجو اور رضا کار اکٹھے کر لئے ہیں۔ اور اس بار وہ خیال کرتا ہے کہ کامیابی اسی لی ہوگی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد منجر جب خاموش ہوا، تب سلطان کہنے لگا۔

”تم اب ہمارے ساتھ چلو۔ اور جہاں تگور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے، وہاں تک ہماری رہنمائی کرو۔“

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر اپنے ساتھی سالاروں کے ساتھ سلطان کے قریب ہوا اور بڑی رازداری میں سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اپنے لشکر کو ہم بیس تین حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ تھوڑا سا آگے جا کر لشکر کے ایک حصے کو مستعد کر دیں گے۔ مغرب کی نماز ادا کریں گے، لشکریوں کے کھانے کا اہتمام کریں گے، لشکریوں کو کچھ سستانے کا موقع بھی دیں گے۔ حالانکہ پچھلی منزل پر ہم لشکریوں کو کافی آرام کرنے کا موقع فراہم کر چکے ہیں۔ وہاں قیام کرنے کے بعد آدھی رات کو وہاں سے کوچ کر لیا جائے گا۔ آپ لشکر کے دو حصوں کو لے کر کچھ خبروں کے ساتھ سیدھے اُس سمت جائیے گا، جہاں تگور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے اور ہمارا وہ انتظار کر رہا ہے۔“

جو لشکر میرے حصے میں آئے گا، میں اسے لے کر دو خبروں کے ساتھ دائیں جانب سے ذرا لمبا چکر کاٹتے ہوئے سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے تگور کی پشت پر جو کوہستانی سلسلہ ہے، اس کے پیچھے جا کر نمودار ہوں گا۔ سلطان محترم! اس بار تگور کے لشکر کی تعداد چونکہ زیادہ ہے، لہذا ہمیں کسی تدبیر کے ساتھ اس سے نمٹنا ہوگا۔ چنانچہ جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہوگا، آپ تگور کے لشکر کے سامنے جا کر پڑاؤ کیجئے گا۔ تگور بڑا عیار آدمی ہے۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ مسلمانوں کا لشکر سفر کرتے ہوئے آیا ہے۔ تھکاوٹ میں ہوگا۔ لہذا وہ فوراً جنگ کی ابتدا کرے گا۔ تاکہ مسلمانوں کی تھکاوٹ سے فائدہ اٹھا کر اپنی کامیابی کا دار کھول سکے۔ چنانچہ آپ بھی مضییٰ درست کیجئے گا اور اس پر حملہ آور ہو جائیے گا۔ جب دونوں لشکر آپس میں ٹکرائیں گے تو پشت کی جانب سے میں اُس کوہستانی سلسلے کو عبور کروں گا، جس کے آگے تگور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے۔ اور پھر میں تگور کے لشکر کی پشت پر ایسا حملہ کروں گا کہ تگور کو دن کے وقت بھی تارے نظر آتے دکھائی دیں گے۔ پھر میں دیکھوں گا، وہ ہمارے خلاف کیسے کامیابی اور فتح کا خواب دیکھتا ہے۔“

سلطان عزالدین کی کاؤس اور سارے سالاروں نے سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ سلطان کے پاس رہا

اور سلطان کے ساتھ نجم الدین بہرام کو رکھا گیا۔ دوسرے حصے کی کمانداری حسام الدین یوسف کو دی گئی اور اس کی مدد کے لئے زین الدین بشارہ کو مقرر کیا گیا۔ تیسرے لشکر کی کمانداری سیف الدین ابوبکر کے پاس تھی اور مبارز الدین چاولی اس کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔

یہ فیصلہ ہونے اور لشکر کی تقسیم کے کام کو آخری شکل دینے کے بعد پھر لشکر آگے بڑھا۔ ایک جگہ قیام کیا، وہاں مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ لشکر میں جو غور تین تھیں، وہ سلطان کے لشکر کے ساتھ ہی رہیں۔ آدھی رات کے قریب سلطان نے وہاں سے پھر کوچ کیا اور وہیں سے سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی اپنے حصے کے لشکر کو لے کر علیحدہ ہوئے اور دائیں جانب سے ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے اس کو ہستانی سلسلے کی طرف چلے گئے تھے، جس کے آگے نکور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا ہوا تھا۔

بہر حال اگلے روز سلطان اپنے لشکر کے ساتھ نکور کے سامنے نمودار ہوا۔ آن کی آن میں سلطان کے لشکر نے پڑاؤ کر لیا۔ اس موقع پر نکور نے اپنے لشکر کے اندر جنگ کے طبل بجوانے شروع کر دیئے تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ جنگ کی ابتدا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ سلطان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ لشکر کے دو ہی حصے تھے۔ ایک حصے کی کمانداری سلطان کے پاس تھی۔ سلطان کے ساتھ نجم الدین بہرام تھا۔ دوسرے حصے کی کمانداری حسام الدین یوسف کے پاس تھی اور زین الدین بشارہ اس کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

بہر حال لشکر کی صفیں درست کر کے سلطان نے اپنے لشکر کو بالکل مستعد کر دیا تھا۔ نکور کے لشکر میں تھوڑی دیر تک طبل بجتے رہے۔ پھر اس نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا پھر وہ سلطان کے لشکر پر خزاں کے طوفانوں میں آشوب و دشت، آندھیوں کی یورش میں وہموں کے سانپوں، حلقہ گرداب میں بے قرار اُمتگوں، بے سنگ میل راستوں اور تار سائی کے قدموں کی دُھند میں تخریب کی تند آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان اور حسام الدین یوسف نے بھی اپنے لشکر کو زور ماحول کی بے بسی میں درد کی سرحدوں عجیب الجھل برپا کر دینے والے طوفانوں، دقت کی ہولناک چپ میں آندھیوں اور بربادیوں کا پیش خیمہ بنتے تند سفاک لحوں کی طرح اپنے

لشکر کو آگے بڑھایا، پھر وہ نکور کے لشکر پر رگ و پے میں پیوست ہو جانے والے درد کے ریگتے سرمئی دھند لکڑوں، تصورات کو زخم خوردہ کرتے موت کے کاروانوں، ماورائے حد بیان، پریشان کن حقیقتوں، رگوں میں اتر جانے والے جراحاتوں کے حروف، قلب و نظر میں نزول کرتے عذابوں کے لحوں اور شب کی سیاہیوں میں بکھرتی ستم بھری داستانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے ہوں گے کہ سیف الدین ابوبکر پشت کے کوہستانی سلسلوں پر فکر کے سائبانوں سے قضا کے کاروانوں، بے غبار موسموں کے چمکتے راستوں پر شدت سے اپنا راستہ بناتی صدیوں کی رفتار، چوکتی سیاہ راتوں میں اندھیروں کی چادر پھاڑ کر نمودار ہوتی گرمی شوق کی طرح نمودار ہوا۔ پھر وہ نکور کے لشکر کی پشت پر وقت کی کوکھ میں بیزاری اور بے چینی بھر دینے والی فطرت کی اضطرابی لہروں، سوچوں کے سرور، روجوں کی راحت کو عذابوں کا بیرابناقی تلخیوں، خاک و خون کو ایک کرتے طلسمات کے حیرت کدوں اور نئی توانائیوں کے درکھولتے آندھیوں سے گلے ملتے ریت کے طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

کوہستانی سلسلے کے اس میدان جنگ میں اذیت کے باب کھلنے لگے تھے۔ موت کے سناٹوں میں دل کی بستیاں اُجڑنے لگی تھیں۔ آہ و زاری کی علامتیں آنکھوں کے درپچوں میں رقص کرنا شروع ہو گئی تھیں۔ ذہنوں کی زمبیلیں فتنوں کی آماجگاہ بننے لگی تھیں۔ دل کی گہرائیوں سے اُٹھتے بدی کی طلب کے گہرے نقوش جابر کے جبر کی طرح رقص کرنا شروع ہو گئے تھے۔ خیالوں میں انتشار اور بے چینی اپنا رنگ دکھانے لگی تھی اور حسد بھرے لمحات اٹھائے موت کے نگار خانے رزم گاہ میں رقص کرنے لگے تھے۔

جنگ جب زوروں پر آگئی تب اپنے لشکر کے وسطی حصے میں اپنے گھوڑے پر سوار سلطان عز الدین نے اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے زوردار انداز میں کہنا شروع کیا۔ ”میرے عزیز ساتھیو! میرے بھائیو! میرے مجاہدو! اپنی سلگتی آنکھوں میں وحشی آندھیاں، آتشیں چہروں پر تباہی کے طوفان لئے برق کے لشکاروں کی طرح اپنے بدترین دشمن پر حملہ آور ہو جاؤ۔ یاد رکھو، نکور نے ہم سے جو خراج دینے کا وعدہ کیا تھا، اس سے وہ روگردانی کرتا ہے۔ ہمارے خلاف اس نے بغاوت اور سرکشی کھڑی کی ہے۔ اس نے ہماری

اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنے کا عہد کیا تھا۔ بھیڑ بکریاں چرانے والے کا گونگا کتا بھی خستہ اور ماندہ ہونے کے باوجود اپنے مالک کا مطیع اور فرمانبردار بن کر کالی بھیا تک راتوں میں اس کے ریوڑ کی حفاظت کرتا ہے۔ لیکن یہ نگور اس کتے سے بھی بدتر ہے کہ اس نے ہم سے جو وعدہ کیا اس کی خلاف ورزی کی، اطاعت اور فرمانبرداری سے روگردانی کی۔ میرے ساتھیو! نگور اور اس کے ساتھی نفرت کی فصل اُگانے والے، وحشت و ظلم کی آگ بھڑکانے والے تہذیب کے چور، نسلوں کا تعصب پھیلانے والے، کھیتوں سے دھواں اٹھانے والے اور شہروں میں لہو بہانے والے ہیں۔ اپنی ملت کے شراروں، گرجتی کڑکتی وحشت برساتی تکبیروں کی آوازوں کی طرح ان پر جان لیوا حملے کرو۔ انہیں تاریکی کی طرح اندھا کر دو۔ ان کے بدن کی تہوں میں ایسا زہر بن کر اتر جاؤ جس کا کوئی تریاق نہ ہو۔ میرے عزیز بھائیو! نعرہ مارو۔ فتح کا نعرہ بلند کرو۔ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ لفظوں کی بھول بھلیوں سے نکل کر مُردہ الفاظ کی انجمنوں، مصلحت کی خاموشیوں کے دامن چاک کر دو۔“

سلطان کی کھولتی پکار، اس کی توانا آواز، سلگتے الفاظ سن کر اس کے لشکری بری طرح بھڑک اٹھے تھے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ اجنبیت کا زہر، خراشوں کی اذیت بن کر نگور کے لشکر پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ اپنے تیز حملوں کے باعث انہوں نے دشمن کے لشکر میں چاروں طرف درد و کرب کی آندھیوں کا ایک سماں باندھ کر رکھ دیا تھا۔

سلطان عز الدین کی کاؤس کی اس تقریر اور شدت بھرے الفاظ کا جواثر مسلمان لشکریوں پر ہوا، اس اثر کے تحت انہوں نے نگور کے لشکریوں کا ایک طرح سے قتل عام شروع کر دیا تھا۔ نگور نے جب دیکھا کہ اس کے لشکریوں کی تعداد بڑنی تیزی سے کم ہوتی جا رہی ہے، تب اس نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ سلطان نے اپنے لشکر کے تینوں حصوں کے ساتھ کچھ دور تک بھیا تک انداز میں اس کا تعاقب کیا، اس کے بعد اپنے بچے کچھ لشکر کو لے کر نگور اپنے مرکزی شہر سینوب کی طرف بھاگ گیا تھا۔

سلطان واپس لوٹا۔ سلطان نے اپنے پیچھے جو اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر دستے چھوڑے تھے، انہوں نے نگور کے پڑاؤ پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہاں سے سلطان کو اس قدر سامان ملا جو کئی ماہ تک سلطان کے کام آسکتا تھا۔

لشکر جب نگور کا تعاقب کر کے لوٹا تب لشکر کے اندر جو عورتیں اور لڑکے تھے، وہ طوفان کی طرح نکلے اور زخموں کی دیکھ بھال میں مدد کرنے کے علاوہ اپنے لشکریوں کو پانی پلانے کے کام میں لگ گئے تھے۔

اس موقع پر ایک طرف سے بھاگتی ہوئی بریزہ آئی۔ جہاں سیف الدین ابو بکر، زخموں کی دیکھ بھال کر رہا تھا، وہاں پہنچی، مسکرائی، سیف الدین کے مزید قریب ہوئی، پھر مسکرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

”اس شاندار کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد دیتی ہوں۔“
سیف الدین ابو بکر نے مسکراتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا، پھر کسی قدر سنجیدگی میں بریزہ، سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
”میں، جوزین سے مل کر آ رہی ہوں۔ وہ اس جنگ میں شامل تھی۔ اسے ایک تیر بھی لگا ہے۔“

بریزہ یہیں تک کہنے پائی تھی کہ چونکنے کے انداز میں سیف الدین نے پوچھ لیا۔
”جوزین کہاں ہے؟“

اس پر بریزہ کہنے لگی۔ ”آپ میرے ساتھ آئیں۔“
سیف الدین چپ چاپ بریزہ کے ساتھ ہو لیا تھا۔ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جب ایک سمت گئے تو وہاں ایک پتھر پر جوزین بیٹھی ہوئی تھی۔ سیف الدین اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ جوزین نے اپنے بدن سے زڑہ اتار رکھی تھی اور کہنی کے اوپر بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ کچھ دیر تک بڑے غور سے جوزین کا جائزہ لینے کے بعد سیف الدین نے اسے مخاطب کیا۔

”جوزین! آج کے بعد تم لشکر کے ساتھ کسی لڑائی میں حصہ نہیں لوگی۔“

سیف الدین جب خاموش ہوا، تب مسکراتے ہوئے جوزین کہنے لگی۔

’امیر سیف الدین! کیا آپ میرے بازو کے اس زخم کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ آئندہ مجھے کسی جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہئے؟..... امیر! آپ جانتے ہیں، ایسے زخم جنگ میں حصہ لینے والوں کے لئے زیور ہوتے ہیں۔ میں نے چونکہ زڑہ پہنی ہوئی تھی، لہذا تیر نے کوئی زیادہ زخم نہیں لگایا۔ بس تھوڑا سا زخم ہے، ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔“

اس کے بعد میں دوبارہ جنگوں میں حصہ لینے کے قابل ہو جاؤں گی۔ آپ میری طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔“

پھر سیف الدین ابو بکر کی طرف دیکھتے ہوئے جوزین کہنے لگی۔

”میرے خیال میں آپ زخیبوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے اور بریزہ آپ کو بلا کر لے آئی ہے۔ آپ اپنے کام میں مصروف رہیں۔ میں اور بریزہ دونوں اس سمت جاتی ہیں جہاں بابا، اماں اور بھائی بیٹھے ہوئے ہیں۔“

سیف الدین نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر وہ جدھر سے آیا تھا، اُدھر چلا گیا۔ جبکہ جوزین اور بریزہ دونوں دائیں جانب ہوتی تھیں۔

جب سارے زخیبوں کی مرہم پٹی کا کام ختم ہو گیا، تب سلطان نے اپنے لشکر کو وہاں خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔ آن کی آن میں خیمے نصب کر دیئے گئے۔ پھر سلطان نے اپنے سارے سالاروں کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب سارے سالار سلطان کے خیمے میں جمع ہو گئے، تب بے پناہ خوشی اور طمانیت کا اظہار کرتے ہوئے سلطان کہنے لگا۔

”سب سے پہلے میں آپ لوگوں کو نکور کے خلاف اس شانہ بادر فتح پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس بار نکور ہمارے مقابلے پر ایک ایسا لشکر لے کر آیا تھا جو اس کے پہلے لشکر سے لگ بھگ چار گنا بڑا تھا اور ہمارے لئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام، مہربانی اور رحمت ہے کہ اس نے ہمیں کامیاب اور کامران رکھا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان رکا، دم لیا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میں سمجھتا ہوں، نکور کے خلاف یہ ایک ہولناک جنگ تھی، جس میں اپنے رب کی مہربانی سے ہم سرخرو نکلے ہیں۔ میں چاہتا ہوں، لشکریوں کو کم از کم یہاں تین سے چار دن تک آرام کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ اتنی دیر تک جو تھوڑے زخمی ہوئے ہیں، ان کی حالت بحال ہو جائے گی۔ باقی زخمی بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔ جنجن شہر کے نواح میں پڑاؤ کیا جائے گا۔ وہاں بھی چند روز تک لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دیکھا جائے گا کہ جنجن کو ہم کس طرح زیر کر کے اسے فتح کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں اس موقع پر جنجن والوں کی مدد کے لئے نکور

بھی لپکے گا۔ لیکن اب ہم ان سے خوب نمٹیں گے۔ خیمے نصب ہو چکے ہیں۔ میں آپ لوگوں کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ آپ سب لوگ اُنھیں اور اپنے خیموں میں جا کر آرام کریں۔“

اس کے ساتھ ہی سارے سالار اُٹھ کر اپنے خیموں کی طرف چلے گئے تھے۔ چاروں بعد لشکر نے وہاں سے کوچ کیا اور جنجن شہر کے نواح میں سلطان نے پڑاؤ کیا اور وہاں سلطان کے حکم پر خیموں کا شہر آباد کر دیا گیا۔

جس وقت سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ اپنا پڑاؤ قائم ہونے اور خیمے نصب ہونے کی نگرانی کر رہا تھا اور لشکر کے ایک حصہ کو اس نے مستعد کر دیا تھا تا کہ جنجن شہر سے اچانک کوئی لشکر نکل کر ان پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ اس موقع پر سلطان کے کچھ مجرب پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ سیدھے اس طرف گئے جہاں سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ خیمے نصب ہونے کے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ قریب جا کر وہ گھوڑے سے اترے، بلند آواز میں سلام کیا۔ سلطان اور سارے سالار بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

سلطان نے پہلے ان پر گہری نگاہ ڈالی، پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”لگتا ہے تم ہمارے لئے اچھی خبر لے کر آئے ہو گے۔“

اس پر ان میں سے ایک بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ہم جو خبر لے کر آئے ہیں، وہ بڑی اہم ہے۔ تاہم یہ نہیں کہہ سکتے وہ خبر اچھی ہے یا بری۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مجرب رکا، اس کے بعد سلطان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! جس وقت جنجن شہر سے دس میل دُور آپ نے نکور کو بدترین شکست

دی تھی اور نکور اپنے لشکر کو لے کر سینوب کی طرف بھاگا تھا، اس وقت اس نے یہی تاثر دیا تھا کہ وہ اپنے سارے لشکر کو لے کر سینوب کی طرف بھاگا ہے۔ حالانکہ اس وقت سینوب شہر کے اندر بہت بڑا لشکر موجود تھا جو سینوب شہر کی حفاظت کر سکتا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں نکور نے پانچ میل آگے جا کر جس لشکر کے ساتھ وہ بھاگا تھا، اس کے بڑے حصے کو جنجن کی طرف بھیج دیا اور اسے یہ حکم دیا کہ جنجن شہر میں داخل نہ ہوں بلکہ جنجن شہر کے نواح میں کسی مناسب جگہ جنگل کے اندر گھات لگالیں۔

نکور نے اس لشکر کے سالار کو یہ بھی ہدایت دی تھی کہ نکور کو شکست دینے کے بعد

مسلمانوں کا سلطان یقیناً جنجن شہر کی طرف بڑھے گا۔ اس لئے کہ نکور کے مخبر اسے اطلاع کر چکے ہیں کہ اس بار سلطان پہلے مرکزی شہر کو ہدف نہیں بنائے گا۔ اس کے مخبر اسے بتا چکے تھے کہ مرکزی شہر سینوب کی طرف آنے کی بجائے مسلمانوں کا سلطان پہلے نکور کے دوسرے شہروں کے اندر جو لشکر ہیں انہیں زیر کرے گا، دوسرے شہروں پر قبضہ کرے گا، اس کے بعد نکور کے مرکزی شہر سینوب پر ایسی ضرب لگائی جائے گی کہ آنے والے دور میں نکور کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ ہو سکے۔ ان سارے عوامل کو سامنے رکھتے ہوئے نکور اپنے چند دستوں کے ساتھ سینوب شہر کی طرف جا چکا ہے۔ جبکہ لشکر کا بڑا حصہ جنجن شہر سے لگ بھگ آٹھ میل کے فاصلہ پر شمال کی طرف جنگل کے اندر پڑاؤ کر چکا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب خاموش ہوا، تب سلطان نے اسے مخاطب کیا۔
”تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب ہم جنجن شہر پر حملہ آور ہوں گے تو جنجن والے شہر کے اندر محصور ہو جائیں گے اور نکور کا گھات میں جانے والا لشکر اچانک اپنی گھات سے نکل کر ہم پر حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچائے گا۔“
سلطان کے ان الفاظ کے جواب میں اس کے مخبر نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

”سلطان محترم! ایسا معاملہ نہیں ہے۔ نکور کا گھات میں جانے والا لشکر دو دن بعد اپنی موجودہ گھات سے نکل کر جنجن شہر کے قریب ہوگا۔ دو دن بعد صبح سویرے جنجن شہر کے اندر سے جلتے ہوئے تیر فضاؤں کے اندر چھوڑے جائیں گے۔ یہ تیر جنجن شہر میں مقیم نکور کے لشکریوں کی طرف سے گھات میں بیٹھے لشکر کے سالار اور لشکریوں کو اشارہ ہوگا کہ ابھی تھوڑی دیر تک وہ شہر سے نکلیں گے، مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہوں گے اور جنگ کی ابتدا کریں گے۔“

سلطان محترم! جس وقت شہر سے نکلنے والا لشکر آپ کے خلاف صف آرا ہوگا اور جنگ کی ابتدا کرے گا، اسی وقت نکور کا وہ لشکر جو گھات میں ہوگا، وہ بھی نکلے گا اور وہ دو کاموں میں سے ایک کام کرے گا۔ یا تو ایک دم ہمارے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑے گا، وہاں جو محافظ ہوں گے، ان کا قتل عام کرے گا، پڑاؤ کو آگ لگا دے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکا تو پھر ہمارے لشکر کے ایک پہلو کو اپنا ہدف بنا کر اپنے لئے کامیابی و کامرانی اور فتح مندی کے درکھولنے کی

کوشش کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب خاموش ہوا، تب اسے سلطان نے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ نکور کا جو لشکر گھات میں ہے، اس کی کمانداری کون کر رہا ہے؟ اور جو لشکر جنجن شہر میں موجود ہے، اس کی کمانداری کس کے پاس ہے؟“

سلطان کے اس استفسار پر وہ مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! نکور کا جو لشکر گھات میں ہے، اس کی کمانداری جو سالار کر رہا ہے تو اس کا نام بورمان ہے اور اس کا شمار نکور کے بہترین سالاروں میں کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر نکور نے گھات میں جانے والے لشکر کی کمانداری اس کے ہاتھ میں دی ہے تاکہ وہ ہم پر حملہ آور ہو کر اپنی شکست کا داغ دھونے کی کوشش کرے۔ اور جو لشکر اس وقت جنجن شہر کے اندر موجود ہے، جسے شہر کا حفاظی لشکر کہتے ہیں اس کے سالار کا نام لیفون ہے۔“

سلطان محترم! اس موقع پر میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ نکور کے باپ کا نام بھی لیفون تھا۔ لہذا نکور کبھی کبھی اپنے نام کے ساتھ لیفون بھی رقم کرتا ہے۔ لیکن لیفون نام کا وہ سالار جو اس وقت جنجن کے لشکر کی کمانداری کر رہا ہے، یہ نکور کا چچا زاد بھائی ہے۔ اس کا بھی نکور کے سالاروں میں ایک بڑا اعلیٰ مقام ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب رکا، تب سلطان نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”تم لشکر کے اندر ہی قیام کرو۔ کھانا کھاؤ، سستاؤ۔ اس کے بعد میں تمہارے ذمہ اور کام لگاؤں گا۔“

اس کے ساتھ ہی وہ مخبر وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سلطان اپنے سارے سالاروں کو لے کر اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ جب سب بیٹھ گئے، تب گفتگو کا آغاز سلطان نے کیا اور کہنے لگا۔

”جو کچھ مخبروں نے کہا ہے، اس پر مجھے تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سب لوگ سن چکے ہو، دو دن بعد دشمن ہم سے ٹکرانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ لیکن ہم اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آج سے ہی اپنی تیاریوں کو آخری شکل دے کر رکھیں گے۔ ہو سکتا ہے

وہ کسی دھوکے، کسی فریب، کسی چالاکی سے کام لے کر، ہمیں اندھیرے میں رکھ کر حملہ آور ہونے کا وقت تبدیل کر دیں۔ اس بنا پر لشکر کو آج سے چوکس رکھا جائے گا۔

دوسرا اہم فیصلہ جس کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں وہ یہ کہ ہم اپنے لشکر کو اس بار پانچ یا چھ حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک حصہ میرے پاس، دوسرا سیف الدین ابوبکر کے پاس، تیسرا حسام الدین یوسف کے پاس، چوتھا مبارز الدین چاولی، پانچواں زین الدین بشارہ کی کمانداری میں ہوگا۔ نجم الدین بہرام وسطیٰ حصے میں میرے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔

اب ہم نے کیا کرنا ہے، مجھے غور سے سننا۔ جس روز جنگ کی ابتدا دشمن کرنا چاہے گا، اس روز ہم لشکر کو صف آرا کریں گے۔ میں، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی لشکر کے تینوں حصوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے، جنگ کی ابتدا کریں گے۔ وسطیٰ حصہ چونکہ میرے پاس ہوگا، بائیں پہلو کی کمانداری حسام الدین یوسف اور دائیں پہلو کی کمانداری مبارز الدین چاولی کے پاس ہوگی۔ مبارز الدین چاولی کے بالکل پیچھے سیف الدین ابوبکر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رہے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھا جائے کہ ہم اپنے لشکر کو بالکل اپنے پڑاؤ کے ساتھ استوار کریں گے۔

جہاں تک زین الدین بشارہ کا تعلق ہے، یہ اپنے پڑاؤ میں رہے گا۔ اب ہمارے رومل کی ابتدا کچھ اس طرح ہوگی۔ پہلے میں، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی، جنجن شہر سے نکلنے والے لشکر سے ٹکرائیں گے۔ ظاہر ہے، زوردار معرکہ ہوگا۔ جنجن شہر کے اندر بھی نکور کا ایک بہت بڑا لشکر ہے لہذا ان کی اولین کوشش ہوگی کہ ہمیں جنجن شہر کے نواح سے مار بھگائیں۔ شروع میں میں، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی جارحیت اختیار نہیں کریں گے، دفاع تک محدود رہیں گے اور اگلے قدم کا انتظار کریں گے۔

اگلا قدم یہ ہوگا کہ اتنی دیر تک نکور کا وہ لشکر جو گھات میں ہوگا اور جس کی کمانداری اس کا بڑا سالار بورمان کر رہا ہوگا، وہ گھات سے نکل کر ہمارے لشکر کی طرف بڑھے گا۔ لشکر کے پیچھے اس وقت ہماری دو قوتیں ہوں گی۔ ایک سیف الدین اپنے لشکر کے ساتھ، دوسرا زین الدین بشارہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ۔

اگر نکور کا سالار بورمان اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے پڑاؤ کو ہدف بنانے کی کوشش کرتا

ہے تو پہلے زین الدین بشارہ اسے روکے گا۔ روکنے کے بعد سیف الدین ابوبکر کا کام شروع ہوگا اور وہ گھات سے نکلنے والے نکور کے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر اسے کاٹ کے رکھ دے گا۔ اس طرح آنے والے اس لشکر کو ہمارے پڑاؤ پر حملہ آور ہونے کی جرأت اور ہمت نہیں ہوگی۔ جب ہمارے دو سالاران کا سامنا کریں گے تو یقیناً وہ پسپا ہو کر جنجن شہر سے نکلنے والے اپنے لشکر سے جا ملیں گے۔ جب ایسا ہوگا تو سیف الدین اپنے لشکر کی پشت سے باہر آئے گا۔ اس موقع پر زین الدین بشارہ بھی سیف الدین ابوبکر کے نائب کی حیثیت سے اس کے ساتھ مل جائے گا۔ پھر یہ آگے بڑھ کر دشمن کے لشکر کے پہلو پر ضرب لگائیں گے۔ جب یہ ایسا کریں گے، تب میں، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی بھی دفاع کا لبادہ اُتار دیں گے، جارحیت پر اُتریں گے اور ایسے تیز حملے کریں گے کہ دشمن کو خمد کر کے رکھ دیں گے۔ اتنی دیر تک مجھے اُمید ہے، سیف الدین اور زین الدین بشارہ، دشمن کے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہو کر ان کی کئی مفلوجاں کا خاتمہ کر کے قلب لشکر کی طرف پیش قدمی شروع کر چکے ہوں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سلطان عز الدین کی کاؤس رکا، پھر کچھ سوچا، اس کے بعد دوبارہ وہ اپنے سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”جس وقت ہمارا لشکر یہاں پڑاؤ کر رہا تھا، میں نے جنجن کی فصیل کا بغور جائزہ لیا۔ ساری فصیل کے اندر جو برج بنے ہوئے ہیں، مسلح لشکریوں سے بالکل بھرے ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہر کے اندر ایک بہت بڑا لشکر ہے جو شہر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ لہذا ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ اگر دشمن پسپا اور پیچھے ہٹنا شروع ہو تو ہم نے وہاں تک اس کی پسپائی کا ساتھ دینا ہے، جہاں سے اگر فصیل کے اوپر سے تیر چلایا جائے تو تیر ہمارے لشکر میں نہ پہنچے۔ جنجن والے ہمارے خلاف کوئی جنگی منصوبہ بندی بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر تو وہ شکست اٹھا کر بھاگتے ہیں تو پوری شدت کے ساتھ ان کا تعاقب کیا جائے اور ان کے لشکر کی تعداد کم کی جائے گی۔ اس کے بعد شہر میں داخل نہیں ہوا جائے گا۔ اس لئے کہ شہر کی اندرونی کیفیت سے ہم واقف نہیں ہیں۔ نہ میں نے اور نہ میرے سالاروں میں سے کسی نے اندرون شہر کو دیکھ رکھا ہے۔ لہذا دشمن کے لشکر کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہونے کا خطرہ مول نہیں لیا جائے گا۔ مجھے اُمید ہے، جنجن کے نواح میں ہم دشمن کو بدترین

شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس کا ایسا گھیراؤ کریں گے کہ جنجن کے اندر جو لشکر ہوگا، وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے گا۔“

سلطان کی اس تجویز سے سارے سالاروں نے اتفاق کیا تھا۔ پھر سلطان اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے لشکر کی تقسیم کو آخری شکل دی گئی۔ لشکر کا ایک حصہ مستعد رکھ کر پہرہ دینے کے لئے مقرر کیا گیا۔ سلطان نے اپنے سالاروں کے ساتھ اپنی خیمہ گاہ اور پڑاؤ کا بھی جائزہ لیا، اس کے بعد اپنے سالاروں کو آرام کرنے کے لئے اپنے خیموں کی طرف چلے جانے کا حکم دیا تھا۔

سیف الدین ابوبکر جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے میں اس وقت بریزہ شاید اس کی منتظر تھی۔ دونوں میاں بیوی خیمے میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد گفتگو کا آغاز بریزہ نے کیا اور کہنے لگی۔ ”سنا ہے سلطان نے سارے سالاروں کو بلایا تھا۔ کچھ خبر آئے ہیں۔ اس لئے کہ پڑاؤ میں خبریں گونج رہی ہیں کہ سلطان دشمن کے خلاف اپنی منصوبہ بندی کو آخری شکل دے رہے ہیں۔“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر مسکرا دیا۔ پھر سلطان کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی، اس کی تفصیل اس نے بریزہ سے کہہ دی تھی۔

ساری تفصیل جاننے کے بعد بریزہ کوئی سوال کرنا چاہتی تھی کہ خیمے کے دروازے پر نکسار، جوزین، سیمس اور باز نیک نمودار ہوئے۔ سب سے پہلے خیمے میں نکسار داخل ہوا۔ سیف الدین ابوبکر اور اپنی بیٹی بریزہ دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہم چاروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج آپ دونوں کے خیمے میں کھانا کھایا جائے گا۔“ اس موقع پر بڑی خوش طبعی میں سیف الدین ابوبکر کہنے لگا۔ ”اگر آپ لوگ ایسا کرتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں، ہمارے لئے ایک نعمت ہے۔ ہمارے خیمے میں بھی رونق ہوگی۔“ پھر وہ چاروں آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور آئندہ کی مہم سے متعلق گفتگو کرنے لگے۔



دو دن بعد وہ لمحہ آن پہنچا جس کا سلطان اور اس کے سالاروں کو شدت سے انتظار تھا۔ ان دونوں کے دوران سلطان نے اپنے لشکر کو ہمہ وقت تیار اور چوکس رکھا تھا۔

دو دن بعد صبح کے وقت جنجن شہر کے اندر سے جلتے پڑوں کے تیر فضا میں اُٹھے۔ فضا میں ان تیروں کے بلند ہونے کے ساتھ ہی شہر پناہ کا ایک دروازہ کھلا اور اس دروازے سے جنجن شہر کا حاکم اور سپہ سالار لیفون نکلا اور اپنے لشکر کو اس نے سلطان کے لشکر کے سامنے صف آرا کرنا شروع کر دیا تھا۔

جس وقت جلتے پڑوں کے تیر فضا میں بلند ہوئے تھے، سلطان اور اس کے سالار اسی وقت مستعد ہو چکے تھے اور اپنے لشکر کو انہوں نے تیار کر دیا تھا۔ لیفون سے پہلے ہی انہوں نے اپنے لشکر کی صفیں درست کر دی تھیں۔

لشکر کے تین حصے آگے رہے، درمیان میں سلطان، بائیں جانب حسام الدین یوسف، دائیں جانب مبارز الدین چاولی، مبارز الدین چاولی کے بالکل پیچھے ایک طرح سے پڑاؤ کے اندر ہی سیف الدین ابوبکر اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تھا۔ جب کہ اس سے ذرا دائیں جانب پڑاؤ کے اندر زین الدین بشارہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بالکل چوکس ہو چکا تھا۔ آخر جنجن شہر اور قلعے کا حاکم لیفون اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ پھر وہ سلطان عز الدین کی کاؤس کے لشکر پر نفرت اور عداوت کو دوام بخشی کدورتوں، حلقہ در حلقہ رقص کرتی اہلیں کی خونی خوفناک تلکیس، ویران اندھیری راتوں میں آندھیوں کے مہیب جھکڑوں، ہر آواز کو درد، ہر صدا کو بے نوا کرتے تیز ہواؤں کے فسوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

جوابی کارروائی کرتے ہوئے سلطان نے بھی اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ پھر وہ بھی

لیفون کے لشکر پرستم آلود فضاؤں میں درود یوار کی تقدیر بدلتی غموں کی ہولناک شدت، جبر و قہر کی دھوپ پر نزول کرتی پھری موجوں، دہکتے انگاروں اور ذرے ذرے میں خوف و ہراس، لمحے لمحے میں وحشتوں کا رقص پھیلاتی آتش کے فشار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد نکور نے جو لشکر گھات میں بٹھا رکھا تھا، وہ نمودار ہوا۔ اس نے سلطان کے پڑاؤ کا رخ نہیں کیا بلکہ وہ سلطان کے لشکر کے اس پہلو کی طرف آیا، جس کی کمان داری مبارز الدین چاولی کر رہا تھا۔ چنانچہ جس وقت گھات میں رہنے والا لشکر قریب آیا اور مبارز الدین چاولی کے پیچھے اپنے لشکر کے ساتھ جو سیف الدین بالکل مستعد تھا، اس نے بھی دیکھ اور بھانپ لیا تھا کہ گھات سے نکلنے والا لشکر پڑاؤ کا رخ نہیں کر رہا۔ بلکہ وہ ہمارے لشکر کے اُس پہلو پر حملہ آور ہوگا، جس کی کمان داری مبارز الدین کر رہا تھا۔

اس موقع پر مبارز الدین جو بری طرح دشمن کے خلاف جنگ میں مصروف تھا، سیف الدین ابوبکر اسے محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور اس کے لشکر کی صفوں کو درہم برہم نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ مبارز الدین چاولی کی پشت سے ایک دم اپنے لشکر کے ساتھ نکلا اور اپنے لشکر کے پہلو کے سامنے آ گیا تھا۔

چنانچہ گھات سے نکلنے والا لشکر آتے ہی مبارز الدین چاولی کے بجائے سیف الدین ابوبکر کے لشکر پر بے نام و نشان کرتی خواہشوں کی اندھی قوت، خوابوں کے مگر، تمناؤں کے شہر و صبح کی خاموشیوں اور ان کہے خوابوں تک کو روند دینے والے اعصابی ہیجان اور مقدر کی انوثی پر چھائیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف سیف الدین ابوبکر بھی گھات سے نکل کر آنے والے لشکر کے سامنے ہولناک کارروائی کرتے ہوئے اس لشکر پر قدم قدم پر قیامت کھڑی کر کے ہونٹوں کو بے نطق کرتے فلاکتوں کے جلنے والاؤ، موت کی بے کراں وادیوں میں ہر تباہی کو زیر، ہر موت کو رد کر دینے والے آسمان پر کند ڈالنے والے مجاہد، کرب کی دلدل بچھاتی ویرانیوں اور گونجوں کے چکراتے بھنور کو پار کر کے وارفتہ میل محشر، آتش کے فشار اور ہولناک تباہی کی طرح گھات سے نکلنے والے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح لڑائی میں شدت آگئی تھی۔ گھمسان کارن پڑا تھا۔ سانسوں کی ڈوریاں کٹنے لگی تھیں۔ ذرے ذرے میں خوف و ہراس پھیلنے لگا تھا۔ تمنائیں بجز پرین کا شکار ہونے لگی

تھیں۔ خواہشیں منحوس ساعتوں کا روپ دھارنے لگی تھیں۔ قسمت کا منہ چڑھاتی تلواریں ہر شے کو بے نام و نشان کرنے لگی تھیں۔

رزم گاہ کے اندر دکھوں کی چھاؤں، خون کی بارش، جدائیوں کی رسوائیاں، بے رنو چاک، بے دوا زخم، جسموں کا آشوب، آرزوؤں کے مقتل اور درد کے نشتر بری طرح دھنسنے لگے تھے۔

جس وقت سیف الدین ابوبکر گھات سے نکل کر آنے والے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا اور اسے روکنے کے ساتھ ساتھ اس کی اگلی صفوں کا صفایا کر کے اسے درہم برہم کرنا شروع کیا تھا، اسی وقت زین الدین بشارہ جو سیف الدین ابوبکر کے ذرا دائیں جانب پڑاؤ کے اندر تھا، ایک دم اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور وہ گھات سے نکل کر آنے والے لشکر کے ایک پہلو پر خونی دستک دیتی لہو میں بجی ساعتوں، خاموشی کے صحرا سے اٹھتے ڈھک کے ہولناک افسانوں اور لہو رنگ خاموشیوں میں غرق کرتے تقدیر کے ہنر کے مدوجزر، اُداسی کی زرد چادر، بلکتے خونی لمحوں اور استغراق کے ہنر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

گھات سے نکل کر آنے والے لشکر پر جب سامنے کی طرف سے سیف الدین ابوبکر اور پہلو پر زین الدین بشارہ حملہ آور ہوئے تو اس کے لشکر کو کھلا گئے تھے۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ اگر معاملہ اسی طرح جاری رہا تو ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ بھاگ کر اپنے لشکر کے ساتھ جا ملے تھے جو اس وقت سلطان عز الدین، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی کے ساتھ ٹکرا رہا تھا۔

جس وقت وہ لشکر لیفون کے لشکر کی طرف بھاگا، اس وقت سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ دونوں کے لشکر ایک ہو گئے تھے اور کمان داری سیف الدین ابوبکر کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ زین الدین بشارہ اس کی نیابت کرنے لگا تھا۔

سیف الدین ابوبکر نے وقت ضائع نہیں کیا، دونوں لشکروں کو یکجا کر کے وہ زخم زخم کر دینے والے وقت کے بدترین خونی مناظر، آگ کے خونی سمندر میں اٹھتی موجوں، جلتی لہروں کی طرح حرکت میں آیا۔ گھات سے نکلنے والے لشکر، جسے سیف الدین نے بھاگنے پر مجبور کیا، اس کے پیچھے پیچھے لگ گیا۔ اس وقت تک وہ لشکر لیفون کے لشکر کے پہلو سے جا ملا تھا۔ چنانچہ اسی پہلو پر سیف الدین ابوبکر اپنے لشکر کے ساتھ جوانی اور شباب کے عروج کو

مٹی کے ڈھیر بناتے تقدیر کے بدترین پرشور گولوں، آندھیوں اور بارش کے شانوں پر آسمان کے گنبد سے اترتی بدن کی دھجیاں اڑاتی کڑکتی برق کی چمک اور کاسہ زیت میں موت کے سکے پھینکتی تشدد کی خونی تلوار کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دوسری طرف خود سلطان عزالدین کیاؤس، حسام الدین یوسف اور مبارز الدین چاولی ابھی تک جارحیت پر نہیں اترے تھے، دفاع تک محدود تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن کے لشکر کے پہلو پر سیف الدین ابوبکر اور زین الدین بشارہ دونوں نے حملہ آور ہو کر لیفون کے لشکر کے پہلو کو بے کار اور شل کرنا شروع کر دیا ہے، تب وہ دفاع سے نکلے۔ جارحیت پر اترے اور اپنے حملوں میں تیزی اور شدت پیدا کرتے ہوئے وہ لیفون کے لشکر پر یادوں کے بیابانوں سے نکلتی ہوئی دکھ بھری شام کی پرچھائوں، اجنبیت کی دھند میں لمحوں تک کو ویران کرتی گھنگھور گھٹاؤں کی برق کی طرح شدت کے ساتھ حملہ آور ہو گئے تھے۔

یوں ایک بار پھر میدان جنگ تیزی سے بھڑک اٹھا تھا۔ دلوں کے دیے تیزی سے بجھنے لگے تھے۔ مرگ کے سرمئی سائے، تباہی کے ابدی خواب دکھاتی فضا اپنا آؤچل دراز کرنے لگی تھی۔ دکھ کے اندھے کنوئیں، اجاز موسموں میں اجڑی بستیوں سا ماحول میدان جنگ میں اپنا رنگ دکھانے لگی تھیں۔

تھوڑی دیر مزید جنگ کے بعد لیفون اور نکور کے دوسرے سالار بورمان نے دیکھا کہ مسلمانوں کے سامنے ان کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے زرد چہروں، زنگ آلود لمحوں، شام کی بے نورانی، مقدس کی بدنامی اور اعصابی ہیجان جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے لیفون اور بورمان دونوں نے شکست قبول کی۔ چنانچہ وہ جن جن شہر کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔

سلطان نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ ان کے بدن کی دھجیاں اڑاتے موت کے بھنور زندگی کے حصار توڑتے فنا کے نقوش، باطن کو بے کل، ذہن کو فشار کا شکار کرتی کھلتی آتش کے رقص کی طرح تعاقب کیا تھا۔ اور ان کے کافی لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس طرح شکست قبول کرنے کے بعد لیفون اور بورمان دونوں جن شہر میں محصور ہو گئے تھے۔ یہ ایک بدترین اور ذلت آمیز شکست تھی جو جن شہر کے نواح میں نکور کے لشکر کو ہوئی تھی۔

جن جن میں داخل ہونے کے بعد بورمان اور لیفون دونوں حرکت میں آئے۔ لشکر کی اکثریت کو انہوں نے فسیل کے اوپر پھیلا دیا تھا۔ فسیل کے اوپر زیادہ تر وہ لشکر مقرر کئے گئے تھے، جن کی حیثیت شہر کے اندر محافظوں کی تھی جو تازہ دم تھے۔ ساتھ ہی برجوں کے اندر تیر انداز بٹھا دیئے گئے تھے۔ خود لیفون اور بورمان دونوں شہر کی فسیل کے اوپر آ کر ایک برج میں کھڑے ہو کر سلطان کے لشکر کا جائزہ لینے لگے تھے۔

جب سلطان نے شہر کی فسیل پر حملہ نہیں کیا بلکہ اپنے لشکر کو موڑ کر اپنے پڑاؤ میں چلا گیا، تب لیفون کچھ دیر تک گہری نگاہوں سے سلطان عزالدین کے لشکر کا جائزہ لیتا رہا، آخر اپنے پہلو میں کھڑے دوسرے سالار بورمان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”بورمان میرے بھائی! مجھے ابھی تک کچھ سمجھ نہیں آئی، ہمیں شکست کیسے ہو گئی؟ ابھی تک میرا ذہن اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا کہ مسلمانوں کے سلطان کے سامنے سے ہم شکست اٹھا کر بٹے ہیں اور شہر میں داخل ہونے کے بعد محصور ہو گئے ہیں۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لیفون جب خاموش ہوا، تب بورمان کچھ دیر تک عجیب سے انداز سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر کہنے لگا۔

”لیفون! میری حالت بھی تم سے مختلف نہیں ہے۔ جس وقت میں اپنے لشکر کو لے کر گھات لگائے بیٹھا تھا، مجھے پکا اور پختہ یقین تھا کہ میں مسلمانوں کے لشکر کو کھگا ل کے رکھ دوں گا۔ لیکن مسلمانوں نے ہم سے جنگ کرنے کی عجیب حکمت عملی اور منصوبہ بندی بنائی تھی جو ان کی فتح مندی اور ان کی کامیابی کا باعث بن گئی۔ لیفون! میں نے ارادہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے دو اہداف میں سے ایک ہدف کو اپنا نشانہ بناؤں گا۔ یا تو ان کے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر پڑاؤ کو آگ لگا دوں گا۔ یا مسلمانوں کے پہلو پر حملہ آور ہو کر اس کے پہلو کو کاٹ کر رکھ دوں گا۔ مسلمانوں کے اندر شکست اور ناکامی کے آثار پیدا کر دوں گا۔ لیکن جب میں گھات سے نکل کر اس طرف آیا تو میرا ارادہ تھا کہ میں سب سے پہلے مسلمانوں کے پڑاؤ پر حملہ آور ہو کر پڑاؤ کو آگ لگاؤں گا۔ تاکہ مسلمانوں کی توجہ اپنے جلتے پڑاؤ کی طرف ہو جائے۔ اور جب ان پر حملہ کیا جائے گا تو ہماری فتح اور ان کی شکست یقینی ہو جائے گی۔ لیکن جب میں قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے پڑاؤ کے اندر ایک خاصا بڑا لشکر موجود تھا۔ اور مسلمانوں کے سلطان کا ایک سالار، میں اس کا نام نہیں جانتا، وہ

کمانداری کر رہا تھا۔

لہذا مسلمانوں کے پڑاؤ پر ضرب لگانے کی بجائے میں نے فیصلہ کر لیا کہ مسلمانوں کے لشکر کے دائیں پہلو پر ضرب لگا کر اپنی کامیابی اور فتح مندی کا درکھولوں گا۔ لیفون! اسے میں اپنی بدبختی اور بد قسمتی جانوں گا۔ جوں ہی میں مسلمانوں کے لشکر کے پہلو کی طرف بڑھا تو پہلو کے پیچھے سے ایک اور لشکر نمودار ہوا۔ میں نہیں جانتا اس لشکر کی کمان داری کون کر رہا تھا اور اس سالار کا نام کیا ہے۔ لیکن وہ عجیب سا انسان تھا اور بڑے انوکھے انداز میں وہ اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور ہم پر اس انداز سے حملہ آور ہوا کہ اس نے نہ صرف یہ کہ میرے لشکر کو روک دیا بلکہ میرے لشکر کی اگلی صفوں کا اس نے صفایا بھی کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنے لشکر کے آگے آگے تھا اور میرے لشکریوں کو کاٹتے ہوئے اپنے لشکریوں کو لٹکارتا بھی جا رہا تھا۔

جس وقت وہ میرے لشکریوں کو کاٹ رہا تھا، وہ لشکر جسے میں نے پڑاؤ میں دیکھا تھا، وہ بھی حرکت میں آیا۔ میرے لشکر پر حملہ آور ہو گیا۔ جس کی بنا پر میرے لشکر کی حالت بڑی اتر اور زسوا کن ہونا شروع ہو گئی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے میں نے پسپائی اختیار کر لی اور تمہارے لشکر سے آن ملا۔ لیکن مزید بد قسمتی یہ ہوئی کہ مسلمانوں کا وہ سالار جو پہلے اپنے لشکر کی پشت سے نکل کر میرے راستے کی رکاوٹ بنا تھا اور وہ لشکر جو پڑاؤ سے نکلا تھا، وہ دونوں یکجا ہو گئے اور پھر میرے پیچھے پیچھے وہ ہمارے لشکر کے ایک پہلو پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ ہمارے لشکر کے اس پہلو کے بڑے حصے کا صفایا کر کے رکھ دیا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بورمان رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

”لیفون! میں سمجھتا ہوں، مسلمانوں کے ہاتھوں یہ ہماری ذلت آمیز شکست ہے۔ اب

تم کیا خیال کرتے ہو کہ ہمیں کون سا قدم اٹھانا چاہئے؟ جہاں تک مسلمانوں کے سلطان کا تعلق ہے تو وہ شہر کو فتح کئے بغیر تو نہیں جائے گا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سلطان کے لشکر کی تعداد ہمارے لشکر سے کم تھی اس کے باوجود غالب وہی رہا۔ میرا اپنا خیال ہے کہ مسلمانوں کا سلطان چند روز تک اپنے لشکریوں کو سستانے کا موقع فراہم کرے گا، اس کے بعد کسی نے عزم کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہو کر شہر کو فتح کرنے کی کوشش کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد بورمان جب خاموش ہوا تب کچھ سوچتے ہوئے لیفون بولا اور

کہنے لگا۔

”بورمان میرے بھائی! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم مسلمانوں کے لشکر پر شب خون ماریں اور شب خون بھی آنے والی شب کو ماریں۔ اس لئے کہ یہ جنگ لڑ کے مسلمانوں کے لشکر کی تھک ہار کے گہری نیند سو جائیں گے۔ ہمارے جن لشکریوں نے جنگ میں حصہ لیا، انہیں ہم آرام کرنے کا موقع دیں گے اور شہر کے اندر جو تازہ دم لشکر تھے، جنہیں ہم نے جنگ میں استعمال نہیں کیا، ان کو حرکت میں لائیں گے اور مسلمانوں پر شب خون مار کے انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں گے۔ اس طرح ہو سکتا ہے ہم اپنی شکست کا داغ دھونے میں بھی کامیاب ہو جائیں۔“

لیفون جب خاموش ہوا تب بورمان دکھ بھرے انداز میں لیفون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس لئے کہ مسلمان غافل نہیں ہیں۔ وہ اپنے لشکر کے ایک حصے کو چوکس رکھیں گے تاکہ اگر ہمارا لشکر شہر سے نکل کر ان پر شب خون مارنے کی کوشش کرے تو وہ اس شب خون کو ناکام بنا دیں۔ بورمان! مجھے خطرہ ہے کہ اگر ہم نے شہر سے باہر نکل کر رات کے وقت اچانک مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کا لشکر اگر بیدار ہوا تو وہ شب خون کے لئے نکلنے والے ہمارے لشکر کو نہ صرف گھیر کر اس کا خاتمہ کر دیں گے بلکہ جس دروازے کو کھول کر وہ شہر سے نکلیں گے، اسی دروازے سے رات کی تاریکی میں مسلمانوں کا لشکر کسی نہ کسی طریقے اور حیلے سے داخل ہو کر بغیر کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے شہر کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا، تمہاری اور میری دونوں کی گردنیں مسلمانوں کے سلطان کے حکم پر کاٹ دی جائیں گی۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لیفون رکا، اس کے بعد اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

”بورمان! جہاں تک میرا اندازہ ہے، جن جن کو مسلمانوں سے بچانے کے لئے سب کچھ مجھے اور تمہیں ہی کرنا ہو گا۔ اس موقع پر ہم نے نکور سے مدد مانگنے کی کوشش کی تو میرا دل کہتا ہے وہ صاف انکار کر دے گا۔ اس لئے کہ میں اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف

ہوں۔“

لیفون یہیں تک کہنے پایا تھا کہ بیچ میں بورمان بول پڑا اور کہنے لگا۔
”تمہاری اس بات سے تو میں اتفاق کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں نکور ہماری کوئی مدد نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ جنجن کے نواح میں جو اس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی، اس میں اُس کا کافی نقصان ہوا تھا جس کی بنا پر اس پر ایک طرح سے مسلمانوں کا رعب اور خوف طاری ہو چکا ہے اور وہ خود کبھی بھی میرے خیال کے مطابق خم ٹھونک کر مسلمانوں کے مقابل نہیں آئے گا۔ زیادہ سے زیادہ اپنے علاقوں کو بچانے کے لئے وہ تم اور مجھ پر بھروسہ کر کے مسلمانوں کو جنگ میں مصروف رکھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرے گا۔“

بورمان جب خاموش ہوا تب لیفون دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

”بہر حال ہم شہر کا دفاع کریں گے۔ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالیں گے اور نہ ہی ان کے ہاتھوں شہر اور قلعے کو فتح ہونے دیں گے۔ ہمیں اس سلسلے میں ایک فوقیت بھی حاصل ہے۔ جنجن شہر اور قلعے کی فصیلیں ایسی ہیں کہ جنہیں ناقابلِ تغیر کہا جاسکتا ہے۔ اگر مسلمان اس پر رسوں کی سیڑھیاں پھینک کر چڑھنے کی کوشش کریں گے تو فصیل کے اوپر سے ہمارے لشکری نہ صرف رسوں کی سیڑھیاں کاٹ کر رکھ دیں گے بلکہ فصیل پر چڑھنے والوں کو بھی کاٹ دیں گے۔ اور دوسری بات جو ہمارے حق میں جاتی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے پاس اس وقت نہ فصیل کے اندر نقب لگانے کا سامان ہے اور نہ ہی فصیل پر سنگ باری کر کے اسے گرانے کے لئے ان کے پاس تحقیق ہیں۔ چنانچہ میرا اندازہ ہے کہ ہم اس شہر کا دفاع کرنے میں کامیاب رہیں گے۔“

بورمان نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ پھر دونوں برج کے اندر سے نکلے، فصیل کے اوپر جو حفاظتی لشکر مقرر کئے گئے تھے، ان کا جائزہ لیا، اس کے بعد وہ فصیل سے نیچے اترنے لگے تھے۔

جہاں ایک طرف لیفون اور بورمان یہ منصوبہ بندی کر رہے تھے کہ شہر میں محصور رہ کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے خواہ محاصرہ طویل ہی کیوں نہ پکڑ جائے، وہاں دوسری طرف شہر کے امراء مختلف انداز میں سوچ رہے تھے۔ وہ آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے کہ مسلمانوں نے نکور کو شکست دینے کے بعد جنجن کے نواح میں آکر ڈیرے ڈال لئے ہیں۔

یہاں بھی جنجن کے لشکریوں کو شکست دی گئی ہے۔ اور اب وہ شہر کا محاصرہ کریں گے۔ نہ کوئی چیز شہر کے اندر آنے دیں گے، نہ شہر سے نکلنے دیں گے۔ اگر ایسی ہی حالت رہی اور محاصرے میں شدت پیدا ہو گئی تو جنجن کے لوگ زیادہ عرصہ تک اپنے وسائل پر زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ اور جب یہ وسائل ختم ہوتے دکھائی دیں گے تو مسلمانوں کو اس کی خبر ہو جائے گی اور وہ محاصرے میں مزید شدت پیدا کریں گے۔ اس طرح شہر کے بھوکے اور قحط زدہ لوگ خود ہی شہر پناہ کے دروازے کھول کر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی دعوت دیں گے۔“

ان سارے عوامل پر غور کرنے کے بعد امراء نے ایک وفد تیار کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ اس وفد کو نکور کی طرف بھیجا جائے اور اس سے پوچھا جائے کہ کیا وہ جنجن کا دفاع کر سکتا ہے؟ اگر تو وہ مثبت جواب دے اور ضمانت دے کہ وہ شہر کا دفاع کرے گا، باہر سے مدد کے علاوہ کھانے پینے کا سامان بھی مہیا کرتا رہے گا، تب محصور رہ کر مقابلہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر اس نے کہا کہ میں کچھ نہیں کر سکتا تو پھر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دینا چاہئے۔

چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد لیفون اور بورمان سے پوچھے بغیر امراء نے ایک وفد نکور کی طرف روانہ کیا۔ اس وفد کے اراکین نے نکور کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ مسلمانوں نے جنجن شہر کا محاصرہ کرنے کی تیاری کر لی ہے تو کیا محاصرے کے دوران نکور کی طرف سے اہل جنجن کو کوئی مدد پہنچے گی؟

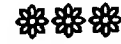
کہتے ہیں نکور نے صاف جواب دے دیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ جنجن والوں کا جو وفد نکور کی خدمت میں حاضر ہوا، نکور نے انہیں جو جواب دیا، اس کے جواب کو مؤرخین اس انداز میں لکھتے ہیں۔

”جب اہل قلعہ کا قاصد نکور کے پاس پہنچا تو نکور نے جواب دیا میں خود اپنے کام میں مصروف ہوں۔ مجھے تمہارے تدارک کی پروا نہیں ہے۔ جب وہ لوگ یہ جواب سن کر مایوس ہو گئے تو سلطان سے اپنے جان و مال اور اہل و عیال کے لئے امن کی درخواست کی۔

چنانچہ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اہل قلعہ کی التجا کے مطابق انہیں امن دے دیا گیا۔ پھر سلطان کا جھنڈا قلعے پر نصب کیا گیا۔ اس دوران لیفون اور بورمان کی کمانداری میں جو لشکر تھا، وہ رات کی تاریکی میں شہر سے نکل گیا۔ لیفون اور بورمان دونوں لشکر لے کر نکور

کے تیسرے بڑے شہر کانجین کی طرف چلے گئے تھے۔

اس طرح جنجن شہر سلطان عز الدین کی کاؤس کے سامنے سرنگوں ہو گیا اور مورخین مزید لکھتے ہیں کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سلطان نے سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور شہر کے قلعہ دار اور کوتوال اس نے اپنی طرف سے مقرر کئے۔ اس طرح جنجن شہر کو فتح کرنے کے بعد سلطان نے چند یوم تک جنجن شہر میں قیام کر کے اپنے لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا تھا۔



لیفون اور بورمان دونوں ایک بہت بڑا لشکر لے کر جنجن سے کانجین پہنچ گئے تھے۔ کانجین میں بھی اس وقت شہر اور قلعے کی حفاظت کے لئے ایک خاصا بڑا لشکر موجود تھا لہذا وہاں جو سالار تھا، اسے بھی بورمان اور لیفون نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح ان کی طاقت اور قوت میں خوب اضافہ ہوا۔ جس وقت سلطان نے جنجن سے کانجین کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا تھا۔ اس وقت کانجین میں لیفون، بورمان اور وہاں پہلے سے موجود کانجین کے حاکم اور بگور کی طرف سے وہاں کے سالار راسکو نے اپنی جنگی تیاریوں کو آخری شکل دے دی تھی۔ سلطان کی آمد سے پہلے ایک روز بورمان، لیفون اور راسکو تینوں فیصل کے استحکامات، فیصل کے اوپر اور برجوں کے اندر جو لشکری مقرر کئے گئے تھے، ان سب کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک برج کے اندر لیفون رک گیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بورمان اور راسکو بھی رک گئے۔ یہاں تک کہ لیفون بولا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ہماری سرزمینوں میں مسلمانوں کا سلطان دوبار ہمیں بدترین شکست دے چکا ہے۔ ایک بار اس وقت جبکہ وہ جنجن کی طرف بڑھ رہا تھا اور جنجن سے دس میل دور اس کے ساتھ ہمارا ٹکراؤ ہوا تھا اور ہمارے لشکر کی کمان داری خود بگور کر رہا تھا۔ دوسری بار اس نے ہمیں جنجن شہر کے نواح میں شکست دی۔ اس موقع پر مجھے بگور سے بھی شکایت ہے۔ اسے چاہئے تھا کہ جس وقت ہم مسلمانوں کے سلطان کے سامنے جنجن میں محصور ہو گئے تھے، وہ ایک لشکر بھیجتا، ہماری مدد کرتا۔ ہم شہر کے اندر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ باہر سے اس کا بھیجا ہوا لشکر مسلمانوں کے لئے اذیتیں اور دشواریاں کھڑی کرتا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو مسلمانوں کا سلطان، جنجن شہر کبھی بھی فتح کرنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ لیکن برا ہو جنجن شہر

کے سرکردہ امراء کا، جنہوں نے ہمیں بتائے بغیر ہم سے بالا ہی بالا قاصد نکور کی طرف بھجوائے اور نکور نے مسلمانوں کے سلطان کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور شہر حوالے کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

حالانکہ جو مخبر سینوب سے جنجن کی طرف آتے رہے تھے، ان کے ذریعے ہمیں پتہ چلتا رہا ہے کہ نکور ایک بہت بڑا لشکر جمع کر رہا ہے۔ اس پاس کی نصرانی ریاستیں بھی اسے کافی رضا کار اور جنگجو مہیا کر رہی ہیں۔ اصل میں ان ساری عیسائی ریاستوں کا مستقبل اناطولیہ کے میدانوں میں نکور کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر نکور مکمل طور پر مسلمانوں کے سامنے زیر ہو جاتا ہے تو پھر اناطولیہ کے میدانوں کی کوئی قوت ایسی نہیں رہے گی جو مسلمانوں کے سلطان کے سامنے سر اٹھا سکے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لیفون رکا، پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک چھوٹا سالار وہاں پہنچا اور لیفون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”ایک قاصد نکور کی طرف سے آیا ہے اور وہ آپ لوگوں سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔“

ان الفاظ پر لیفون ہی نہیں، بورمان اور راسکو بھی چونکے تھے۔ چنانچہ ان کے کہنے پر وہ چھوٹا سالار، نکور کے مخبر کو لے کر آیا۔ اسے دیکھتے ہی طریہ انداز میں لیفون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”کیا نکور نے تمہیں یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ ہم جنجن کی طرح کانجین شہر بھی مسلمانوں کے سلطان کے حوالے کر دیں گے؟ حالانکہ وہ ابھی تک اپنے لشکر کے ساتھ یہاں نہیں پہنچا ہے۔“

اس پر آنے والا وہ مخبر مسکرایا اور کہنے لگا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ نکور نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ اس لشکر کا آدھا حصہ اس نے مرکزی شہر سینوب میں چھوڑا ہے اور باقی آدھے کو لے کر وہ عترب تہاری مدد کو پہنچے گا۔“

یہ الفاظ سن کر لیفون، بورمان اور راسکو کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ یہاں تک کہ راسکو بولا اور کہنے لگا۔

”یہ پیغام دے کر نکور نے ہمارا دل خوش کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، جو نبی مسلمانوں کا

سلطان یہاں پہنچتا ہے، ہم شہر سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کریں اور اسے ایسی شکست دیں کہ آنے والے دور میں مسلمان کبھی ہماری سرزمینوں میں داخل ہونے کی جرأت اور جسارت ہی نہ کر پائیں۔“

راسکو کے ان الفاظ سے لیفون اور بورمان دونوں نے اتفاق کیا تھا۔ پھر لیفون بولا اور کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر میرے ساتھ آؤ تاکہ اپنے لشکر کی تیاریوں کو آخری شکل دیں اور جو نبی مسلمانوں کا سلطان یہاں پہنچتا ہے، اس سے ٹکرائیں اور اسے بتائیں کہ ہم اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف جارحیت اختیار کرنے کی بھی ہمت اور جرأت رکھتے ہیں۔“

راسکو اور بورمان، لیفون کی اس گفتگو سے مطمئن ہو گئے تھے۔ پھر تینوں شہر کی فیصل سے نیچے اتر گئے تھے۔



اگلے روز صبح کے وقت سلطان کانجین شہر کے نواح میں پہنچا اور شہر کی جنوبی سمت اس نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر لیفون، بورمان اور راسکو تینوں بڑے سالار جو اس وقت کانجین شہر میں موجود تھے، فیصل پر کھڑے مسلمانوں کے لشکر کا نظارہ کر رہے تھے۔ جب پڑاؤ قائم ہو چکا، تب سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ لشکر کے پڑاؤ کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک مخبر، سلطان کے پاس پہنچا اور اسے دیکھتے ہی سلطان رک گیا پھر بڑی اپنائیت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”اگر تم کوئی خبر لے کر آئے ہو تو یہ خبر کس سمت کی ہے؟“

اس پر وہ مخبر بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں یہ خبر سینوب کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔ نکور نے پھر ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ اپنے لشکر کا آدھا حصہ اس نے اپنے مرکزی شہر سینوب کی حفاظت کے لئے چھوڑا ہے اور آدھے لشکر کو لے کر وہ کانجین شہر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کا رابطہ کانجین شہر کے اندر موجود تینوں سالاروں بورمان، راسکو اور لیفون کے ساتھ ہو چکا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ تینوں سالار کانجین شہر سے نکل کر آپ کے مقابل آئیں گے۔“

جنگ کی ابتدا کریں گے۔ اتنی دیر تک ٹکڑ بھی اپنے لشکر کے ساتھ کانجین کے نواح میں پہنچ جائے گا اور ہمارے لشکر کے خلاف کوئی کارروائی کرے گا۔ ابھی تک ہم یہ نہیں جان سکے کہ ٹکڑ کا لائحہ عمل کیا ہے، اس نے کیا منصوبہ بندی مرتب کی ہے۔ لیکن اندازہ یہی ہے کہ جس وقت راسکو، لیفون اور بورمان اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے نکلیں گے اور ہم سے ٹکرائیں گے تو ٹکڑ اس مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر ہمارے لشکر کی پشت یا پہلوؤں میں سے کسی بھی سمت سے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تو بڑی شفقت میں اسے مخاطب کرتے ہوئے سلطان عزالدین کہنے لگا۔

”فی الحال تم لشکر میں آرام کرو۔ تمہارے لئے دوسرے احکامات جلد ہی مل جائیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ مخبر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد سلطان کچھ دیر سوچتا رہا، پھر سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مخبر نے جو اطلاعات فراہم کی ہیں، اس سے جو اہم بات ہمارے سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ ججن شہر سے بھاگ کر آنے والے ٹکڑ کے دونوں سالار لیفون اور بورمان یہاں پہنچ چکے ہیں اور وہ کانجین شہر کے حاکم اور سالار راسکو کے ساتھ مل کر ہمارے ساتھ طبع آزمائی کریں گے۔ ان کا خیال ہے کہ ان تینوں سالاروں کے مل جانے سے ان کی طاقت اور قوت ایسی ہوگئی ہے کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور جہاں تک میرا اندازہ ہے، اب تک انہیں ٹکڑ کا یہ پیغام بھی مل چکا ہوگا کہ عنقریب وہ ایک بہت بڑا لشکر لے کر ان کی مدد کے لئے پہنچ رہا ہے۔ ٹکڑ کے اس پیغام سے کانجین شہر کے لشکریوں اور سالاروں کے حوصلے یقیناً بڑھ چکے ہوں گے۔ بہر حال حالات کچھ بھی ہوں، صورت حال کیسی بھی گمبیر کیوں نہ ہو جائے، کانجین میں جمع ہونے والے ان تینوں سالاروں راسکو، لیفون اور بورمان کو ہم نے ہر صورت میں اپنے سامنے زیر کرنا ہے۔ باقی رہا معاملہ ٹکڑ کا تو اس کے متعلق صلاح مشورہ کرو کہ ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہئے۔“

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر جو سلطان کے پہلو ہی میں کھڑا تھا، سلطان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں سمجھتا ہوں، ٹکڑ کے خلاف ہمیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ ہمارا مخبر بتا چکا ہے، اس کے مطابق ٹکڑ ابھی دور ہے۔ لہذا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم ایک کام کرتے ہیں۔ یہ ایک نئی منصوبہ بندی ہوگی اور مجھے اُمید ہے اس پر عمل کر کے ہم ٹکڑ کو اس جنگ سے دُور رکھنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

سلطان محترم! جو مخبر یہ خبریں لے کر آیا ہے، وہ ہمارے ساتھ جاتے ہیں۔ میں اور مبارز الدین چاولی ایک لشکر لے کر ٹکڑ کی طرف جائیں گے۔ ہم ٹکڑ سے ٹکرائیں گے نہیں بلکہ اُس کے آس پاس، اُس کے ارد گرد اپنی موجودگی ظاہر کریں گے۔ جو مخبر آیا ہے، اس کے علاوہ بھی دیگر مخبر بھی ہمارے ہمراہ ہوں گے۔ یہ سارے مخبران علاقوں میں یہ خبریں پھیلا دیں گے کہ ٹکڑ کا مقابلہ کرنے کے لئے سلطان کا ایک لشکر ان علاقوں میں ارد گرد منڈلا رہا ہے اور یہ کہ جس وقت بھی ٹکڑ نے وہاں سے اٹھ کر جس جگہ اس نے قیام کر رکھا ہے، کانجین شہر کی طرف پیش قدمی کرنا شروع کی تو سلطان کا لشکر جو ان علاقوں میں ہی سرگرداں ہے اور گھات لگائے ہوئے ہے، وہ اچانک دن یارات کے وقت شب خون مار کر ٹکڑ اور اس کے لشکر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے گا اور ٹکڑ کو باسلامت کانجین نہیں پہنچنے دے گا۔

سلطان محترم! یہ تاثر دینے کے بعد رات کی تاریکی میں، میں اور مبارز الدین چاولی وہاں سے ہٹ جائیں گے۔ واپس اپنے پڑاؤ میں آجائیں گے۔ چنانچہ جب ان علاقوں میں یہ خبر پھیلے گی کہ سلطان کا ایک لشکر ان علاقوں میں سرگرداں ہے، گھات میں ہے تو ٹکڑ چونکے گا۔ وہ پہلے ہی ہمارے ہاتھوں ایک نہیں، کئی شکستیں اٹھا چکا ہے۔ لہذا جب اسے خبر ہوگی کہ سلطان کو اس کی پیش قدمی کی اطلاع ہو چکی ہے اور اس کا بندوبست کرنے کے لئے سلطان نے اپنا ایک لشکر بھی متعین کر دیا ہے تو وہ محتاط ہو جائے گا۔ جہاں اس نے پڑاؤ کر رکھا ہے، وہیں پڑاؤ رکھے گا۔ لشکر کو محتاط کر دے گا اور کانجین کی طرف پیش قدمی کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔“

سیف الدین ابوبکر کی اس تجویز کو نہ صرف سلطان عزالدین نے بلکہ سارے سالاروں نے بھی پسند کیا تھا۔ اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ساتھ ہی سلطان سے علیحدہ ہو کر سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی نے اس لشکر کو بالکل تیار اور مستعد

رہنے کا حکم دے دیا تھا جسے لے کر انہوں نے کوچ کرنا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خیموں کی طرف چلے گئے۔

خیمے چونکہ نصب ہو چکے تھے۔ لشکر کا ایک حصہ مستعد کر دیا گیا تھا تا کہ رات کو بورمان یا لیفون میں سے کوئی اچانک شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو۔

سیف الدین ابوبکر جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے میں اس وقت بریزہ شاید اسی کی آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ جونہی سیف الدین خیمے میں داخل ہوا، بریزہ نے بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”آپ اپنی نئی مہم پر کس وقت روانہ ہوں گے؟“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر چونکا تھا، آگے بڑھا۔ پہلے نشست پر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے بریزہ بھی مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ یہاں تک کہ سیف الدین ابوبکر نے بریزہ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”تم مجھے آج جاسوس لگنے لگی ہو۔ تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں کسی مہم پر روانہ ہونے والا ہوں؟“

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ پر بریزہ مسکرائی، بڑے پیار میں اس نے اپنا ہاتھ سیف الدین کے گھٹنے پر رکھا، پھر کہنے لگی۔

”آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ دیکھنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے میرے پاس جوزین بیٹھی ہوئی تھی، اس نے مجھ پر انکشاف کیا کہ آپ اور مبارز الدین دونوں ایک مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔ جوزین کہہ رہی تھی کہ وہ اس مہم میں شامل نہیں ہو گی۔ اس لئے کہ اس مہم میں کسی سے کوئی ٹکراؤ یا کسی پر حملہ آور نہیں ہوتا۔“

بریزہ کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر اور زیادہ چونکا تھا، پھر کہنے لگا۔

”کیا تم بتا سکتی ہو کہ جوزین کو کیسے خبر ہوئی کہ میں اور مبارز الدین ایک لشکر لے کر کسی مہم پر روانہ ہونے والے ہیں اور یہ کہ اس مہم میں ہم نے کسی پر حملہ آور ہونا ہے نہ کسی سے جنگ کرنی ہے۔“

اس پر بریزہ پھر مسکرائی اور کہنے لگی۔

”جس وقت سلطان نے یہ گفتگو کی تھی، اس وقت سارے سالار سلطان کے پاس

کھڑے تھے۔ آپ اور بھائی مبارز الدین چادری تو لشکر کے اس حصے کو مستعد اور تیار کرنے کے لئے اس لشکر کی طرف چلے گئے تھے، باقی سالار اپنے خیموں کی طرف آگئے۔ لہذا ان سالاروں کے کسی اہل خانہ سے جوزین کو یہ خبر ملی کہ آپ اور مبارز الدین لشکر لے کر روانہ ہونے والے ہیں۔“

جواب میں سیف الدین مسکرایا اور کہنے لگا۔

”جوزین کا کہنا درست ہے۔ اس نے اگر کسی سے سنا ہے تو ٹھیک ہی سنا ہے۔ میں اور مبارز الدین تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ بریزہ! پریشانی اور فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں رات کے وقت واپس اپنے خیمے میں آ جاؤں گا۔ میری آمد تک یا تو تم بابا کے خیمے میں چلی جانا یا اس خیمے میں جا کر شب بسر کر لینا جس میں اماں اور جوزین رہتی ہیں یا ان دونوں کو اپنے خیمے میں بلا لینا۔“

سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب بریزہ خوش کن انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

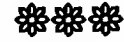
”آپ میرے متعلق زیادہ پریشان نہ ہوا کریں۔ بلکہ میں آپ کی روائی کی وجہ سے پریشان ہوتی ہوں۔ جب آپ جاتے ہیں، میرے پاس بابا ہوتے ہیں، جوزین ہوتی ہے، اماں ہوتی ہے، بھائی ہوتا ہے۔ اس لئے میری طرف سے آپ مطمئن رہا کریں۔ بس اپنا خیال رکھا کریں۔ اس لئے کہ آپ کی ذات، آپ کی زیست اور آپ کے تن سے کوئی اور بھی وابستہ ہے۔“

سیف الدین ابوبکر، بریزہ کے ان الفاظ پر ہنس دیا۔ پھر اس کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی اور کہنے لگا۔

”تم فکر مند نہ ہو۔ جب میں کسی مہم پر روانہ ہوتا ہوں تو یہ بات میرے ذہن میں ہوتی ہے کہ میں ایک نہایت خوبصورت بیوی کا شوہر ہوں بلکہ میں یوں کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک نہایت خوبصورت بیوی کا خوش قسمت شوہر ہوں جو میری غیر موجودگی میں بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہی ہوگی۔“

سیف الدین کے ان الفاظ پر بریزہ قہقہہ مار کر ہنس دی۔ اس کے بعد سیف الدین ٹھہکڑا ہوا اور کہنے لگا۔

”بریزہ! تم یہاں بیٹھو۔ میں اپنی تیاری کر لوں، پھر میں یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔“
بریزہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جنگی لباس پہننے میں سیف الدین کی مدد کی، اس کے بعد
اُس نے بریزہ کو الوداع کہا اور خیمے سے نکل گیا۔
تھوڑی دیر بعد سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی ایک لشکر لے کر اپنی مہم کی
طرف روانہ ہو گئے تھے۔



اپنی منزل پر پہنچ کر سیف الدین نے اپنے لشکر کو روک دیا۔ یہ منزل اس جگہ سے دو
میل دور تھی، جہاں نکور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔
لشکر کو روکنے کے بعد سیف الدین ابوبکر نے اپنے قریب گھوڑے پر سوار مبارز الدین
چاولی کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

”مبارز الدین میرے عزیز بھائی! لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ تم
لے کر آگے بڑھنا، دوسرے حصے کو میں لے کر آگے بڑھوں گا۔ ہمارے خبر میری اور تمہاری
رہنمائی کر رہے ہوں گے۔ جہاں نکور نے پڑاؤ کر رکھا ہے، اس سے چند فرلانگ دور اپنے
حصے کے لشکر کے ساتھ مشرق میں تم نمودار ہونا جبکہ جنوب کی طرف سے میں نمودار ہوں گا
اور نکور کے وہ خبر جو اپنے لشکر کے ارد گرد گدھوں کی طرح منڈلا رہے ہوں گے، انہیں ہم یہ
تاثر دینے کی کوشش کریں گے کہ ان علاقوں میں نکور پر اچانک ضرب لگانے کے لئے
سلطان عزالدین کیکاؤس کا ایک نہیں بلکہ کئی لشکر سرگرواں ہیں اور وہ موقع ملتے ہی اس
وقت نکور پر ضرب لگائیں گے جس وقت نکور اپنے لشکر کے ساتھ کاجین شہر کی طرف پیش
قدمی کرے گا۔“

میرے بھائی! مشرق کی طرف جانے کے بعد تم تیز رفتاری سے جنوب اور شمال کی
طرف اپنے لشکر کے ساتھ ایک دو چکر لگانا جبکہ میں جنوب میں رہتے ہوئے مشرق سے
مغرب کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ چند چکر لگاؤں گا۔ اس طرح نکور کے خبروں کو خبر ہو
جائے گی کہ ان کے پڑاؤ سے نزدیک ہی سلطان کے لشکر منڈلا رہے ہیں۔ چکر لگانے
کے بعد تم پھر ادھر آ جانا جہاں ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تھے۔ پھر ایک مناسب

کو ہستانی سلسلے کے پاس گھات لگا کر محتاط رہیں گے۔ سورج غروب ہونے تک اسی گھات میں رہا جائے گا۔ لشکر کا ایک حصہ بالکل مستعد کر دیا جائے گا تاکہ لشکر کے ارد گرد گور کا کوئی مخبر بھی بھٹکنے نہ پائے۔ اگر وہ آئے تو اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد جب رات گہری ہو جائے گی تو پھر ہم اپنی گھات سے نکل کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ واپس کا نچین شہر کی طرف چلے جائیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر رکا، پھر سوالیہ سے انداز میں وہ مبارز الدین چاولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”مبارز الدین میرے بھائی! یونہی آنکھیں بند کر کے میری ہاں میں ہاں نہ ملانا اور تم ایسا کرنے کے عادی ہو۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، پہلے اس پر سوچو۔ اگر یہ طریقہ واقعی قابل عمل ہو تو پھر اس کو اپنایا جائے گا۔ میرے عزیز بھائی! اگر تمہارے ذہن میں بھی اس موقع پر کوئی منصوبہ بندی ہو تو اس کا اظہار کرو۔ پھر دونوں میں سے جو اچھی ہوگی، اس پر عمل کریں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب مبارز الدین غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”ابن ابوبکر! کیا آپ میرا ٹھٹھہ اور مذاق اڑانا چاہتے ہیں؟“

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سیف الدین ابوبکر کے چہرے پر نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

”مبارز الدین! تم کس قسم کی گھٹگو کر رہے ہو؟ کیا اس سے پہلے میں نے تمہارا کبھی ٹھٹھہ یا مذاق اڑایا ہے یا تمہاری کسی بات کو میں نے ہلکا سمجھا ہے؟“

جواب میں پہلے مبارز الدین چاولی نے نفی میں گردن ہلائی پھر کہنے لگا۔

”پہلے تو کبھی نہیں کیا۔ لیکن آج ضرور آپ کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ میرے عزیز بھائی! میں آپ کے تحت کام کرتا رہا ہوں۔ جنگ میں آپ کی ہنرمندی اور حربی صلاحیت کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ بھائی! اس سے پہلے آپ جو بھی جنگی منصوبہ بندی تیار کرتے رہے ہیں، میں نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا اور جو بھی منصوبہ بندی آپ نے بنائی، ہم نے اس پر عمل کیا۔ اس میں ہمیں کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا نہیں پڑا۔ لہذا آج آپ نے یہ الفاظ کیسے ادا کر دیئے کہ میں آنکھیں بند کر کے آپ کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤں بلکہ سوچوں

اور اس سے بہتر تدبیر پیش کروں۔ مبارز الدین صرف اتنا جانتا ہے کہ آپ میرے امیر، میرے سالار ہیں۔ آپ کا فیصلہ، آپ کی منصوبہ بندی اور آپ کی حکمت عملی میرے لئے آخری اور حتمی ہے۔ لہذا اس موقع پر میں آپ سے کہوں گا کہ جو منصوبہ بندی آپ نے یہاں بنائی ہے، وہ آخری ہے۔ اس پر عمل کریں گے اور میں اس میں نہ کوئی تبدیلی چاہتا ہوں اور نہ ہی تبدیلی کرنے کے قابل ہوں۔“

مبارز الدین کے ان الفاظ پر سیف الدین کچھ دیر تک اسے شفقت آمیز انداز میں دیکھتا رہا، مسکراتا بھی رہا۔ پھر کہنے لگا۔

”مبارز الدین! تم بھی عجیب بھائی ہو۔ تم جیسا بھائی بھی مجھے کہیں نہیں ملے گا۔ قسم اللہ پاک کی، میں جب تک زندہ رہوں گا، تمہاری ذات پر فخر کرتا رہوں گا۔ تم نے ہمیشہ مجھے وہ عزت، وہ توقیر، وہ وقار دیا، جس کا مجھ جیسا غلام حق دار ہی نہیں تھا۔“

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ پر مبارز الدین چاولی کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ چند لمحوں تک اس نے ہونٹ کاٹے، پھر تلخ سی مسکراہٹ میں کہنے لگا۔

”اس معاملے میں بھی ہم دونوں بھائی ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اگر آپ غلام کی حیثیت سے کوہستانی سلسلے میں مشقت کرتے رہے ہیں تو میں بھی تو آپ کے ساتھ ہی ایک غلام کی حیثیت سے اُن مشقتوں میں شامل رہا ہوں۔ بلکہ میں تو اس زمانے کو بھول نہیں سکتا۔ اُس زمانے میں جو آپ نے مجھ پر اور نجم الدین بہرام پر احسانات کئے، وہ تو کوئی احسان فراموش انسان بھی بھول نہیں سکتا۔ قسم اللہ پاک کی، اس کوہستانی سلسلے کے پاس جس شخص نے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اہانت آمیز الفاظ ادا کئے تھے اور تم نے اس کو مار کر جو حالت بنائی تھی، اس واقعے کو تو میں اپنی موت تک بھی فراموش نہ کر سکوں گا۔ حالانکہ اُس وقت ہم سب غلام تھے۔ مسلح جوان ہاتھوں میں تلواریں لئے ہمارے گرد پہرہ دیتے تھے۔ اس کے باوجود میرے بھائی! آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت برداشت نہیں کی، انہیں مارا۔ اور میں زندگی بھر میخائیلو کا بھی شکر گزار رہوں گا کہ اس نے بروقت اس کوہستانی سلسلے کے پاس پہنچ کر آپ کی، میری اور نجم الدین بہرام کی جانوں کو محفوظ کیا۔ اور آپ کی شخصیت پر میں اس لئے بھی ناز کروں گا کہ بعد میں جب آپ کو موقع ملا تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کرنے والوں سے

ب انتقام لیا اور اُن کی گردنیں کاٹیں۔ سیف الدین ابوبکر! میرے بھائی! اگر میں آپ کو لت، احترام اور وقار دیتا ہوں تو قسم اللہ پاک کی، آپ اس کے حق دار ہیں۔ ہمیں ایسا مانا چاہئے۔“

مبارز الدین کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر اور زیادہ تشکر آمیز اور ممنونیت بھرے لہ میں اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں نے صلاح مشورہ کیا، پھر لشکر کو ہوں میں بانٹ کر اپنی اپنی سمتوں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

مبارز الدین اپنے مخبروں کی رہنمائی میں نکور کے پڑاؤ کے مشرقی جانب گیا تھا اور وہاں سے جنوب تک اپنے لشکر کے ساتھ چکر لگانے لگا تھا۔ سیف الدین ابوبکر، نکور کے کمر کے جنوبی طرف رہا اور اس نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکور کے لشکر سے ذرا ہر طرف مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف چکر لگانے شروع کئے تھے۔ چند چکر لانے کے بعد مبارز الدین واپس اس جگہ آ گیا، جہاں سے دونوں علیحدہ ہوئے تھے۔ پھر وہاں بڑی تیزی کے ساتھ حرکت میں آئے اور ایک بلند کوہستانی سلسلے کے اس درے میں دال ہو گئے جس سے بڑی آسانی کے ساتھ دوسری جانب نکلا جاسکتا تھا۔

لشکر میں آن کی آن میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ مسلمانوں کے سلطان عز الدین کے دو لشکر ان علاقوں کے لشکر پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ یہ خبریں پھیلانے میں مسلمان مخبر بھی شامل تھے اور انہوں نے نکور کے لشکر میں یہ خبریں بھی پھیلا دی تھیں کہ جوں ہی رات پڑے گی اور رات کے وقت نکور اپنے لشکر کے ساتھ کانچین کی طرف پیش قدمی کرے گا، سلطان عز الدین کے وہ لشکر جو ان علاقوں میں منڈلا رہے ہیں، کسی بھی سمت سے نکل کر اس پر حملہ آور ہوں گے۔ یہ حملہ کئی لشکر مختلف سمتوں میں کریں گے اور نکور کے لشکر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے۔

ان خبروں نے نکور کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لہذا اس نے جس جگہ پڑاؤ کیا تھا، وہاں سے اس نے پیش قدمی نہیں کی۔ پڑاؤ اس نے وہیں رکھا، اپنے لشکر کا ایک بڑا حصہ اس نے مستعد کر کے پہرے پر لگا دیا تھا تاکہ وہاں پڑاؤ کے دوران کوئی حملہ کرے تو دفاع کیا جاسکے۔ جبکہ دوسری طرف سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی کوہستانی سلسلے کے اندر بالکل چوکس اور بیدار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی وہاں موجودگی کا علم نکور کو ہو چکا ہوگا۔ وہ یہ بھی

جانتے تھے کہ نکور ان کوہستانی سلسلوں کے اندر ان پر حملہ آور ہونے یا شب خون مارنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود وہ بڑے محتاط اور بڑے مستعد تھے۔

کوہستانی سلسلے کے اندر جب کہ ایک بڑی چٹان پر سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی بیٹھے ہوئے تھے، تب سیف الدین ابوبکر کو کوئی خیال گزرا اور وہ مبارز الدین چاولی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”مبارز الدین میرے بھائی! اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو کیا ہم ایسا نہ کریں کہ اپنی طرف سے ایک تیز رفتار قاصد، سلطان کی طرف روانہ کریں۔ سلطان کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ جیسا پہلے ہمارے مخبر بتا چکے ہیں، آنے والی صبح کو کانچین شہر کے اندر نکور کے تین سالار جو ایک بہت بڑے لشکر کی کمانداری کر رہے ہیں، وہ لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر ہمارے لشکر سے ٹکرائیں گے۔ ظاہر ہے وہ تین بڑے سالار ہیں۔ لیون ہے، راسکو ہے، بورمان ہے۔ اس بنا پر سلطان کے ساتھ ٹکرانے کے لئے وہ اپنے لشکر کے حصے بھی تین ہی کریں گے۔ ہم سلطان کی طرف پیغام بھجواتے ہیں کہ آنے والی صبح کو اگر یہ تینوں سالار آپ کے خلاف شہر سے باہر نکل کر صف آراء ہوتے ہیں تو آپ اپنے لشکر کو بالکل تیار اور مستعد کر دیں اور ان سے ٹکرا جائیں اور جس وقت دونوں لشکر کانچین شہر سے باہر ایک دوسرے پر ضربیں لگا رہے ہوں گے، ہم اچانک دشمن کے لشکر کے قریب نمودار ہوں گے اور ان کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر اپنی کامیابی اور دشمن کی ہسپائی اور شکست کو آخری شکل دیں گے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا، تب خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مبارز الدین کہنے لگا۔

”امیر! اگر آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو میں خیال کرتا ہوں، اس میں ہماری بہتری اور بھلائی ہے۔“

مبارز الدین چاولی کے یہ الفاظ سن کر سیف الدین نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ پھر رات کے وقت دو تیز رفتار قاصد سیف الدین ابوبکر نے سلطان عز الدین کی کاؤس کی طرف روانہ کر دیئے تھے جنہوں نے جا کر سلطان سیف الدین ابوبکر کا یہ پیغام دیا کہ آنے والی صبح کو سلطان دشمن کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ جس وقت دونوں لشکر ٹکرائیں گے، سیف

الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی بھی قریب آچکے ہوں گے۔ لہذا وہ دشمن کی پشت یا اس کے ایک پہلو پر جہاں حملہ آور ہونا آسان ہوگا، ضرب لگانا شروع کر دیں گے اور دشمن کے لشکر کے اندر ایک انفراتفری اور بد نظمی پھیلا کر اپنی کامیابی کا درکھونے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ سلطان تک یہ پیغام پہنچ گیا۔ اور اگلی صبح واقعی لیفون، بورمان اور راسکو تینوں نے اپنے لشکر کو شہر سے نکالا اور سلطان عز الدین کی کاؤس کے پڑاؤ کے سامنے انہوں نے اپنا پڑاؤ قائم کر کے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ سلطان بھی بغور ان کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ چنانچہ سلطان نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

حسب سابق سلطان نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ سلطان نے اپنے پاس رکھا، دوسرا حسام الدین یوسف کے پاس تھا۔ تیسرا لشکر زین الدین بشارہ کے تحت تھا جبکہ نجم الدین بہرام، سلطان کے ساتھ کام کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ دوسری طرف راسکو، لیفون اور بورمان نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا اور تینوں سالاروں نے ایک ایک لشکر اپنی کمانداری میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد وہ حرکت میں آئے، سلطان پر حملہ آور ہونے میں انہوں نے پہل کرنا چاہی۔ چنانچہ انہی ارادوں کے تحت وہ صداؤں کے حصار توڑتے تند اور سفاک لمحوں، وقت کی تاریک کرچیوں میں وقت کی تفہیم کے شاطرانہ رنگ، گرم ہواؤں کے سلگتے گبولوں، فضاؤں کی بانہوں میں ڈولتے بے ایمان دکھ کے موسموں اور تشدد کے سائبانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جس وقت حملہ آور ہونے کے لئے دشمن نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا تھا، ان کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان نے بھی اپنے لشکر کو وہم و گمان کی منزلوں اور جنوں کی راہوں پر اذیتوں میں رچے اجل زدہ خوابوں کی طرح آگے بڑھایا۔ پھر وہ بھی لیفون، راسکو اور بورمان کے لشکر پر بھٹکتے تصورات کی ٹھوکروں میں رکھتے تاریک سائی کے قدموں کی دھول اڑاتی بربادی کی علامتوں، دھرتی کی سانسوں میں قضا کی گرد اڑاتے موت کے چڑھتے ساگر، بصارتوں اور سماعتوں سے محروم کرتی ان کہی داستانوں اور ان سے ہولناک قصوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

ابھی جنگ شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک طرف سے جاگتے لمحوں کی انگڑائیوں کو تلپٹ کر

دینے والی آندھیوں، وقت کے گہرے ساگر سے اٹھتے مصائب اور ابتلا کے بجوم اور کائنات کی اندھیری رتوں سے اٹھتی مجبوری کی کراہوں کی طرح سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی اپنے لشکر کے ساتھ نمودار ہوئے اور راسکو، لیفون اور بورمان کے لشکر کے ایک پہلو پر بربادی کے نئے باب کھولتی سمندر میں اٹھتی آندھیوں کے قافلوں، برہنہ مٹی کی بنجر پیاس بڑھاتی آگ کی نادیدہ لپٹوں، تمناؤں کو لہو لہو، خوابوں کو کرچی کرچی، خیالات کو شکن شکن کرتے موت کے گبولوں کی بے کلی اور بھیانک صحرائی پیاس کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

میدان جنگ کے اندر دائرہ در دائرہ رقص کرتی قیامت جاگ اٹھی تھی۔ خون سے احوال لکھتے عناصر ذلت نفس کا شکار ہونے لگے تھے۔ اذیتوں کی گراںبازی نے اپنا اتاپتہ دینا شروع کر دیا تھا۔ رزم گاہ کے اندر فنا کی قہرمانیت، دکھتے سورج تلے ندامتوں کی بلندیاں، ذات کی انجمنیں، تاریک سائی کی لکیریں اور الامداد آشوب ناچ اٹھے تھے۔ کچھ دیر کی مزید جنگ کے بعد راسکو، لیفون اور بورمان تینوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کی شکست یقینی ہوگئی ہے۔ اور سلطان اور اس کے سالار بڑی تیزی سے ان کے لشکر کی تعداد کم کرتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نگور کے وہ تینوں سالار شکست قبول کرتے ہوئے پلٹے، شہر میں داخل ہوئے اور شہر پناہ کے دروازے انہوں نے بند کر لئے تھے۔ پورے لشکر کو تفصیل پر مقرر کر دیا گیا تھا تاکہ مسلمان بیڑھیوں کے ذریعے تفصیل پر چڑھ کر شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہ ہوں۔

کانجین کے لشکر کو بدترین شکست دینے کے بعد سلطان نے اپنے لشکر کو اپنے پڑاؤ میں منتقل کیا۔ لشکر کا ایک حصہ مستعد کیا تاکہ پہرہ دیتا رہے۔ باقی کو اس نے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح سلطان چاہتا تھا کہ پہلے اس کا لشکر تازہ دم ہو جائے، اس کے بعد کانجین کو فتح کرنے کے لئے اگلا قدم اٹھایا جائے۔

جس وقت سلطان عز الدین نے کانجین شہر کے باہر اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا ہوا تھا، یہیں پر ارزنجان شہر کے حاکم فخر الدین بہرام شاہ کا پیغام سلطان عز الدین کی کاؤس کو ملا۔ اس پیغام میں فخر الدین بہرام شاہ نے اپنی بیٹی کو سلطان کے عقد میں دینے کی پیشکش کی تھی۔

اُس قاصد کو سلطان نے مثبت جواب دیا۔ فخر الدین کو پیغام بھیجا کہ وہ فی الوقت دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہے اور کائنیں شہر کو فتح کرنے کے بعد جب وہ کوئی کارخ کرے گا تو پھر اس شادی کا اہتمام کیا جائے گا۔

بہر حال لشکر تین دن لگا تا آرام کرتا رہا۔ اس دوران جو زخمی تھے، ان کی حالت بھی بہتر ہو گئی تھی۔ تھکے ہارے لشکر کی تازہ دم ہو گئے۔ اس دوران سلطان کے مخبر بھی بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ نکور جس کے متعلق اس سے پہلے خبریں آئی تھیں کہ وہ کائنیں شہر میں محصور اپنے تینوں بڑے سالاروں بورمان، راسکو اور لیفون کی مدد کے لئے آ رہا ہے، وہ راستے میں ہی رک گیا۔ وہ چونکہ بروقت ان کی مدد کو نہیں پہنچا تھا، اس بنا پر شکست اٹھانے کے بعد راسکو، لیفون اور بورمان، شہر کے اندر محصور ہو گئے تھے۔

شہر میں جانے کے بعد لیفون، راسکو اور بورمان بڑے پریشان اور فکر مند تھے۔ لشکریوں کو تو انہوں نے آرام کرنے کا کہا تھا، خود وہ تینوں ایک جگہ جمع ہوئے۔ کچھ دیر تک تینوں چپ اور اُداس بیٹھے رہے۔ پھر گفتگو کا آغاز لیفون نے کیا اور اپنے دونوں ساتھیوں بورمان اور راسکو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمیں کائنیں کے نواح میں ایک بار پھر مسلمانوں کے سلطان عزالدین کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد لیفون جب رکابا، تب بورمان کسی قدر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”مجھے تو نکور کی سمجھ نہیں آئی۔ اس نے ہمیں پیغام بھجوایا تھا کہ ہم شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں کے سلطان کا مقابلہ کریں اور وہ مناسب وقت پر نمودار ہو کر مسلمانوں کے کسی کمزور پہلو پر حملہ آور ہو گا اور اس طرح ہم اپنی فتح کو یقینی بنالیں گے۔ لیکن ہم تینوں مسلمانوں سے ٹکرائے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمیں شکست ہوئی اور اس ساری واردات کے دوران نکور کا کہیں نام و نشان تک ظاہر نہ ہوا۔“

بورمان کے خاموش ہونے پر راسکو، بورمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بورمان! میں سمجھتا ہوں، نکور کے ساتھ ضرور کوئی حادثہ پیش آیا ہے جس کی بنا پر وہ ہماری مدد کو نہیں پہنچ سکا۔ ورنہ جس طرح وہ لشکر لے کر سینوب سے نکل چکا تھا، یقیناً وہ

مسلمانوں کے لشکر کے کسی پہلو پر حملہ آور ہو کر اپنی فتح مندی اور کامیابی کو یقینی بناتا۔ میرا دل یہ بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہے کہ نکور ہمیں دھوکا دے سکتا ہے اور شہر سے باہر نکل کر ہمارا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرانے کے بعد وہ ہماری مدد کو نہ پہنچے، یہ نہیں ہو سکتا۔“

راسکو جب خاموش ہوا تب لیفون اور بورمان میں سے کوئی اُس کی اس گفتگو کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ ایک شخص جو گھوڑے پر سوار تھا، ان کے قریب آیا۔ گھوڑے سے وہ اُترا، پھر ان تینوں کے پاس آ کر اس نے ان تینوں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

”میں آپ تینوں کے پاس نکور کی طرف سے قاصد بن کے آیا ہوں۔ آپ تینوں یقیناً فکر مند ہوں گے کہ آپ اپنے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر نکلے، مسلمانوں کا مقابلہ کیا اور اس دوران نکور اپنے لشکر کے ساتھ آپ تینوں کی مدد کے لئے نہیں پہنچا۔ یقیناً یہ معاملہ فکر مندی کا باعث اور حیرت انگیز ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں پر انکشاف کروں کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں نے ہمیں ایک عجیب فریب اور دھوکا دیا۔ جس روز آپ تینوں کائنیں شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں سے ٹکرائے، اس سے پہلی رات کو نکور اپنی تیاریوں کو مکمل کر چکا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اپنے لشکر کے ساتھ کائنیں کی طرف بڑھے گا اور کائنیں سے چند فرلانگ دور گھات لگا لے گا اور جب جنگ شروع ہوگی تو پھر وہ اچانک نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گا اور اپنی فتح کو یقینی بنائے گا۔“

لیکن براہ وقت کا، اُسی روز رات جب گہری ہو گئی، تب ان علاقوں میں مسلمانوں کے دو لشکر نمودار ہوئے اور اسی طرف منڈلاتے رہے جہاں نکور نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا تھا۔ ہمارے مخبروں نے جب ان کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ وہ دو لشکر تھے جن میں سے ایک کی کمانداری مسلمانوں کے سلطان عزالدین کا سب سے بڑا اور اچھا سپہ سالار سیف الدین ابوبکر کر رہا تھا۔ جبکہ دوسرے حصے کی کمانداری عزالدین کے دوسرے سالار مبارز الدین چاودی کے ہاتھ میں تھی۔

سیف الدین ابوبکر اپنے لشکر کے ساتھ ہمارے پڑاؤ کے جنوب میں رہا۔ جب کہ مبارز الدین چاودی مشرق میں کوہستانی سلسلوں کے اندر سرگرداں رہا۔ اور ہمارے مخبروں نے ان سے متعلق یہ خبریں حاصل کر لیں کہ وہ ان کوہستانی سلسلوں کے اندر موجود ہیں اور انہوں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ جوں ہی نکور اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے اور کائنیں

شہر کی طرف بڑھنے کی کوشش کرے گا تو وہ دونوں لشکر جو سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی کی کمانداری میں تھے، اچانک نکور پر شب خون ماریں گے اور اس کے لشکر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں گے۔

یہ خبر جب نکور کو پہنچی تو اس نے وہاں سے اپنا پڑاؤ نہیں اٹھایا۔ وہیں رہا اور اپنے لشکر کے ایک خاصے بڑے حصے کو اس نے مستعد کر کے پہرے پر لگا دیا۔

اگلے روز جب آپ تینوں شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں سے ٹکرائے اور شکست اٹھا کر شہر میں محصور ہو گئے، تب یہ خبر نکور کو بھی پہنچ گئی۔ لہذا نکور اپنے لشکر کے ساتھ ادھر آنے کے بجائے واپس مرکزی شہر سینوب کی طرف جا چکا ہے۔ آپ تینوں کے نام اس کا پیغام یہ ہے کہ وہ خود سینوب جا کر مزید لشکری بھرتی کر کے ان کی تربیت کا کام شروع کرے گا اور جب اس کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو گیا تو وہ خم ٹھونک کر مسلمانوں کے سلطان کے سامنے آئے گا اور ہر صورت، ہر حالت میں اس سے اپنی شکستوں کا انتقام لے گا۔

آپ لوگوں کے نام نکور کا یہ بھی پیغام ہے کہ آپ تینوں لشکر کے ساتھ کانجین میں محصور رہیں۔ مسلمانوں کے سلطان کے پاس نہ کوئی نمینق ہے اور نہ ہی قلعہ شکن اوزار۔ نکور کا اندازہ ہے کہ چند روز تک وہ کانجین شہر کا محاصرہ کئے رہے گا اور جب محاصرہ طول پکڑے گا اور اس کے پاس رسد کا سامان کم ہونا شروع ہو جائے گا تو وہ خود بخود یہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھا کر اپنے مرکزی شہر قونیہ کی طرف چلا جائے گا۔

نکور کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب مسلمانوں کا سلطان یہاں سے پڑاؤ اٹھا کے واپس اپنے مرکزی شہر قونیہ کی طرف چلا جائے تو پھر تم تینوں کانجین سے نکلنا۔ کانجین میں اپنی طرف سے کسی کو حاکم بنا لینا اور خود تینوں سینوب پہنچ جانا۔ اس لئے کہ وہاں قیام کے دوران تمہاری مدد سے نکور ایک بہت بڑا لشکر تیار کرنا چاہتا ہے جسے استعمال کر کے وہ مسلمانوں سے اپنی شکستوں کا انتقام لے سکے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد آنے والا وہ قاصد جب خاموش ہوا، تب راسکو اپنے دونوں ساتھیوں یعنی بورمان اور لیفون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ نکور ہمیں دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ ایک اچھا حکمران ہے۔ اپنے لشکر لے کر سینوب سے وہ اسی لئے روانہ ہوا تھا کہ کانجین شہر کے نواح میں

ہماری مدد کرے۔ لیکن جب مسلمانوں کے عسا کرنے رات کے وقت اس کا گھیراؤ کیا، تب ان کے شب خون سے ڈر کر وہ وہیں قیام کئے رہا، اپنا پڑاؤ نہیں اٹھایا۔ جب اس کے پاس یہ خبر پہنچی کہ کانجین شہر کے باہر ہمیں شکست ہوئی ہے اور ہم محصور ہو گئے ہیں تو وہ سینوب کی طرف چلا گیا۔ اور اسے ایسا کرنا چاہئے تھا۔

اب ہم یہ کام کریں گے کہ اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ شہر کا دفاع کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ جب مسلمان شہر کا محاصرہ کر کے تھک جائیں گے اور محاصرہ اس قدر طول پکڑ جائے گا کہ ان کے لئے رسد کی کمی کے باعث مزید محاصرہ جاری رکھنا ممکن نہ رہے گا، تب میرا اندازہ ہے کہ وہ واپس اپنے مرکزی شہر قونیہ کی طرف چلے جائیں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ہم تینوں بھی کانجین شہر سے نکل کر سینوب میں نکور کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔“

راسکو کی اس تجویز سے بورمان اور لیفون نے اتفاق کیا تھا۔ پھر آنے والے پیامبر کو اپنے ساتھ لے کر شہر کے اس حصے کی طرف جا رہے تھے جہاں ان کے لشکر نے قیام کیا ہوا تھا۔



چنانچہ سلطان نے کچھ سوچا، پھر اپنے سالاروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”جو کچھ خبر نے کہا ہے، اگر یہ درست ہے تو پھر اس فصیل کو کہیں سے توڑ کر شہر میں داخل ہونا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ بہر حال کانچین کو فتح کئے بغیر ہم نے یہاں سے جانا بھی نہیں ہے۔ شہر کے اطراف میں درخت کافی ہیں۔ آج سے ہی درختوں کو کاٹ کر لشکر کے اندر جو صنایع ہیں، انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ منجیقین تیار کریں۔ ساتھ ہی منجیقوں کے لئے پتھر بھی پڑاؤ کے سامنے ڈھیر کر دیئے جائیں گے۔ اور جب یہ ساری چیزیں تیار ہو جائیں گی، اس کے بعد شہر پر اپنے حملوں کی ابتدا کریں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ کانچین والے کتنی دیر تک ہمارے سامنے اپنے شہر کی حفاظت کا سامان کرتے ہیں۔“

اتنا کہنے کے بعد سلطان عز الدین کی کاؤس رکا، پھر دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔

”سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف! ایک کام میں تم دونوں کے ذمہ لگاتا ہوں کہ آج ہی سے درخت کاٹنے کا عمل شروع کیا جائے۔ پھر لشکر کے اندر جو صنایع ہیں، انہیں متحرک کیا جائے۔ وہ منجیقوں کی تیاری کا کام شروع کر دیں۔ جب منجیقین تیار ہو جائیں گی، تب شہر پر حملوں کی ابتدا کریں گے۔ اب ہمیں باہر سے نکور اور اس کے لشکر کا بھی کوئی خدشہ نہیں۔ اس لئے کہ اُس کے تینوں سالار یعنی، راسکو اور بورمان ہم سے ٹکرائے ہیں، اور انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو اُن کی اس شکست کی اطلاع نکور تک بھی پہنچ گئی ہے اور ہمارے مخبر بتا چکے ہیں کہ نکور جو لشکر لے کر آیا تھا، اسے لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ واپس اپنے شہر سینوب کی طرف چلا گیا ہے۔“

اس کے ساتھ ہی سلطان عز الدین اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے اٹھنے کے ساتھ ہی سارے سالار بھی کھڑے ہو گئے۔ پھر لشکر کا ایک حصہ مقرر کیا گیا، جس کے ذمہ درخت کاٹ کر لانا تھا اور ان کی نگرانی کے لئے زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام کو مقرر کیا گیا۔ جبکہ لشکر کے اندر منجیقوں کی تیاری کا کام سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف کی نگرانی میں دے دیا گیا تھا۔

اس طرح کانچین شہر کے نواح سے درخت بڑی تیزی سے کاٹ کر پڑاؤ میں لائے جانے لگے اور ان سے منجیقین تیار ہونے لگی تھیں۔

جب منجیقین تیار ہو گئیں اور پڑاؤ میں منجیقوں میں استعمال کرنے کے لئے پتھروں

سلطان نے اپنے لشکر کو لگاتار تین چار روز تک آرام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اور جب زخمی ہونے والوں کی حالت کافی بہتر ہو گئی اور دوسرے لشکر بھی تازہ دم ہو گئے، تب سلطان نے اپنے سارے سالاروں کو بلوایا، انہیں ساتھ لیا، لشکر کا ایک حصہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد اس نے کانچین شہر کے گرد ایک چکر لگایا۔ چکر اتنی دُور رکھا گیا کہ اگر فصیل سے تیر چلایا جائے تو وہ سلطان کے اس لشکر پر آ کے نہ گر سکے۔

چنانچہ چاروں طرف سے فصیل کا جائزہ لینے کے بعد سلطان کے جو مخبر تھے، انہیں سلطان نے اپنے پاس بلایا۔ جب سارے سالار اور مخبر سلطان کے پاس جمع ہو گئے، تب مخبروں کو مخاطب کرتے ہوئے سلطان کہنے لگا۔

”میں نے کانچین شہر کی فصیل کا باہر سے جائزہ لیا ہے اور ایک ایسے مقام کی میں نے اپنے ذہن میں نشاندہی کر لی ہے جہاں سے ہم اپنے حملوں کی ابتدا کریں گے۔ تم میں سے اگر کسی نے اس سے پہلے کانچین شہر دیکھ رکھا ہے تو وہ مجھے فصیل کے استحکام سے متعلق تفصیل بتائے۔“

سلطان کے استفسار پر ایک مخبر حرکت میں آیا، اپنے ہونٹوں پر اس نے زبان پھیری، پھر سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں نے کانچین شہر اور اس کی فصیل کو کئی بار دیکھ رکھا ہے۔ شہر کی فصیل کافی چوڑی ہے اور اس فصیل پر دو گھڑ سوار ایک ساتھ اپنے گھوڑوں کو دوڑا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ فصیل کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف سیڑھیاں ہیں جو تدریجی انداز میں نیچے اُترتی ہیں اور ان کی وجہ سے بھی فصیل کی نہ صرف چوڑائی بلکہ مضبوطی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔“

کے ڈھیر بھی لگا دیئے گئے تب ایک روز صبح ہی صبح سلطان نے منجیقوں اور پتھروں کا جائزہ لیا اور اس موقع پر اس کے سارے سالار اس کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد سلطان نے شہر کی تفصیل کا جائزہ لیا۔ منجیقوں کو شہر پناہ کے مشرقی دروازے کے قریب کھڑا کیا گیا۔ سلطان کے حکم پر منجیقوں میں پتھر بھر دیئے گئے۔ جب ایسا ہو چکا، تب سلطان نے اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہا۔

”فنی الحال شہر کی تفصیل پر ضرب لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ شہر پر سنگ باری کی جائے گی۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو تفصیل چونکہ بہت چوڑی ہے، اس پر بہت کم اثر ہوگا۔ اگر ہوگا بھی تو اس انداز میں کہ اس کے لئے سنگ باری کرتے کرتے ہمیں کئی دن لگ جائیں گے۔ اب جو منصوبہ بندی ہے اس کے مطابق ان منجیقوں کے ذریعے پہلے تفصیل کے اوپر بنے برجوں پر ضرب لگائی جائے، انہیں گرا دیا جائے۔ شہر کے جنوبی حصے کے نصف سے لے کر پھر مشرقی اور شمالی دروازوں کے نصف حصے تک جتنے برج ہیں، انہیں گرا دیا جائے۔ جب یہ برج گرا دیئے جائیں گے تب لشکر کے کچھ خاص دستے مقرر کئے جائیں گے جو اپنے سینوں پر اپنی ڈھالیں باندھ لیں گے۔ رسوں کی سیڑھیاں ان کے پاس ہوں گی۔ شہر پناہ پر رسوں کی سیڑھیاں چھینکی جائیں گی۔ یہ کام بھی سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف کی نگرانی میں ہوگا۔ جس وقت ہمارے لشکر آگے بڑھیں گے، ظاہر ہے تفصیل کے اوپر سے ان پر تیر اندازی کی جائے گی۔ لیکن ان کے پیچھے پتھروں کی اوٹ میں ہمارے تیر انداز بھی بیٹھے ہوں گے۔ وہ ایسی تیز اور موسلا دھار قسم کی تیر اندازی کریں گے کہ تفصیل کے اوپر جو دشمن کے لشکر تھے، دوسری جانب جانے پر مجبور ہو جائیں گے۔

چونکہ اس حصے میں کوئی برج نہیں رہے گا، لہذا انہیں تفصیل کے نیچے ہی پناہ ملے گی۔ اگر تفصیل کے اوپر رہیں گے تو تیروں سے چھلنی کر دیئے جائیں گے اور کوئی زندہ نہیں بچے گا۔ اور جب دوسری سمت اتریں گے تو پھر ہمارے لشکر مارا ماری کر کے تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ تفصیل کے اوپر چڑھ جائیں گے۔ اس کے بعد اگلی کارروائی کی ابتدا کرتے ہوئے جب کافی لشکر اوپر چلے جائیں تو شہر کے اندر یلغار کرتے ہوئے شہر پناہ کا مشرقی دروازہ کھول دیں۔ اس کے بعد پورے لشکر کے ساتھ میں شہر میں داخل ہوں گا اور دیکھوں گا کہ شہر میں کون سی ایسی قوت ہے جو ہمارے خلاف مزاحمت کرتی ہے۔“

سارے سالاروں نے سلطان عزالدین کی کاؤس کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد سلطان کے حکم پر منجیقوں حرکت میں آئیں اور بڑی تیزی کے ساتھ وہ تفصیل کے اوپر بنے برجوں کو سنگ باری کا نشانہ بنانے لگی تھیں۔ مسلسل سنگ باری سے جنوبی اور مشرقی اور پھر شمالی اور مشرقی دروازوں کے درمیان جو برج تھے، وہ سارے برج گرا دیئے گئے۔ اب دشمن کا کوئی لشکر بھی تفصیل کے اوپر ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بلکہ منجیقوں جو سنگ باری کر رہی تھیں، برجوں کے گر جانے کے بعد منجیقوں کے پتھر شہر پناہ کے اندر سیڑھیوں پر اور نیچے شہر میں گرنے لگے تھے۔

اسی دوران اچانک سلطان کے حکم پر سنگ باری ختم کر دی گئی۔ ان گنت رسیوں کی سیڑھیاں پھینکی گئیں اور دولشکر سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف کی کمانداری میں شہر پناہ پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔

دشمن کے وہ محافظ لشکر جو تفصیل سے نیچے اترے تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے شہر پناہ کے برج گرائے ہی اسی لئے تھے کہ انہیں تفصیل کے اوپر چڑھنے کا موقع مل جائے، اور جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے تفصیل کے اوپر چڑھ رہے ہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کی بجائے سیڑھیوں سے نیچے اترنا شروع کر دیا اور شہر کے اندر جو بڑا لشکر تھا، اس میں جا کر شامل ہو گئے۔ لیفون، راسکو اور بورمان کو اطلاع کر دی گئی تھی کہ مسلمان تفصیل پر چڑھ آئے ہیں۔

اس موقع پر راسکو، لیفون اور بورمان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف کے لشکریوں کو نیچے نہ اترنے دیں۔ لیکن چونکہ لشکریوں کے اوپر چڑھنے کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا، لہذا کانجین کے ان تینوں سالاروں کے لشکریوں پر دباؤ بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف نے کانجین کے لشکر کو بری طرح پیچھے دھکیلتے ہوئے شہر پناہ کا مشرقی دروازہ کھول دیا تھا۔

جوں ہی دروازہ کھلا، سلطان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ نجم الدین بہرام اور زین الدین بشارہ کی کمانداری میں دے کر ان دونوں کو اپنے پڑاؤ کی حفاظت پر چھوڑا، باقی لشکر لے کر سلطان مبارز الدین کے ہمراہ شہر میں داخل ہوا۔

جوں ہی سلطان اپنے لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوا، لیفون، راسکو اور بورمان اپنی

پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حرکت میں آئے۔ پھر وہ سلطان کے لشکر پر طلسم خانہ ارض و سماء میں خود مرمی اور ستم پرور کھلی سفاکیوں کی کہانیوں، بھانگی عمر کے ساتھ صحرا میں چپہ چپہ چھاننی پاگل ہواؤں، سانسوں کے جنگل میں ذات کی اُنجھیں بڑھاتی ازل سے بھکتی روجوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جوانی کا رروائی کرتے ہوئے سلطان عزالدین کیاؤس نے اپنے لشکر کو زندگی کو ناپید کرتی پیاسی ساعتوں، تن کو کرب خیز آزمائش میں ڈالتی وحشت بھری مسافتوں کی طرح ان کی طرف بڑھایا، پھر وہ بھی ان کے لشکر پر نفرت کے چال بختی کرب کی شدید ضربوں، ادراک کو ادھام میں بدلتی نفرت کی مربوط قوتوں، آثار و احوال کو موت کی تلخی میں بدلتے کروٹیں لیتے اٹل عذابوں، بھڑک اٹھنے والے آتشیں لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

جس وقت سامنے کی طرف سے سلطان عزالدین کیاؤس لیفون اور اس کے دونوں ساتھی سالاروں کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا، اسی وقت سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف بھی دشمن کے پہلو پر زیست کے ماہ و سال، ٹوٹے خوابوں میں بدلتے دکھ کے گراںبار طوفانوں، بدبختی کے گیم پھیلاتے جلتے پیاسے صحرا، شرخیز کرب پھیلاتے زہر آلود جھکڑوں، دلوں کو مجروح، زیست کو ویران کرتے نفرت کے اُکتائے ہوئے لمحوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح ایک بار پھر شہر کے اندر گھمسان کا رن پڑا۔ یہاں دشمن کا اس قدر قتل عام ہوا کہ ان کی لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اور پھر لیفون کے لشکر کی حالت اس موقع پر ذلت کے زہر، رسوائی کے موسموں، غموں کی دھوپ، روندے ہوئے پھولوں، عناصر کے نالہ و ماتم، رنج و غم کے کھلیانوں، بے حرارت جذبول اور درد بھرے لمحوں کی کراہوں سے بھی زیادہ بری ہوتا شروع ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ صلاح مشورہ کرنے کے بعد بچے کچھے لشکر کو لے کر لیفون، بورمان اور راسکو شہر پناہ کے دوسرے راستے سے نکل کر اپنے مرکزی شہر سینوب کی طرف بھاگ گئے تھے۔

کانچین شہر کی فتح کو مؤرخین اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔
”کانچین کے باشندوں نے مداخلت کی۔ سلطان نے یہاں بھی تحقیق نصب کرا دیں اور اتنی سنگ باری کی کہ قلعہ اور اہل قلعہ میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ پھر سلطان کے لشکر کی

سیڑھیاں لگا کر ہر طرف سے قلعہ پر چڑھ گئے اور سلطانی فرمان کے مطابق نہایت سختی سے حملہ کر دیا۔

باہر کی طرف سے سلطان کے تیر انداز قلعہ والوں کو اس کا موقع نہ دیتے تھے کہ وہ سلطانی لشکر پر تیر اندازی کر سکیں۔ ابھی لڑائی کا یہی عالم تھا کہ سلطان کا لشکر ایک دم زوردار حملہ کر کے قلعہ پر ٹوٹ پڑا اور اس قدر خون ریزی ہوئی کہ لاشیں خون میں بہنے لگیں۔ اسی دوران حملہ آوروں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ باقی لشکر قلعہ کے اندر گھس گیا۔ اب محصوروں کے قتل و غارت اور عذاب و مصیبت کی کوئی حد نہ تھی۔

اس طرح کانچین شہر پر سلطان کا قبضہ ہو گیا اور سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ شہر کے نظم و نسق میں لگ گیا تھا۔ شہر کے عام لوگوں کے لئے معافی کا اعلان کر دیا گیا جس سے شہر کے لوگ بے حد خوش ہوئے اور جوق در جوق سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر نہ صرف اپنی فرمانبرداری کا اظہار کرنے لگے بلکہ اُن میں بہت سے اسلام بھی قبول کرنے لگے تھے۔ کانچین شہر کا نظم و نسق اپنے طریقے کے مطابق درست کرنے کے بعد سلطان عزالدین ایک روز اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کے اندر بیٹھا اپنے آئندہ کے لائحہ عمل اور منصوبہ بندی کے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ پڑاؤ میں دو منجر داخل ہوئے، سیدھے اس طرف گئے جہاں سلطان اپنے سالاروں کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ قریب جا کر اپنے گھوڑوں سے وہ اترے، بلند آواز میں سلام کیا۔ انہیں دیکھتے ہوئے سلطان بھی سمجھ گیا وہ کوئی اہم نوعیت کی خبر لے کر آئے ہیں لہذا ان دونوں کو سلطان نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔ اس وقت سلطان کے دائیں جانب سیف الدین ابوبکر اور حسام الدین یوسف بیٹھے ہوئے تھے جب کہ بائیں جانب زین الدین بشارہ، مبارز الدین چاولی اور نجم الدین بہرام تھے۔ سلطان نے ان دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا۔ جب وہ بیٹھ گئے تب سلطان نے دونوں کو مخاطب کیا اور بولا۔

”جس وقت یہاں آ کر ہم اپنے گھوڑوں سے اترے تھے، اسی وقت میں نے اندازہ لگایا تھا کہ تم بہت بڑی خبر لے کر آئے ہو۔ اور تم آئے بھی اناطولیہ کی طرف سے ہو۔ کیا اناطولیہ کے آس پاس یا اس کے سامنے سمندر میں کوئی خطرہ منڈلانے لگا ہے یا یورپ کی کوئی قوت ہم سے انتقام لینے کے لئے سمندر عبور کرنے کے بعد اناطولیہ کے غربی علاقوں میں

داخل ہوئی ہے؟“

یہاں تک کہنے کے بعد سلطان جب خاموش ہوا تب ان دو میں سے ایک بولا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! اٹالیہ کے سامنے سمندر کے اندر واقعی ہی خطرات منڈلانے لگے ہیں۔ کچھ بحری بیڑے جن کا تعلق بھی یورپ سے ہے، ان دنوں اٹالیہ کے سامنے وسیع سمندر میں گردش کرنے لگے ہیں۔ مجھے اٹالیہ کے اپنے حاکم نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے کہ اگر آپ اسی طرح حکور کی مملکت میں برسر پیکار رہے تو یورپ کے بحری بیڑے بڑے بڑے لشکروں کو لا کر اٹالیہ کے علاقے پر قبضہ کرنا شروع کر دیں گے جو سلطان نے بڑی مشقت سے فتح کئے ہیں۔ اور سب سے پہلے وہ اٹالیہ کو اپنا ہدف بنائیں گے۔ اس لئے کہ اٹالیہ کا سابق حاکم بارگن ابھی تک قبرص میں موجود ہے اور وہ اٹالیہ میں مسلمانوں کے خلاف یورپی قوت کو بھڑکا رہا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد مخبر جب خاموش ہوا تب سلطان کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ اس کے بعد اس نے باری باری سیف الدین ابوبکر، حسام الدین یوسف، مبارز الدین چاولی، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام کی طرف دیکھا۔ اُن پانچوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میرے عزیز ساتھیو! یورپی بحری بیڑوں کی سمندر کے اندر یہ سرگرمیاں دو وجوہات کی بنا پر ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ سمندر کے اندر سرگرداں رہتے ہوئے شاید وہ اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ اس وقت اٹالیہ کے علاوہ اور دوسرے ساحلی شہر جو ہم نے نصرانیوں سے چھینے ہیں، وہاں مسلمانوں کے کس قدر عسا کر ہیں، کیسے اور کس طرح ان پر حملہ آور ہو کر با آسانی انہیں واپس لیا جاسکتا ہے۔

اور دوسری وجہ اور علت ان کی سمندر کے اندر سرگرداں رہنے کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یورپ والوں کو خبر پہنچ چکی ہوگی کہ ہم نے حکور کی مملکت میں شامل ہو کر اس کے دو شہر فتح کر لئے ہیں اور اب ہم اس کے مرکزی شہر سینوب پر ضرب لگانے والے ہیں۔ اس طرح وہ گویا حکور کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانا چاہتے ہیں اور سمندر کے اندر سرگرداں ہو کر وہ ہمیں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہم حکور کی مملکت میں مصروف کار ہیں اور ہماری اس مصروفیت سے

فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے ساحلی علاقوں پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

لہذا ان حالات میں، میں نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ یہ کہ حکور کے دو بڑے شہروں کو ہم فتح کر چکے ہیں۔ اب باقی اس کا مرکزی شہر رہ گیا ہے۔ اگر ہمارے مخبر یہ خبریں نہ لاتے تو پھر یقیناً ہم یہاں سے سینوب کا رخ کرتے۔ لیکن اب ہم یہاں سے قونیہ کا رخ کریں گے۔ پھر یہ دیکھیں گے کہ ہماری قونیہ پہنچنے کی خبریں جب پھیلتی ہیں تو کیا یورپ کے بحری بیڑے پہلے کی طرح سمندر کے اندر سرگرداں رہتے ہیں یا واپس چلے جاتے ہیں۔

میرے عزیز ساتھیو! اگر یورپ کے بحری بیڑے واپس چلے گئے تو ہم یہ اندازہ لگائیں گے کہ انہوں نے حکور کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے یہ سارا کھیل کھیلا ہے تاکہ ہم حکور پر حملہ آور ہو کر اس کے سارے علاقوں کو فتح نہ کر لیں۔ اور اگر ہمارے قونیہ پہنچنے کے بعد بھی وہ سمندر کے اندر سرگرداں رہتے ہیں تو پھر اس کا مطلب ہے وہ اپنی منصوبہ بندی بنا چکے ہیں اور ان کے پاس عسا کر بھی بڑے ہیں۔ لہذا وہ ہم سے ٹکرانے کے درپے ہیں۔ ایسی صورت میں نہ صرف لشکر کو چند دن آرام کرانے کے بعد ہم قونیہ سے اپنے ساحلی شہروں کا رخ کریں گے، پھر دیکھیں گے کہ یورپ کے بحری بیڑے کیسے سمندر کے اندر اور ساحل کے نزدیک سرگرداں رہتے ہیں۔“

اتنا کہنے کے بعد سلطان عز الدین کیاؤس زکا۔ پھر کہنے لگا۔

”اب تم سب اپنے خیموں میں جا کر آرام کرو۔ اس لئے کہ کل صبح سویرے لشکر یہاں سے قونیہ کی طرف کوچ کرے گا۔“

چنانچہ سلطان کا یہ حکم پا کر سب اٹھے اور اپنے اپنے خیموں کی طرف ہو لئے تھے۔



ہوئے حیرت بھرے انداز میں کھسار نے پوچھ لیا۔

”بیٹے! کیا یہ حقیقت ہے کہ یورپی قوتیں ان علاقوں کو فتح کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں جنہیں ہم نے فتح کیا ہے؟“

اس بارسیف الدین ابوبکر نے پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر ہلکے سے تبسم میں کہنے لگا۔ ”بابا! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل یورپ والوں کو یہ خبریں پہنچ چکی ہیں کہ اناطولیہ کے سارے جنوبی علاقوں پر ایک طرح سے ہمارا قبضہ ہو چکا ہے اور اب ہم اناطولیہ کے شمال میں نکور کی سب سے اہم اور طاقتور سلطنت کے اندر گھسے ہوئے ہیں۔ اس کے دو شہر فتح کر لئے ہیں اور تیسرے پر ہم حملہ آور ہوں گے۔“

چنانچہ نکور ہی کے کہنے پر ہمارا اندازہ ہے کہ یورپ کے یہ بحری بیڑے حرکت میں آئے ہیں۔ دراصل وہ ہمارے علاقوں کے سامنے سمندر کے اندر گشت کرتے ہوئے اپنی موجودگی کا پتہ دینا چاہتے ہیں ساتھ ہی وہ یہ بھی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہوں گے۔ ایسا وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ سلطان نکور کے علاقوں سے نکل جائے اور نکور، سلطان کی فرماں برداری سے بچ جائے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ لشکر جب یہاں سے کوچ کر کے قونیہ پہنچے گا تو ان دنوں یورپ کے جو بحری بیڑے سمندر کے اندر گشت کر رہے ہیں، وہ آپ سے آپ واپس چلے جائیں گے۔

یورپ کے بحری بیڑے جب واپس چلے جائیں گے تو قونیہ میں قیام کے دوران سلطان کے نکاح اور شادی کا اہتمام کیا جائے گا۔ دراصل سلطان کسی ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا جو سلجوق خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ اس کے لئے چند ہفتے پہلے سلطان نے اپنا پیغام کچھ تحائف کے ساتھ ارزنجان کے حاکم فخر الدین کی طرف روانہ کیا تھا۔ فخر الدین کی ایک بیٹی ہے جو نہایت خوبصورت اور بڑی سلیقہ مند ہے۔ فخر الدین چونکہ خود سلجوقی ہے لہذا سلطان نے اس کی بیٹی کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے پسند کیا ہے۔ چنانچہ قونیہ میں قیام کے دوران اس شادی کا بھی اہتمام ہوگا۔ سلطان کی علیحدگی میں ایک روز مجھ سے تفصیل کے ساتھ بات ہوئی تھی اور سلطان نے ہی مجھے بتایا تھا کہ چند ہفتے پہلے قاصد اس رشتہ کے لئے بھجوائے تھے اور فخر الدین والی ارزنجان نے اس رشتہ کو قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ اس رشتے کی قبولیت پر سلطان عز الدین کی کاؤس بڑا خوش ہے۔“

سیف الدین ابوبکر جب اپنے خیمہ میں داخل ہوا تو خیمہ خالی تھا۔ لہذا وہاں سے وہ ہٹا اور جب وہ کھسار کے خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا تو خیمے کے اندر کھسار، سکس، بریزہ، جوزین اور باز نیک سب بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔

سلام کرتے ہوئے سیف الدین خیمہ میں داخل ہوا، آگے بڑھ کر وہ کھسار کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب کہ دوسری طرف پہلے سے باز نیک بیٹھا ہوا تھا۔ اس موقع پر بریزہ بولی اور سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”سلطان نے جو اپنے سارے سالاروں کو اکٹھا کیا تھا، اس کا مطلب ہے کسی نئی مہم کی ابتدا ہونے والی ہے۔“

اس موقع پر سیف الدین کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور کہنے لگا۔

”بریزہ! اس بار تمہارا اندازہ کچھ درست نہیں ہے۔ یہ مہم نہیں، بس یوں جانو واپسی ہے۔ دراصل اناطولیہ کے ہمارے حاکم نے سلطان کی طرف پیغام بھیج دیا ہے کہ جو علاقے مسلمانوں نے فتح کئے ہیں، ان کے سامنے سمندر کے اندر یورپ کے بحری بیڑے آج کل بڑی تیزی سے گشت کرنے لگے ہیں اور یہ افواہیں اڑ رہی ہیں چونکہ سلطان نے نکور کی سلطنت کے اندر مہموں کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا ہے لہذا سلطان کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر یورپ کے جنگجو ان علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں جو اس سے پہلے ان کے تحت تھے اور سلطان نے ان سے چھین لئے تھے۔“

یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین ابوبکر کو رک جانا پڑا اس لئے کہ اس کی طرف دیکھتے

اگلے روز سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ کانجین سے قونیہ کا رخ کیا تھا۔ یورپ کے وہ بحری بیڑے جو سمندر کے اندر سرگرداں تھے، انہیں جب خبر ہوئی کہ مسلمانوں کا سلطان، نگور کی مملکت سے نکل کر اپنے مرکزی شہر قونیہ میں پہنچ گیا ہے، تب وہ فکر مند ہوئے اور اپنے اپنے بحری بیڑوں کو لے کر یورپ کی طرف بھاگ گئے۔ شاید وہ یہی چاہتے تھے کہ سلطان، نگور کی مملکت سے نکل جائے۔ اور جب سلطان قونیہ پہنچ گیا تو انہوں نے سوچا، ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ لہذا وہ واپس چلے گئے۔ قونیہ میں قیام کے دوران سلطان کی شادی کا اہتمام کیا گیا اور سلطان کی اس شادی کو مؤرخین نے اپنے الفاظ میں کچھ اس طرح لکھا ہے۔

”چونکہ سلطان نے خدا اور رسول اللہ (ﷺ) کے احکامات کی پابندی اپنے لئے لازم کر لی تھی۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ کسی اعلیٰ خاندان کی فردا اور پرہیزگار اور نیک بخت خاتون کو اپنے گھر میں جگہ دیتا۔ جہاں جہاں اس کے خیال اور تلاش کی رسائی تھی، نظر دوڑائی مگر فخر الدین بہرام شاہ کے خاندان سے زیادہ معزز خاندان کوئی اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس لئے کہ فخر الدین بہرام کی دختر نیک اختر، سلطان الپ ارسلان کی نسل سے تھی اور اس میں سلجوق کا خون شامل تھا۔

جب صلاح مشورہ کے بعد اس لڑکی سے زیادہ موزوں کوئی نظر نہ آیا تو اس مقصد کے لئے گراں قیمت اور شاہانہ تحائف خزانہ سلطانی سے ترتیب دیئے گئے اور پیغام پہنچانے کے لئے ایک عاقل و فہیم شخص کا انتخاب کر کے ان سب تحائف کے ساتھ فخر الدین والی ارزنجان کی طرف روانہ کیا گیا۔

فخر الدین کو اس کی اطلاع ہوئی تو قاصد کا استقبال کیا۔ بڑے فخر و احترام کے ساتھ دولت خانہ میں لے گیا اور ریسمانہ تزک و احتشام کے ساتھ مدارات کی۔

فخر الدین نے دوسرے دن دربار عام منعقد کیا۔ پیغامبر نے سلطان کا مکتوب فخر الدین کے ہاتھ میں دیا۔ زبانی بھی سنایا اور تمام معاملات کی اچھی طرح تشریح کر کے جو تحائف ساتھ لایا تھا، وہ سب فخر الدین کے خزانے داروں کے سپرد ہو گئے۔

فخر الدین نے اسی روز سب درباریوں کی موجودگی میں بلند آواز سے کہا۔ ”اس بندہ نوازی اور ان عظیم الشان انعامات کا شکر کس زبان سے ادا ہو سکتا ہے۔ اگر

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین ابوبکر جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے سیمس کہنے لگی۔

”بیٹے! ایک بات میری بھی مانو۔ جوزین سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کی حیثیت ہماری بیٹی کی ہے۔ اس کے لئے بھی اچھا اور مناسب رشتہ تلاش کرنا چاہئے۔ آخر کب تک بے چاری یوں اکیلی بیٹھی رہے گی؟ اس کا اپنا گھر ہونا چاہئے۔ اگر لشکر میں رہے تو اپنے شوہر کے ساتھ اس کے خیمے میں رہے۔ اس طرح دوسری لڑکیوں کی طرح یہ بھی خوشگوار زندگی کی ابتدا کر سکے۔“

سیمس جب خاموش ہوئی تب ایک گہری نگاہ اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے جوزین پر ڈالی، پھر کہنے لگا۔

”جوزین سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ اگر لشکر میں یہ کسی کو پسند کرتی ہے تو اس کا نام لے۔ میں اُس سے بات کروں گا اور اس سے اس کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے گا۔ اس میں پریشانی اور فکر مندی کی کوئی بات نہیں ہے۔ جوزین ایک بار نام لے اور اپنی قبولیت کا اظہار کر لے، پھر دیکھیں میں کیسے حرکت میں آتا ہوں۔“

اس موقع پر بریزہ اور سیمس دونوں ماں بیٹی جواب طلب سے انداز میں جوزین کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ ان کے اس طرح دیکھنے کے انداز کو جوزین نے بھی بھانپ لیا تھا لہذا اس کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا پھر کہنے لگی۔

”میں بہت جلد آپ پر انکشاف کروں گی کہ میں کس کو پسند کرتی ہوں اور کس سے شادی کرنے کی خواہش رکھتی ہوں۔“

جوزین کے یہ الفاظ سن کر بریزہ اور سیمس بھی خوش ہو گئی تھیں جب کہ سیف الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر جس وقت تم نام ظاہر کرو، اس کے بعد دیکھنا میں تمہارا گھر ایسا آباد کروں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گی۔ یہ بھی محسوس کرو گی کہ تمہارے اپنوں نے تمہاری شادی کا اہتمام کیا ہے۔“

اس موقع پر جوزین مسکراتے ہوئے سیف الدین ابوبکر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ ان کا کھانا آ گیا اور سب وہیں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

سلطان یہ ارادہ رکھتا ہے کہ میری تخت جگر، باندیوں اور حرم سرا کی کنیزوں میں داخل کر دی جائے تو میں اس بات کو اپنے لئے فخر اور باعث عزت سمجھتا ہوں۔ میرے لئے ایسی بندہ نوازی فرمائی گئی ہے، مجھے کیا مجال کہ انکار کر دوں؟ میں بسر و چشم قبول کرتا ہوں۔ لیکن اس کام کے لئے تین ماہ کی مہلت عطا فرمائی جائے تو عین مناسب ہے تاکہ اس عرصے میں لڑکی کے لئے مناسب حال سامان شادی کا انتظام کیا جاسکے۔“

مورخین مزید لکھتے ہیں۔

”فخر الدین نے اس جواب کے بعد اپنی کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور خط کے جواب میں اپنی منت پذیر ی، اطاعت شعاری کا مضمون لکھوا کر اپنی کے ساتھ روانہ کر دیا۔“

مورخین مزید لکھتے ہیں فخر الدین تین ماہ تک ضروری انتظامات اور سامان جہیز کی فراہمی میں شب و روز مصروف رہا۔ ہوشیار کاریگروں اور چاکر دست زور ڈھالنے والوں سے مرصع اور جواہر نگار تاج، جہاں جہنیں، قیمتی انگوٹھیاں اور پینچیاں تیار کروائیں۔ طرح طرح کے جواہرات لگے ہوئے فاخرہ لباس، طلائی نعل والے نچر، صبار قمار گھوڑے، کوہ پیکر اونٹوں کی قطاریں جو ساز و سامان اور بے شمار نقد و جنس سے لدے ہوئے تھے، مہیا کئے۔

جب یہ سب انتظامات مکمل ہو گئے تو قاضی شرف الدین کو جو بڑے معتبر عالم تھے، اسباب شادی کی تیاری اور نکاح پر آمادگی کی اطلاع دینے کے لئے بہت سے تحائف کے ساتھ سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔

چنانچہ قاضی شرف الدین، سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا اور سیواس کے مقام پر گیا اور اس کے بعد قونیہ کا رخ کیا۔

دوسرے دن جب قاضی شرف الدین، سلطان کے حضور میں بازیاب ہوئے تو سلطان کو بہت مہربان پایا۔ سلطان نے فخر الدین کا حال قاضی شرف الدین سے بہت توجہ کے ساتھ دریافت کیا۔ قاضی نے وسعت بھرے انداز میں پہلے سلطان کو دعا دی، پھر حمد و ثناء کے بعد مقامی حالات بیان کئے۔ اس کے بعد سلطان کے پیش کردہ تحائف قبول فرمائے گئے۔ پھر قاضی کو رخصت کیا گیا۔ تحائف انعامات اس کے بعد بھیجے گئے۔

دوسرے دن بلا و محروسہ کے قضا اور آئمہ کبار جو اس تقریب کے لئے جمع ہو گئے تھے، فخر الدین کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ اس موقع پر سلطان کے حکم کے مطابق سونے کے

توڑے ہزار مشقال، پانچ سو، دو سو اور ڈیڑھ سو تھال میں چن دیئے گئے اور انہیں سونے چاندی کے طباقوں میں لگا دیا گیا۔

اس ترتیب کو تہذیب کے ساتھ یہ تھا کہ ہر ایک کے سامنے اس کی حیثیت اور مرتبہ کے لحاظ سے پیش کئے گئے۔ پھر طرفین کے وکیل اور شاہد حاضر ہوئے اور قاضی شرف الدین بہادری جو نکاح خوانی پر مامور تھے، آئے اور انہوں نے خدام حرم کی طرف متوجہ ہو کر حصول تبرک و سعادت کے لئے خطبہ پڑھا۔

اس موقع پر قاضی شرف الدین نے جو خطبہ پڑھا، مورخین لکھتے ہیں کہ اس کا ترجمہ یہ تھا۔

”ساری تعریف اللہ کے لئے ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کے رسول ہیں۔ بہترین چیز جس پر عمل کیا جائے، اللہ کی کتاب یعنی قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اور تم میں سے جو بے نکاح ہوں، تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اور اس طرح تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہو، اس کا نکاح بھی کر دیا کرو۔ اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا تعالیٰ اگر چاہے گا تو ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اور وسعت والا ہے۔ چونکہ خدا کا حکم اس لئے نازل کیا گیا ہے اور اس غرض سے سنت کی پیروی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دور والوں کے لئے محبت اور قریب والوں کے لئے احسان کا ذریعہ بنایا ہے۔ اسی لئے باصواب صاحب توفیق اور عاقل و ہوش مند سلطان غالب عز الدین کیا کوس ابن کینسرو ابن قلیج ارسلان نے اس کی طرف سبقت و غلبت کی ہے، جنہیں تم پہچانتے ہو اور ان کے نسب سے ناواقف نہیں ہو۔ انہوں نے تمہاری لڑکی سلجوقی خاتون بنت فخر الدین بہرام شاہ ابن داؤد سے شادی کا پیغام دیا ہے اور ان کے لئے ایک لاکھ دینار سرخ جن میں سے پچاس ہزار مہجمل اور پچاس ہزار مہجمل ہیں، صرف کئے ہیں۔ لہذا اس نکاح کا خیر مقدم کرو اور پیام دینے والے سے نکاح کر دو اور اچھی بات کہو تو تمہاری تعریف کی جائے اور اجر و ثواب پاؤ۔“

اس کے جواب میں اہل حرم نے کہا۔ ”ہم نے نکاح کرنے والوں سے یہ نکاح قبول کیا اور منکوحہ کو عقد میں دے دیا۔ ان دونوں میں ہمیشہ اللہ کا فضل قائم رہے۔“

یہاں مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ سلطان عز الدین کی شادی کے موقع پر قاضی شرف الدین نے جو خطبہ پڑھا، یہی خطبہ بنو عباس کے خلیفہ مامون الرشید کی شادی کے موقع پر بھی پڑھا گیا تھا۔

جب اس طرح عقد نکاح کی تکمیل ہوئی تو دوسرے دن خزانہ کے امینوں کو حکم ہوا کہ دہن کی پاکی لانے والوں کے ساتھ جانے والا سامان تیار کیا جائے۔ اس کام پر امیر نجم الدین بہرام شاہ کو مقرر کیا گیا اور امراء کی خواتین کو ہدایت ہوئی کہ ملکہ کی خدمت میں ارزنجان جائیں۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں جب یہ سارے کام ختم ہو گئے تو قاضی شرف الدین اور تمام خواتین ارزنجان روانہ ہوئیں۔ جب ارزنجان کی حدود میں پہنچے تو پہلے قاضی آگے بڑھ گئے اور فخر الدین کو اہل بارات اور نامور خواتین کے آنے کی اطلاع دی۔

فخر الدین نے سب کی ضرورت کے لحاظ سے خورد و نوش کا انتظام کیا اور خادماؤں، خواجہ سراؤں اور اپنے خاص امراء اور مصاحبین کے ساتھ کھانا روانہ کیا۔

جب دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے قریب آئے اور نظر فخر الدین کے پرچم پر پڑی تو سب پیادہ پا ہو گئے۔ ایک دوسرے کی پیشانی چومی اور پھر سوار ہو گئے۔

اس موقع پر آنے والوں نے سلطان عز الدین کی کاؤس کا پیغام پہنچایا۔ فخر الدین نے زمین کی طرف سر جھکایا اور کہا، میں سلطان کا بندہ ہوں۔ اس طرح باتیں کرتے ہوئے وہ شہر پہنچے اور فخر الدین نے سلطان عز الدین کے نمائندے اور دوسرے امراء سلطان کو اپنے قصر میں اتارا اور شاہانہ دسترخوان بچھا کر کھانا کھلایا۔

دوسرے دن سلطان کے نمائندے نے جو اسباب و اموال اور خزانہ اس کے ساتھ کئے تھے، حساب اور تفصیل کے ساتھ فخر الدین کی خدمت میں بھیجے۔ فخر الدین نے سلطان کی بلند ہمتی کی بہت تعریفیں کیں اور اپنے کارکنوں کو بہت سا انعام دیا۔ چنانچہ یہ سارے اسباب اور سامان مکمل ہونے میں دس روز لگے۔ اس مدت میں دونوں طرف کے لوگ عیش و کامرانی میں ڈوبے رہے۔ جب انتظامات سے فرصت ملی تو فخر الدین نے تین سو خلعت اعلیٰ و اوسط اور ادنیٰ قسم کے اور تین لاکھ درہم بہترین گھوڑوں کے ساتھ سلطان کے نمائندے کے پاس بھیجے جو فخر الدین نے سلطان کے خدم و حشم کو تقسیم کرنے کے لئے روانہ

کئے تھے۔ پھر رات کے وقت امیر جہیز کے اموال و خزانہ، دہن کی پاکی کو ساتھ لے کر شہر سے باہر آیا اور صبح کوچ کا قارہ بجوا کر روانہ ہو گیا۔

جب یہ لوگ منزل مقصود پر پہنچے تو سلطان عز الدین کے نمائندے نے آگے بڑھ کر سلطان سے اس سفر کی سرگذشت بیان کی اور دہن کی آمد سے مطلع کیا۔ فوراً احکام نافذ ہوئے اور قصر سلطنت اور محلات کی آرائش کر کے بزم عشرت ترتیب دی گئی۔ امراء کی خواتین جو حاضر تھیں، دہن کے استقبال کے لئے باہر گئیں۔ ایک پہر رات گئے دہن کی خدمت میں پہنچیں اور اسے شہستان مبارک میں لے جا کر تخت عروسی پر بٹھایا۔

اس طرح بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سلطان عز الدین کی کاؤس کی شادی اپنے انجام کو پہنچی۔



وہاں کے مالک بن بیٹھے ہیں اس لئے لشکر اور دوسرے اہم امور کی تکمیل کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ شام کا قصد کروں۔ ممکن ہے کہ ہم حلب کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔“

سلطان نے جب اپنی رائے پیش کی تو سب سے پہلے سیف الدین ابوبکر نے اس سلسلہ میں بڑی جرأت مندی اور دلیری کا مظاہرہ کیا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”آپ کو اس مہم کی ابتدا نہیں کرنی چاہئے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو مسلمانوں کے اندر ہماری کیا عزت، کیا وقار رہ جائے گا کہ ہم اناطولیہ کے میدانوں میں اپنے دشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنے بھائیوں کے خلاف صف آرا ہو گئے ہیں۔“

سیف الدین ابوبکر کا یہ ناپسندیدہ جواب سن کر سلطان عز الدین کی پیشانی پر ہل پڑ گئے تھے۔ چنانچہ سیف الدین ابوبکر کے بعد دوسرے سالاروں نے بھی سلطان کو یہی جواب دیا۔ اس پر سلطان ایک طرح سے اپنے بڑے بڑے سالاروں کے اس جواب سے بڑا مایوس اور بدظن ہوا۔ اس موقع پر سلطان کے مختلف سالاروں نے جو سلطان عز الدین کو جواب دیا، اس جواب کو مؤرخین ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

”بے شک ملک گیری سلطان کی فطرت میں ودیعت فرمائی گئی ہے لیکن چونکہ ہمیں مشورہ دینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اس لئے کچھ عرض کرنے کی اجازت اور اسے سماعت فرمانے کی عزت مرحمت فرمائی جائے۔ اگرچہ وہ لڑکا ملک العزیز کم سنی میں باپ کے ملک کا وارث ہوا ہے مگر اس کے آباء و اجداد ہمیشہ آپ کے خاندان کی بہبودی کا دم بھرتے رہے ہیں اور ان لوگوں نے ہمیں ہمیشہ تحائف بھیجنے کی رسم جاری رکھنے کے علاوہ جس وقت آپ کے خاندان والوں کو اپنے کسی دشمن کے خلاف مدد کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ ہمیشہ اپنے لشکر بھیج کر مدد کیا کرتے تھے۔“

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ سالاروں نے کہا۔

”یہ موقع تو ایسا ہے، اگر وہ لڑکا نام جس کا ملک العزیز ہے، اگر کوئی دوسرا حاکم اس پر حملہ آور ہوتا ہے یا اس پر بری نظر ڈالتا ہے اور اس موقع پر وہ سلطان عز الدین سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو اس کی مدد ضرور کی جائے۔ بجائے اس کے کہ اطراف کے فرماں رواؤں کی طرح اسے تخت نشین ہونے کی خوشخبری دینے کے بجائے ہم اس کے ملک پر چڑھ

اس کے بعد سلطان عز الدین کی کاؤس کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے سلطان اور اس کے بڑے بڑے سالاروں کے درمیان دوری، بد اعتمادی اور بے اعتباری نے جنم لیا۔ بڑے بڑے سالار جن میں سیف الدین ابوبکر، مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام، زین الدین بشارہ، حسام الدین یوسف جیسے عمدہ سالار تھے۔ وہ سلطان کے ایک فیصلہ کے خلاف کھڑے ہو گئے اور سلطان نے انہیں بھی علیحدہ کر کے ایک طرح سے نظر بند کر کے رکھ دیا۔

ہوا یوں کہ جن دنوں سلطان نے تونیہ شہر میں قیام کر رکھا تھا، اسے خبر ملی کہ حلب کا حاکم ملک الظاہر فوت ہو گیا ہے۔ یہ ملک الظاہر دمشق کے حاکم ملک اشرف کا بہنوئی تھا اور دونوں کے درمیان کچھ نا اتفاقی اور نا چاقی پائی جاتی تھی۔

چنانچہ جب ملک الظاہر فوت ہو گیا تو حلب کے امراء نے اتفاقی رائے سے ملک الظاہر کے بڑے لڑکے ملک العزیز کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے باپ کی جگہ تخت نشین کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ملک العزیز ابھی لڑکا ہی تھا۔ اس لئے اس کی والدہ جو دمشق کے حاکم ملک اشرف کی بہن تھی، نے اس کی جگہ حکمرانی کرنا شروع کی۔

جس وقت یہ حادثہ پیش آیا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان دنوں سلطان عز الدین کے دل میں حلب کو فتح کرنے کا ارادہ پیدا ہوا۔ اس لئے کہ یہ شہر بھی سلطان عز الدین کے چچیرے بھائیوں کے تصرف میں ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ حلب پر حملہ آور ہونے سے پہلے سلطان نے بقول مؤرخین اپنے سارے سالاروں کا اجلاس طلب کیا اور اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہا کہ چونکہ ملک الظاہر کے علاقے میں ابتری پیدا ہو گئی ہے اور ایک لڑکا اور ایک عورت

دوڑنے کا قصد کریں۔ پھر اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ایسی صورت سلاطین کبار اور ملوک روزگار کے نزدیک ہرگز پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔“

اس موقع پر مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اپنے سالاروں کا یہ جواب سن کر کچھ دیر تک عزالدین کیاؤس گہری سوچ میں ڈوبا رہا، پھر کہنے لگا۔

”اس میں شک نہیں کہ حکمرانوں کو باہم رعایت کرنا لازم ہے لیکن جب کوئی حکمران شوکت و اقتدار کا اسلحہ لگا کر اور جہانگیری کے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے تو وہ ایسی مرؤت سے یقیناً ڈور رہے گا۔“

چنانچہ یہ جواب دینے کے بعد سلطان عزالدین نے اپنے سالاروں کا کہنا نہ مانتے ہوئے حلب شہر پر لشکر کشی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے بڑے بڑے سالاروں کو ایک طرح سے اس نے تونیہ میں ہی نظر بند کر دیا۔ ان کے گھروں پر پہرہ لگا دیا اور چھوٹے سالاروں کو اس نے اوپر لاکر اپنے لشکر کے مختلف حصوں کی کمانداری دے دی تھی۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد سلطان عزالدین نے مراغہ شہر کے حاکم نصرت الدین کے پاس فرمان بھیجا کہ میں حلب پر حملہ آور ہونے کے لئے کوچ کر رہا ہوں۔ چند دن بعد میرا لشکر تمہارے علاقوں میں داخل ہو گا۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ جس قدر لشکر پہلے سے تمہارے پاس ہے، اس میں مزید لشکر بھیجی کر کے اس میں اضافہ کرو اور پھر ہمارے ساتھ حلب پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار رہو۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ بیس دن تک اپنی تیاری کرنے کے بعد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ آبلحان کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے نئے سالاروں کی دلجوئی کی اور ان سے وعدہ کیا کہ شام میں جو جو شہر فتح کیا جائے گا، ان شہروں کا حاکم ان سالاروں کو مقرر کیا جائے گا۔

چنانچہ صلاح مشورہ کرنے کے بعد سلطان مرزبان، رعیان اور تل باشر کی طرف جو شاہراہ جاتی تھی، اس پر روانہ ہوا تا کہ ان علاقوں کے پاس سے گزرتا ہوا حلب کا رخ کرے۔ سب سے پہلے اس کے راستے میں مرزبان شہر آیا۔ اسے بقول مؤرخین عزالدین کیاؤس نے فتح کیا۔ مراغہ شہر کا حاکم نصرت الدین بھی ایک بہت بڑا لشکر لے کر سلطان عزالدین سے آن ملا تھا۔ اس کے بعد مرزبان کا انتظام درست کرنے کے بعد سلطان

عزالدین کیاؤس اپنے لشکر کے ساتھ پھر پیش قدمی کرنے لگا تھا۔ وہ رعیان شہر اور قلعہ کے پاس پہنچا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ رعیان شہر کا حاکم اور کوتوال، سلطان عزالدین نے مراغہ شہر کے والی نصرت الدین کے داماد کو مقرر کیا۔ اس کے بعد سلطان اپنے لشکر کے ساتھ تل باشر شہر کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان کے لشکر میں چونکہ نئے سالار مقرر تھے، جنگ کا اتنا وسیع تجربہ نہیں رکھتے تھے، چنانچہ ان کے ساتھ سلطان نے تل باشر کا محاصرہ کر لیا۔ دس دن تک لگاتار محاصرہ جاری رہا اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان عزالدین نے جب دیکھا کہ تل باشر فتح نہیں ہوتا تو اس نے حکم دیا کہ شہر کے ارد گرد اور کنارے کنارے جو پھل دار درخت اور انگور کی بنیلیں در در در تک میلوں میں پھیلی ہوئی ہیں، ان سب کو جڑ سے کاٹ دیا جائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں جب شہر کے لوگوں کو یہ خبر ہوئی کہ عزالدین حملہ آور ہوا ہے اور تل باشر فتح نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ارد گرد جو باغات ہیں، سلطان عزالدین نے ان کو کاٹنے کا ارادہ کر لیا ہے، تب وہ شہر کے حاکم کے پاس گئے اور بقول مؤرخین انہوں نے کہنا شروع کیا۔

”ہماری معاش تو انہی درختوں کے پھلوں سے ہے۔ جب عزالدین ہمارے انگور کے درخت کاٹ ڈالے گا تو ہماری معاش کی کیا صورت ہوگی؟ ہم آپ سے یہ کہنے آئے ہیں کہ اگر ہم لوگ ایسی حالت میں تل باشر، عزالدین کے حوالے کر دیں تو آپ ہمیں معذور سمجھئے گا۔ اس لئے کہ ہم نہیں چاہتے کہ تل باشر کے ارد گرد جو پھلوں کے درخت ہیں، وہ کاٹے جائیں اور لوگوں کی معاش تباہ و برباد ہو کر رہ جائے۔“

مؤرخین لکھتے ہیں، شہر کے حاکم نے لوگوں کی بات بڑے صبر اور بڑے تحمل سے سنی اور ان سے چند دنوں کی مہلت مانگی۔ ساتھ ہی اس نے اپنا ایک قاصد سلطان عزالدین کی خدمت میں روانہ کیا اور سلطان کے نام ایک پیغام بھیجا۔ جو پیغام اس نے بھیجا، مؤرخین اس کا مضمون اس طرح بتاتے ہیں۔

”بندہ اپنے خاندان کے ساتھ اسی قلعہ کی بدولت زندگی گزار رہا ہے اور جب آپ اس قلعہ اور شہر پر قبضہ کر لیں گے تو فدوی کے گزارے کی کیا صورت رہ جائے گی؟ اگر آپ اپنے علاقوں میں سے کوئی حصہ زمین بندے کے نام کر دیں تو اس کے عوض بلا زحمت قلعہ

اور شہر آپ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

چنانچہ سلطان نے اس کی درخواست منظور کر لی اور جاگیر کے طور پر اپنی مملکت میں اسے ایک علاقہ دے دیا اور اس طرح شہر کے حاکم نے قتل باشر سلطان کے حوالے کر دیا۔ اس طرح وہاں کے لوگ بھی خوش ہو گئے کہ ان کے پھل دار درخت بچ گئے ہیں۔

سلطان عزالدین کی اس پیش قدمی کی اطلاع حلب شہر میں بھی پہنچ گئی تھی اور حلب کے جاسوسوں نے اپنی ملکہ اور اس کے وزیر نام جس کا جمال الدین تھا، کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ جب ملکہ، اس کے بیٹے ملک العزیز اور وزیر جمال الدین کو خبر ہوئی کہ سلطان عزالدین جیسا اسلام پسند سلطان ان کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر چکا ہے تو ملکہ نے تیز رفتار قاصد دمشق میں اپنے بھائی ملک اشرف کی طرف روانہ کیا۔ گو ملک اشرف اور اس کے بہنوئی ملک الظاہر کے درمیان اختلافات تھے۔ چونکہ ملک الظاہر فوت ہو چکا تھا، معاملہ اب دمشق کے حاکم ملک اشرف کی بہن کے علاقے کا تھا۔ چنانچہ ان حالات میں دمشق کا حاکم ملک اشرف یہ پیغام ملنے کے بعد ایک لشکر لے کر بڑی تیزی و برق رفتاری کے ساتھ حلب کی طرف روانہ ہوا۔

حلب پہنچ کر وہ اپنی بہن سے ملا۔ دونوں بہن بھائی نے سلطان عزالدین کی کاؤس کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ اور اس موقع پر مؤرخین لکھتے ہیں کہ دمشق کے حاکم ملک اشرف نے اپنی بہن کو مخاطب کر کے کہا۔

”حکمرانوں کے پاس مال ایسے ہی دنوں کے لئے ہوتا ہے۔ اگر سو سال کے خزانے کو ایک معمولی گاؤں کی حفاظت کے لئے صرف کر دیا جائے تو بھی کم ہے۔“

یہ سن کر ملکہ نے ساہا سال کا ذخیرہ زر بے دریغ خرچ کرنا شروع کیا۔ لشکر کو بڑھایا اور ساتھ ہی ایک ایسا حیلہ سوچا، جس کی بدولت سلطان کو اپنے لشکر پر اعتماد اور بھروسہ ہی نہ رہے۔

اس موقع پر جو حیلہ ملکہ اور اس کے بھائی دمشق کے حاکم ملک اشرف نے اختیار کیا، وہ کچھ اس طرح تھا۔

دونوں بہن بھائی نے اناطولیہ کے ایک ایسے شخص کو گمانٹھا جو تمام امراء دولت کے نام و القاب جانتا تھا۔ اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ ان سب کے نام جاننے کے ساتھ ساتھ ان

میں سے اکثر کے ساتھ اس کے مراسم تھے۔ چنانچہ اس شخص کو ملکہ اور اس کے بھائی نے بکثرت زر و مال دیا اور قسمیں کھائیں کہ اگر تم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے اور سلطان عزالدین اپنے لشکر کو لے کر واپس اناطولیہ چلا گیا تو تمہیں اس سے دو گنا مال اور دیا جائے گا۔

اس کے بعد اس شخص کے ذریعے اناطولیہ کے بڑے بڑے امراء اور سالاروں کی طرف سے ملکہ کے نام خط اور پھر ان کے فرضی جواب نامے لکھے گئے۔ ان جواب ناموں کا مضمون مؤرخین کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”تم نے سلطان کو حدود شام میں حیلہ کے ساتھ لانے کا وعدہ کیا ہے۔ قابل آفرین ہے۔ چنانچہ معاملے کو رازداری میں رکھا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان عزالدین اس معاملے سے آگاہ ہو جائے۔ اور یہ سب کوشش بے نتیجہ ٹھہرے۔ تمہارے خرچ کے لئے زر مصری اور گھوڑے فلاں شخص کے ہمراہ بھیج دیئے گئے ہیں۔“

فلاں شخص کی جگہ جس شخص کا نام لکھا گیا تھا، اس شخص کو زر و مال حوالے کر دیا گیا اور سمجھا دیا گیا کہ پہلے سلطان کے لشکر میں جا کر بعض مقربین سلطانی کے خیمہ کے پاس ٹھہرنا اور وہاں یہ کہنا شروع کر دینا کہ میں شام کے لشکر میں تھا۔ اتنے میں تمام امراء کے خطوط ہمارے لشکر کے سرداروں کے پاس پہنچے۔ حکومت شام کی طرف سے ہر ایک کے لئے بکثرت زر و مال اکٹھا کر کے فلاں مقام پر جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کام جس شخص کے سپرد ہوا، وہ موقع کا منتظر ہے۔ جب وقت آئے گا، یہ مال سب کو پہنچا دے گا۔ اگر تمہیں یقین نہ ہو تو اس جگہ جا کر دیکھ لو۔

چنانچہ مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ وہ شخص اس ہدایت کے مطابق سلطان عزالدین کے غلام سے ملا اور جو سبق اسے پڑھایا گیا تھا اور جو باتیں اسے بتائی گئی تھیں، اس نے غلام کو بتا دیں۔ وہ غلام فوراً سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سلطان نے اپنے کچھ آدمیوں کو اس شخص کی بیان کی گئی جگہ پر بھیجا تو واقعی وہاں نقدی اور سامان موجود تھا۔ اسے اٹھا کر سلطان عزالدین کی خدمت میں لایا گیا۔ مال کے ساتھ ایک سربراہ تھیلی میں خط بھی تھے۔

جب سلطان نے ان خطوط کا مطالعہ کیا تو آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ خط سلطان کے

حلب کی ملکہ اور اس کے بھائی ملک اشرف نے ایک اور کام کیا۔ ان کے پاس جنگجو عربوں پر مشتمل ایک لشکر تھا۔ یہ سب عرب بدو تھے، جنگ کرنے کا بہترین تجربہ رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان کے لشکر پر حملے شروع کر دیئے۔ ان عربوں نے بار بار دائیں سے بائیں اور ادھر ادھر چھپ کر اور اچانک نمودار ہو کر سلطان عز الدین کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ہوئے اس کا ایک طرح سے ناطقہ بند کر کے رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان عربوں نے کئی بار حملہ آور ہو کر سلطان کے پڑاؤ میں گھس کر اس کا خیمہ تک گرا دیا۔ ان عرب بدوؤں کے حملوں کی وجہ سے سلطان کے لشکر میں ایک کھلبلی مچ گئی تھی۔ سلطان کے لشکر میں پہلے ہی کوئی تجربہ کار سالار نہیں تھا۔ نئے سالار تھے، جو نہ جنگ کا تجربہ رکھتے، نہ ان میں دوسرے سالاروں کا سا خلوص و ایثار تھا۔ چنانچہ ان حالات میں جب کہ عرب، سلطان کے لشکر کو نقصان پہنچانا شروع ہو گئے تھے، سلطان نے واپسی کا عزم کر لیا۔ سلطان عز الدین جب اپنے لشکر کو سمیٹ کر واپس روانہ ہوا، تب ملک اشرف بھی لشکر کو لے کر حلب کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ جب اس نے یہ دیکھا کہ سلطان عز الدین ناکام واپس چلا گیا ہے، وہ فوراً حرکت میں آیا۔ سلطان نے مرزبان، رعیان اور قل باشر نام کے جو قلعے اور شہر فتح کئے تھے، ملک اشرف دوبارہ ان پر حملہ آور ہوا اور ان پر قبضہ کر لیا۔ اور جن لوگوں کو سلطان عز الدین نے وہاں اپنا حاکم مقرر کیا تھا، ملک اشرف نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ بلکہ انہیں خوب نوازتے ہوئے واپس سلطان عز الدین کے پاس چلے جانے کا موقع دے دیا تھا۔



امراء اور کچھ سالاروں کی طرف سے تھے اور ان کے جوابات ملکہ اور ملک اشرف کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ چنانچہ ان خطوط کی وجہ سے سلطان عز الدین اپنے امراء اور سالاروں کی طرف سے بدگمانی کا شکار ہو گیا۔

اس کے بعد سلطان نے دو کام کئے۔ اپنے ایک نئے سالار کو حکم دیا کہ وہ چار ہزار کے لشکر کے ساتھ مقدمۃ الجیش کے طور پر روانہ ہو جائے تاکہ ملکہ اور ملک اشرف کا مقابلہ کیا جائے۔ اس کے بعد ایک لشکر اپنے نئے سالار سیف الدین آئینہ کی کمانداری میں دیا۔ اس لشکر کی تعداد بھی چار ہزار تھی اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ سیف الدین آئینہ، سلطان کے ہاں چاشنی گیر تھا۔ بڑے سالاروں کے اتفاق نہ کرنے کی وجہ سے اسے لشکر کی کمانداری سونپنا پڑی تھی۔

چنانچہ سب سے پہلے نیا سالار اپنے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ ٹکرانے کے لئے گیا۔ دوسرا سالار سیف الدین آئینہ اپنے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ پیچھے رہا۔ جب نیا سالار مخالف قوتوں سے ٹکرایا تو اُسے شکست کا سامنا کرنا پڑا بلکہ بقول مؤرخین ملک اشرف نے جنگ کے دوران اسے گرفتار کر لیا۔ لیکن اس کی گرفتاری کے بعد اسے نقصان نہ پہنچایا بلکہ اس کی آؤ بھگت کی۔ عمدہ لباس پہنایا، اس کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور پھر اسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ جو جنگ کے دوران گرفتار ہوئے تھے، حلب کی طرف روانہ کر دیا۔

اس موقع پر جب کہ وہ نیا سالار، ملک اشرف سے ٹکرا رہا تھا، اس نے تیز رفتار قاصد اپنے دوسرے سالار سیف الدین آئینہ کی طرف روانہ کئے اور اس سے مدد طلب کی۔ اس لئے کہ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ دور تھا۔ نزدیک سیف الدین آئینہ ہی تھا۔ لیکن یہ نئے سالار ایک دوسرے کے ساتھ مخلص نہیں تھے۔ سیف الدین آئینہ کو جب اس سالار کا پیغام ملا اور اس نے مدد طلب کی تو اس نے دل میں سوچا۔ جس وقت یہ ملک اشرف اور ملکہ سے ٹکرانے کے لئے روانہ ہو رہا تھا، اس وقت تو اس نے سلطان عز الدین کے سامنے بہت لاف و گداز کی تھی، اب مجھے مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ اگر میں اس کی مدد کو جاتا ہوں اور دشمن زیر ہو جاتا ہے تو زیر کرنے والوں میں نام اس کا آئے گا، مجھے کوئی نہیں پوچھے گا۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں، اپنے دل میں یہ سوچ کر سیف الدین چاشنی گیر ایک قدم آگے نہ بڑھا اور نہ ہی سلطان کو اس واقعے کی اطلاع دی۔

اب صورت حال یہ تھی کہ سلطان عز الدین اپنے امراء کے نام سے لکھے ہوئے فرضی جوابی خطوط سے بہت جلا ہوا تھا اور اس نے اپنا جو لشکر نئے سالار کی کمان داری میں روانہ کیا تھا، اسے جو ملک اشرف کے ہاتھوں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا اور اس لشکر کے سالار کی ناکامی اور گرفتاری سے سلطان عز الدین بڑا پریشان اور حواس باختہ تھا، چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان سالاروں اور امراء کو تلاش کرے گا، جنہوں نے خفیہ طور پر خط لکھے۔ حالانکہ وہ سب فرضی تھے۔ لیکن سلطان عز الدین نے انہیں کڑی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

چنانچہ سلطان ایک طرح سے پریشانی اور ناکامی کی حالت میں اپنے لشکر کے ساتھ قونیہ پہنچا۔ اپنے سالاروں اور امراء کو جمع کیا، جو خطوط ان کے نام سے منسوب کر کے لکھے گئے تھے، وہ انہیں دکھائے۔ سب نے وہ خطوط دیکھ کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور سلطان کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ سراسر سازش اور مکاری ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ لیکن سلطان پر تو غصے اور غضب ناک کی کا بھوت سوار تھا۔ چنانچہ اس نے باری باری ان سالاروں اور امراء کو کڑی سزائیں دینا شروع کیں، جن کے نام ان خطوط میں درج تھے۔

چنانچہ ایک روز سلطان عز الدین جعلی خطوط کے سلسلے میں امراء کے لئے سزائیں تجویز کر رہا تھا کہ اس کے محافظ دستوں کا سالار سلطان کے پاس آیا اور سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں آپ کے پاس ایک بری خبر لے کر آیا ہوں۔ بری خبر یہ ہے کہ سیف الدین ابوبکر، قونیہ سے کوچ کرنے والا ہے۔ مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام،

حسام الدین یوسف اور زین الدین بشارہ بھی شاید اسی کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں۔“ یہ الفاظ سن کر سلطان عز الدین چونکا تھا، اپنے محافظ دستوں کے سالار کی طرف غور سے دیکھا، پھر کہنے لگا۔

”سیف الدین ابوبکر کہاں جا رہا ہے؟“
اس پر وہ شخص بولا اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں بازار سے گزر رہا تھا کہ امیر سیف الدین ابوبکر کی بیوی کا بھائی باز نیک مجھے ملا۔ وہ ایک اونٹ خرید کے لے جا رہا تھا۔ میں نے اسے روکا اور پوچھا کہ تم اس اونٹ کا کیا کرو گے؟ وہ کہنے لگا کہ وہ اونٹ بھائی سیف الدین کے لئے لے جا رہا ہے۔ اس لئے کہ گھر کا جو ضروری سامان ہے، اسے اونٹ پر لا کر ہم قونیہ سے اٹالیہ روانہ ہونے والے ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ سیف الدین ابوبکر یہ فیصلہ کر چکا ہے۔ جو حویلی نکسار اور اس کے اہل خانہ کی تھی، وہ تو سلطان کی طرف سے دی گئی تھی۔ خود سیف الدین جو حویلی ملی، وہ بھی سلطان کی وجہ سے تھی۔ لہذا سیف الدین ابوبکر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان دونوں حویلیوں کو خالی کر دیا جائے گا۔ اور سیف الدین اپنی بیوی اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ یہاں سے نکل کر اٹالیہ کا رخ کرے گا۔ مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام اور کچھ دوسرے سالار بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہیں۔ سیف الدین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اٹالیہ چونکہ سلطان کی مملکت میں ہے۔ اگر سلطان نے ہمیں وہاں بھی نہ رہنے دیا تو پھر وہ وہاں سے بھی کوچ کریں گے۔ کسی اور محفوظ شہر کا رخ کر کے وہاں جا کے آباد ہو جائیں گے۔“

اپنے محافظ دستوں کے سالار سے یہ الفاظ سن کر سلطان عز الدین کی کاؤس غم اور دکھ میں مبتلا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ بڑا اچھتا رہا تھا کہ اس نے اپنے بڑے سالاروں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا۔ چنانچہ اپنے محافظ دستوں کے سالار کو مخاطب کر کے وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اسی لمحے اس کا چوہدار اندر آیا اور سلطان کو خبر دی کہ تگور کے علاقوں میں جو ان کے ہرکارے اور مخبر تھے، ان میں سے کچھ آئے ہیں اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سلطان عز الدین نے فوراً انہیں بلانے کا حکم دیا۔ جب آنے والے تین مخبروں کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان کے پوچھنے پر ان میں سے ایک بولا

اور کہنے لگا۔

”سلطان محترم! آپ چونکہ اپنے لشکر کے ساتھ حلب کے معاملات میں الجھ گئے تھے، لہذا آپ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر گور پھر حرکت میں آیا ہے۔ اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا ہے اور مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ آور ہو کر اس نے یلغار اور ترکتاز کر کے اپنے لئے فوائد حاصل کرنے شروع کر دیئے ہیں۔ اس کا ارادہ ہے کہ اپنے لئے رسد کا سامان خوب جمع کرے۔ اس کے بعد اس کی مملکت میں جو شہر اور قلعے سلطان نے فتح کئے تھے، انہیں واپس لے کر اپنے علاقوں کو مستحکم کرے۔ تاکہ سلطان عز الدین اگر دوبارہ حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کیا جاسکے۔“

یہ خبر سن کر سلطان کے غصے اور غضب ناکی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ لیکن اسے یہ بھی بڑا دکھ اور غم تھا کہ اس کے بڑے بڑے مخلص اور جانثار سالار اُسے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے محافظ دستوں کے سالار کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”ابھی اسی وقت بھاگتے ہوئے سیف الدین ابوبکر کی طرف جاؤ۔ اسے کہو کہ فی الفور مجھ سے آکر ملے۔ اس کے ساتھ حسام الدین یوسف، مبارز الدین چاولی، نجم الدین بہرام اور زین الدین بشارہ کو بھی بلا کر لاؤ۔“

چنانچہ سلطان کا حکم پا کر اس کے محافظ دستوں کا سالار وہاں سے تقریباً بھاگتا ہوا نکل گیا تھا۔

اپنے محافظ دستوں کے سالار کے جانے کے بعد سلطان نے اپنے چوہدار کو حکم دیا کہ قونیہ کے سب بڑے بڑے امراء کو قصر میں طلب کر لیا جائے۔ چنانچہ چوب دار نے ایک ہر کارہ بھیج کر سارے امراء کو قصر میں طلب کر لیا تھا۔

سلطان کے محافظ دستوں کا سالار جب سیف الدین ابوبکر کی حویلی کے باہر پہنچا تو اس نے دیکھا، حویلی کے باہر ایک اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ سیکس، بریزہ، جوزین اور باز نیک دونوں حویلیوں کے اندر سے سامان باہر لا رہے تھے جب کہ کسار اور سیف الدین ابوبکر ایک ترتیب اور سلیقہ کے ساتھ وہ سامان اونٹ پر لدے ہوئے اٹھا کجاوے میں ڈال رہے تھے۔

ایک موقع پر جب بریزہ، جوزین، سیکس اور باز نیک سامان لے کر باہر آئے، تب ان کے دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً بھاگتے ہوئے سلطان عز الدین کی کاؤس کے محافظ دستوں کا

سالار سیف الدین ابوبکر کے پاس آیا، بڑی عاجزی اور انکساری میں اس نے سیف الدین کو سلام کیا، مصافحہ کیا، کسار سے بھی مصافحہ کیا۔ پھر سیف الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”امیر سیف الدین! آپ کو سلطان نے فی الفور طلب کیا ہے۔“

یہ الفاظ سن کر بریزہ نے جو اپنے ہاتھ میں سامان پکڑا تھا، وہ اس کے ہاتھوں سے گر گیا تھا۔ وہ پریشان اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اس موقع پر چونکنے کے انداز میں سیف الدین اور محافظ دستوں کے سالار نے بریزہ کی طرف دیکھا۔ بریزہ گم صم سی ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ محافظ دستوں کا سالار پھر بولا اور کہنے لگا۔

”امیر! میں اس سے پہلے باقی سارے سالاروں کو بھی سلطان کا پیغام دے کر آیا ہوں اور سلطان نے اپنے سالاروں کے علاوہ قونیہ کے سارے امراء کو بھی طلب کر لیا ہے۔“

اس پر محافظ دستوں کے سالار کی طرف دیکھتے ہوئے سیف الدین کہنے لگا۔

”تم جاؤ۔ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔“

اس کے ساتھ ہی محافظ دستوں کا سالار واپس چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد بریزہ تیزی سے سیف الدین کے پاس آئی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔

”یہ آپ نے اس سے کیا کہہ دیا کہ تم جاؤ، میں آتا ہوں۔ کیا آپ سلطان کے پاس اس لئے جائیں گے کہ وہ آپ کو سزا دے؟“

سیف الدین ابوبکر نے بڑے پیارے انداز میں بریزہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔

”تم زیادہ فکر مند نہ ہو۔ سلطان نے ابھی مجھے لشکر سے علیحدہ تو نہیں کیا۔ جب وہ اپنے لشکر سے نکال باہر کرے گا تو پھر میں کہلوں گا، سلطان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر اس نے مجھے بلایا ہے تو مجھے جانا ہوگا۔ سلطان کی حیثیت سے اگر وہ مجھے کوئی سزا دینا چاہتا ہے تو کوئی بات نہیں، دے لے۔ میں سمجھوں گا وقت اور حالات نے میری خدمات کا یہی صلہ رکھا ہوا ہے۔“

یہاں تک کہنے کے بعد سیف الدین رکا، اس کے بعد وہ بریزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بریزہ! تم کچھ زیادہ جذباتی اور فکر مند ہو رہی ہو۔ دیکھو ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ صرف اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف لڑنے سے انکار کیا ہے اور

ایسا میں آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے سیف الدین کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ کسار بول اٹھا۔
”بیٹے! میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“

سیف الدین نے کسار کے کندھے پر ہاتھ رکھا پھر کہنے لگا۔

”میں اکیلا جاؤں گا۔ کسی کو میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سلطان نے صرف مجھے نہیں، اپنے سارے سالاروں کے علاوہ قونیہ کے سارے امراء کو بھی طلب کیا ہے۔ ضرور کوئی اہم بات ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ یہ اہم بات ہمارے حق میں جائے گی۔“
پھر سیف الدین نے بریزہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”بریزہ! ابھی حویلی سے سامان نکالنا بند کر دو۔ جتنا سامان نکال چکی ہو، بس اتنا ہی کافی ہے۔ اونٹ کو بھی یہیں رہنے دو۔ پہلے میں سلطان سے مل کر آؤں، پھر ہم اپنی اگلی کارروائی کی ابتدا کریں گے۔“

اس کے ساتھ ہی سیف الدین وہاں سے ہٹ کر قصر کی طرف ہولیا تھا۔

جب وہ قصر کے اس مخصوص کمرے میں داخل ہوا، تب سیف الدین نے دیکھا، وہاں سارے امراء جمع تھے۔ ایک طرف حسام الدین یوسف، مبارز الدین چاولی، زین الدین بشارہ اور نجم الدین بہرام بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ سیف الدین قصر کے اس کمرے میں داخل ہو کر سیدھا آگے گیا۔

سلطان کے سامنے جا کر اس نے جھک کر سلطان کو تعظیم دی، اس کے بعد اس نے اپنی کمر پر سرخ چڑے کی جوتوار اور خنجر کی بیٹی باندھی ہوئی تھی، وہ کھولی اور آگے بڑھ کر وہ بیٹی اس نے سلطان کے قدموں میں ڈال دی اور پھر ایک ملزم و مجرم کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا اور انتہائی اکساری اور عاجزی میں سلطان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”سلطان محترم! میں آپ کا باغی نہیں ہوں۔ میری سانسوں سے آپ کو کبھی بغاوت کی بو نہیں آئے گی۔ آپ بالکل بے فکر رہیں، میں نے جب کبھی بھی محسوس کیا کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے، میں چپ چاپ کسی اور سرزمین کی طرف چلا جاؤں گا، آپ کے لئے زحمت اور پریشانی کا باعث نہیں بنوں گا۔“

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ پر سلطان عز الدین کچھ دیر تک ہونٹ کاٹتا رہا، اس

کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی اتر آئی تھی۔ پھر آنکھوں کے گوشوں میں آنسوؤں کے قطرے جمع ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھا، آگے بڑھ کر اس نے سیف الدین ابوبکر کو گلے لگایا اور پھر گونجتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

”ابوبکر کے بیٹے! تم میرے لشکریوں کے سالار تھے اور سالار ہو۔ جب تک میں زندہ ہوں، کوئی تمہیں اس عہدہ سے ہٹا نہیں سکتا۔ جو کچھ میں نے کیا، وہ میری غلطی تھی۔ تمہاری آمد سے پہلے میں اپنے ان سارے سالاروں سے معذرت کر چکا ہوں اور تم سے بھی کرتا ہوں، یوں میرے سامنے کھڑے نہ رہو۔ میرے پہلو میں سپہ سالار کی جو نشست خالی ہے، اس پر آ کر بیٹھو تاکہ مجھے یہ احساس ہو کہ میرے سارے سالار اب مجھ سے راضی ہیں۔ کوئی مجھ سے ناراض نہیں۔“

اس موقع پر سیف الدین ابوبکر نے اپنی غم ناک آنکھیں صاف کیں، پھر جس نشست پر وہ کبھی سلطان کے پہلو میں بیٹھا کرتا تھا، اسی نشست پر آگے بڑھ کر وہ بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد سلطان اپنے سارے امراء پر برس پڑا۔

”جس وقت میں حلب کے خلاف لشکر کشی کرنے والا تھا، اس وقت تم لوگوں نے مجھے روکنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ جس وقت میں اپنے چھوٹے بڑے سالاروں کے لئے سزائیں تجویز کر رہا تھا، اس وقت بھی تم لوگوں نے کیوں مجھے مشورہ نہ دیا کہ میں ایسا نہ کروں۔“

مورخین، سلطان کی اپنے سالاروں اور امراء کے ساتھ اس گفتگو میں سلطان کے ایک فقرے کو بہت نمایاں طور پر بیان کرتے ہیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس وقت سلطان نے کہا تھا۔

”اس وقت تم لوگوں نے نصیحت سے کیوں دریغ کیا؟“

ساتھ ہی مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اپنے سالاروں کو ناراض کرنے اور ان کے خلاف زکرت میں آنے کی وجہ سے سلطان کو ایسا دکھ، ایسی تکلیف اور ایسی اذیت پہنچی کہ اس کرب و دکھ کی وجہ سے وہ دق کے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔

سالاروں کو راضی کرنے اور ان سے معذرت طلب کرنے کے بعد سلطان نے تگور لما طرف سے جو اس کے مخبر آئے تھے اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا، اس کی تفصیل بھی اپنے سالاروں سے کہہ دی تھی۔ اس کے بعد سیف الدین کی طرف دیکھتے ہوئے سلطان

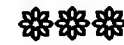
سیف الدین کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور خوش کن انداز میں کہنے لگا۔
 ”سلطان نے اس لئے بلایا تھا کہ سلطان نے اپنے رویہ پر معذرت کر لی ہے۔ جس
 قدر سامان اونٹ پر لدا ہے، یہ سارا سامان حویلی کے اندر رکھ دو۔ باز نیک! اونٹ کو اپنی
 حویلی میں باندھ دو۔ لشکر کل یہاں سے کوچ کرے گا۔ تم بھی میرے ساتھ جاؤ گے۔ آج
 شام کو یہ اونٹ میں کسی کے سپرد کروں گا جو اس کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔“
 سیف الدین ابوبکر کے یہ الفاظ سن کر سب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سب سے زیادہ
 بریزہ بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کر رہی تھی۔ پھر سب بھاگتے ہوئے سامان کو حویلی
 کے اندر لے جا رہے تھے۔
 اگلے روز سورج جب کافی چڑھ آیا، تب سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور
 نکور کا رخ کیا تھا۔



سرمایہ کا موسم اپنے عروج پر آ گیا تھا اور نکور کے علاقوں میں برف باری بھی شروع ہو گئی
 تھی۔ لیکن سلطان نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ پیش قدمی
 جاری رکھی۔ دوسری طرف نکور کو بھی سلطان کے آنے کی خبر ہو چکی تھی لہذا اس نے بھی جو
 بہت بڑا لشکر تیار کیا تھا، اسے استوار کیا اور سلطان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔
 چنانچہ سلطان عز الدین جب اپنے لشکر کے ساتھ نکور کے پڑاؤ کے سامنے گیا، تب نکور
 نے اپنے لشکر میں جنگ کی ابتدا کرنے کے لئے طبل بجوا دیئے تھے۔ سلطان نے پڑاؤ
 کرنے کے بعد اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کیں۔ اس موقع پر سارے سالار
 سلطان کے پاس آن جمع ہوئے تھے۔ سلطان نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا۔ لشکر کو تین
 حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ سلطان نے اپنے پاس رکھا۔ نجم الدین بہرام سلطان کے
 نائب کی حیثیت سے کام کرنے پر مقرر ہوا۔ دائیں پہلو کی کمانداری سیف الدین ابوبکر کے
 ہاتھ میں دی گئی اور اس کے ساتھ مبارز الدین چاولی کو رکھا گیا۔ بائیں حصے کی کمانداری
 حسام الدین یوسف کے ہاتھ میں تھی۔ زین الدین بشارہ کو اس کے نائب کی حیثیت سے
 کام کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔
 چھوٹا سا ایک لشکر پڑاؤ کی حفاظت کے لئے مقرر کیا گیا تھا اور اسے عسکر کی کمانداری

کہنے لگا۔
 ”مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم لوگوں نے ایک اونٹ بازار سے خریدا ہے۔ اس پر
 سامان لاؤ کر اناطولیہ جانے والے تھے۔ سیف الدین! تمہاری حیثیت میرے بھائی کی سی
 ہے۔ واپس جاؤ۔ سارا سامان پہلے کی طرح اپنی حویلی میں رکھو اور ساتھ ہی اس موقع پر یہ
 بھی منصوبہ بندی کرو کہ نکور کے خلاف ہمیں کیا کرنا ہے۔“
 سلطان کے ان الفاظ پر سیف الدین ابوبکر کی چھاتی تن گئی تھی۔ پھر کہنے لگا۔
 ”سلطان محترم! اگر نکور نے پھر پُر پُر زے نکال لئے ہیں اور وہ ہمارے علاقوں پر حملہ
 آور ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بننے لگا ہے تو کل ہی اس کے خلاف حرکت میں آیا
 جائے۔ لشکر کو آج تیاری کا حکم دے دیجئے اور کل ہم یہاں سے روانہ ہوں گے۔ پھر دیکھیں
 گے کہ نکور کتنے دن ہمارے سامنے ٹھہرتا ہے۔“

سیف الدین ابوبکر کے ان الفاظ پر سلطان عز الدین کی کاؤس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ
 تھی۔ چہرے پر تبسم نمودار ہوا، پھر کہنے لگا۔
 ”سارے سالار اور امراء سن لیں۔ کل لشکر یہاں سے کوچ کرے گا اور لشکر میں شامل
 ہونے والے لوگ اپنے اہل خانہ کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں۔ خداوند قدس کو منظور ہوا تو
 نکور کو ہم وہ سزا دیں گے کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ میں سلطان کی حیثیت سے ان سب
 لوگوں سے معذرت کرتا ہوں جنہیں میری طرف سے تکلیف پہنچی۔“
 اس کے ساتھ ہی سلطان نے وہ اجلاس ختم کر دیا تھا اور سارے سالار اور امراء اٹھ کر
 وہاں سے نکل گئے تھے۔



سیف الدین ابوبکر اپنی حویلی کے سامنے گیا تو اس نے دیکھا اونٹ اسی طرح باہر بیٹھا
 ہوا تھا۔ اونٹ کے پاس نکسار، باز نیک، بریزہ، جوزین اور سیمس کھڑے تھے۔ جس قدر
 اونٹوں پر سامان لاوا چا چکا تھا، وہ بھی ویسے ہی لدا ہوا تھا۔
 سیف الدین ابوبکر کو آتا دیکھ کر بریزہ اس کی طرف لپکی پھر بڑی بے چینی سے اس
 نے پوچھ لیا۔
 ”سلطان نے آپ کو کیوں بلایا تھا؟“

جھکڑوں، خواب در خواب عذابوں کے نئے بارگراں، دہکتے چیختے سناٹوں میں دلوں پر موت کی دستک دیتے جسموں اور روحوں کی خواہشوں کے درمیان دیوار بن کر کھڑے ہو جانے والے درد بھری قضا کے اڑتے ذرات کی طرح نکور کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

اس طرح گھمسان کا رن پڑا تھا۔ دونوں طرف کے لشکری ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ ہر کوئی دوسرے کو زیر کرنے کے لئے اپنی فتح اور کامرانی پر دستک دینا چاہتا تھا۔ رزم گاہ کے اندر صدیوں سے رُکی آگ کے شعلے خار و خس میں جلنے لگے تھے۔ آنکھوں کے پیانے کرچی کرچی ہونے لگے تھے، جنگجو بہو سے بچنے لگے تھے۔ نفرتوں کی آگ کے بھنور، موت کے مناظر اور بربادی کی داستانیں رزم گاہ کے اندر ناچ اٹھی تھیں۔

نکور اور اس کے سالار زیادہ دیر تک سلطان اور اس کے سالاروں کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے۔ نکور نے خود بھی اندازہ لگالیا کہ اس کے لشکر کی حالت مسلمانوں کے سلطان عزالدین کیکاؤس کے سامنے غموں کی دھوپ، روحوں کی پیاس، ہلوتی سانسوں، بے تعلقی کے جذبوں، زنگ آلود سوچوں، بے نام وحشت، عناصر کے نالہ و ماتم اور موت کے سکوت دوام ہونا شروع ہو چکی ہے۔

تھوڑی دیر مزید جنگ جاری رہی۔ تب نکور، لیغون اور ان کے ساتھی سالاروں نے اندازہ لگالیا کہ ان کے لشکر کا بڑی تیزی سے قتل عام شروع ہو گیا ہے اور ان کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہوتی جا رہی ہے لہذا یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نکور نے شکست قبول کی اور بھاگ کھڑا ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں سلطان عزالدین کیکاؤس کو نکور کے پڑاؤ سے اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا کہ اس کا اٹھانا مشکل ہو گیا۔ اس مال غنیمت کی وجہ سے سلطان کے علاقوں میں مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیل اور دوسرے چوپائے دو دو درہم میں فروخت ہونے لگے تھے۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ پانچ چھ بھڑیں ایک درہم میں اور غلام اور خوب صورت رومن کنیریں صرف پچاس درہم میں فروخت ہونا شروع ہو گئی تھیں۔

سلطان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ نکور کو تلاش کرنے کے لئے مقرر کیا اور خود اپنے مالاروں کے ساتھ وہ اپنے زخمی ہونے والے لشکریوں کی دیکھ بھال میں لگ گیا تھا۔ اپنے غنیوں کو دیکھتے ہوئے سیف الدین ابوبکر ایک جگہ چونک اٹھا تھا۔ اس لئے کہ وہاں زخمی

میں رکھا گیا تھا۔ اس لئے کہ نکسار بھی جنگ کا بڑا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ اس طرح جہاں نکور نے اپنے لشکر کے ساتھ جنگ کی تیاری کو آخری شکل دے دی تھی۔ سلطان عزالدین کیکاؤس بھی اس پر ضرب لگانے کے لئے پوری طرح تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔

دوسری طرف نکور نے بھی اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ درمیانی حصہ میں وہ خود رہا اور اپنے ساتھ اپنے نائب کی حیثیت سے اس نے اپنے سالار لیغون کو رکھا تھا اور باقی دو حصوں کی کمانداری بورمان اور راسکو کے سپرد کی تھی۔ چنانچہ سارے انتظامات مکمل کرنے کے بعد نکور نے حملے کی ابتدا کی اور وہ سلطان کے لشکر پر بربادی کی علامت بننے آسبوں کے سایوں، سماعتوں پر اترتی گرم ہواؤں کی سلگا ہٹ، ظلم کی طیلان کھولتے موت کے اُٹتے عذابوں، دکھ کی میعاد بڑھاتے اُن دیکھے شاطرانہ ڈھنگ کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اپنی جوانی کا روئی کرتے ہوئے سلطان عزالدین نے اپنے معمول کی طرح جذبوں کی مہک میں ڈوبے شیریں سخن حریم جان کے شہر، یادوں کے صحنوں میں رسیلی میٹھی پھوار، محبتوں کے خمار کی طرح برستی صداؤں میں بکسیریں بلند کی تھیں۔ اس کے بعد سلطان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور نکور کے لشکر پر خاموشی کے قتل توڑتی قہرمانیت کا شور کرتی اُن گنت لہروں، بھاگتی عمر کے صحرا میں ہر شے کو مٹی میں ملائی آندھیوں، نارسائی کی لکیریں کھینچتی کھلی سفایوں کی کہانیوں اور سچیلے کف اڑاتے ساگر اور لاہوتی قوتوں کے بحر بے کراں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

سلطان کے ساتھ ہی ساتھ سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی بھی حرکت میں آئے۔ وہ بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکور کے لشکر پر ظلمتوں سے برسر پیکار ہوتے بے روک وائل طوفانوں، اپنے راستے میں آنے والی پیوستہ چٹانوں تک کو ہٹاتے سمندر کی جلاالی تندھارت اور سناٹوں کے ماحول میں بے افق و بے نشان کرتے بدبختی کے بگولے کھڑے کرتے ریگستانوں کی دیوانیوں، بیابانی سرزمین آندھیوں اور سمندر کی بیجانی کیفیت کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

سیف الدین ابوبکر اور مبارز الدین چاولی کے بعد حسام الدین یوسف اور زین الدین بشارہ نے اپنے کام کی ابتدا کی اور وہ بھی زندگی کو خون میں نہلاتے کرب کے ہولناک

اپنی عاجزی، اپنی انکساری اور اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ جو خط نکور نے سلطان کے نام لکھا، مورخین اس خط کے مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”حضور کی خدمت میں میری جو کچھ شکایات پہنچی تھیں، ان کی سزا میں نے پالی ہے۔ اب عرض یہ ہے، میرے امراء مارے جا چکے ہیں۔ میرا ملک برگشتہ ہے، لشکر تقریباً سب کام آچکا ہے۔ جہاں پناہ کی بے انتہا کرم نوازی سے توقع ہے کہ میرا گناہ بخش دیں گے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اگر مجھے معاف نہ فرمائیں گے تو میرا ملک مجھ سے لے کر کسی دوسرے کو عنایت کر دیں گے۔ لیکن بندہ اقرار کرتا ہے کہ اب ہمیشہ مطیع رہے گا۔ آئندہ سے دو گنا خراج ادا کیا کرے گا۔ نیز ہر سال مقررہ رقم کے علاوہ جس جگہ سلطان کا حکم ہوگا، وہاں سلطان کی خدمت میں پانچ سو سوار مہیا کرے گا۔“

سلطان نے نکور کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ چنانچہ نکور نے سلطان کے بڑے بڑے سالاروں سے گزارش کی کہ سلطان سے اسے معافی دلا دیں۔ چنانچہ سلطان نے اسے معاف کر دیا اور آخر کار یہ طے پایا کہ نکور ہر سال بیس ہزار دینار بطور خراج پیش کرے گا اور مناسب سامان اور تحائف کے ساتھ خزانہ میں جمع کرایا کرے گا۔ پہلے کا جو خراج اس کے ذمہ باقی ہے، اسے بھی ادا کرے گا اور آئندہ کے لئے اطاعت اور فرمانبرداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا۔

چنانچہ اس شرط پر سلطان نے نکور کی مملکت اس کے حوالے کر دی۔ نکور نے موجودہ خراج کے علاوہ سلطان کی خدمت میں پچھلا خراج بھی بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش کر دیا تھا۔

جس روز سلطان نے قونیہ کے لئے روانہ ہونا تھا، اس روز جوزین کی حالت بڑی اتر ہو گئی تھی۔ وہ بڑی شدت کی تکلیف میں تھی۔ کوچ سے کچھ پہلے سیکس اپنے خیمے میں جوزین کے لئے کچھ پکا کر لانے کے لئے گئی تھی، اس موقع پر جب کہ جوزین کے پاس بریزہ، سیف الدین ابوبکر، نکسار اور باز نیک بیٹھے ہوئے تھے، جوزین کی مُردہ سی آواز سنائی دی۔ وہ بریزہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”بریزہ! میری عزیز بہن! قضا کمر کس کے میرے درپے ہے۔ میری سانسون کا تسلسل ختم ہونے والا ہے۔ حیات کی مشعل بجھنے لگی ہے۔ موت کے استعارے ان کہی

حالت میں جوزین پڑی ہوئی تھی۔

سیف الدین نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ خون میں لت پت تھی۔ اس کے سر پر خود اسی طرح پڑا تھا۔ وہ جنگی لباس پہنے ہوئے تھی۔ آگے بڑھ کر سیف الدین ابوبکر نے اسے اٹھایا اور اسے لے کر اپنے خیمے کی طرف بھاگا۔ جب وہ اپنے خیمے میں داخل ہوا اس وقت خیمے میں بریزہ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ جب کہ سیکس، باز نیک اور نکسار زخمی ہونے والوں کی دیکھ بھال کے علاوہ انہیں پانی پلانے میں مصروف تھے۔

سیف الدین ابوبکر نے جلدی جلدی جوزین کو بستر پر لٹایا پھر بریزہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”میں طبیب کو یہاں بھیجتا ہوں۔ طبیب کے ساتھ بابا بھی یہاں آ جائیں گے۔ اور اگر اماں مل گئیں تو اماں کو بھی تمہارے خیمے میں بھیجتا ہوں۔ تم بابا، باز نیک اور اماں کے ساتھ مل کر اس کی دیکھ بھال کرنا اور جہاں جہاں اس کے زخم ہیں، طبیب سے مرہم پٹی کروانا۔“

بریزہ بوکھلا سی گئی تھی۔ تاہم وہ جلدی جلدی جوزین کو سنبھالنے لگی تھی جب کہ سیف الدین ابوبکر بھاگتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

جس وقت سیف الدین بھاگتا ہوا باہر نکلا تھا، بریزہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ سیف الدین کے کپڑے بھی لہولہاں تھے۔ بہر حال سیف الدین ابوبکر کے جانے کے تھوڑی دیر بعد نکسار، باز نیک اور سیکس بھی وہاں آ گئے۔ ان کے ساتھ طبیب بھی تھا اور سیکس اور بریزہ دونوں مل کر جوزین کے زخموں کی مرہم پٹی کروانے لگی تھیں۔

زخم دیکھنے کے بعد طبیب پریشان ہو گیا تھا۔ ایک گہری نگاہ اس نے پہلے سامنے بیٹھی بریزہ اور سیکس پر ڈالی، پھر اس کی نگاہیں نکسار پر جم گئیں اور نئی میں اس نے گردن ہلا دی۔ اس کا اشارہ یہ تھا کہ جوزین کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔

بہر حال وہ چاروں مل کر جوزین کی دیکھ بھال کرنے لگے تھے۔ جہاں جہاں زخم تھے، طبیب نے پٹیاں تو باندھ دی تھیں لیکن کئی زخموں سے خون رک نہیں رہا تھا۔

دوسری طرف نکور کو جب خبر ہوئی کہ سلطان نے اس کو تلاش کرنے کے لئے اپنے کچھ دستے مقرر کئے ہیں تو وہ جان گیا کہ سلطان اسے تلاش کے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ لہذا جہاں وہ ایک قلعہ کے اندر جا کر محصور ہو گیا تھا۔ وہاں سے اس نے سلطان کے نام ایک خط لکھا۔

اسلم راہی ایم اے کے ولولہ انگیز تاریخی ناول

- * ہلاکو خان.....
- * سلطان برکیاروق.....
- * سرکش راجکماری.....
- * ایلہ.....
- * جہانگیر و نور جہاں.....
- * بعل دیوتا کے پجاری.....
- * بے سحررات کے مسافر.....
- * فرعون موسیٰ.....
- * سلطان محمود غزنوی.....
- * سلطان اُدرخان.....
- * شیبانی خان.....
- * ابو مسلم خراسانی.....
- * نادر شاہ افشار.....
- * عقبہ بن نافع.....
- * چاند بی.....
- * سارس اعظم.....
- * شیطان کے گمشدے.....
- * خالد بن ولید.....
- * محمد شاہ رگیلا.....
- * یلغار.....
- * سکندر اعظم.....

داستانوں، کوندتی برقی تپاں، دائرے بناتے بھنور کی طرح مجھے زندگی کے آخری پیغام دینے لگے ہیں۔ میں اپنی ذات کی انا اور آن کو بھولنے لگی ہوں۔ وقت کی غیر محسوس چکی میں جانے پہچانے رشتے، بھولے بسرے ہونے لگے ہیں۔“

آخری الفاظ جوزین نے بڑی مشکل سے ادا کئے تھے۔ پھر وہ لرزتی آواز میں کہنے لگی۔
”ذرا میرا لباس تبدیل کرادو۔“

یہ الفاظ سن کر نکسار، باز نیک اور سیف الدین اٹھ کر خیمے سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد جوزین اپنا ہاتھ اور اپنا سر تونہ ہلا سکی تھی، آنکھوں کے اشارے سے اس نے بریزہ کو قریب ہونے کے لئے کہا۔ بریزہ جب اپنا کان اس کے منہ کے قریب لے گئی، تب مردہ سی آواز میں جوزین کہنے لگی۔

”تمہارے کہنے کے مطابق اپنی زندگی کا ساتھی بنانے کے لئے میں نے ایک شخص کا انتخاب ضرور کیا تھا۔ لیکن میں اسے اپنا نہیں سکتی تھی۔ اس لئے کہ تم میری چھوٹی بہن ہو۔ میں تمہاری محبت کو تقسیم نہیں کرنا چاہتی تھی۔“

یہ الفاظ جوزین نے بڑی مشکل سے ادا کئے۔ اس کے بعد اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی اور وہ ختم ہو گئی تھی۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے بریزہ زور زور سے رونے لگی تھی۔

اس کے رونے کی آواز سن کر نکسار، سیف الدین اور باز نیک بھاگتے ہوئے اندر آ گئے تھے۔ دوسرے خیمے سے رونے کی آوازیں سن کر سیمس بھی آ گئی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ جوزین مر چکی ہے تب بریزہ کے ساتھ بیٹھ کر اس کی ماں سیمس بھی رونے لگی تھی۔
اُسی روز جوزین کی لاش کو برف بھرے تابوت میں رکھ کر ایک چھڑے میں لا دیا گیا اور پھر سلطان اپنے لشکر کے ساتھ قونیہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

(تمت بالخیر)